مختصر تاریخ پاکستان و ہند

مصنف: مولانا غلام رسول مہر

maablib.org

مختصر تاریخ پاکستان و ہند

مصنفہ
مولانا غلام رسول مہر

پبلشرز
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
☆ لاہور ☆ حیدرآباد ☆ کراچی

maablib.org

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا مکمل یا کوئی بھی حصہ کسی طرح بھی نقل نہیں کیا جاسکتا۔ اشاعت کی غرض سے مکمل یا جزوی طور پر اس کتاب کی فوٹو کاپی بھی نہیں کی جاسکتی۔ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے گی۔

ALL RIGHTS ARE RESERVED

All rights are reserved. No part of this book may be reproduced, stored in retrieval system or transmitted in any form or by any means, electronic, mechanical, photocopying, recording or otherwise without the prior written permission of **Sheikh Ghulam Ali and Sons (Pvt.)Ltd.Publisher**

website

www.ghulamali.com.pk

E-mail: niazasad@hotmail.com

طابع: شیخ نیاز احمد

مطبع: غلام علی پرنٹرز، اشرفیہ پارک، فیروز پور روڈ، لاہور

اشاعت: ۲۰۱۵ء

مقام اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز

199-سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور-54000

لاہور فون: (042) 37352908/37323951

فہرست

حصہ اوّل

مسلمانوں سے پیشتر کا زمانہ 9

۱ ملک، باشندے اور تاریخ 10
۲ آریوں کا زمانہ 17
۳ جین مت اور بدھ مت 28
۴ دارا اور سکندر کے حملے 33
۵ موریا خاندان کا راج 36
۶ اشوک کے بعد کا دور 44
۷ گپت خاندان اور ہرش 48
۸ ساتویں صدی سے بارہویں صدی تک 55
☆ واقعات و سنین 60
☆ موریا اور گپت خاندان کے شجرے 64-66

حصہ دوم

پہلا اسلامی دور 68

۱ ہندوستان میں اسلام کا پہلا قدم 69
۲ سندھ پر اسلامی حملے کے اسباب 75
۳ فتح سندھ و ملتان 80
۴ سندھ میں عربوں کی حکومت 84
۵ دولتِ غزنویہ 89
۶ شہاب الدین محمد غوری 101
۷ ایبک اور آرام شاہ 110
۸ التمش اور اس کے جانشین 115
۹ بلبن اور کیقباد 124
۱۰ خلجیوں کی بادشاہی 132
۱۱ تغلق سلطان 146
۱۲ وحدت کے بعد انتشار 161
۱۳ سادات اور لودھی 166
۱۴ مسلمانوں کا دورِ حکومت 180
۱۵ ہندوستان کی تہذیب اسلامی عہد میں 188
☆ واقعات و سنین 194
☆ بادشاہی خاندانوں کے شجرے 203

حصہ سوم

دوسرا اسلامی دَور 215

۱ بابر اور ہمایوں 216

۲ سوری، افغان اور ہمایوں 229

۳ جلال الدین اکبر 238

۴ اکبر کا عہدِ حکومت 251

۵ نورالدین محمد جہانگیر 258

۶ شہاب الدین محمد شاہجہان 268

۷ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر 281

۸ مغل سلطنت کی شام 297

۹ مغلوں کا دورِ حکمرانی 308

☆ واقعات و سنین 313

☆ مغلوں کا شجرہ 323

☆ سوریوں کا شجرہ 325

☆ مرہٹہ پیشواؤں کا شجرہ 329

حصہ چہارم

انگریزی دَور 331

۱ ہندوستان میں فرنگیوں کی آمد 332

۲ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی آویزش 339

۳ انگریز بنگال میں 346

۴ انگریزی سلطنت کی داغ بیل 356

۵ حیدر علی اور ٹیپو سلطان 368

۶ انگریزی سلطنت کا پھیلاؤ 376

۷ ہندوستان تاجِ برطانیہ کے ماتحت 388

۸ آئینی اصلاحات اور سیاسی تحریکات 402

۹ ماؤنٹ بیٹن اور تقسیمِ ہند 410

۱۰ واقعات و سنین 413

حصہ پنجم

تاریخ پاکستان 421

۱ آزاد حکومت کا نصب العین 422

۲ پاکستان کا ابتدائی دور 429

۳ پاکستان کا نظم و نسق 436

عرضِ ناشر

ہمارے ادارے سے مولانا غلام رسول مہر مرحوم و مغفور کا عملی و علمی تعاون تو قیامِ پاکستان کے ساتھ شروع ہوا لیکن ان سے تعلق ان کے زمانۂ طالب علمی میں قائم ہو گیا تھا جب ہمارے بزرگ شیخ مبارک علی کے ان سے دوستانہ مراسم استوار ہوئے۔ مولانا مہر کی پہلی تصنیف ''غالب'' کو شیخ مبارک علی مرحوم کے ادارے ہی نے شائع کیا تھا جس کا پہلا پاکستانی ایڈیشن ہمارے ادارے نے اب فروری ۲۰۱۴ء میں خاص اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا مہر نے ہمارے ادارے کے لیے سکول کے بچوں کی درسی کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا تھا جن میں سے دو کتابیں بعد میں مستقل سوانحی اور تاریخی کتابوں کی شکل میں شائع کی گئیں۔ پہلی کتاب سیرت النبیؐ پر مشتمل ''سرورِ عالمؐ'' جو مدت ہوئی سٹاک میں ختم ہو چکی ہے اور جسے اب دوبارہ شائع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ دوسری کتاب ''مختصر تاریخ اسلام'' ہے جو مسلسل شائع ہو رہی ہے اور علمی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ دنیا کی عظیم شخصیات کے سوانح پر مشتمل کتاب ''مشاہیر'' کو ہم نے ابھی حال ہی میں شائع کیا ہے۔ زیرِ نظر تصنیف ''مختصر تاریخ پاکستان و ہند'' نویں اور دسویں جماعت کے لیے دو حصوں میں ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی اور پنجاب اور ریاست بہاولپور میں بہت مقبول تھی۔ یہ ون یونٹ کے قیام تک (۱۹۵۵ء) مسلسل شائع ہوتی رہی۔

تاریخ نگاری میں مولانا غلام رسول مہر کا نام نہایت معتبر ہے۔ سید احمد شہید اور ان کی تحریک پر جو کام مولانا مہر نے کیا، ابھی تک حرفِ آخر مانا جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور ۱۸۵۷ء کے مجاہدین پر مولانا کی دو کتابیں ہمارے ادارے نے شائع کیں اور اس موضوع پر مستند تاریخوں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔

"مختصر تاریخ پاک و ہند" کے متعلق بھی ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اس موضوع پر اتنی مختصر لیکن اتنی مستند اور جامع کتاب اردو زبان میں کوئی اور نہیں ملے گی۔ مولانا غلام رسول مہر صرف تاریخ نگار نہیں بلکہ انیسویں صدی کے نصف اوّل میں برصغیر کی تاریخ کے معمار بھی رہے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں صرف تاریخی حقائق ہی بیان کیے گئے ہیں، افسانے نہیں تراشے گئے۔

مولانا نے اُس زمانے میں مڈل کلاسز کے لیے الگ تاریخ لکھی اور ہائی کلاسز کے لیے الگ۔ ہماری یہ پیشکش ہائی کلاسز کے لیے لکھی گئی "تاریخ پاکستان و ہند" پر مشتمل ہے۔ تقابلی جائزہ لینے پر ہم نے محسوس کیا کہ چند مقامات پر مڈل کلاس کی کتاب میں زیادہ تفصیلی معلومات ہیں، مثلاً "رضیہ سلطانہ" کے باب میں۔ ہم نے ایسی معلومات کو بھی اس کتاب میں سمو دیا ہے اور ایسے اضافوں کو بڑی بریکٹ () سے واضح کر دیا ہے۔ اس طرح اس کتاب میں تشنگی کا احساس نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ ہم نے رجال اور اماکن کا اشاریہ بھی تیار کروا کر شامل کر دیا ہے جو کسی بھی حوالہ جاتی کتاب کا لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ اس سے کتاب کی افادیت میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔

آخر میں ہم قارئینِ کرام کو یہ خوش خبری بھی سنا دیں کہ مولانا غلام رسول مہر کی ایک اب تک غیر مطبوعہ کتاب جو ٹیپو سلطان شہید کے سوانح پر مشتمل ہے، ہم بہت جلد علمی حلقوں کی خدمت میں پیش کریں گے۔ مسودے کی نقل کا کام جاری ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ کمپوزنگ کی غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ دوسرا ایڈیشن ایسی خامیوں سے پاک ہو۔

اسد نیاز
۲ ستمبر ۲۰۱۵ء

دیباچہ

تاریخ عالمِ انسانیت کے تجربات کا عجائب خانہ ہے۔ اس میں زمانۂ ماضی کے واقعات اور ان کے نتائج اس غرض سے فراہم رکھے جاتے ہیں کہ آنے والی نسلیں ان سے فائدہ اُٹھائیں، اس آئینے کو سامنے رکھ کر اپنے مستقبل کا نقشہ درست کر لیں، اگلوں کی اچھائیوں اور خوبیوں کو دلیلِ راہ بنائیں اور ان کی غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رہیں۔ اگر زندگی کو ایک بے کراں سمندر فرض کیا جائے، جس کے سینے پر ہر وقت قوموں اور ملکوں کے سفینے دوڑتے رہتے ہیں تو تاریخ اس سمندر میں روشنی کا مینار ہے، جس کے ذریعے سے مسافروں کو خطرات سے بچتے ہوئے ساحلِ مراد پر پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔

تاریخ نگاری کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ جو کچھ پیش آ چکا ہے، اسے زیادہ سے زیادہ احتیاط کے ساتھ صحیح رنگ میں مرتب کر دیا جائے اور ذاتی رُجحانات یا شخصی پسند و ناپسند کی ہلکی سی پرچھائیں بھی واقعات کے چہرے پر نہ پڑنے پائے۔ دِلی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں کی درسگاہوں میں، انگریزوں کے زیرِ سرپرستی، تاریخی نصاب کی جو کتابیں تقریباً ایک صدی سے پڑھائی جاتی رہیں، وہ سچائی، راستی اور حق گوئی کے جوہروں سے بڑی حد تک عاری تھیں۔ ان میں واقعات و حالات کو حقیقی صورت میں پیش کرنے کے بجائے لکھنے والوں یا لکھانے والوں کے خاص مقاصد کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا گیا۔ خصوصاً اسلامی عہد کی تاریخ جن تعدّیوں کا تختۂ مشق بنائی گئی، ان کی داستان بڑی ہی غم ناک اور دردانگیز ہے۔ اگر کہا جائے کہ اسلامی عہد کی تاریخ کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تو یہ مبالغہ نہ ہوگا، بلکہ حقیقت کا اظہار ہوگا۔

اس معاملے پر تفصیل کے ساتھ بحث کا یہ موقع نہیں لیکن اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ان کتابوں کی ترتیب کے پہلے ذمہ دار انگریز تھے، جنہوں نے سلطنت مسلمانوں سے چھینی تھی۔ ان کے نزدیک اپنی حکومت کو ہر دل عزیز بنانے کا سہل اور آسان طریقہ یہی تھا کہ وہ اسلامی عہد کی

تمام خوبیوں پر پردے ڈالتے اور ہر ممکن کاوش سے برائیاں پیدا کر کے انھیں اُبھارنے میں زورِ تحریر صرف کرتے۔ پھر برادرانِ وطن کو تعلیمی کتابوں کی ترتیب میں عمل دخل کا موقع ملا۔ انھوں نے مسلمانوں سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے جوش میں انگریزوں کے شروع کیے ہوئے کام کی رفتار اور بھی تیز کر دی۔

ان کتابوں کو پڑھانے کا نتیجہ کیا نکلا؟ غیر مسلموں کو چھوڑ دیجیے، جن مسلمانوں کا مطالعہ عام تاریخی کتاب تک محدود ہے، وہ بھی اپنی گیارہ سو برس کی فرماں روائی میں جائز فخر کا کوئی قابلِ ذکر سرمایہ نہیں پاتے یا سادہ لوحی سے ان باتوں پر فخر کرتے ہیں، جو سراسر بے اصل تھیں اور داستان بافوں نے اس غرض سے وضع کر کے مسلمان بادشاہوں کے ذمے لگا دی تھیں کہ وہ بدنام ہوں۔

جو کتاب اب آپ کے ملاحظے میں پیش کی جا رہی ہے، یہ تمام حالات کو زیادہ سے زیادہ صحیح رنگ میں پیش کرنے کی پہلی کوشش ہے۔ اس کے نمایاں پہلو یہ ہیں۔

۱۔ اسلامی تاریخ کو پہلی مرتبہ اس کی اہمیت کے مطابق درجہ دیا گیا ہے۔ تاریخی نقطۂ نگاہ سے یہی دَور ملک کی عظمت و برتری کا زرّیں دَور ہے۔

۲۔ حالات کی چھان بین میں مروّجہ اور متداول کتابوں پر بھروسا نہیں کیا گیا بلکہ اصل مآخذ سامنے رکھے گئے ہیں۔

۳۔ واقعات کے بیان میں صرف سچائی کو سامنے رکھا گیا ہے۔ نہ کسی پہلو کو رنگ آمیزی سے اُبھارا گیا ہے، نہ کسی حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، نہ کسی مسلمان حکمران کی برائیوں کو چھپایا گیا ہے اور نہ کسی غیر مسلم حکمران کی خوبیوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

۴۔ ایسے کئی واقعات تھے جن پر ایک صدی سے غلط بیانیوں کی دبیز تہیں چڑھا دی گئی تھیں۔ انھیں چھیل کر ہر واقعہ کو اصل رنگ میں سامنے رکھ دیا گیا ہے، لیکن کتاب چوں کہ طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے، اس لیے اس میں دقیق علمی بحثیں نہیں چھیڑی گئیں۔

۵۔ حالات بیان کرتے وقت ان کے پس منظر اور متعلقات کو بھی اختصار کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے تاکہ مطالعہ کرنے والے کو ہر بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوتا جائے۔

۶۔ اندازِ تحریر زیادہ سے زیادہ آسان اور سلیس رکھا گیا ہے تاکہ طالب علم کو کتاب بہ طور خود

پڑھنے میں بھی کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ سلاست کے باوجود عبارت جاندار، دل نشیں اور اثر انگیز ہے تاکہ پڑھنے والا مضمون کو بوجھ نہ سمجھے بلکہ دلی ذوق کے ساتھ پڑھے اور تاریخی آگاہی کے ساتھ ساتھ اس کا ادبی مذاق بھی سلجھتا رہے۔

۷۔ ہر عہد کے اختتام پر دو جدولیں تیار کر کے لگا دی گئی ہیں: ایک واقعات و سنین کی جدول، دوسری حکمران خاندانوں کے شجروں کے ساتھ ساتھ مختلف افراد کے نمایاں کارناموں کی جدول۔ ان جدولوں کو ایک نظر دیکھ لینے سے طالب علم پوری کتاب کے مطالب کی یاد تازہ کر سکتا ہے۔

۸۔ بعض الفاظ کا املا مروّجہ املا سے مختلف نظر آئے گا۔ مؤلف کے نزدیک صحیح املا وہی ہے جو کتاب میں اختیار کیا گیا ہے۔

۹۔ اردو کی کتابوں میں عام طور پر اوقاف کا خیال کم رکھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں اوقاف درست رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ اگر کسی مقام پر اوقاف کی غلطی نظر آئے تو سمجھنا چاہیے کہ کاتبوں نے مؤلف کے اہتمام کے خلاف اپنی رائے کی پیروی پر اصرار کیا۔ لیتھو کی چھپائی کا جن اصحاب کو تجربہ ہے، وہی اس بارے میں مشکلات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ تاریخ کی کتاب میں مختلف قوموں اور گروہوں کی باہمی کشمکش کے ہنگامے قدم قدم پر زیرِ بحث آتے ہیں۔ مؤلف نے ایسا متوازن اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے کہ اختلاف رکھنے والے اصحاب کو بھی کتاب پڑھتے وقت انشاءاللہ کوئی تلخی محسوس نہ ہوگی۔

۱۱۔ یہ کتاب محض بادشاہوں کے حالات کا مرقع نہیں بلکہ اس میں عام ملکی حالات کو اجتماعی رنگ میں پیش کرنے کا بھی پورا خیال رکھا گیا ہے اور تاریخ نگاری کا جدید نظریہ یہی ہے۔

۱۲۔ پاکستان، دراصل، آزاد اسلامی حکومت کا محبوب ترین قومی نصب العین تھا، جو مغلوں کا زوال شروع ہوتے ہی دور بین اور حساس مسلمانوں کے سامنے آ گیا تھا اور اس کے لیے ہر عہد میں احوال و ظروف کے مطابق جدوجہد جاری رہی۔ پیشِ نظر کتاب میں پہلی مرتبہ اس نصب العین کی سرگزشت کی مختلف کڑیاں ترتیب کے ساتھ اختصاراً بیان

کی گئی ہیں۔ مؤلف کے نزدیک یہ سرگزشت تاریخ پاکستان کا مقدمہ ہے۔

یہ کتاب کی چند نمایاں خصوصیات ہیں۔ مؤلف نے اپنے ناچیز علم ونظر کے مطابق اسے ایک معیاری کتاب بنانے میں کوتاہی نہیں کی۔ وہ کس حد تک کامیاب ہوا؟ اس بارے میں کچھ عرض کرنا اس کا منصب نہیں۔ صرف یہ آرزو مشعلِ راہ رہی کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہمارے نونہال سرگزشتِ ماضی سے ٹھیک ٹھیک آگاہ ہو جائیں تاکہ وہ اپنے کارناموں کو سامنے رکھ کر اپنے مقام و مرتبہ کو سمجھ لیں۔ پھر عزم، عمل اور یقین کی اس روح سے سرشار ہو کر قومی واجبات کو پورا کر سکیں، جو عالم اسباب میں امتیاز و برتری کا حقیقی سرمایہ ہے۔ دُعا ہے خدائے بزرگ و برتر اس آرزو کو پورا کرے۔ اسی کو مؤلف اپنی محنت و دیدہ ریزی کی مطلوب جزا سمجھتا ہے۔

☆.....☆.....☆

تاریخ پاکستان و ہند

حصہ اوّل

مسلمانوں سے پیشتر کا زمانہ

از ابتداء ـــــــــ ۱۱۹۲ء

maablib.org

پہلا باب

ملک، باشندے اور تاریخ

ملک کی وضع اور کیفیت: جس ملک کو پہلے ہندوستان کہتے تھے اور اب وہ دو مستقل اور آزاد حکومتوں میں بٹ گیا ہے، ایک پاکستان، دوسری ہندوستان۔ اس کی مجموعی شکل ایک مثلث جزیرہ نما کی سی ہے، ایسی مثلث جو اُلٹی لٹکی ہوئی ہو، یعنی اس کا قاعدہ اوپر ہو اور زاویہ راس (اوپر کا زاویہ) نیچے ہو۔

اس کے شمال میں ہمالیہ کی قدرتی دیوار ہے جو مشرق سے مغرب تک پورے ملک کی شمالی حد کو گھیرے کھڑی ہے۔ اس کوہستانی دیوار کے دونوں سروں سے دو پہاڑی سلسلے نکل کر نیچے کی طرف سمندر تک چلے گئے ہیں۔ مشرقی پہاڑوں کے سلسلے نے ہندوستان کو برما سے الگ کر دیا ہے۔ مغربی سلسلہ افغانستان اور بلوچستان کے سامنے حائل ہو گیا ہے۔

پہاڑوں کی یہ قدرتی دیواریں اور اتھاہ سمندر ہندوستان کے لیے بیرونی حملوں سے حفاظت کے نہایت عمدہ سامان بن گئے تھے، لیکن ملک اتنا زرخیز اور انسانی ضرورت کی تمام جنسوں سے اس درجہ لبریز تھا کہ ہمیشہ باہر سے قوموں کے سیل یہاں آتے رہے اور ہندوستان، نسلوں اور قوموں کی آمیزش کا ایک ایسا نمونہ بن گیا، جس کی مثال دوسری جگہ شاید ہی مل سکے۔

طبعی تقسیم: زمین کی عام حیثیت اور طبعی خصوصیات کے اعتبار سے ملک کئی حصّوں میں منقسم ہے۔ سب سے پہلے ہمالیہ کا کوہستانی علاقہ ہے، جس میں آبادی نسبتاً کم ہے، لیکن جہاں جہاں اچھی وادیاں اور ہموار میدان پیدا ہو گئے ہیں، وہاں شہر، بستیاں اور گاؤں بہ کثرت ملتے ہیں۔ خصوصاً گرمی کے موسم میں میدانی علاقوں کے باشندے لُو اور دھوپ کی تیزی سے گھبرا کر پہاڑی علاقوں میں چلے جاتے ہیں تو وہاں خاصی چہل پہل ہو جاتی ہے۔ نیپال، بھوٹان، کشمیر کے علاوہ بیسیوں چھوٹی بڑی ریاستیں ان پہاڑی علاقوں میں واقع ہیں۔

دوسرا حصّہ شمالی ہند کے میدانی علاقوں پر مشتمل ہے۔ یہ میدان ہمالیہ کے دامن سے

لے کر وسط ہند تک پھیلے ہوئے ہیں۔ پنجاب، سندھ، دہلی، یوپی، بہار، بنگال، راجپوتانہ وغیرہ اسی حصے میں ہیں۔ ان میں سے راجپوتانہ نسبتاً خشک اور کم آب ہے، یعنی وہاں کوئی قابلِ ذکر دریا نہیں۔ باقی تمام حصّوں میں دریاؤں کا جال بچھا ہوا ہے۔ شمال میں سندھ اور اس کے معاون دریا بہتے ہیں۔ یوپی کو گنگا و جمنا اور ان کے معاون سیراب کرتے ہیں۔ پھر ان دریاؤں کا پانی بہار و بنگال میں پہنچ جاتا ہے۔ اوپر سے برہم پتر اور اس کے معاون آجاتے ہیں۔ انھیں زرخیز سیراب میدانوں میں ہندوستان کی عالی شان حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوتی رہیں جن کے تذکرے ملکی تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

شمالی ہندوستان، جس کو زمانۂ قدیم میں اصل ہندوستان سمجھا جاتا تھا، ان دو حصّوں ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے جنوب میں پھر ایک پہاڑی دیوار کھڑی ہے جو اگرچہ زیادہ اونچی نہیں لیکن شمالی اور جنوبی ہند کے مابین روک بنی رہی ہے۔ اس کے مغربی حصّے کا نام اراولی پربت ہے۔ بڑے حصّے کو جو وسط اور مشرق میں پھیلا ہوا ہے، وندھیا چل کہتے ہیں۔ اس سے متصل جنوب میں جو سلسلۂ کوہ ہے، اس کا نام ست پڑا ہے۔ اس دوہری دیوار کے بعد دکن کی سطح مرتفع، یعنی بلند سر زمین، شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ہندوستان کا تیسرا حصّہ ہے۔ جنوب میں راس کماری تک کے مثلث خطّے کو چوتھا علاقہ سمجھنا چاہیے۔

وندھیا چل سے نیچے ہندوستان کے مغربی اور مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ بھی پہاڑوں کی دیواریں جنوب تک چلی گئی ہیں۔ انھیں مغربی گھاٹ اور مشرقی گھاٹ کہتے ہیں۔ مغربی گھاٹ والی دیوار زیادہ اونچی اور مسلسل ہے۔ اس کے اور سمندر کے درمیان فاصلہ کم ہے۔ مشرقی گھاٹ کی دیوار نہ اتنی اونچی ہے اور نہ ویسی مسلسل ہے۔ دکن کی سیرابی کے لیے بھی قدرت نے دریاؤں کے دھارے جاری کر دیے ہیں، جن میں سے گوداوری، کرشنا اور کاویری کو خاص درجہ حاصل ہے۔ یہ سب مغرب سے مشرق کی طرف بہتے ہیں۔

ہندوستان اور دکن (یا کہنا چاہیے شمالی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان) کے درمیان ابتدا سے دریائے نربدا حدِّ فاصل رہا ہے، جو وندھیا چل اور ست پڑا کے بیچ میں سے بہتا ہوا مغربی سمندر میں گرتا ہے۔

انتظامی اور سیاسی تقسیم: جب ملک اکٹھا تھا تو اس کے گیارہ بڑے صوبے تھے۔ یعنی آسام، بنگال، بہار، اڑیسہ، یوپی، صوبجات متوسط، مدراس، بمبئی، سندھ، پنجاب اور صوبہ سرحد۔ پانچ چھوٹے علاقوں کا انتظام براہ راست مرکزی حکومت کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے علاوہ چھوٹی بڑی پانسو باسٹھ دیسی ریاستیں تھیں۔ پورے ملک کا رقبہ پندرہ لاکھ اکاسی ہزار مربع میل اور آبادی چالیس کروڑ کے قریب تھی۔

۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک دو آزاد دولتوں میں بٹ گیا۔ شمال مغرب اور شمال مشرق کے جن حصّوں میں مسلمانوں کی آبادی غیر مسلموں سے زیادہ تھی، انھیں الگ مستقل ملک بنا دیا گیا۔ اس کا نام پاکستان قرار پایا۔ کراچی اس کا صدر مقام ہے۔ باقی ملک کی راجدھانی دِلّی ہے۔ پاکستان کا رقبہ تین لاکھ اکسٹھ ہزار مربع میل اور آبادی تقریباً آٹھ کروڑ ہے۔

نسلیں اور زبانیں: سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور ان میں انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، لیکن عالموں نے انسانوں کے قد و قامت، خدوخال اور رنگ روپ کے اعتبار سے انھیں مختلف گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ ہر گروہ کو الگ "نسل" قرار دیا جاتا ہے۔ پھر ان نسلوں کے میل جول سے نئی نسلیں بنتی گئیں۔

ہندوستان میں ہر نسل کے لوگ آتے رہے اور دوسری نسلوں کے ساتھ رشتے ناطے کے بعد ان میں سے نئے گروہ پیدا ہوتے رہے۔ مثلاً یہاں ترک بھی ہیں، ایرانی بھی۔ آریا بھی ہیں سیتھی بھی۔ دراوڑ بھی ہیں اور منگول بھی۔ پھر ان کی آمیزش سے جو نسلیں بنیں وہ بھی موجود ہیں۔

میل جول کے باوجود سب کے خدوخال اور رنگ روپ میں نمایاں فرق ہے۔ گویا یہ ملک مختلف نسلوں کا ایک عجائب خانہ ہے۔

نسلوں اور قوموں کی طرح یہاں زبانیں بھی مختلف ہیں۔ ہر حصّے کا تمدن، رہنے سہنے کے ڈھنگ اور معاشرت کے طریقے بھی اتنے جداگانہ ہیں کہ اگر ہر گروہ اور ہر حصّے میں سے دو دو چار چار آدمیوں کو لے کر باہر کے کسی آدمی کے سامنے پیش کر دیا جائے تو اسے کبھی یقین نہ آئے کہ یہ سب لوگ ایک ملک کے باشندے ہیں، یا انھیں ایک قوم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ ہند کی حیثیت: ہندوستان بہت بڑا ملک تھا، اتنا بڑا کہ اسے عام طور پر ایک مستقل

برِ کو چک کہا جاتا رہا۔ پشاور سے راس کماری تک دو ہزار میل سے کم فاصلہ نہ ہوگا۔ تقریباً اتنا ہی فاصلہ کراچی سے چانگام تک سمجھنا چاہیے۔ اگر ہم اس زمانے سے بھی حساب لگائیں، جسے اصطلاح میں روایتی تاریخ[1] کا زمانہ کہتے ہیں، تو یہاں چھوٹی بڑی سیکڑوں حکومتیں بنی اور بگڑی ہوں گی، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے پیشتر کے دور کے متعلق تاریخ کا سرمایہ اتنا تھوڑا ہے کہ اسے سامنے رکھ کر دو چار سو برس کی صحیح، مکمل اور مسلسل تاریخ مرتب کرنا بھی مشکل ہے۔ کوئی ایسی کتاب اب تک نہیں ملی جس میں یہاں کے حالات عہد بہ عہد ترتیب کے ساتھ بیان کیے گئے ہوں یا اس کے متعلق دعویٰ کیا جا سکے کہ وہ کسی ایک زمانے کے متعلق پورے ملک کی سرگزشت کا آئینہ ہے۔ یہاں تک کہ تاریخ دانوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اسکندر اعظم کے حملے سے پیشتر کسی واقعہ کا صحیح سال نہیں بتایا جا سکتا اور یہ سال بھی ہمیں یونانی مؤرخ نہ بتاتے تو اس پر اندھیرا چھایا رہتا۔

مآخذ کا نقشہ: غرض مسلمانوں سے پیشتر کے دور کے متعلق ہماری معلومات کے ذریعے بہت محدود ہیں۔ مختلف زمانوں کے حالات میں سے جستہ جستہ جو کچھ علم میں آیا، اسے قیاس کے رشتے سے جوڑ کر ایک کہانی بنائی جا سکتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اسے وہ حیثیت نہیں دی جا سکتی جو ہمارے زمانے میں مستند تاریخی کتابوں کو حاصل ہے۔

پرانے حالات کی جستجو کے بڑے سرچشمے چار ہیں:

۱۔ پرانی مذہبی اور نیم مذہبی کتابیں۔
۲۔ پرانے آثار۔
۳۔ غیر ملکی سیاحوں اور عالموں کی کتابیں۔
۴۔ ملک کی بعض تاریخی تصنیفات۔

مذہبی اور نیم مذہبی کتابیں: مذہبی اور نیم مذہبی کتابوں میں چار ویدوں اور اٹھارہ پُرانوں کے علاوہ رامائن اور مہا بھارت کو گنا جا سکتا ہے۔ ویدوں سے آریاؤں کے مذہبی عقیدوں، رسموں، رہنے سہنے اور حکومت کرنے کے طریقوں کا حال ایک حد تک معلوم ہو سکتا ہے۔ پرانوں میں دوسری باتوں کے علاوہ رشیوں اور راجاؤں کے متعلق وہ کہانیاں بھی جمع کر دی گئی ہیں، جو عام لوگوں کی

زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں، لیکن ان کہانیوں کی تاریخی حیثیت کے متعلق یقین کے ساتھ کوئی حکم لگانا مشکل ہے۔ خدا جانے یہ کہانیاں کب بنیں اور کب لوگوں میں مشہور ہوئیں۔ پھر کیا کہا جا سکتا ہے کہ صدیوں تک ان میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی رہیں یا جب انھیں کتابوں میں درج کیا گیا، اس وقت مختلف گروہوں میں ان کی صورت کیا تھی؟ بہ ہر صورت معلومات کا یہ ذریعہ ہر لحاظ سے بھروسے کے لائق نہیں سمجھا جا سکتا۔

پرانے آثار: پرانے آثار میں مختلف چیزیں آتی ہیں۔ مثلاً قدیم شہروں کے کھنڈر جو زمین کھود کر نکالے گئے ہیں، جیسے سندھ میں ''موہن جوڈرو''، ضلع منٹگمری میں ''ہڑپا''، یا ضلع راولپنڈی میں ''ٹیکسلا''۔ ان کھنڈروں یا ان میں سے نکلی ہوئی چیزوں کو سامنے رکھ کر شہروں کی آبادی یا ان کی تہذیب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آثار میں دوسری قابلِ ذکر چیز وہ کتبے ہیں جو لوہے یا پتھر کی لاٹھوں یا تانبے کی تختیوں یا چٹانوں پر کھدے ہوئے ملے۔ بڑی محنت سے پڑھ کر ان کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ کتبے زیادہ تر اشوک کے زمانے کے ہیں۔

تیسری چیز پرانے سکّے ہیں جن سے کسی تاریخی واقعہ کا پتہ تو نہیں چل سکتا، صرف یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کون سا راجا، کس عہد میں کہاں حکمران تھا۔

چوتھی چیز پرانے بُت یا مجسّمے ہیں جن سے ہم یہ پتہ لگا سکتے ہیں کہ جہاں کسی راجا یا فرماں روا کا مجسّمہ ملا، وہاں تک اس کی حکومت کا سکّہ رواں تھا۔

غیر ملکی کتابیں: بعض حالات ان غیر ملکی عالموں اور سیاحوں کی کتابوں سے معلوم ہوئے ہیں جو مختلف وقتوں میں ہندوستان آئے اور یہاں کے متعلق انھوں نے اپنے مشاہدات قلم بند کر دیے۔ ان میں سے قابلِ ذکر کتابیں یہ ہیں:

۱۔ میگستھنز یونانی کی کتاب، جسے مغربی ایشیا کے بادشاہ سلیوکس یونانی نے سفیر بنا کر چندر گپت موریا کے دربار میں بھیجا تھا۔ یہ ۳۰۲ ق م میں ہندوستان آیا اور ۲۹۸ ق م تک یہاں رہا۔ ملک کے جغرافیائی، انتظامی اور تمدنی حالات کے متعلق معلومات جمع کرتا رہا۔ اس کی کتاب سے چندر گپت موریا کے ہندوستان کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ اصل کتاب نہیں ملتی، اس کے بعض حصّے دوسری کتابوں میں نقل ہو گئے۔

۲۔ چین کے دو مشہور سیاحوں، فاہیان اور ہیون سانگ کے سفر نامے جن میں سے فاہیان نے بکرماجیت اور ہیون سانگ نے ہرش کے زمانے کے حالات لکھے ہیں۔

۳۔ غزنوی دور کے مشہور مسلمان عالم ابوریحان البیرونی کی کتاب۔ البیرونی ۹۷۳ء میں خیوا (ترکستان) میں پیدا ہوا۔ سلطان محمود نے خیوا کو فتح کیا تو یہ غزنین پہنچا۔ پھر ہندوستان آیا۔ اپنے شوق سے سنسکرت پڑھی اور ہندوؤں کے مذہب، معاشرت، رسوم اور دوسری باتوں کے متعلق ضروری معلومات اپنی کتاب میں جمع کر دیں۔ پرانے زمانے کے ہندوستان کے متعلق معلومات کا اس سے زیادہ قابلِ اعتماد ذخیرہ کوئی نہیں۔

ملکی تصنیفات: چند ملکی تصنیفات بھی قابل ذکر ہیں یعنی:

۱۔ ''ارتھ شاستر''، جو چندر گپت موریا کے وزیر چانکیہ برہمن نے لکھی۔

۲۔ ''ہرش چرتر'' یعنی راجا ہرش کی سوانح عمری۔

۳۔ ''راج ترنگنی'' جو کشمیر کی تاریخ ہے۔

لیکن ان کتابوں سے پورے ملک کی تاریخ کے متعلق کیا معلوم ہو سکتا ہے؟ غرض ہمارے سامنے یہی ذریعے ہیں جن سے کام لے کر ہم ابتدا سے مسلمانوں کی آمد تک کے حالات مرتب کر سکتے ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ان حالات کے مجموعے کو صحیح معنوں میں ''تاریخ'' نہیں کہا جا سکتا۔

اسلامی اور انگریزی دور: جب سے مسلمان یہاں آئے، سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں، پورے ملک کی بھی اور اس کے مختلف حصّوں کی بھی۔ ہم اسلامی دور کے جس عہد کے حالات مرتب کرنا چاہیں، بیسیوں کتابیں مل جائیں گی۔ یہی حالت انگریزی دور کی ہے۔ اصل میں یہی دور ہیں جنہیں ہم ہندوستان کے تاریخی دور کہہ سکتے ہیں۔ ان سے پہلے جو زمانہ تھا، اسے تاریخی معلومات کے اعتبار سے بہت کم وقعت دی جا سکتی ہے۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ تاریخ کے تین دور سمجھے گئے ہیں۔ پہلا دور پرانے آثار کا جس کے متعلق نہ کوئی کہانی یا روایت مشہور ہے، نہ اور کسی قسم کا علم ہے۔ ہاں زمین کھود کر نکالے ہوئے آثار یا سکوں سے حالات مرتب کیے جاتے ہیں۔ دوسرا دور روایتی تاریخ کا ہے، یعنی واقعات کتابوں میں تو ٹھیک ٹھیک نہیں لکھے گئے، لیکن ان کے متعلق لوگوں میں کہانیاں مشہور ہو گئیں۔ تیسرا دور وہ ہے جسے تاریخی کہتے ہیں۔ یعنی اس کے متعلق باقاعدہ لکھی ہوئی کتابیں ملتی ہیں۔

۲ اس کا صحیح چینی تلفظ ''ہوآن چوانگ'' ہے۔ فارسی والے ''ہیون تسانگ'' لکھتے ہیں۔ میں نے اس خیال سے ہیون سانگ لکھا کہ یہاں ابتدا سے اس نام کو لکھنے کی یہی شکل رائج ہے۔

دوسرا باب

آریاؤں کا زمانہ

ہندوستان کے قدیم باشندے: کچھ معلوم نہیں کہ اس ملک کے اصلی باشندے کون تھے۔ بعض قدیم قوموں کے بچے کھچے گروہ یہاں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ سمجھا جاتا ہے کہ وہی اس ملک کے اصلی باشندے ہوں گے۔ پھر جب یہاں دوسرے طاقت ور لوگ باہر سے پہنچ گئے، تو اصلی باشندوں کو بھاگ کر پہاڑی علاقوں اور جنگلوں یا صحراؤں میں پناہ لینی پڑی۔ ان میں سب سے پہلے کول قوم کا ذکر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ گونڈ، بھیل اور سنتھال اسی قوم کی شاخیں ہیں۔ یہ لوگ آج کل بنگال، اڑیسہ، صوبجاتِ متوسط اور دکن کے بعض حصّوں میں پائے جاتے ہیں۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ وہ یہیں کے رہنے والے تھے یا باہر سے آئے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ برما کی طرف سے ہندوستان میں داخل ہوئے، لیکن یہ بات قابلِ یقین نہیں کہ ہندوستان جیسا سیراب اور زرخیز ملک کول قوم کی آمد سے پہلے انسانی آبادی سے بالکل خالی تھا۔

دراوڑ: کول قوم کے بعد یہاں دراوڑوں کا سراغ ملتا ہے۔ بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ دراوڑ عراق سے نکل کر بلوچستان اور سندھ ہوتے ہوئے پنجاب پہنچے۔ پھر آگے بڑھ کر گنگا اور جمنا کے سیراب میدانوں میں انھوں نے بستیاں بنالیں۔ سندھ میں ''موہن جوداڑو'' اور پنجاب میں ''ہڑپا'' انھیں کے پرانے شہر بتائے جاتے ہیں۔ جب آریاؤں کا ریلا آیا تو دراوڑوں کا ایک حصہ عراق کی طرف لوٹ گیا، دوسرا حصہ آریاؤں کے مقابلے میں شکستیں کھا کر وندھیا چل سے گزرتا ہوا دکن پہنچ گیا۔ بعض مؤرخوں کے نزدیک دراوڑوں کا اصل وطن دکن ہی تھا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ شمالی ہند کے زرخیز میدانوں میں پہنچے، لیکن آریاؤں نے انھیں دوبارہ نیچے کی طرف دھکیل دیا۔

حقیقتِ حال خواہ کچھ ہو لیکن اس بات میں شبہ نہیں کہ دراوڑ لوگ تہذیب و تمدن کی منزلیں طے کر چکے تھے اور عراق کے ساتھ ان کو کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا، اس لیے کہ پرانے آثار ان دونوں ملکوں کی تہذیبوں میں ایک گونہ یکسانی کی گواہی دے رہے ہیں۔

دراوڑوں کی تہذیب کے متعلق ہماری معلومات یہ ہیں کہ وہ کاشت کاری میں خاصی ترقی کر چکے تھے اور مویشی پالتے تھے۔ انھوں نے بڑے بڑے شہر بنائے تھے۔ اپنے سرداروں کو ''رائے'' کہتے تھے۔ کپڑا بننا سیکھ گئے تھے۔ سونے چاندی کے زیور بنانا جانتے تھے۔ کشتیاں اور جہاز چلاتے تھے۔ البتہ ان کے مذہبی تصورات پست تھے۔ وہ درختوں اور سانپوں کی پوجا کرتے تھے۔ بھوت پریت کے بہت قائل تھے۔ دراوڑوں کے یہ مذہبی تصورات بعد میں آریاؤں نے بھی قبول کر لیے۔ ہندوؤں کے بعض طبقوں میں یہ چیزیں اب تک موجود ہیں۔

آریا: ہندوستان کی تاریخی کہانی کا آغاز اصل میں آریاؤں کی آمد سے ہوتا ہے۔ اب یہ بات پکی ہو چکی ہے کہ آریا پہلے وسط ایشیا میں رہتے تھے۔ وہاں سے اُٹھے تو ان کے سیل زرخیز میدانوں کی تلاش میں ہر سمت بہ نکلے۔ کچھ گروہ یورپ کی طرف گئے۔ کچھ گروہوں نے افغانستان اور ایران میں سکونت اختیار کر لی۔ کچھ ہندوستان کے شمالی و مغربی درّوں سے گزر کر پنجاب پہنچ گئے۔ ان آخری گروہوں کو ''انڈو آرین'' یعنی ''ہندی آریا'' کہتے ہیں۔

ملک سرسبز و سیراب تھا۔ دُور دُور تک کھلے میدان اور وسیع چراگاہیں تھیں۔ انسانی ضرورت کی عام چیزیں ہر مقام پر کثرت سے ملتی تھیں۔ پہلے آنے والوں کی فارغ البالی اور خوشحالی کو دیکھ کر دوسرے گروہوں کے دل میں بھی ادھر کی کشش پیدا ہوئی اور جتھوں پر جتھے آنے لگے۔ کچھ معلوم نہیں کہ کب ان کی آمد شروع ہوئی اور کب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ قیاس کہتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تین ہزار برس پیشتر یہاں پہنچے ہوں گے اور کئی صدیوں تک نئے نئے گروہوں کی آمد جاری رہی ہوگی۔

آریاؤں کا پھیلاؤ: وہ پہلے دریائے سندھ کے کنارے آباد ہوئے۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقے میں زیادہ دیر رہے اور یہیں ان کی مذہبی کتابیں مرتب ہوئیں جنہیں وید کہتے ہیں۔ اس علاقے کا نام انھوں نے ''برہم ورت'' یعنی ''خدا کی زمین'' رکھا تھا۔ تھانیسر اسی وجہ سے ہندوؤں میں مقدس مانا گیا کہ ابتدا میں یہی مقام آریاؤں کا مذہبی مرکز تھا۔

جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی یا نئے نئے گروہ آتے گئے، آریا پیش قدمی کر کے نئی زرخیز زمینوں پر قبضہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ گنگا اور جمنا کے دوآبے یا ان دریاؤں کے معاونوں کی سیراب کی ہوئی زمینوں پر چھا گئے۔ جہاں مناسب جگہ دیکھی دھرم استھان یا مذہبی مرکز بنا لیا۔ جس

طرح پہلے تھانیسر کو مقدس مانا جا چکا تھا، اسی طرح بعد میں ہر دوار، متھرا، بنارس اور پریاگ (موجودہ الہٰ آباد جو گنگا اور جمنا کے سنگم پر واقع ہے) مقدس مقامات مانے گئے۔

آریاؤں کی ابتدائی حالت: آریاؤں کا رنگ کھلا ہوا، قد لمبے اور ہاڑ چوڑے چکلے تھے۔ دراوڑوں کے مقابلے میں آریا زیادہ طاقت ور اور تنومند تھے۔ پھر وہ بدوی زندگی سے تازہ باہر نکلے تھے اس لیے بہت جفاکش تھے۔ دراوڑ چوں کہ مدت سے آسایش و فارغ البالی میں دن گزار رہے تھے، اس لیے ان میں سستی، کاہلی اور تن آسانی آ گئی تھی۔ وہ آریاؤں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ یا تو اپنے وطن چھوڑ کر پیچھے ہٹتے گئے یا مفتوح بن کر انھوں نے فاتحوں کی غلامی قبول کر لی اور شودر بن گئے۔ آریا گھوڑوں کی سواری میں خوب ماہر تھے۔ جنگ میں رتھوں سے بھی کام لیتے تھے۔

آریاؤں کے مذہبی عقائد کے متعلق ہمیں جو معلومات حاصل ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدا کے قائل تھے، جسے ان کی زبان میں "ایشور" کہا جاتا تھا۔ یہ بھی مانتے تھے کہ ایشور اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے نیک پاک لوگوں کو مقرر کرتا ہے اور انھیں الہام ہوتا ہے۔ ان نیک لوگوں کے بتائے ہوئے منتروں اور دعاؤں کو وہ زبانی یاد رکھتے تھے، لیکن وہ سورج، چاند، پانی، ہوا اور آگ کو بھی پوجتے تھے۔

وید: یہ الہامی منتر پہلے پہل اس زمانے میں کتابی شکل میں جمع ہوئے، جب آریا ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقے میں پہنچے۔ اس مجموعے کا نام "وید" یعنی علم رکھا گیا۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، تھانیسر اس وقت آریاؤں کا مذہبی مرکز تھا۔

"وید" تعداد میں چار ہیں: اوّل "رگ وید" جس میں دیوتاؤں کی تعریف کے گیت ہیں اور یہی آریاؤں کی بنیادی مذہبی کتاب ہے۔ دوسرا "یجر وید" جس میں قربانی کے طریقے منتر بنائے گئے ہیں۔ تیسرا "سام وید" جس میں وہ گیت اور بھجن جمع کر دیے گئے ہیں، جو مذہبی رسموں اور تقریبوں میں پڑھے جاتے تھے۔ چوتھا "اتھروید" جس میں زیادہ تر فلسفیانہ باتیں یا وہ منتر درج ہیں جو بھوت پریت اور بیماریوں کو دُور کرنے یا بلاؤں سے محفوظ رہنے کے پڑھے جاتے تھے۔

قیاس یہ ہے کہ رگ وید اس زمانے میں جمع ہوا جب آریا جمنا سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ باقی وید بعد میں ترتیب دیے گئے۔

باقی مذہبی کتابیں: آریاؤں کی اصل مذہبی کتابیں صرف وید ہیں لیکن بعد میں اور کتابوں کو بھی مذہبی حیثیت حاصل ہوگئی۔

ان کتابوں کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: اوّل الہامی، دوسری غیر الہامی۔ اصطلاح میں الہامی کتابوں کو "سرتی" "یعنی "غیبی آواز" کہتے ہیں اور غیر الہامی کتابیں "سمرتی" (یادداشت) کہلاتی ہیں، یعنی وہ تحریریں جو رشیوں نے یادداشت کی غرض سے لکھ لیں۔ وید "سرتی" ہیں۔ رامائن، مہابھارت اور دوسری کتابوں کو "سمرتی" سمجھنا چاہیے۔ ان آخری کتابوں کی مختصر سی کیفیت یہ ہے:

۱۔ **برہمن گرنتھ:** ان سے وہ کتابیں مراد ہیں جو برہمنوں یعنی مذہبی پیشواؤں نے ویدوں کی شرح و تفسیر میں لکھیں۔

۲۔ **اپنشد:** وہ کتابیں جو بڑے بڑے رشیوں نے دقیق مذہبی مسائل کی تشریح میں لکھیں، مثلاً آتما (روح) کیا ہے؟ آتما (روح) اور پرماتما (روح اعظم یعنی خدا) کا کیا تعلق ہے؟ انسان کے لیے خدا کے ساتھ رشتہ جوڑنے اور اپنی زندگی کو مراد مند بنانے کی تدابیر کیا ہیں؟

۳۔ **سوتر:** یہ نام ان کتابوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں بڑے بڑے مسئلوں کو اختصار کے ساتھ گنتی کے چند لفظوں میں جمع کر دیا گیا ہے تاکہ ہر شخص آسانی سے انھیں یاد کر لے۔

۴۔ **دھرم شاستر:** انھیں گویا آریوں کی فقہ کی کتابیں سمجھنا چاہیے جن میں مذہبی باتوں کو قانون کی شکل دی گئی۔ پرانے دھرم شاستروں میں سب سے مشہور منو کی کتاب ہے، جو قدیم ہندوستان کا بہت بڑا قانون ساز تھا اور مگدھ یعنی جنوبی بہار کا برہمن تھا۔ اس کتاب میں انفرادی اور اجتماعی قوانین درج ہیں۔ ذاتوں کی تقسیم بھی اسی کے ذریعے سے بنی ہوئی۔

۵۔ **ویدانت شاستر:** یہ فلسفے اور حکمت کی کتابیں ہیں جن میں سے چھ بہت مشہور ہیں۔ پہلا کپل کا "سانکھ شاستر"، دوسرا پتنجلی کا "یوگ شاستر"، تیسرا کناد کا "وشے شک شاستر"، چوتھا گوتم کا "نیائے شاستر"، پانچواں جے منی کا "پورو میمانسا"، چھٹا دیاس کا

"اتر میمانسا"

۶۔ **پران:** یہ تعداد میں اٹھارہ ہیں جو مختلف وقتوں میں مرتب ہوتے رہے۔ ان میں راجاؤں، رشیوں اور منیوں کے حالات درج ہیں۔

تمدن کے اثرات: ہم نے یہ ساری چیزیں اس غرض سے ایک جگہ بیان کر دیں کہ ان کو الگ الگ بیان کرنے سے آریاؤں کی مذہبی حیثیت اور اس میں تغیرات کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکے گا، ورنہ یہ سب چیزیں صدیوں میں پیدا ہوئیں۔ آریا شروع شروع میں آئے تھے تو ان کی زندگی بہت سادی تھی۔ مذہبی عقیدے اور رسمیں بھی سادی تھیں۔ پنڈتوں، پروہتوں اور برہمنوں کو زیادہ اقتدار حاصل نہیں ہوا تھا۔ ہر گھرانے کا بڑا آدمی خود مذہبی رسمیں ادا کر لیتا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد دولت کی ریل پیل شروع ہوئی تو تکلفات بڑھے اور ان کے ساتھ مذہبی رسمیں بھی پیچیدہ اور پُر تکلف ہوتی گئیں۔ ہر رسم پر بیسیوں قسم کے منتر پڑھنے کا رواج ہوا۔ اس وجہ سے منتر پڑھنے والوں کا ایک خاص گروہ پیدا ہو گیا، جنہیں برہمن کہتے تھے۔ شدہ شدہ برہمن مذہبی رسوم کے مختارِ کل بن گئے اور انھیں سوسائٹی میں خاص اقتدار حاصل ہو گیا۔ ہر شخص سمجھنے لگا کہ اس کی نجات برہمنوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی وجہ سے سادہ اور ٹھیٹھ مذہبی عقیدوں اور رسموں میں پھیلاؤ اور پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ مذہب پر برہمنوں کا اجارہ قائم ہو گیا۔

ذات پات کی تفریق: مذہبی علوم کے اجارہ دار برہمن بن گئے تو انھوں نے اپنے لیے تقدس اور پاکیزگی کا خاص درجہ مقرر کر لیا، جس سے دوسرے لوگوں کو محروم کر دیا۔ اس طرح مساوات اور برابری کی بنیاد ڈھے گئی اور ذات پات کا امتیاز شروع ہو گیا۔ برہمنوں کو مذہبی اور روحانی اختیار مل گیا، لیکن مادی اقتدار کے مالک وہ لوگ تھے جو تلواریں چلاتے تھے۔ وہی نئے علاقے فتح کرتے تھے یا حملہ آوروں کے مقابلے میں لڑتے تھے۔ انھیں "چھتری" کہا جاتا تھا۔

شروع میں ہر شخص قومی سپاہی تھا۔ جب لڑائی کی نوبت آتی تو سارے جوان تیر کمان لے کر قومی جھنڈے تلے جمع ہو جاتے۔ کسی ایک کو لڑائی کے لیے سردار بنا لیا جاتا۔ آہستہ آہستہ سرداری موروثی بنتی گئی۔ سردار عام لوگوں سے پیسے وصول کرنے اور تنخواہ دار سپاہی ملازم رکھنے لگے۔ انھوں نے اپنی گدّیوں کو مضبوط بنانے کے لیے برہمنوں کی آؤ بھگت شروع کر دی۔ برہمنوں نے اپنے اقتدار کی خاطر ان سرداروں کی پاسداری کا شیوہ اختیار کر لیا۔ اس طرح

برہمنوں کے علاوہ چھتریوں کی ایک اور ''ذات'' پیدا ہوگئی، جس کا درجہ برہمنوں کے بعد قرار پایا۔

ویش اور شودر: تنخواہ دار فوجوں کا سلسلہ جاری ہوا تو سب لوگوں کو فنونِ جنگ سیکھنے یا فوجی خدمت کے لیے تیار رہنے کی ضرورت نہ رہی۔ بہت سے کھیتی باڑی میں لگ گئے۔ بعض نے تجارت یا دوسرے پیشے اختیار کر لیے، مثلاً کپڑا بننا، لکڑی اور لوہے یا دوسری دھاتوں کی چیزیں بنانا، برتن تیار کرنا وغیرہ۔ ان پیشہ وروں کو ''ویش'' کا نام دے دیا گیا۔ آریاؤں کی سوسائٹی میں یہ تیسری ''ذات'' تھی جس کا درجہ چھتریوں کے بعد مقرر ہوا۔

چوتھا طبقہ عام مزدوروں، داسوں اور غلاموں کا تھا جن سے جانوروں کی طرح کام لیے جاتے تھے اور کھانے کے لیے بچے کھچے ٹکڑے یا پہننے کے لیے پھٹے پرانے کپڑے دیے جاتے تھے۔ اس طبقے کے لوگ آریانہ تھے، بلکہ وہ دراوڑ تھے، جو آریاؤں کی آمد پر بھاگ نہ سکے یا اپنے وطن کو چھوڑ جانے کی جگہ فاتح آریاؤں کی غلامی قبول کر بیٹھے۔ انھیں ''شودر'' کہا جاتا تھا۔ یہ چوتھی ''ذات'' تھی، جسے بہت ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کی آبادیاں بھی الگ بنا دی گئی تھیں۔

منوسمرتی کا فیصلہ: شروع شروع میں پہلی تین ذاتوں کے بندھن زیادہ سخت نہ تھے۔ ویش یا چھتری، پڑھ لکھ کر برہمن بن سکتے تھے۔ برہمن فنونِ جنگ یا کوئی پیشہ سیکھ کر چھتریوں یا ویشوں میں شامل ہو جاتے تھے، لیکن آہستہ آہستہ ''ذاتیں'' پکی ہوتی گئیں اور کسی ایک سے نکل کر دوسری میں شامل ہونے کی کوئی صورت نہ رہی۔ برائی کا بیج پڑ جائے تو وہ پھولے پھلے بغیر نہیں رُکتا۔ انسانی مساوات میں ذرا سی دراڑ پڑی تو وہ پھیلتے پھیلتے اتنی وسیع ہوگئی کہ مساوات کا احساس بھی مٹ گیا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آریاؤں کی سوسائٹی میں یہ خرابیاں کتنی مدت میں آخری حد پر پہنچیں، لیکن یہ تاریخی حقیقت سب کے سامنے ہے کہ جو آریا ایک قوم کی حیثیت میں یہاں آئے تھے، وہ اس طرح مختلف گروہوں اور طبقوں میں بٹ گئے کہ گویا ان سب میں کبھی کوئی یکسانی اور یک جہتی موجود ہی نہ تھی۔

قدیم ہندوستان کے مشہور قانون ساز منو کا زمانہ آیا تو اس نے ذات پات کی اس تفریق پر مہر لگا دی، جس کے بعد ان بندشوں میں ہلکی سی تبدیلی کی بھی گنجایش نہ رہی۔ منو نے لکھا کہ برہمن برھما (خدا) کے منہ سے پیدا ہوئے۔ چھتری بازوؤں سے، ویش رانوں سے اور شودر

پاؤں سے۔ گویا اونچ نیچ پیشے پر نہیں بلکہ پیدائش کی بنا پر موقوف رہ گئی۔ نہ پاؤں کو رانوں کا درجہ حاصل ہو، نہ رانیں بازوؤں کے برابر پہنچیں اور نہ بازوؤں کو منہ کا مقام نصیب ہو اس لیے نہ شودر ویش بن سکیں، نہ ویش چھتری بن سکیں اور نہ چھتری برہمنوں کی سی عزت پا سکیں۔

چھوت چھات: ذات پات کی اسی تفریق سے چھوت چھات پیدا ہوئی جو تعصب، تنگ دلی اور تنگ نظری کی نہایت بُری عملی شکل تھی۔ اس چھوت چھات نے ہندوستان میں جو خوفناک صورتیں اختیار کیں اور اس سے جو مکروہ نتیجے پیدا ہوئے، ان کو تفصیل سے بیان کرنا تاریخ کے مضمون سے خارج ہے۔ شمالی ہند میں چوں کہ سب سے پہلے مسلمانوں کا عمل دخل ہوا اور یہاں ان کی تعداد بھی زیادہ تھی، اس لیے چھوت چھات کے اثرات زیادہ بری شکل میں نمایاں نہ ہو سکے، لیکن جنوبی ہند میں اب تک یہ حالت ہے کہ بعض صورتوں میں شودر برہمنوں سے کم از کم ساٹھ گز دُور رہنے پر مجبور ہیں۔

اسی چھوت چھات سے پھوٹ کی وہ بلا پیدا ہوئی جس نے صدیوں سے یہاں کے مختلف طبقوں میں میل جول اور یک جائی کو غیر ممکن بنائے رکھا۔

آریاؤں نے یہاں آنے کے بعد اگرچہ ملکی عورتوں سے بھی شادیاں کر لی تھیں اور ملکی باشندوں کے طور طریقے اور عقیدے بھی اختیار کر لیے تھے، لیکن ذات پات کی تفریق نے جو تعصب پیدا کر دیا تھا، وہ دُور نہ ہوا۔

قیاس یہ ہے کہ ذات پات کے بندھنوں میں سختی اس وقت سے شروع ہوئی، جب آریا گنگا اور جمنا کی وادیوں میں پہنچے۔ وہاں ان کی تعداد ملکی باشندوں کے مقابلے میں یقیناً کم ہوگی اور ان باشندوں کو برابری کا درجہ دینے سے وہ اس لیے گریزاں ہوں گے کہ کہیں وہ حکومت میں برابر کے ساجھی نہ بن جائیں۔ اس طرح پہلے یہ حربہ غیروں کے خلاف استعمال ہوا، پھر اپنے بھی اس سے گھائل ہو کر رہ گئے۔

آریاؤں کی ابتدائی بود و باش: جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، آریا ہندوستان آئے تو ان کے رہنے سہنے کے طریقے بہت سادے تھے۔ وہ گھوڑوں کی سواری کے شوقین تھے۔ کاریگروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ شادیوں میں ''سوئمبر'' کی رسم رائج تھی، یعنی لڑکی بالغ ہو جاتی تو عام اعلان کر دیا جاتا۔ شادی کے خواہش مند نوجوان جمع ہو جاتے۔ لڑکی جسے چاہتی شوہر چن لیتی، یا

والدین چند شرطیں مقرر کر دیتے۔ جو نوجوان ان شرطوں کو پورا کر دیتا، وہ لڑکی سے شادی کا حق دار بن جاتا۔ بیوہ عورتوں کے لیے شادی کی ممانعت نہ تھی۔ ہندوستان کھیتی باڑی کا ملک تھا۔ اس غرض کے لیے بیلوں کی سخت ضرورت تھی اور انھیں بڑے چاؤ سے پالا جاتا تھا۔ اسی سلسلے میں گائے کی خاص حفاظت شروع ہوئی۔ اس حفاظت نے آگے چل کر ''گئو پوجا'' کی شکل اختیار کی۔

حکومت کا عام طریقہ جمہوری تھا۔ قبیلوں کے بڑے آدمی جمع ہو کر ایک کو سردار چن لیتے، جو راجا کہلاتا تھا۔ وہ مشوروں کے لیے دانش مندوں کی ایک مجلس بنا لیتا، جس کا نام ''سبھا'' تھا۔ رفتہ رفتہ راجاؤں کے اختیارات بڑھتے گئے، یہاں تک کہ یہ عہدے موروثی بن گئے۔ جمہوریت کی جگہ مطلق العنان حکمرانی نے لے لی۔

راجاؤں کی ایک قابلِ ذکر رسم یہ تھی کہ ''اشومیدھ یگ'' یعنی گھوڑے کی قربانی کرتے تھے۔ جو راجا زیادہ طاقت ور ہوتا اور آس پاس کے راجاؤں سے اپنی طاقت کا لوہا منوانا چاہتا، وہ ایک سفید گھوڑے کو سجا کر کھلا چھوڑ دیتا اور ایک فوج گھوڑے کے پیچھے چلتی۔ اگر کوئی راجا گھوڑے کو نہ روکتا، تو سمجھا جاتا کہ اس نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ جو روکتا اس سے فوج لڑتی اور شکست دے کر گھوڑے کو آگے بڑھاتی۔ ایک برس کے بعد گھوڑے کو واپس لا کر دھوم دھام سے قربانی کی جاتی۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں آریاؤں کی کوئی بڑی سلطنت نہ تھی، بلکہ چھوٹے چھوٹے راجا تھے، جو آپس میں لڑتے رہتے تھے۔

رامائن: خدا جانے آریاؤں نے یہاں آنے کے بعد کہاں کہاں کتنی بڑی حکومتیں قائم کیں۔ جو کہانیاں مشہور ہیں، ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موجودہ زمانے کے پنجاب، مشرقی راجپوتانہ، دہلی، یو۔ پی، بہار اور نیپال کی ترائی میں ان کی کئی حکومتیں تھیں، جنھیں مختلف قبیلوں اور گروہوں کی ریاستیں سمجھنا چاہیے۔ ان میں سے دو خاندانوں کی حکومتوں کا حال ہمیں رامائن اور مہابھارت نے سنایا ہے، جنھیں ہندوؤں میں مذہبی کتابوں کا سا درجہ حاصل ہو گیا۔ یقین کے ساتھ بتانا مشکل ہے کہ یہ خاندان کس عہد میں برسرِ حکومت آئے۔ عام اندازہ یہ ہے کہ ان کا زمانہ پندرہ سو برس ق م سے لے کر ایک ہزار ق م کے درمیان ہونا چاہیے۔

رامائن میں مہاراجا رام چندر جی کے حالات ہیں جو اجودھیا (موجودہ اودھ) کے فرماں روا تھے۔ سیتا جی سے ان کی شادی، بن باس، لنکا کے راجا راون سے جنگ، لنکا کی فتح وغیرہ

کی داستان عام طور پر مشہور ہے اور اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

ہندو رام چندر جی کو بڑا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ ہمارے لیے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ رام چندر جی کے زمانے میں آریاؤں میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج تھا۔ مثلاً رام چندر جی کے والد دسرتھ کی تین رانیاں تھیں اور سب سے چھوٹی رانی کیکئی نے اپنے بیٹے کو راج دلانے کی غرض سے رام چندر جی کو بن باس دلایا تھا، حالاں کہ ولی عہد وہی تھے۔ پھر آریا بڑے جنگجو تھے۔ رام چندر جی صرف اپنی بیوی سیتا جی اور چھوٹے بھائی لچھمن جی کو لے کر جنگلوں میں چلے گئے۔ چودہ برس تک جگہ جگہ پھرتے رہے۔ دکن بھی پہنچے۔ جب لنکا کے راجا سے جنگ چھڑ گئی تو دکن ہی سے فوج تیار کر کے لنکا پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔

رام چندر جی کی کہانی میں بڑے اچھے اخلاقی سبق ہیں۔ مثلاً

۱۔ بیٹے نے باپ کا عہد پورا کرنے کے لیے سلطنت چھوڑ دی اور گھر بار ترک کر دیا۔

۲۔ بیوی نے زندگی کی ہر راحت کو قربان کر دیا لیکن شوہر کا دامن نہ چھوڑا۔

۳۔ بھائی نے ماں باپ اور گھر بار کو بھائی کی خاطر چھوڑ دیا اور ساری عمر بھائی کی خدمت کی نذر کر دی۔

۴۔ رام چندر جی کے بن باس کے بعد جس بھائی کو سلطنت ملی تھی وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا اور خود رام چندر جی کو بنوں سے لانے کے لیے گیا۔ جب انھوں نے قسم پوری کرنے سے پہلے آنا منظور نہ کیا تو ان کے نائب کی حیثیت میں کاروبارِ حکومت چلاتا رہا۔ بن باس کی مدت پوری ہو گئی تو سلطنت رام چندر جی کے حوالے کر کے خود ان کا خدمت گزار بن گیا۔

مہابھارت: مہابھارت میں ایک خاندان کی دو شاخوں یعنی کورو اور پانڈو میں خون ریز جنگ کا حال درج ہے۔ کورو کا مرکز ہستناپور میں تھا، جس کا نشان اب دریائے گنگا کے کنارے بجنور کے قریب بتایا جاتا ہے۔ پہلے دونوں فریق پورے ملک کو دو حصّوں میں بانٹنے پر راضی ہو گئے۔ کورو ہستناپور میں حکمران رہے، پانڈو نے جمنا کے کنارے اندر پرست یا اندر پت نام کا شہر آباد کر لیا جہاں بعد میں دہلی کی بنیاد رکھی گئی۔ پھر ان میں اس وجہ سے جھگڑا پیدا ہو گیا کہ کورو ساری سلطنت اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے تھے۔ صلح کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں تو کورو کشیتر (ضلع

انبالہ) کے میدان میں جنگ ہوئی، جس میں عام روایت کے مطابق دُور دُور کے راجا مہاراجہ شریک ہوئے۔ پانڈو کے سب سے بڑے معاون سری کرشن جی تھے، جو ہندوؤں کے دوسرے بڑے اوتار مانے جاتے ہیں۔ اٹھارہ دن تک جنگ جاری رہی۔ کورو مارے گئے، پانڈو کو فتح حاصل ہوئی اور پورا راج انھیں مل گیا۔ اس کہانی کے متعلق بھی مؤرخوں کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض نے پانڈو کے آریا ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک پانڈو ہندوستان کے قدیم باشندوں میں سے پہاڑی لوگ تھے، جنھوں نے آریاؤں پر فتح پائی۔

تاریخی سرمایہ: ہمیں یہاں اس بات سے غرض نہیں کہ رامائن اور مہابھارت کی کہانیاں سچی ہیں یا نہیں ہیں۔ اگر سچی ہیں تو صرف یہی دو کہانیاں ہیں، جو آریاؤں کے زمانۂ اقتدار کے متعلق ہم کو ملی ہیں۔ اس پورے زمانے کے بارے میں اور کچھ معلوم نہیں۔ ان سے بھی ظاہر ہے کہ اجودھیا کی سلطنت چنداں بڑی نہ تھی، اس لیے کہ مشرق کی طرف اس کے قریب ہی دوسری ریاستیں تھیں۔ ان میں سے ایک ریاست وہ تھی، جس کے راجا کی بیٹی سیتا جی سے رام چندر جی نے بیاہ کیا تھا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ رام چندر جی نے لنکا تک کا علاقہ فتح کر لیا یا یہ علاقہ ان کے زیرِ اثر آ گیا، لیکن مشرق یا مغرب میں ان کی فتوحات کا کوئی ذکر نہیں۔

کورو اور پانڈو نے جب خاندانی میراث کو بانٹ کر دو سلطنتیں بنائیں تو ایک کا مرکز ہستناپور اور دوسری کا مرکز اندر پت تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان ساٹھ پینسٹھ میل سے زیادہ فاصلہ نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ سلطنت جب ایک ہوگی، تب بھی چنداں بڑی نہ ہوگی۔

غرض ان کہانیوں کو اگر تاریخ کا درجہ بھی دیا جائے تو ہزاروں برسوں میں سے یہ صرف تھوڑی سی مدت کے حالات کا معمولی سا سرمایہ ہیں۔

بھگوت گیتا: ہندوؤں میں بھگوت گیتا کو بھی اونچا مذہبی پایہ حاصل ہوا۔ یہ مہابھارت کا صرف ایک باب ہے، جس میں سری کرشن جی نے اپنے مریدارجن (پانڈو) کو نصیحتیں فرمائیں۔ کورو کشیتر کی جنگ کے لیے صفیں آراستہ ہوئیں تو ارجن کو خیال آیا کہ لڑائی کے دونوں فریق ایک خاندان کے لوگ ہیں۔ وہ کیوں ایک دوسرے کو ماریں؟ سلطنت کی خاطر بھائی بندوں کو مارنا بہت بُرا ہے۔ یہ سوچتے ہی لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ سری کرشن نے اسے وعظ و نصیحت سے پھر لڑائی پر آمادہ کیا۔ اس وعظ کا خلاصہ یہ ہے کہ موت صرف انسان کے جسم پر طاری ہوتی ہے، روح نہیں مرتی۔

دھرم اور سچائی کی خاطر قتل کرنا گناہ نہیں اور فرض سے جی چرانا بہت بڑا پاپ ہے۔

ملک کی حالت: رامائن اور مہا بھارت سے ملکی حالات کے متعلق جو کچھ معلوم ہوتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آریاؤں کی پہلی سادگی ختم ہو چکی تھی۔ جمہوریت باقی نہیں رہی تھی۔ راجاؤں کے اختیارات بہت بڑھ گئے تھے۔ برہمنوں نے مذہبی رسموں کو بہت پیچ دار بنا دیا تھا۔ عورتوں کو آزادی حاصل تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوتی اور تیر چلاتی تھیں۔ ذات پات کی تفریق پیدا ہو چکی تھی۔ چھوت چھات بڑھ رہی تھی۔ دستکاری اور ہنرمندی ترقی کر گئی تھی۔ جنگ کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد ہو چکے تھے۔ تیر چلانے میں آریاؤں نے بڑی مہارت پیدا کر لی تھی۔ ان میں جوئے کا رواج عام ہو گیا تھا، یہاں تک کہ پانڈو نے اپنی سلطنت جوئے میں کورو کے پاس ہار دی تھی۔

رامائن اور مہا بھارت کے عہد کو تاریخ میں آریاؤں کا زمانہ شجاعت کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ میدان جنگ میں بہادری کے کارنامے انجام دیتے تھے۔

☆.....☆.....☆

تیسرا باب

جین مت اور بدھ مت

ملک کی حالت: یہ بتانا مشکل ہے کہ آریاؤں نے کبھی یہاں کوئی بڑی اور متحدہ حکومت قائم کی یا نہیں۔ چھٹی صدی ق م میں ہر طرف خاصا انتشار نظر آتا تھا۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے راجا اور حکمران تھے اور وہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ برہمنوں نے مذہب کو رسموں کے طومار سے اتنا مشکل بنا دیا تھا کہ عام لوگ اُن کا خرچ پورا کرنے کے قابل نہیں رہے تھے اور اپنی نجات کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے۔ پھر برہمنوں کا چلن بہت بگڑ چکا تھا۔ وہ پیسے بٹورتے تھے۔ ذات پات کی اونچ نیچ اور چھوت چھات نے عوام کی زندگیاں اجیرن بنا رکھی تھیں۔ گویا سیاسی، مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے ملک کی حالت بڑی خراب ہو چکی تھی۔

مگدھ کے عروج کا آغاز: یہ زمانہ تھا جب مگدھ (جنوبی بہار) میں ایک حکومت قائم ہوئی یا کہنا چاہیے کہ اس حکومت کا سراغ ہمیں ملتا ہے۔ یہ سیس ناگ خاندان کی حکومت تھی جس کا نامور راجا بمبسار تھا۔ اس نے کئی علاقے فتح کیے اور "راج گریہا" کو اپنا مرکزِ حکومت بنایا۔ اس کا عہدِ حکومت ونسنٹ سمتھ نے ۵۸۲ ق م سے ۵۵۴ ق م تک بتایا ہے۔

اس کے بیٹے اجات ستر و نے ستائیس برس حکومت کی، اجات ستر و ہی نے لچھوی قبیلے کو دبائے رکھنے کے لیے دریائے سوہن کے کنارے ایک قلعہ بنایا تھا جس کا نام "پاٹلی" رکھا۔ پھر اس کے اردگرد آبادی ہوئی اور "پاٹلی پتر" شہر بن گیا جو موریا سلطنت کا پایۂ تخت رہا۔ اس کا نام بعد میں پٹنہ ہو گیا۔

کچھ مدت بعد سیس ناگ خاندان کے آخری راجا کو اس کے نائی نے قتل کر کے خود حکومت سنبھال لی۔ نائی کا خاندان دیر تک مگدھ کی حکومت پر قابض رہا۔ تاریخ میں اسے "خاندانِ نندا" کہتے ہیں۔

لچھوی اور ساکیہ: یہی زمانہ ہے جس میں مذہبی اور روحانی انقلاب کے دو بڑے علمدار پیدا

ہوئے۔ یہ جین مت اور بدھ مت کے نیوا تھے جو لچھوی اور ساکیہ قبیلوں میں سے اُٹھے۔

لچھویوں کا وطن شمالی بہار میں تھا اور ان کے مرکز کا نام ویسالی تھا، جو پٹنہ سے تقریباً ۲۰ میل شمال میں تھا۔ یہ لوگ اچھے خاصے با اقتدار تھے لیکن مگدھ میں سیس ناگ خاندان کو عروج حاصل ہوا، تو ان کی شہرت ماند پڑ گئی۔

ساکیہ قبیلے کا وطن نیپال کی ترائی میں اس جگہ تھا جو آج کل یوپی کے ضلع بستی اور ضلع گورکھ پور کا شمالی حصہ ہے۔ اس کے مرکزِ حکومت کا نام کپل واستو تھا۔

جین مت: جین مت کی بناء پارس ناتھ نے کوئی آٹھ سو برس قبل مسیح رکھی تھی، لیکن اس میں زندگی کی نئی روح وردھمان نے پھونکی۔ پیروؤں نے اسے "مہاویر" کا لقب دے دیا اور وہ اسی لقب سے زیادہ مشہور ہے۔

"مہاویر" ویسالی کے رئیس کا بیٹا تھا۔ تیس برس کی عمر میں گھر بار چھوڑ کر پارس ناتھ کے مت میں شامل ہو گیا۔ پھر اس مت کے کئی قاعدے بدل دیے اور چالیس برس کی عمر میں اسے نئے رنگ میں پیش کیا۔ بعد میں عمر بھر ارد گرد کے علاقوں میں دورے کرتا اور نئے مت کی تعلیم دیتا رہا۔ سمجھا جاتا ہے کہ ۵۲۷ ق م میں فوت ہوا۔ لیکن بعض روایات میں اس کی تاریخ وفات ۴۷۷ ق م بتائی جاتی ہے۔

مہاویر کی تعلیم: مہاویر کی تعلیم کے سنہری اصول تین تھے: ارادے کی پاکیزگی، علم کی پاکیزگی اور عمل کی پاکیزگی۔ جھوٹ نہ بولنا، چوری نہ کرنا اور نفسانی خواہشات کو دبانا عمل کی پاکیزگی میں شامل ہے۔

مہاویر نے زندگی کا مقصد اور نصب العین یہ بتایا کہ انسان کو "موکش" (نجات) حاصل کرنی چاہیے۔ اس غرض کے لیے تپسیا اور برت پر خاص زور دیا۔ اس کا مشہور قول ہے کہ "جسم کو قابو میں لا، نفس کو مار اور اپنے آپ کو اتنا بے دم کر دے کہ گویا سوکھی لکڑی ہے، جو آگ میں جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔"

اس نے "اہمسا" پر بڑا زور دیا۔ "اہمسا" کا مطلب ہے کسی جاندار کو دکھ نہ دینا اور جانداری کا سلسلہ اتنا وسیع کر دیا کہ انسانوں اور حیوانوں کے علاوہ نباتات کو بھی جانداروں میں شامل کر لیا۔ "جیوہتیا" یعنی جاندار کو مارنا یا دکھ دینا مہاویر کے نزدیک بہت بڑا پاپ تھا۔

جاتمابدھ: مہاتما بدھ کا نام سدھارتھ تھا۔ وہ کپل واستو کے راجا سدھودھن کا اکلوتا بیٹا تھا۔ بچپن ہی سے طبیعت گیان دھیان کی طرف مائل تھی۔ جوانی میں راج پاٹ کو ٹھکرا کر جنگلوں میں نکل گیا۔ زندگی کے آخری سانس تک دنیاوی اغراض سے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دیا۔

وہ حقیقت کی تلاش میں جگہ جگہ پھرا۔ سادھوؤں اور سنیاسیوں کے پاس وقت گزارا۔ کڑی ریاضتیں کیں، لیکن روح کی پیاس نہ بجھی۔ آخر گیا (بہار) کے قریب ایک درخت کے سایے میں یہ عہد کر کے بیٹھ گیا کہ جب تک حقیقت کی روشنی نہیں ملے گی، اس جگہ سے نہیں اُٹھوں گا۔ وہیں سے "عرفان" کا مقام حاصل ہوا۔ اسی وقت سے مہاتما بدھ یعنی صاحب بصیرت و عرفان بزرگ مشہور ہوا اور لوگ اسے ساکیہ منی یعنی ساکیا قبیلے کا "عارف" یا "روشن ضمیر" کہنے لگے۔

دھرم کی اشاعت: اس کے پاس چیلوں کی ایک جماعت جمع ہوگئی جسے ساتھ لے کر جگہ جگہ پھرتا اور اپنے اصول عام لوگوں کے ذہن نشین کراتا رہا۔ اپنے وطن کپل واستو بھی گیا۔ بیوی زندہ تھی۔ وہ بھی بدھ مت میں شامل ہونے کے لیے تیار ہوگئی۔ اس وقت تک مہاتما بدھ عورتوں کو اپنے حلقے میں شامل نہیں کرتا تھا، لیکن بیوی کے اخلاص کو دیکھ کر نہ محض اسے مرید بنایا بلکہ حکم دے دیا کہ عورتیں بھی مرید ہو سکتی ہیں۔ وہ اپنے مرد مریدوں کو بھکشو اور زنانہ مریدوں کو بھکشن کہتا تھا۔ یہ لوگ زندگی کی ہر ضرورت سے ہاتھ کھینچ کر اپنے آپ کو دھرم کی اشاعت کے لیے وقف کر دیتے۔ کسی سے کچھ نہ مانگتے۔ لوگ جو کچھ دے دیتے اسی پر گزارا کرتے۔ گویا بھکشا (بھیک) ان کا ذریعۂ معاش تھی۔

بدھ دھرم کی تعلیم: بدھ دھرم کی تعلیم یہ تھی کہ انسانی زندگی کے سارے رنج اور ساری مصیبتیں خواہشات کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ خواہشات پر قابو پا کر رنج و مصیبت سے نجات حاصل کر لے۔ تدبیر یہ ہے کہ انسان غور و فکر، قول و گفتار اور ارادہ و عمل میں نیکی کی راہ اختیار کرے۔ انسان کی زندگی کا مقصد "نروان" ہے۔ یعنی ایسی موت جس کے بعد دوسرا جنم لینے کا جھگڑا باقی نہ رہے۔

بدھ دھرم نے انسانوں میں سچی محبت اور ہمدردی پر زور دیا۔ چوری، جھوٹ اور لالچ سے روکا۔ مہاویر کی طرح جانداروں کو دُکھ دینے سے بھی منع کیا۔

مہاتما بدھ کے آٹھ اصول مشہور ہیں۔ یعنی:

۱۔ صحیح عقیدے کی پابندی۔ ۲۔ نظر کا اخلاص۔
۳۔ گفتار کا اخلاص۔ ۴۔ علم کا اخلاص۔
۵۔ معاش کی پاکیزگی۔ ۶۔ محنت کی پاکیزگی۔
۷۔ یاد کی پاکیزگی۔ ۸۔ مراقبہ کی پاکیزگی۔

انھیں باتوں پر پابندی سے چلنے کو وہ ''درمیانی راستہ'' قرار دیتا تھا۔

اس نے اسّی برس کی عمر میں وفات پائی۔ صحیح تاریخ وفات اب تک طے نہیں ہو سکی۔

بدھ دھرم کی کامیابی کے اسباب: بدھ دھرم بڑی تیزی سے کامیاب ہوا۔ یہاں تک کہ اشوک کے عہد میں وہ سلطنت کا مذہب بن گیا اور چین، تبت، جاپان، برما، ملایا وغیرہ بھی اس کے زیر اثر آ گئے۔ ترقی کے اسباب یہ معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ بدھ کی تعلیم سادی تھی اور اس پر عمل سہل تھا۔ برہمن مت کی پیچیدگیوں کے ستائے ہوئے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔

۲۔ اگرچہ مہاتما نے ذات پات کی مذمت صاف صاف نہیں کی تھی، لیکن یہ کہہ دیا تھا کہ نجات ذات کی اونچ نیچ پر موقوف نہیں بلکہ صرف اچھے عقیدے اور اچھے عمل پر موقوف ہے۔ اس طرح ذات پات کی بنیاد ہلا دی تھی۔

۳۔ بدھ دھرم میں سب فرقوں کو برابری کا درجہ حاصل تھا اور چھوت چھات بالکل نہیں کی جاتی تھی۔

۴۔ برہمن مت کی پوری تعلیم سنسکرت میں تھی جسے ہر شخص سمجھ نہیں سکتا تھا۔ مہاتما بدھ نے اپنے دھرم کی اشاعت ملک کی عام بولی میں کی اور ان کے سارے وعظ اور اصول اسی زبان میں لکھے گئے، جسے لوگ بے تکلف پڑھتے اور سمجھتے تھے۔

۵۔ اشوک اور کنشک جیسے طاقت ور فرمانروا اس کے سرپرست بن گئے تو یہ دھرم تیزی سے پھیلا۔

بدھ دھرم کی مجلسیں: مہاتما بدھ نے اپنے دھرم کی تعلیم کسی کتاب میں جمع نہیں کی تھی۔ بعد میں پوری تعلیم کو تین کتابوں میں جمع کر دیا گیا۔ ایک میں دھرم کے اصول تھے، دوسری میں عام لوگوں کے لیے ضروری ہدایتیں تھیں، تیسری میں بھکشوؤں اور بھکشوں کے لیے ضروری قاعدے درج

تھے۔ پھر ان کے متعلق آخری فیصلہ کرنے کے لیے دھرم کے عالموں کی ایک مجلس بلائی گئی، جسے ''بدھ دھرم کی پہلی مجلس'' کہتے ہیں۔ ایک سو سال گزر جانے پر ایک مجلس منعقد ہوئی، جو ''دوسری مجلس'' کہلاتی ہے۔ اس میں بدھ کے پیرو دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک کا نام ''ہن یان'' (چھوٹی راہ نجات) دوسری کا ''مہایان'' (بڑی راہ نجات) پڑ گیا۔ ایک بدھ کی اصل تعلیم پر جما رہا، دوسرے نے مورتی پوجا شروع کر دی۔ تیسری مجلس اشوک نے پاٹلی پتر میں بلائی تھی، جس میں دھرم کے اصول پر نظر ثانی ہوئی۔ چوتھی مجلس کنشک کے عہد میں ہوئی، جس میں بدھ دھرم کے تمام اصول کا آخری فیصلہ کر کے انھیں تانبے کی تختیوں پر لکھا گیا۔ پھر یہ تختیاں حفاظت کے لیے ایک صندوق میں بند کر کے محفوظ کر دی گئیں۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ راج گریہا پٹنہ کے جنوب میں تقریباً پچیس میل ہوگا۔

چوتھا باب

دارا اور اسکندر کے حملے

دارا گشتاسپ کا حملہ: مگدھ میں بمسار اور اجات ستر و کی سلطنت اور نندا خاندان کی حکومت کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ یہ حکومت ہندوستان کے مشرقی گوشے میں تھی۔ دوسرے حصّوں کا حال معلوم نہیں۔ اس اثنا میں سائرس (گوروش) نے ایران میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھ دی جو دنیا میں غالباً پہلی شاہنشاہی تھی۔ اس خاندان کا دوسرا بڑا پادشاہ دارا گشتاسپ تھا جو ۵۲۱ ق م سے ۴۸۶ ق م تک حکمران رہا۔ اس کے عہد میں ایران کی سلطنت عروج کی انتہائی بلندی پر جا پہنچی۔ مشرق میں قندھار، کابل، ہرات وغیرہ بھی اس کے زیرِ نگیں تھے۔ اس نے ۵۱۶ میں دریائے سندھ کے پار کا علاقہ اپنے قبضے میں لے لیا اور اس کا نام "ولایتِ ہند" رکھا۔ اس سے خراج کی بڑی رقم شاہنشاہِ ایران کو ہر سال ملتی تھی۔ کچھ معلوم نہیں یہ علاقہ کب تک ایران کے ماتحت رہا۔

اسکندر اعظم: دارا گشتاسپ کے حملے سے بعد تقریباً دو سو برس کے حالات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ۳۲۶ ق م میں اسکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس حملے نے پھر یہاں کے کچھ حالات اندھیرے سے نکال کر تاریخ کی روشنی میں پہنچا دیے۔

اسکندر کا باپ فیلقوس مقدونیہ کا پادشاہ تھا، جو اس زمانے میں یونان کی مختلف ریاستوں میں سے ایک ریاست تھی۔ ایران کے ساتھ یونان کی لڑائیاں مدت سے جاری تھیں۔ فیلقوس نے اندر کے جھگڑے مٹا کر مختلف ریاستوں کے اتحاد سے ایک فوج تیار کی اور ایران پر حملے کے لیے تیار ہو گیا لیکن اچانک مارا گیا اور بیس برس کی عمر میں اس کی میراث اسکندر کو ملی، جو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر عہدِ قدیم کا سب سے بڑا جرنیل ثابت ہوا۔

تخت نشینی کے بعد دو برس ملک کے اندر امن قائم کرنے میں گزار دیے۔ پھر ایران پر چڑھائی کی اور تین لڑائیوں میں ایران کی پُر شوکت شاہنشاہی کا پرچم سرنگوں کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی

مصر سے لے کر افغانستان و سیستان تک سارا مغربی اور وسطی ایشیا اسکندر کے قبضے میں آ گیا۔

ہندوستان پر حملہ: تھوڑی مدت میں بہت بڑے علاقے کا مالک بن جانے کے بعد اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ساری دنیا کو فتح کر لینا چاہیے۔ ہندوستان کی دولت اور زرخیزی کی کہانیاں بھی اس نے ایرانیوں سے سن لی ہوں گی۔ چنانچہ وہ ترکستان ہوتا ہوا ۳۲۶ ق م میں ہندوستان پہنچ گیا۔

پنجاب اسکندر کی پہلی قدم گاہ تھا۔ یہ اس زمانے میں کئی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں سے قابل ذکر ریاستیں صرف تین تھیں۔ ہزارے اور آس پاس کے علاقے میں "ابھیسار" کی حکومت، ٹیکسلا میں، "امبھی" کی حکومت اور جہلم و چناب کے درمیان پورس کی حکومت۔ ان تینوں کے درمیان بھی کشمکش تھی۔ راجا ابھیسار نے شروع سے آخر تک دوستی پالیسی جاری رکھی۔ ایک طرف اپنے پڑوسیوں سے کہتا رہا کہ مل کر اسکندر کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ دوسری طرف اسکندر کو یقین دلاتا رہا کہ میں تو آپ کا فرمانبردار ہوں۔ ٹیکسلا کے راجا امبھی نے بے تکلف اسکندر کی اطاعت قبول کر لی۔ پورس نے تنہا مقابلے کا فیصلہ کر لیا۔

جنگ جہلم: اسکندر اٹک ہنڈ کے مقام پر دریائے سندھ کو عبور کر کے ٹیکسلا پہنچا تو راجا امبھی نے پُرجوش استقبال کیا۔ مہمان داری کے تمام ضروری سامان جمع کر دیے۔ ان میں تین ہزار بیل بھی تھے تاکہ یونانی فوج کو گوشت نہ ملنے کی شکایت نہ رہے۔ ٹیکسلا سے چل کر اسکندر دریائے جہلم پر پہنچا تو دوسرے کنارے پر پورس فوج لیے تیار کھڑا تھا۔ دریا چڑھاؤ پر تھا اور دشمن کی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے اسے عبور کرنا مشکل تھا۔ اسکندر پندرہ سولہ میل کا چکر کاٹ کر دریا سے پار اُترا۔ پھر پورس سے لڑائی کی۔

پورس کے پاس تیس ہزار پیادے، چار ہزار سوار، تین سو جنگی رتھ اور دو سو جنگی ہاتھی تھے۔ اُس نے ہاتھیوں کو آگے رکھا، پیچھے فوج ٹھہرائی۔ رتھوں نے فوج کے دائیں اور بائیں بازو روک لیے۔ شروع میں یونانیوں کو ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے میں بڑی پریشانی ہوئی، لیکن جب تیر اندازوں نے تاک تاک کر ان کے سونڈوں پر تیر برسائے، تو وہ پیچھے کی طرف بھاگ نکلے اور اپنی ہی فوج کی صفوں کو درہم برہم کر گئے۔ اسکندر نے اپنے رسالے کو حکم دے دیا تھا کہ پورس کی فوج کے دائیں بازو کا چکر کاٹتے ہوئے پیچھے سے حملہ کرو۔ اس طرح چند گھنٹے میں پورس نے شکست

کھائی۔ اس کے بہت سے سوار اور پیادے مارے گئے۔ نو ہزار گرفتار ہوئے۔ ان میں پورس بھی تھا، جو لمبے قد کا وجیہہ اور رعب دار آدمی تھا۔ اسکندر نے پوچھا "کیسا سلوک چاہتے ہو؟" پورس نے کہا: "جیسا سلوک بادشاہ بادشاہوں سے کرتے ہیں۔" اسکندر بہت خوش ہوا اور پورس کی سلطنت بحال کر دی۔

اسکندر کی واپسی: جنگِ جہلم کے بعد سکندر آگے بڑھا۔ جب دریائے بیاس پر اس جگہ پہنچا جہاں آج کل دینا نگر (ضلع گورداسپور) آباد ہے تو فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ ناچار لوٹا۔ سندھ، مکران، ایران ہوتا ہوا بابل پہنچا۔ وہاں جون ۳۲۳ ق م میں فوت ہو گیا۔ تینتیس برس کی عمر تھی، صرف تیرہ برس بادشاہی کی لیکن اس تھوڑی سی مدت میں جو کارنامے انجام دیے، ان کی وجہ سے اب تک دنیا بھر میں مشہور ہے۔

اس کی سلطنت جرنیلوں میں بٹ گئی۔ شام، عراق اور ایران پر سلیوکس نے قبضہ کر کے مستقل بادشاہی کی بنیاد رکھی، جس کا تھوڑا سا حال آگے چل کر بیان ہوگا۔

یونانیوں کا اثر ہندوستان پر: اگرچہ اسکندر کا زیادہ وقت لڑائیوں میں گزرا اور اس نے اپنے ذہن میں سلطنت کے انتظام کا جو نقشہ بنایا تھا، اسے عمل میں نہ لا سکا، تاہم یونانیوں کا حملہ بالکل بے اثر نہ رہا۔ اس کے بعض اثرات یہ ہیں:

۱۔ یورپ اور ہندوستان کے درمیان میل جول کا دروازہ کھل گیا۔

۲۔ سمندر کے راستے آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہوا اور تجارت ہونے لگی۔

۳۔ بلخ (باختر) میں ایک یونانی حکومت قائم ہو گئی جس کے ذریعے سے ہندوستانی علوم یونان اور یونانی علوم ہندوستان پہنچے۔

۴۔ ہندوستانیوں نے یونانیوں سے پتھر تراشنے اور بت بنانے کے فنون سیکھے۔

حواشی

۱ ہنڈ اٹک سے تقریباً اٹھارہ میل شمال مشرق میں دریائے سندھ کے شمالی کنارے پر حضرو کے سامنے ہے۔

پانچواں باب

موریا خاندان کا راج

چندر گپت موریا ۳۲۱ ق م تا ۲۹۷ ق م: قدیم ہندوستان میں جو پہلی بڑی سلطنت بنی وہ موریا خاندان کی سلطنت تھی۔ اس کی بنیاد چندر گپت موریا نے رکھی۔

ہم مگدھ میں سیس ناگ خاندان اور نندا خاندان کی حکومتوں کا ذکر کر چکے ہیں۔ نندا خاندان کا بانی چوں کہ عام تصور کے مطابق نیچ ذات سے تھا، اس لیے قیاس کہتا ہے برہمن اور چھتری نیز ذات پات کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے دوسرے لوگ اس خاندان کے راجاؤں کے سخت دشمن ہوں گے۔ ممکن ہے سازشیں بھی ہوتی رہتی ہوں۔ اس طرح نندا خاندان کے راجا اونچی ذاتوں کے لوگوں خصوصاً برہمنوں پر سختیاں کرنے لگے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ برہمن مت کو چھوڑ چکے تھے۔ اسی خاندان کے ایک شخص نے ایک نیچ ذات عورت سے شادی کی جس کا نام مورا تھا۔ یہ چندر گپت موریا کی ماں تھی۔

مگدھ سے فرار: مگدھ میں ایک دانش مند اور دور اندیش برہمن تھا، جس کا نام [illegible] تھا۔ اسے کوٹلیہ بھی کہتے ہیں لیکن وہ تاریخ میں چانکیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چندر گپت اور چانکیہ میں ابتدا ہی سے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔

قیاس یہ ہے کہ چندر گپت نے راجا کو برہمنوں پر سختی سے روکا ہوگا، یا ممکن ہے [illegible] برہمنوں کی حمایت ایسے طریقے پر کی ہو کہ راجا اس کی جان کا دشمن بن گیا اور چندر گپ [illegible] چھوڑ کر پنجاب آنا پڑا۔ اسکندر کے حملے کے وقت وہ یہیں تھا۔ چانکیہ کے ساتھ [illegible] بدستور قائم تھی۔

مگدھ پر قبضہ: جب اسکندر کی وفات کی خبر پہنچی تو چندر گپت نے پنجاب ہی سے کچھ فوج جمع کر کے مختلف علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اپنے دوست چانکیہ برہمن کے ساتھ ساز باز کر کے نندا خاندان کے خاتمے کے بندوبست میں لگ گیا۔ مگدھ کے اندر چانکیہ نے بغاوت کی آگ

بھڑکائی۔ باہر سے چندر گپت نے حملہ کیا۔ راجا مارا گیا۔ چندر گپت نے مگدھ کی گدی سنبھال لی اور چانکیہ کو اپنا وزیر اعظم بنالیا۔ اس نئی سلطنت کی بنیاد ۳۲۱۔۳۲۲ ق م میں پڑی اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، جس حد تک تاریخی معلومات کا تعلق ہے، ہندوستان میں یہ پہلی بڑی سلطنت تھی۔ چند سال میں چندر گپت نے اپنی سلطنت کی حدیں وندھیا چل تک پہنچا دیں، گویا وہ پورے شمالی ہند کا راجا بن گیا۔

سلیوکس (Selecus) یونانی کا حملہ: اسکندر کی وفات پر اس کے جرنیلوں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ کئی برس کی جنگوں کے بعد سلیوکس ایران، شام اور عراق کا بادشاہ بن گیا۔ ۳۰۵ ق م میں اسے اسکندر کی سلطنت کے ہندوستانی علاقوں کی تسخیر کا خیال آیا اور وہ بھاری فوج لے کر یہاں آ گیا۔ چندر گپت اعلیٰ درجے کی فوج لے کر سلیوکس کے مقابلے پر نکلا۔ پنجاب کے کسی حصے میں لڑائی ہوئی۔ جب سلیوکس کو فتح پانے کی امید نہ رہی تو صلح کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے اپنی بیٹی کی شادی چندر گپت سے کر دی اور ہندوکش سے لے کر دریائے سندھ تک کا علاقہ جہیز میں دے دیا۔ اس طرح موریا سلطنت کا شمالی و مغربی سرا ہندوکش پر پہنچ گیا۔ خود چندر گپت نے سلیوکس کو پانسو ہاتھی دے دیے، جو ہندوستان میں بہ کثرت ملتے تھے اور جنگ میں بہت کارآمد سمجھے جاتے تھے۔

میگاستھنز (Megasthenes): سلیوکس نے اپنا ایک سفیر بھی چندر گپت کے دربار میں بھیج دیا تھا جس کا نام میگاستھنز تھا۔ اس نے ۳۰۲ ق م سے ۲۹۸ ق م تک چار برس موریا سلطنت کی راجدھانی پاٹلی پتر میں گزارے۔ یہاں وہ اپنے مشاہدات بھی قلمبند کرتا رہا، اس طرح چار جلدوں کی ضخیم کتاب تیار ہو گئی۔ اب وہ ناپید ہے، صرف اس کے اقتباسات یونانی مؤرخوں کی کتابوں میں ملتے ہیں جن سے چندر گپت کے زمانے کے ہندوستان کی نسبت مفید معلومات ملتی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ایک قیمتی ماخذ میگاستھنز کے بیانات بھی ہیں۔

پادشاہی کا ٹھاٹھ: معلوم ہوتا ہے کہ چندر گپت نے پادشاہی کا ٹھاٹھ بڑے اونچے پیمانے پر قائم کیا تھا۔ اس کے زمانے میں پاٹلی پتر کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ شہر کی آبادی لمبائی میں ساڑھے نو میل تک پہنچ گئی تھی اور چوڑائی میں بھی دو میل سے کم نہ ہوگی۔ زیادہ تر عمارتیں لکڑی کی تھیں۔ شہر کے گرد فصیل تھی جس میں چونسٹھ دروازے اور پانسو ستر برج تھے۔ فصیل کے ساتھ ساتھ چوڑی خندق کھدوائی تھی جس میں پانی بھرا رہتا تھا۔

شاہی محل بھی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے میناروں پر سنہری بیلیں بنائی گئی تھیں۔ ان میں پرندوں کی تصویریں بھی تھیں جو روپہلی تھیں۔ سورج نکلتا تو یہ بیل بوٹے خوب چمکتے۔ محل کے ساتھ وسیع باغ تھا جس میں حوض بنے ہوئے تھے۔ حوضوں میں ہر وقت رنگ رنگ کی مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ چندر گپت کی شان و شوکت ایرانی شاہنشاہوں سے بھی بڑھ گئی تھی۔

دربار لگتا تو امیر و وزیر زرق برق کے لباس پہن کر شامل ہوتے اور ان کے لیے سنہری روپہلی چوکیاں بچھائی جاتیں۔ مہاراجا باہر نکلتا تو سنہری پالکی استعمال کرتا یا ہاتھی پر سوار ہوتا جس پر زریں جھول ہوتی۔ وہ لباس عموماً باریک ململ کا پہنتا اور اس کی گوٹ پر زری کا کام ہوتا۔ وہ مینڈھوں ہاتھیوں اور سانڈوں کی لڑائی دیکھنے کا بڑا شوقین تھا۔ کبھی کبھی مسلح سپاہیوں کو بھی تماشے کی غرض سے لڑاتا۔

شہر کا انتظام: معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں میونسپل انتظامات خاصے ترقی کر چکے تھے۔ شہر کی صفائی، حفظانِ صحت، مسافروں کی مہمانداری اور خرید و فروخت کی نگرانی کا کام ایک مجلس کے حوالے کر دیا گیا تھا جس کے تیس ممبر تھے اور اس مجلس نے مختلف کاموں کے چھ الگ الگ بورڈ بنا دیے تھے۔ شہر میں مصنوعات کی ترقی اور فروخت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ پیدائش و اموات کے رجسٹر موجود تھے۔ ناپ تول اور باٹوں کی نگرانی کی جاتی تھی تاکہ کوئی دکاندار بد دیانتی نہ کر سکے۔ چنگی کی چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ باہر سے عام مسافر یا سیاح شہر میں جاتے تو ان کے ٹھہرنے کے لیے الگ مکان بنا دیے گئے تھے اور کھانا بھی دیا جاتا تھا۔

سارے شہر کو پہلے چار مختلف حلقوں (وارڈوں) میں بانٹ دیا گیا تھا۔ پھر ہر وارڈ میں کئی چھوٹے حلقے بنا دیے تھے۔ اس طرح ایک ایک حلقے میں ہر چیز کی دیکھ بھال کے لیے مستقل صیغے قائم تھے۔

زراعت و تجارت: ملک میں کھیتی باڑی کی ترقی پر خاص توجہ مبذول تھی اور زمین کا مالیہ ہی حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ زمین ویسے بھی سیراب و زرخیز تھی۔ جہاں کھیتوں کی آبیاری کے لیے اچھا بندوبست نہ تھا، وہاں کنوؤں یا تالابوں یا نہروں کا انتظام کر دیا گیا تھا اور ان انتظامات کے لیے الگ پیسے وصول کیے جاتے تھے۔

تجارت کی ترقی کے لیے جگہ جگہ منڈیاں بنادی گئی تھیں، جہاں گردونواح سے ضرورت کی جنسیں جمع ہو جاتی تھیں۔ پھر جہاں جہاں جس جس جنس کی مانگ ہوتی، مطلوبہ مقدار میں بھیج دی جاتی۔ تمام جنسوں کے نرخ مقرر تھے اور کسی کو ان میں کمی بیشی کا اختیار نہ تھا۔

حکومت پیداوار کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ وصول کر لیتی تھی۔ علاوہ بریں تجارتی اشیا پر محصول لیا جاتا تھا۔ گھاٹوں اور پلوں سے گزرنے کا ٹیکس الگ تھا۔ ماہی گیروں سے بھی کچھ رقم لے کر انھیں مچھلیاں پکڑنے کا لائسنس دیا جاتا تھا۔ معدنیات سے بھی آمدنی ہوتی تھی۔ شراب بنتی اور بکتی تھی اور آب کاری کا محکمہ بھی آمدنی کا ایک ذریعہ تھا۔

فوج: چندر گپت کی کامیابی کا اصل راز یہ ہے کہ اس کے پاس فوج بہت بڑی تھی۔ اس سے پہلے نند اخاندان کے راجا اس صیغے کو اعلیٰ پیمانے پر پہنچا چکے تھے۔ انھیں باقاعدہ فوج کا خیال غالباً اس لیے آیا کہ برہمن اور چھتری ان کے دشمن تھے اور طاقتور فوج کے بغیر وہ شورشوں کو دبا نہیں سکتے تھے۔ چندر گپت کی فوج میں چھ لاکھ پیادے، تیس ہزار سوار، نو ہزار جنگی ہاتھی اور آٹھ ہزار جنگی رتھ تھے۔ بحری فوج بھی تھی جس کے پاس چھوٹے جہاز اور کشتیاں تھیں۔

متفرق حالات: ذات پات کی تفریق اس زمانے میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ تعلیم کا خاصا رواج تھا۔ جو لوگ اپنی زندگیاں تعلیم کے لیے وقف کر دیتے، ان کے گزارے کے لیے حکومت کی طرف سے زمینیں دی جاتیں۔ ملک میں سڑکوں کا جال بھی بچھ گیا تھا۔ ایک سڑک پاٹلی پتر سے تبت اور چین کو جاتی تھی۔ دوسری متھرا اور اوجین ہوتی ہوئی بھڑوچ پہنچتی تھی جو گجرات کی مشہور بندرگاہ ہے۔ تیسری سڑک پاٹلی پتر سے ٹیکسلا تک تھی۔ ان پر جگہ جگہ سرائیں بنی ہوئی تھیں اور سڑکوں پر درخت لگا دیے گئے تھے۔

مجرموں کو سزائیں بڑی سخت دی جاتی تھیں۔ جو شخص جھوٹی گواہی دیتا یا سرکاری واجبات سے بچنے کے لیے کوئی حیلہ تراشتا یا دستکار کو مارتا، اسے موت کی سزا دی جاتی تھی یا کم سے کم ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جاتے۔ خفیہ پولیس کا انتظام بھی بڑا وسیع تھا۔

چندر گپت کی وفات: عام مؤرخوں کی رائے یہی ہے کہ چندر گپت جین مت میں شامل ہو گیا تھا۔ ایسی شہادتیں بھی ملتی ہیں کہ وہ شکار کھیلا کرتا تھا۔ اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس کے جینی ہونے سے انکار کر دیا ہے، اس لیے کہ جینی ''جیوہتیا'' کبھی نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں وہ جینی

نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جینیوں کی بعض باتیں اختیار کر لی ہوں اور بعض نہ کی ہوں۔

کہتے ہیں کہ آخری عمر میں گدی کو چھوڑ کر وہ اپنے جینی گرو بھدر باہو کے پاس میسور چلا گیا تھا۔ وہیں ۲۹۷ ق م میں وفات پائی۔ گدی چھوڑنے کے وقت اس کی عمر پچاس برس کی ہوگی۔

چانکیہ برہمن: چانکیہ کے کچھ حالات ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ قدیم ہندوستان کا یہ بڑا دانش مند وزیر تھا۔ اس نے ارتھ شاستر کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں حکمرانی کے اصول بیان کیے۔ بڑی سلطنت کا وزیر اعظم بن جانے کے بعد بھی زندگی کا ڈھنگ نہ بدلا۔ شاہی محل کے پاس ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں دن بسر کرتا رہا۔ کہتے ہیں کہ چندر گپت کے بعد بندوسار کے عہد میں بھی اس کی وزارت قائم رہی۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ کب مرا۔

مہاراج اشوک ۲۷۲ ق م۔۲۳۲ ق م: چندر گپت کے بعد اس کا بیٹا بندوسار چوبیس برس حکمران رہا۔ اس نے دکن کو فتح کیا۔ ۲۷۳ ق م میں بندوسار فوت ہوا تو اس کا بیٹا اشوک موریا سلطنت کا فرمانروا بنا۔ اشوک قدیم ہندوستان کا سب سے بڑا اور مشہور ترین فرمانروا ہے۔ موریا سلطنت کی بنیاد چندر گپت نے رکھی اور اسے اونچے پیمانے پر پہنچایا، بندوسار نے اس کی حدیں وسیع کر دیں، لیکن اس سلطنت کو ناموری کے اوج پر اشوک نے کھڑا کیا۔

اشوک کے ابتدائی حالات کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ اپنے باپ کے زمانے میں پہلے اوجین، پھر ٹیکسلا کا گورنر رہا۔ ٹیکسلا کی گورنری کے زمانے میں بغاوت کی آگ بھڑکی تو اشوک نے حسنِ تدبیر سے اسے بہت جلد فرو کر دیا۔ بندوسار اس بات پر اتنا خوش ہوا کہ اشوک کو ولی عہد بنا دیا اگرچہ وہ بڑا بیٹا نہ تھا۔

ایک بیان یہ ہے کہ ولی عہد بنانے کا واقعہ غلط ہے۔ بندوسار فوت ہوا تو اس کے بہت سے بیٹے تھے۔ ان سب میں جنگ چھڑ گئی، جو تین چار برس جاری رہی اور اشوک اپنے ننانوے بھائیوں کو مار کر تخت کا مالک بنا۔

ننانوے بھائیوں کا ہونا یا انھیں مار کر تخت حاصل کرنا صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس بات میں شبہ نہیں کہ تخت نشینی کے لیے بھائیوں میں جنگ ضرور ہوئی۔ اس لیے کہ بندوسار نے ۲۷۲ ق م میں وفات پائی اور اشوک کی تخت نشینی اس کے تین برس بعد ۲۶۹ ق م میں عمل میں آئی۔

کلنگا کی جنگ اور اشوک کی حالت میں تغیر: ہندوستان کا بیشتر حصہ بندوسار کے زمانے میں فتح ہو چکا تھا، لیکن پاٹلی پتر کے پہلو میں کلنگا (موجودہ اڑیسہ) موریا سلطنت سے باہر رہ گیا تھا۔ ۲۶۱ ق م میں اشوک نے اس پر چڑھائی کی۔ کلنگا والوں نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ آخر ہار گئے۔ خود اشوک کے بیان کے مطابق ان کے ایک لاکھ آدمی قتل ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ جنگی قیدی بنے۔

کلنگا موریا سلطنت میں شامل ہو گیا، لیکن وہاں کی ہولناک خون ریزی نے اشوک کی کایا پلٹ دی۔ فتح و کامرانی کا جوش یکایک فرو ہو گیا اور اس کی جگہ رحم و محبت اور ہم جنسوں کی دردمندی کے جذبات اُبھر آئے۔ وہ اب تک ایک دُنیادار حکمران تھا جسے اپنی سلطنت بڑھانے اور ناموری حاصل کرنے میں خون بہاتے وقت بھی تامل نہیں ہوتا تھا، لیکن کلنگا کی جنگ کے بعد دھرمی حکمران بن گیا۔ خود کہتا ہے کہ سچی فتح صرف یہ ہے کہ انسانوں کے دل ہاتھ میں لائے جائیں۔ اسی زمانے میں بدھ دھرم میں داخل ہو کر اس کا سرگرم مبلغ بن گیا۔

دھرمی زندگی کے اصول: بدھ بننے کے بعد اشوک نے جو اصول رائج کیے، وہ کتبوں کی شکل میں جا بجا کندہ کر دیے تھے۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ ہمیشہ سچ بولو۔

۲۔ بچے ماں باپ کے فرمانبردار رہیں، شاگرد استادوں کی عزت کریں۔ رشتہ داروں کے ساتھ مناسب احترام کا سلوک کیا جائے۔

۳۔ جانداروں کو کوئی دُکھ نہ دیا جائے۔

۴۔ تمام مذاہب عزت کے قابل ہیں۔ کسی انسان کے لیے مناسب نہیں کہ اپنے مذہب کی عزت بڑھائے اور دوسرے مذاہب کی ہتک کرے۔

۵۔ دھرمی زندگی کے اصل کام یہ ہیں: برائی سے بچنا، نیکی کے کام زیادہ کرنا، رحم و محبت، کشادہ دلی، سچائی اور پاکیزگی پر عمل پیرا رہنا۔

۶۔ دھرمی زندگی سے بڑھ کر کوئی نیکی اور کوئی خیرات نہیں۔ دوستی، محبت، کشادہ دلی اور میل ملاپ دھرم ہے۔

۷۔ دھرم کا تقاضا یہ ہے کہ غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

خلقِ خدا کی خدمت: اس نے اپنی زندگی خلقِ خدا کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی۔ حکم

دے دیا تھا کہ میرے کھانے پر بیٹھ جاؤں یا زنانہ میں چلا جاؤں، سواری میں ہوں یا باغ میں، لیکن جب خلقِ خدا کا کوئی کام آئے تو فوراً مجھے آگاہ کرو۔ میں ہر وقت اور ہر مقام پر خلقِ خدا کے لیے حاضر ہوں۔ میں صرف مخلوق کی بھلائی کے لیے محنت کرتا ہوں۔ میری کوشش یہ ہے کہ کسی کام میں دیر نہ لگے۔ اسی طرح میں ہم جنسوں کے واجبات ادا کر سکتا ہوں۔

اپنے تمام چھوٹے بڑے افسروں کو حکم دے دیا تھا کہ ہر پانچ برس میں اپنے اپنے علاقے کا دورہ کریں اور ان دوروں میں عام لوگوں کو دھرمی زندگی کے اصول سکھائیں۔

بدھ دھرم کی اشاعت: فرمانروا کے نیک خیالات کا اثر عوام پر بھی پڑتا ہے۔ اشوک کے عہد میں ہندوستان کے لوگوں کی اخلاقی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ اسے بدھ دھرم کی اشاعت کا اتنا خیال تھا کہ اس دھرم کے مقررہ قاعدوں کے مطابق ڈھائی برس بھکشو بنا رہا۔ پھر ۲۴۹ ق م میں عالموں کی ایک جماعت کو لے کر بدھوں کے بڑے بڑے تیرتھوں کی زیارت کے لیے نکلا۔ ان سفروں میں بدھ دھرم کی خوب اشاعت ہوئی۔ بدھ عالموں کی ایک جماعت کو اشوک نے سیلون بھیجا۔ خود اس کی بیٹی بھکشن بن گئی اور نیپال میں اس نے بدھ مت پھیلایا۔ باہر کے ملکوں میں بھی مشن بھیجے گئے۔

غرض ۲۶۱ ق م کے بعد اشوک کی ساری زندگی صرف نیکی، محبت اور پاکیزگی کو فروغ دینے کے لیے وقف ہو گئی۔ ۲۴۲ ق م میں اس نے بدھ دھرم کے عالموں کی تیسری مجلس پاٹلی پتر میں بلائی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حدودِ سلطنت: اشوک کی سلطنت میں وہ تمام علاقے شامل تھے جنہیں آج کی اصطلاح میں افغانستان، بلوچستان، صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ، گجرات، صوبجات متوسط، یو۔ پی، بنگال، بہار، اڑیسہ، آسام اور نیپال کہتے ہیں۔ نیز دکن کا بڑا حصہ اس میں شامل تھا۔ اس کی سلطنت پانچ بڑے حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ہر حصے میں ایک وائسرائے مقرر تھا، جو عموماً شاہی خاندان سے ہوتا تھا۔

رفاہی کارنامے، عمارتیں اور یادگاریں: اشوک نے نئی سڑکیں بنوائیں۔ مسافروں کے آرام اور سہولت کے انتظامات میں اضافہ کیا۔ بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے تعمیر کرائے، جن میں تمام بیماریوں کا علاج مفت ہوتا تھا۔ حیوانات کے علاج کے لیے بھی مرکز قائم کر دیے۔ یتیم خانے بھی بنوائے۔ کئی سٹوپا (بدھ کے مقبرے) تعمیر کرائے۔

اشوک سے پہلے عمارتیں عام طور پر لکڑی کی ہوتی تھیں۔ اس نے پاٹلی پتر میں پتھروں

سے ایک شاندار محل تعمیر کرایا، جو چینی سیاح فاہیان کے زمانے تک باقی تھا، پھر تباہ ہو گیا۔ اب اس کے آثار زمین سے برآمد ہوئے ہیں۔ اپنی تمام ہدایات پتھر یا لوہے کی لاٹھوں پر کندہ کرا کے انھیں جگہ جگہ نصب کرا دیا۔ بدھوں کے لیے بہت سی خانقاہیں تعمیر کرائیں جنہیں مٹھ کہا جاتا تھا۔ بعض مؤرخوں نے ان کی تعداد چوراسی ہزار بتائی ہے۔

موریا خاندان کا زوال: کہتے ہیں کہ آخری عمر میں اس نے نیچ ذات کی ایک عورت سے شادی کر لی تھی جو بڑی بدمزاج تھی۔ ۲۳۲ ق م میں فوت ہوا۔ اس کی اولاد یعنی بیٹوں یا پوتوں میں سے کوئی بھی لائق نہ تھا، اس لیے سلطنت کا شیرازہ بہت جلد بکھر گیا۔ ۱۸۵ ق م میں یعنی اشوک سے چھیالیس سینتالیس برس بعد آخری موریا راجا کو اس کے سپہ سالار پشی متر نے قتل کر دیا اور خود راجا بن بیٹھا۔ اس سے سنگ خاندان کی بنیاد پڑی۔ یہ لوگ ذات پات کے برہمن تھے اور انھوں نے اشوک کے زمانے کی تمام اچھی چیزوں کو مٹا کر برہمن مت پر زور دیا۔ یہ خاندان مگدھ میں ۷۲ ق م تک حکمران رہا۔ پھر اس کی جگہ ایک اور خاندان نے لے لی۔ ان لوگوں کی حکومتوں کا دائرہ محدود تھا، لہٰذا وہ قابلِ ذکر نہیں ہیں۔

☆.....☆.....☆

چھٹا باب

اشوک کے بعد کا دور

(۲۳۶ ق م۔۱۴۹ء)

بیرونی حملہ آور: اشوک کی وفات کے ساتھ ہی پھر ہندوستان کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑ گیا اور ہمیں صرف تھوڑی سی معلومات حاصل ہو سکی ہیں۔ مثلاً یہ کہ موریا خاندان کے آخری راجا کو اس کے سپہ سالار نے قتل کیا اور مگدھ میں نئی سلطنت کا ظہور ہوا، جس کی حیثیت محض ایک ریاست کی تھی۔ یہ بھی ختم ہوئی تو اس جیسی اور ریاستیں بن گئیں۔

۲۵۰ ق م کے لگ بھگ سلیوکس کی سلطنت میں بھی انتشار شروع ہو گیا۔ ہندوستان کے پڑوس میں صوبہ باختر (بلخ) میں مستقل پادشاہی بن گئی۔ اس کے ساتھ ہی پارتھیا[1] کا صوبہ الگ ہو گیا۔ پارتھیا میں وہ سلطنت بنی جسے تاریخ ایران میں اشکانی سلطنت کہا جاتا ہے، اور اس نے آہستہ آہستہ سلیوکس کی سلطنت کو ختم کر دیا۔ اشکانیوں کو ساسانیوں نے ختم کیا۔ باختر کی یونانی سلطنت کا پادشاہ ڈیمٹریوس (Demetrius) قابلِ ذکر ہے جو کوہ ہندوکش کو عبور کر کے پورے افغانستان پر قابض ہو گیا۔ پھر اس نے پنجاب اور اس کے آس پاس کے علاقے بھی لے لیے۔ اس کے بعد باختری یونانیوں میں سے مناندر حاکمِ کابل نے بڑا نام پیدا کیا اور وہ شمال مغربی ہند کا مالک بن گیا بلکہ کہتے ہیں کہ اس کی حکومت متھرا تک پھیل گئی تھی۔ مناندر کے بعد شاکا یا "اشکائی" قبیلے کو عروج حاصل ہوا اور وہ بھی مد.. تک پنجاب پر قابض رہے۔ سیالکوٹ ان کا مرکز تھا۔ بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ یہ مالوے تک پہنچ گئے تھے۔

کوشانی: اشکائیوں کے بعد کوشانی یہاں آئے۔ یہ اس قوم میں سے تھے، جسے چین والے یواہ چی کہتے ہیں۔ چین سے نکالے گئے تو افغانستان پہنچے اور وہاں حکمران بن گئے۔ یہ پہلی صدی عیسوی میں ہندوستان آئے۔ کوشانیوں کا سب سے بڑا پادشاہ کنشک گزرا ہے جو ۱۲۰ء میں تخت

نشین ہوا اور انتیس برس حکمرانی کے بعد ۱۴۹ء میں وفات پائی۔

کنشک ۱۲۰ء۔ ۱۴۹ء: کنشک کے پورے حالات ابھی تک روشنی میں نہیں آئے، لیکن اتنا معلوم ہے کہ وہ بڑا بہادر اور جنگجو تھا۔ اس نے کوشانی سلطنت کی حدیں دُور تک پہنچا دیں۔ ہندوستان میں سے کشمیر اور پنجاب کے علاوہ جنوب میں متھرا اور مشرق میں بنارس یا اس کے آس پاس تک کے علاقے یقیناً اس کے قبضے میں تھے۔ پھر اس نے ترکستان پر بھی حملے کیے۔ یارقند، کاشغر اور ختن بھی اس کے باجگزار بن گئے۔ وہ ہر وقت نئے علاقوں کی تسخیر میں لگا رہتا تھا۔ چوں کہ امیر وزیر لڑائیوں سے بہت تنگ آ گئے تھے، اس لیے انھوں نے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جب تک کنشک زندہ ہے، لڑائیوں سے نجات نہیں ملے گی۔ ایک روز موقع پا کر انھوں نے کنشک کو پکڑ لیا اور اس پر بہت سے نمدے ڈال کر خود اوپر بیٹھ گئے۔ اس طرح دم گھٹ جانے سے اس عظیم الشان بادشاہ اور نامور فاتح نے وفات پائی۔

بدھ دھرم کا دوسرا پرچارک: یہ بات بڑی عجیب ہے کہ جنگ و خون ریزی کا مشتاق ہونے کے باوجود کنشک بدھ دھرم کا پیرو تھا۔ اشوک کے بعد وہ دوسرا فرمانروا تھا، جس نے دھرم کے پرچار اور اشاعت کے لیے سرگرمی سے کام کیا۔ اسی عہد میں بدھ دھرم کے قدم چین اور آس پاس کے علاقوں میں جمے۔

اس نے اشوک کی پیروی میں بدھ دھرم کے عالموں کی ایک مجلس بھی بلائی۔ اس کے تمام فیصلوں کو تانبے کی تختیوں پر لکھ دیا تا کہ اس میں ردّ و بدل نہ ہو سکے۔ یہ تختیاں ایک صندوق میں محفوظ رکھی گئی تھیں۔ بعد میں اس صندوق کا پتہ نہ لگ سکا۔

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بدھ دھرم کے دو بڑے گروہوں میں سے کنشک، مہایان کا پیرو تھا جسے ''بڑی راہ نجات'' کہتے تھے اور جس کے مطابق مہاتما بدھ کی مورتیوں کی پوجا جائز ہی نہیں ضروری تھی۔

علوم و فنون کی ترقی: مہاراجا کنشک کے دو پایۂ تخت تھے: ایک کابل کے شمال میں بگرام میں تھا، جس کے آثار اب کھودے گئے ہیں۔ اس مقام پر وہ گرمیاں بسر کرتا تھا۔ دوسرا پائے تخت پورشاپور (پشاور) میں تھا جہاں وہ سردیوں کا موسم گزارتا تھا۔

اس کے عہد میں علوم و فنون کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ تجارت چمک اٹھی۔ صنعت و

حرفت کو ترقی نصیب ہوئی۔ ویدک طریق علاج کا مشہور ماہر "چرک" کنشک ہی کے عہد میں تھا اور اس کا خاص طبیب تھا۔ اسی عہد میں ٹیکسلا اور نالندا کی یونیورسٹیوں کو وہ شہرت حاصل تھی جو آج یورپ اور امریکہ کی بعض یونیورسٹیوں کے لیے امتیاز کا طرہ بنی ہوئی ہے۔

کنشک کے جانشین: کنشک کا بیٹا بھی بڑا طاقت ور اور زبردست فرماں روا تھا، لیکن تھوڑی مدت بعد اس خاندان کی شوکت و عظمت زائل ہوگئی۔ کنشک کی پیدا کی ہوئی سلطنت بگڑ گئی۔ یہاں تک کہ ۲۲۶ء میں ہندوستان میں کوشانی حکومت کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ البتہ کابل میں ان کی فرمانروائی پانچویں صدی عیسوی تک باقی رہی۔

بدھ دھرم کا زوال: کنشک کے بعد بدھ مت بھی زوال میں آ گیا۔ زوال کے نمایاں اسباب یہ ہیں:

۱۔ اس کی سادگی باقی نہ رہی۔

۲۔ ابتدا میں اخلاق کی درستی پر خاص زور دیا جاتا تھا لیکن بعد میں برہمن مت کی طرح یہ پیچیدہ اور فضول رسموں کا مجموعہ رہ گیا۔

۳۔ بدھ مت میں مورتی پوجا شروع ہوگئی تو اس میں اور برہمن مت میں بہ ظاہر کوئی فرق نہ رہا۔

۴۔ ابتدا میں بدھ بھکشو بڑے نیک اور پاک باز تھے، بعد میں آہستہ آہستہ ان میں اتنی دُنیا داری پیدا ہوگئی کہ پیسے جمع کرنے اور اپنی عزت بڑھانے کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ رہا۔ پرچار کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

۵۔ ہن قبیلوں نے یورشیں شروع کر دیں تو ان میں بدھوں کی ہزاروں خانقاہیں (مٹھ) تباہ ہوگئیں۔ اس طرح مذہبی پرچار کا نظام درہم برہم ہوگیا۔

۶۔ پھر اشوک اور کنشک جیسے طاقت ور فرمانروا اس مت کے پشتیبان نہ رہے، بلکہ گپت خاندان نے برہمن مت (یا ہندو دھرم) کی سرپرستی شروع کر دی۔ اس وجہ سے عام لوگوں کی توجہ بھی بدھ مت سے ہٹتی گئی۔

۷۔ "اہمسا" بدھ مت دھرم کی بنیادی چیز تھی۔ جو گروہ بعد میں ہندوستان پر مسلط ہوئے، وہ لڑائی اور شکار کے عادی تھے، لہٰذا ان سے یہ امید نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ بدھ دھرم کو

دل سے قبول کرلیں گے یا اس کے مطابق عمل جاری رکھیں گے۔

برہمن مت کا احیاء: بدھ دھرم کے عروج کے زمانے میں بھی برہمن مت یا پرانا ہندو دھرم بالکل ختم نہیں ہوا تھا۔ گپت خاندان کے فرماں روا برہمن مت ہی کے پیرو تھے۔ ان کے برسر اقتدار آتے ہی یہ مت پھر اُبھر کر آگے آ گیا، لیکن اس کی وضع بدل گئی۔ اس کا تعصب، تنگ نظری، ذات پات اور چھوت چھات وغیرہ خصوصیتیں قائم رہیں لیکن دوسرے مذہبوں کے پیروؤں کو اپنے دامن میں لپیٹنے کی غرض سے دائرہ ذرا وسیع کر دیا گیا۔ بدھ مت یا جین مت کے اصول کا اعتراف نہ کیا گیا، لیکن خود بدھوں اور جینیوں کو عرفاً ہندو ماننے کی شکل نکال لی گئی۔ گویا نئے دور میں برہمن مت ایک مستقل مذہبی نظام کی جگہ ایک تمدنی نظام بن گیا۔ یہی نظام تھا جس سے مسلمانوں کو یہاں آنے پر سابقہ پڑا۔

حواشی

۱ پارتھیا کا علاقہ بحیرۂ قزوین (کیسپین) کے جنوب مشرق میں تھا۔

۲ محققین کی رائے ہے کہ یہی لفظ لب والجہ کی تبدیلی سے عبرانی میں یاجوج بنا اور موگ یا منگ، منگول اور مغل نے ماجوج کا جامہ پہنا۔

ساتواں باب

گپت خاندان اور ہرش

(۳۲۰ء۔۶۴۹ء)

نئی تاریخی کڑی: کنشک کے بعد پھر اس وسیع ملک کے تاریخی حالات کا رشتہ گم ہو گیا۔ گویا تاریخی دَور شروع ہو جانے کے بعد بھی ہماری معلومات کی حالت یہی ہے کہ بجلی سی چمکی، اِدھر اُدھر کچھ روشنی ہوئی، پھر اندھیرا سا چھا گیا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ قدیم ہندوستان کے تاریخ نگار کی حیثیت اس ملّاح کی سی ہے، جس کا سفینہ کبھی بھنور کے چکّر میں پڑ جاتا ہے، کبھی طوفان کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اور کچھ بجھائی نہیں دیتا، کبھی تھوڑی دیر کے لیے پانی کی سطح میں سکون پیدا ہو جاتا ہے اور سفینہ اطمینان سے چلنے لگتا ہے۔ اشوک کے بعد ہمیں کنشک کے کچھ حالات معلوم ہوئے۔ اس کی وفات پر پونے دو سو برس گزر گئے، تو ایک نئے حکمران خاندان کا ظہور ہوا جسے عام طور پر گپت خاندان کہتے ہیں اور آریاؤں کے زمانۂ اقتدار کے بعد یہی خاندان ہے، جس کے متعلق دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہندو تھا اور اس نے ہندو دھرم یعنی برہمن مت کی سرپرستی کی۔ ورنہ موریا خاندان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ ہندی یا ہندوستانی تھے، ہندو نہ تھے اور کنشک ہندوستانی بھی نہ تھا۔

گپت خاندان: گپت خاندان کے بانی کا نام چندر گپت تھا۔ وہ پہلے مگدھ میں معمولی رئیس تھا۔ پھر اپنے اثر کا دائرہ بڑھانے لگا یہاں تک کہ وہ اودھ پر بھی قابض ہو گیا۔ دریائے گنگا کے کنارے کنارے اس کی حکومت پریاگ (موجودہ الٰہ آباد) تک پہنچ گئی۔ لچھوی قبیلے کی ایک راج کماری سے شادی کر کے اس قبیلے کی امداد حاصل کر لی۔ غالباً ۳۲۰ء میں راجا بنا۔ ایک سمت بھی جاری کیا جو ۲۰ فروری ۳۲۰ء سے شروع ہوا۔ قیاس یہ ہے کہ اسی تاریخ کو وہ مسند پر بیٹھا تھا۔

چندر گپت کی تاریخِ وفات کے متعلق اختلاف ہے، لیکن اب عام رائے یہی ہے کہ اس نے صرف چھ برس حکومت کی اور ۳۲۶ء میں فوت ہوا۔

سمدر گپت ۳۲۶ء۔۳۷۵ء: چندر گپت کے بعد اس کا بیٹا سمدر گپت مسند نشین ہوا جو انچاس برس حکمران رہا۔ بڑا جنگ جو اور تیغ زن تھا۔ اس نے پہلے اردگرد کے علاقے فتح کیے۔ پھر جنگلی قبیلوں سے لڑتا رہا۔ وسط ہند کو فتح کرنے کے بعد اس نے دکن کا رخ کیا۔ دکن کی مشرقی سمت میں بڑھتا بڑھتا کانجی ورم (جسے اس زمانے میں کانچی کہتے تھے) تک پہنچ گیا، جو مدراس کے نزدیک ہے۔ مغربی سمت سے واپس آتا ہوا خاندیش میں سے گزرا۔ ان فتوحات کے بعد اس نے ''آشومیدھ یگ'' کیا جو مدت سے کسی ہندوستانی فرماں روا نے نہیں کیا تھا۔ یہ گویا اس کے مہاراجا ہونے کا اعلانِ عام تھا۔ اس کے عہد میں ہندو دھرم یا برہمن مت نے زندگی کی نئی کروٹ لی۔ مدت دراز کے بعد اس دھرم کو پھر حکومت کی سرپرستی ملی۔

اگرچہ وہ ہندو دھرم کا سرپرست بن گیا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں تعصب نہ تھا۔ ۳۶۰ء کے قریب سیلون کے راجا نے اس کے پاس سفیر بھیجے اور مہاتما بدھ کی گیا (بہار) والی زیارت گاہ میں بدھوں کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کی۔ پھر تین منزل کی عمارت بنائی، جس میں بدھ کی مورتی رکھی گئی۔ یہ سونے اور چاندی کی بنی ہوئی تھی اور اس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ سمدر گپت نے بخوشی ان چیزوں کی اجازت دے دی۔

اس کے عہد میں علوم و فنون کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ جنگی آدمی ہونے کے علاوہ وہ سنسکرت زبان کا عالم بھی تھا۔ موسیقی بہت اچھی جانتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ کئی کتابیں لکھی تھیں۔ اس کے زمانے میں پاٹلی پتر کی جگہ اجودھیا (موجودہ فیض آباد) پائے تخت بنا جہاں رام چندر جی کی حکومت کا مرکز تھا۔

چندر گپت ثانی بکرماجیت (۳۷۵ء۔۴۲۳ء): سمدر گپت کے بعد اس کا فرزند چندر گپت ثانی کے لقب سے مسند پر بیٹھا۔ یہ شخص اس خاندان کا نہایت مشہور اور ہر دل عزیز فرماں روا تھا، بلکہ قدیم ہندوستان کے کسی راجا کو اس کے برابر شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ یہ عام طور پر ''وکرمادتیہ'' یا ''بکرماجیت'' کے لقب سے معروف ہے۔ اس کے عہد میں مالوہ، گجرات اور کاٹھیاواڑ بھی فتح ہو گئے جہاں شاکا یا اشکائی قبیلے کے سردار حکمران تھے۔ مالوہ بکرماجیت کو اتنا پسند آیا کہ وہاں کے مشہور شہر اوجین کو اس نے دوسری راج دھانی بنا لیا۔ زیادہ وقت اوجین ہی میں گزارنے لگا۔

اوجین ہی میں اس نے بکرمی سمت جاری کیا جسے مالوے کے ریاضی دان بہت پہلے بنا

چکے تھے اور وہ مالوی سمت کے نام سے مشہور تھا۔ بکرماجیت نے اپنا کر اسے اپنے نام سے مشہور کیا۔ یہ ۵۸ ق م سے شروع ہوا۔

گجرات اور کاٹھیا واڑ کی فتح کے بعد بحری تجارت کو بڑی ترقی ہوئی۔ بھڑوچ اور کھمبائت کی بندرگاہوں سے ہندوستان کا مال مغربی ملکوں میں جاتا تھا اور باہر کا مال ہندوستان آتا تھا۔ بکرماجیت نے تقریباً چالیس برس کی حکومت کے بعد ۴۱۳ یا ۴۱۵ میں وفات پائی۔

گپت خاندان کا دورِ عروج ہندوؤں کے نزدیک اس ملک کی تاریخ کا ''سنہری زمانہ'' ہے۔ اس لیے نہیں کہ سلطنت بہت پھیل گئی تھی یا پورا ہندوستان اس کے احاطے میں آ گیا تھا، صرف اس لیے کہ اس میں ہندو دھرم، ہندو علوم، سنسکرت زبان، بت تراشی اور بت سازی وغیرہ کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ جن چیزوں کو ہم ہندو علوم و فنون کہتے ہیں، ان کو زیادہ رواج اسی عہد میں ملا تھا۔ ایلورا کی سنگ تراشی اور نقاشی اسی زمانے میں ہوئی۔ سنسکرت زبان کا شہرہ آفاق ڈراما نگار کالی داس بکرماجیت ہی کے وقت میں تھا۔ جوتش اور ریاضی پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔ تعلیم کا چرچا تھا۔ درسگاہیں اور یونیورسٹیاں موجود تھیں۔

فاہیان (Faxian): بکرماجیت ہی کے وقت میں مشہور چینی سیاح فاہیان ہندوستان آیا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ مہاتما بدھ کے تیرتھوں کو دیکھے اور بدھ دھرم کے متعلق قلمی نسخے جمع کرے۔ وہ ۳۹۹ء میں وطن سے نکلا۔ ختن ہوتا ہوا پامیر سے گزر کر سوات کے راستے پہلے پشاور پھر ٹیکسلا پہنچا۔ پاٹلی پتر میں اس نے تین برس گزارے۔ پھر بنگال گیا۔ آخر جہاز پر سوار ہو کر سیلون گیا۔ وہاں سے جاوا ہوتا ہوا اپنے وطن پہنچ گیا۔ باقی عمر اپنے فراہم کیے ہوئے قلمی نسخوں کے ترجمے میں بسر کر دی۔ اس کی غرض یہ نہ تھی کہ ملک کے حالات لکھے جائیں، لیکن سفر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھ گیا ہے، اس سے ہندوستان کے حالات پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔

اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مگدھ یعنی جنوبی بہار میں بڑے بڑے شہر تھے۔ پاٹلی پتر اگرچہ مرکزِ حکومت نہیں رہا تھا اور بکرماجیت کے زمانے میں حکومت کی توجہ اجودھیا اور اوجین پر زیادہ مبذول تھی، تاہم پاٹلی پتر کی رونق بدستور باقی تھی۔ یہاں تک کہ اشوک کا بنایا ہوا پختہ محل بھی سلامت تھا، اگرچہ اس کی تعمیر پر چھ سو برس گزر چکے تھے۔ لوگ خاصے خوشحال تھے۔ مختلف مقامات پر خیرات خانے بھی بنے ہوئے تھے۔ شاہراہوں کی منزلوں پر سرائیں موجود تھیں۔

پاٹلی پتر کے شفاخانوں میں بیماروں کو دوا اور غذا حکومت کی طرف سے دی جاتی تھی۔

برہمن بدھوں کے تہوار بھی مناتے تھے۔ گوشت، شراب اور لہسن کا استعمال نہیں تھا۔ ذات پات اور چھوت چھات کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ شودر شہر سے باہر الگ آبادی میں رہتے تھے۔ ان میں سے کوئی شہر میں آتا تو لکڑی بجاتا ہوا آتا تا کہ لوگ خبردار ہو جائیں۔ آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ زمین کا مالیہ تھا۔

ہن قوم کی یورش: بکرماجیت کے بعد اس کا بیٹا اور پوتا حکمران بنے۔ اسی زمانے میں وسط ایشیا سے ''ہن قوم'' کی یورش شروع ہوئی اور بہت جلد شمالی ہندوستان پر چھا گئی۔ ۵۱۰ء میں اس قوم نے گپت خاندان کی مشہور تخت گاہ اوجین پر قبضہ کر لیا اور گپت سلطنت کا نقش مٹ گیا۔

ہن قوم کا پہلا مشہور سردار تورمان تھا۔ پھر اس کا بیٹا مہر گل سلطنت کا وارث بنا۔ اس کا مرکز سیالکوٹ تھا، اگرچہ سلطنت مالوے تک پھیلی ہوئی تھی۔ مگدھ اور مالوہ کے راجاؤں نے مل کر مہر گل کو شکست دی وہ بھاگ کر کشمیر چلا گیا۔ ۵۴۰ء میں وہ قتل ہوا۔

ہن قوم اگرچہ جوشِ فتح میں دُور دُور پہنچ گئی تھی لیکن جس تیزی سے آئی تھی، اسی تیزی سے اس کا اقتدار ختم ہو گیا؛ البتہ اس کی آبادیاں جگہ جگہ قائم رہ گئیں اور کچھ ریاستیں بچ گئیں۔

ہن قوم کے حملوں کا اثر: موریا خاندان نے ہندوستان کے بڑے حصے کو اکٹھا کر دیا تھا۔ جب اس خاندان پر زوال آیا، تو پھر ملک کے ٹکڑے ہو گئے۔ کنشک نے انھیں دوبارہ جوڑنے کی کوشش کی، لیکن اس کے بعد چونکہ کوئی قابل آدمی جانشین نہ ہوا، اس وجہ سے نہ محض کنشک کی سلطنت ہی مٹی، بلکہ اس کے جمع کیے ہوئے ٹکڑے بھی الگ الگ ہو گئے۔ گپت خاندان کی تلوار دکن میں بھی چمکی، تاہم اس کی سلطنت کنشک کی ہندوستانی سلطنت سے زیادہ بڑی نہ تھی۔ ہن قوم کے حملوں نے ہندوستان کو متحد کرنے کی تیسری کوشش بھی ناکام بنا دی اور سارا ملک پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گیا۔ انہی میں سے ایک ریاست تھانیسر کی تھی جس کا راجا چھٹی صدی عیسوی کے آخری دَور میں ''پربھاکر وردھن'' تھا۔ اسے گردونواح کے علاقوں میں اس وجہ سے ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی تھی کہ وہ ہن قوم کے خلاف مردانگی سے لڑتا رہا تھا۔

ہرش وردھن (۶۰۶ء۔۶۴۹ء): پربھاکر وردھن کا بیٹا ہرش وردھن قدیم ہندوستان کا آخری مشہور راجا تھا۔ اس نے بھائی اور بہنوئی کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے لڑائیاں شروع کیں اور بہت

جلد اس وسیع سلطنت کا مالک بن گیا جو بحیرۂ عرب سے لے کر سرحدِ برما تک اور دامنِ ہمالیہ سے لے کر نربدا تک پھیلی ہوئی تھی۔ گویا گپت خاندان کی سلطنت کے برابر تھی۔ ۶۲۰ء میں اس نے دکن پر حملہ کیا، لیکن چالوکیا خاندان کے راجا نے اس طرح جم کر مقابلہ کیا کہ ہرش کو کامیابی کی کوئی اُمید نہ رہی اور جنوب میں دریائے نربدا پر ہی اس کی سلطنت کی آخری سرحد بنی۔ نربدا سے نیچے چالوکیا خاندان کی حکومت رہی۔

انتظام سلطنت: ہرش محض بہادر سپہ سالار ہی نہ تھا بلکہ بڑا بیدار مغز منتظم بھی تھا۔ سلطنت کا انتظام بہت اچھا کیا۔ برابر ملک میں دورے کرتا رہتا تا کہ رعایا کے حالات براہِ راست معلوم ہوتے رہیں۔ اس نے قنوج کو راج دھانی بنایا تھا۔ یہ شہر ہرش کے زمانے میں میلوں میں پھیل گیا۔ بڑی عالی شان عمارتیں بن گئیں۔ دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ استحکامات بہت عمدہ ہوگئے۔ پانچویں صدی میں یہاں بدھوں کی صرف دو خانقاہیں تھیں۔ ہرش کے زمانے میں ان خانقاہوں کی تعداد ایک سو سے بھی بڑھ گئی۔ ہندوؤں کے دو سو مندر تھے۔

ہیون سانگ (Xuan Zong): ہرش کے عہد میں دوسرا مشہور چینی سیاح ہیون سانگ (ہُوان چونگ) ہندوستان آیا۔ اس کی غرض بھی فاہیان کی طرح یہ تھی کہ بدھ تیرتھوں کی زیارت کرے۔ نیز بدھ دھرم کی اچھی کتابیں فراہم کر کے لے جائے۔ وہ ۶۲۹ء میں وطن سے نکلا۔ اس وقت ۲۹ برس کی عمر تھی۔ تاشقند، سمرقند اور قندوز ہوتا ہوا وہ ۶۳۰ء میں ہندوستان پہنچا اور ۶۴۴ء تک چودہ برس اس نے یہاں کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں گزارے۔ پھر پامیر سے گزر کر کاشغر، یارقند، اور ختن ہوتا ہوا چین گیا۔ کتابوں کا بڑا قیمتی ذخیرہ ساتھ لے گیا تھا۔ سولہ برس سفر میں بسر کیے۔ پھر انیس برس تک جمع کیے ہوئے علمی ذخیرے کو چینی زبان میں منتقل کرتا رہا۔ ۶۶۴ء میں چونسٹھ برس کی عمر پا کر فوت ہوا۔ ہرش کے زمانے کے ہندوستان کے متعلق جو معلومات ہیون سانگ کے ذریعہ سے حاصل ہوئیں، وہ بڑی بیش بہا ہیں۔

ہیون سانگ سے ہرش کی پہلی ملاقات بنگال میں ہوئی تھی۔ مہاراجا چینی سیاح کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوا۔ اسے اپنے ساتھ قنوج لے گیا اور عالموں کی ایک بہت بڑی مجلس بلائی، جس میں اطراف کے راجا بھی شریک تھے۔ یہ اٹھارہ دن جمی رہی۔ ویسی ہی ایک عالی شان مجلس پریاگ (الہ آباد) میں ہوئی۔

ہرش کا مذہب: ہرش ہندو پیدا ہوا تھا لیکن بعد میں بدھ دھرم کی طرف زیادہ رغبت ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ یہ ہیون سانگ کی صحبت کا اثر تھا۔ ہرش بڑا خدا ترس اور نیک شخص تھا۔ دن میں کئی گھنٹے عبادت میں صرف کرتا بلکہ آخر میں تو خدا کی یاد کا ذوق اتنا بڑھ گیا تھا کہ کھانے پینے اور سونے کا بھی خیال نہیں رکھتا تھا۔ ہر سال بدھ دھرم کے عالموں کو جمع کرتا، جوان میں سب سے قابل ہوتا، اسے "راج گرو" کا لقب دیتا۔ بدھ خانقاہوں پر بڑا روپیہ خرچ کرتا تھا۔ اسے کہیں سے مہاتما بدھ کا ایک دانت مل گیا، جسے بڑے احترام سے قنوج میں دفن کیا اور اس پر عالی شان عمارت بنائی۔

ایک دستور یہ ٹھہرالیا تھا کہ ہر چھٹے برس پریاگ میں بڑا اجتماع ہوتا، جس میں ہر دھرم کے عالم اور درویش دُور دُور سے آتے۔ پہلے دن بدھ کی مورتی کی پرستش ہوتی، دوسرے دن سورج دیوتا کی اور تیسرے دن شیو جی کی پوجا کی جاتی۔ ہرش کے خزانے میں جتنا روپیہ جمع ہوتا، وہ سب لوگوں کو خیرات کے طور پر بانٹ دیتا یا مختلف دھرموں کے عالموں اور درویشوں میں تقسیم کر دیتا۔

ہیون سانگ کا بیان: ہیون سانگ نے ہندوستان کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قنوج بڑا عالی شان شہر تھا۔ اس میں سیکڑوں باغ اور تالاب تھے۔ شہر کے گرد فصیل بنی ہوئی تھی، امیروں کے گھروں کی چھتیں بیل بوٹوں سے آراستہ ہوتی تھیں۔ لوگوں کے اطوار اچھے تھے۔ سادی زندگی بسر کرتے۔ مہمانوں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ مذہبی تعصب بالکل نہیں تھا۔ ستی کا رواج ہو چلا تھا۔ ذات پات کی تمیز اس زمانے میں بھی خوب زوروں پر تھی۔

حکومت ملک کی پیداوار کا چھٹا حصہ لیتی۔ محصول ہلکے تھے۔ آمدنی کا ایک حصہ راجا اپنے صرف میں لاتا، دوسرا حصہ فوج کی تنخواہ میں خرچ ہوتا، تیسرا حصہ تعلیم کے لیے وقف رہتا، چوتھا بدھ دھرم کی اشاعت میں لگا دیا جاتا۔ تعلیم عام تھی۔

ہرش خود بھی عالم آدمی تھا۔ اس نے تین ڈرامے لکھے۔ سنسکرت زبان کی دیا کرن (قواعد) لکھی۔ پانسو کے قریب نظمیں بھی اس سے منسوب ہیں۔

وفات: ہرش ۶۴۹ء میں فوت ہوا۔ کوئی بیٹا نہ تھا جو اس کی سلطنت کا وارث بنتا، لیکن یہ بات عجیب ہے کہ لاولد ہونے کے باوجود اس نے یہ نہ سوچا کہ بعد میں کیا حالت ہوگی۔ اس کے مرتے ہی ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ اسی زمانے میں قحط پڑ گیا جس نے حالت اور بھی ابتر بنا دی۔ ایک

وزیر موقع پا کر خود گدی کا مالک بن بیٹھا۔

مہاراج ہرش ہندوستان کے بڑے حصے کی یکجائی کا آخری نشان تھا۔ اس کے بعد عام انتشار پھیل گیا۔ وِنسنٹ سمتھ (Vincent Smith) کے قول کے مطابق کہنا چاہیے کہ تاریخ کے تسلسل کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ پھر ملک کو سیاسی اکائی بنانے کا کام قدرت نے مسلمانوں کے حوالے کیا اور انھیں کے ہاتھوں ہندوستان اپنی عظمت کی آخری منزل پر پہنچا۔

☆.....☆.....☆

maablib.org

آٹھواں باب

ساتویں صدی سے بارہویں صدی تک

ابتری کا زمانہ: ہرش کی عظمت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد ہندوستان میں طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کا جو دور شروع ہوا، وہ کم و بیش ساڑھے پانسو برس تک جاری رہا۔ اس میں ملکی انتظام اس طرح درہم برہم ہو گیا کہ پھر اسے بحال کرنے کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ اس دور کے حالات کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے، اس لیے کہ تاریخی تسلسل کا رشتہ گم ہو چکا تھا۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک ایک ٹکڑے کی پوری تاریخ لکھی جائے، اس لیے کہ یہ تاریخ ملتی ہی نہیں اور سیکڑوں خاندانوں کی باہمی کشمکش کے حالات میں نہ دلچسپی کا کوئی سامان ہے اور نہ ایسی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو اس کے سوا کچھ معلوم ہو سکتا ہے کہ بدقسمتی اور ابتری اپنی آخری حد پر پہنچ چکی تھی۔

تاریخی نقطۂ نگاہ سے اس زمانے کی دو باتیں قابلِ ذکر ہیں۔ اوّل یہ کہ شمالی ہندوستان کے مختلف حصّوں میں وہ لوگ برسرِ اقتدار آ گئے جنھیں راجپوت کہتے ہیں۔ دوسرے، ہندو دھرم میں اصلاح کی بعض تحریکیں پیدا ہوئیں۔

راجپوت: راجپوتوں کی اصل و نسل کے متعلق اختلاف ہے۔ ان کا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ ہم سورج بنسی اور چندر بنسی ہیں جن کے عروج و عظمت کی کہانیاں رامائن اور مہابھارت نے سنائیں۔ ایک قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب چھتریوں کی پوری نسل کو پرس رام برہمن نے مٹا دیا اور راج پاٹ کی ذمہ داریاں سنبھالنے والا کوئی نہ رہا تو بڑے بڑے رشی اور منی کوہِ آبو پر جمع ہوئے۔ ایشور کی بارگاہ میں دعا کی کہ جنگی آدمیوں کی نئی نسل پیدا کی جائے، جو ملک کو بدامنی سے نجات دلائے اور برہمن مت یا ہندو دھرم کو دوبارہ زندہ کر دے۔ چنانچہ آبو کی چوٹی پر ایک بڑا کنڈ (گڑھا) تیار کیا گیا۔ اس میں پُوتر آگ جلائی گئی۔ اس سے چار جوان پیدا ہوئے جن سے راجپوتوں کے چار مشہور

خاندانوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ پہلے چھتریوں کے صرف تین سلسلے تھے۔ سورج بنسی، چندر بنسی اور یادو۔ اب اس میں چوتھا سلسلہ شامل ہو گیا، جسے ''اگنی کل'' یعنی آتشیں نسل کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے افسانوں کو کسی درجے میں بھی تاریخی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ محققین اس بات کو بھی نہیں مانتے کہ راجپوت سورج بنسی یا چندر بنسی نسل سے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ بدھ دھرم کے دورِ عروج میں شمال مغرب سے جو جنگجو قومیں ہندوستان میں آ کر آباد ہوتی رہیں، راجپوت انھیں کی اولاد میں سے ہیں۔ باقی رہا پہاڑ پر آگ جلانے کا معاملہ تو اس کی حیثیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ہندو رشیوں اور منیوں کو یہ احساس ہوا کہ ان جنگجو لوگوں کی قوتِ بازو سے فائدہ اٹھائے بغیر ملکی انتظام کو چلانا مشکل ہے، تو ان کو باقاعدہ ہندو بنا لینے کی تجویز قرار پائی۔ اس طرح غیر ہندو اور غیر آریا تیغ زنوں کی ''شدھی'' وسیع پیمانے پر عمل میں آئی۔

راجپوتوں کے اوصاف و خصائل: اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ راجپوت بڑے لڑاکے اور جنگجو تھے۔ سپہ گری کو ان کے ہاں بڑی عزت حاصل تھی۔ بہادری اور جواں مردی ان کی قومی خصوصیت بن گئی تھی۔ نیزے اور تلوار کے استعمال میں وہ ابتدا سے خاص مشق بہم پہنچا لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں نیم مہذب جنگجو قوموں کے اوصاف و خصائل پیدا ہو گئے۔ یعنی معمولی باتوں پر جھگڑا پیدا کر کے تلواریں نکال لینا، خطرے کے مقام سے پیچھے ہٹنے کو باعثِ ننگ جاننا، مر جانا اور مقابلہ نہ چھوڑنا، عزت و ناموس کی حفاظت میں بے دریغ سب کچھ قربان کر دینا۔ اُن کی عورتیں بھی مردوں کی طرح نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں طاق ہوتی تھیں۔ جب کسی گروہ کی شکست یقینی ہو جاتی تھی تو عورتیں چتائیں تیار کر کے جل مرتیں اور مرد سر سے کفن باندھ کر لڑتے لڑتے جانیں دے دیتے۔ اسے اصطلاح میں ''جوہر'' کی رسم کہتے تھے جو مدت تک راجپوت قوم میں جاری رہی۔ مسلمانوں کے ساتھ میل جول پیدا ہونے کے بعد اس کا خاتمہ ہوا۔

ملک کی حالت: راجپوتوں کے شدھ ہو جانے کے بعد ہندو قوم میں جنگجوئی کا خالی خانہ پُر ہو گیا۔ یعنی چھتریوں کا نیا گروہ پیدا ہو گیا لیکن چوں کہ انھیں شدھ کرنے اور ہندو قوم میں عزت کا درجہ دینے کا کام برہمنوں کے ہاتھوں انجام پایا تھا، اس لیے راجپوتوں کے ہاں برہمنوں کو وہی اقتدار حاصل ہو گیا، جو پہلے کسی زمانے میں حاصل تھا۔ وہ ہر کام برہمنوں کی مرضی کے مطابق کرتے تھے، ہر معاملے میں ان سے مشورے لیتے تھے۔ اس طرح برہمنوں نے اپنے لیے

تیغ زن چھتریوں کا نیا سہارا پیدا کرلیا اور ان نئے چھتریوں نے اپنے سر اس وجہ سے برہمنوں کے آگے جھکا دیے کہ ساری عزت انھیں سے پائی تھی۔

لیکن راجپوت بھی ملک میں وحدت اور یکجہتی کا کوئی بندوبست نہ کر سکے۔ ان کی ابتدا خاندان اور نسل کے گھمنڈ سے ہوئی تھی اور ممکن نہ تھا کہ اس گھمنڈ کو چھوڑ کر اکٹھے ہوتے۔ انھوں نے جا بجا الگ الگ حکومتیں بنالیں جن کی تعداد بتانا مشکل ہے۔ ان میں سے گجرات، قنوج، جبل پور، اجمیر، دہلی اور دکن کی بعض ریاستیں قابلِ ذکر ہیں جن سے مسلمانوں کی لڑائیاں ہوئیں۔ ان کے مختصر حالات لڑائیوں کے سلسلے میں بیان ہوں گے۔

فوجی حالت: سیاسی حیثیت سے برہمنوں نے راجپوتوں کو شدھ کر کے اپنے لیے زبردست جنگی قوت پیدا کرلی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنے مت کو نئے سرے سے ہمہ گیر بنانے کے لیے اتنی چیز کافی نظر نہ آئی۔ چنانچہ دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ ہندوستان میں جو مذہبی طبقے اور فرقے موجود تھے، ان سب کی بڑی بڑی چیزوں کو اپنے مت میں سمیٹ کر ان کی مستقل حیثیت ختم کردی۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، یہی زمانہ ہے جس میں ہندو دھرم ایک مذہبی تحریک کے بجائے تمدنی تحریک بن گیا۔ برہمنوں نے سب کے بتوں کو اپنی ''دیوبانی'' میں شامل کرلیا اور تمام لوگوں نے برہمنوں کی رسمیں اور پوجا پاٹ کے طریقے اختیار کرلیے۔

اس زمانے کو ہندو دھرم میں ویدوں کے مقابلے پر ''پرانوں کا زمانہ'' کہا جاتا ہے، جس میں برہمنوں نے ان تمام دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا کو اپنا لیا جو مختلف طبقوں میں رائج تھے۔ اس طرح سب کے پروہت اور مذہبی پیشوا بننے کی راہ نکال لی۔ اس دور میں ویدوں کے بجائے پرانوں پر زیادہ اعتبار کیا جانے لگا یا یوں کہہ لیجیے کہ پرانوں کا چرچا بہت ہوگیا۔

پران تعداد میں اٹھارہ ہیں، جو مختلف زمانوں میں لکھے گئے۔ سب سے پہلا پران غالباً چوتھی صدی عیسوی میں تیار ہوا۔ ان میں کائنات کی پیدائش یا رشیوں اور قانون سازوں کے حالات کے علاوہ راجاؤں کی داستانیں بھی درج کردی گئیں۔

چار مصلح: [اس زمانے میں ہندو دھرم کے بڑے بڑے پرچارک پیدا ہوئے، جن میں سے چار مصلح قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ **کمارل بھٹ:** کمارل آسام کا برہمن تھا۔ آٹھویں صدی میں پیدا ہوا۔ تعلیم پاکر

دھ م کا پرچار شروع کیا۔ پرانا ویدک دھرم پھیلاتا تھا۔ اُس کا عقیدہ یہ تھا کہ پرماتما ہی نے دُنیا کو پیدا کیا اور اسی کے ہاتھ میں کائنات کی باگ ڈور ہے۔

۲۔ **شنکر آچاریہ:** شنکر آچاریہ ہندو دھرم کے بڑے عالموں اور فلاسفروں میں شمار ہوتا ہے۔ ملیبار (جنوبی ہند) کے برہمن گھرانے میں ۷۸۸ء میں پیدا ہوا۔ اُس وقت سندھ میں عربوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور عرب تاجر ملیبار اور سیلون آتے جاتے تھے۔ شنکر آچاریہ چھوٹی ہی سی عمر میں سنیاسی بن گیا۔ بنارس میں تعلیم پائی۔ کئی کتابیں لکھیں۔ تقریر بڑی اچھی کرتا تھا۔ پھر ملک کا دورہ شروع کیا۔ بدھ دھرم اور جین مت کے عالموں سے مناظرے کرتا ہوا کشمیر پہنچا۔ وہیں سرینگر میں جھیل ڈل کے کنارے ایک ٹیلے پر ۸۲۰ء میں وفات پائی۔ اُس وقت صرف ۳۲ سال کی عمر تھی۔ چونکہ شیو جی کی پوجا کی تعلیم دیتا تھا، اس لیے ہندو اسے شیو جی کا اوتار مانتے ہیں۔

۳۔ **رامانج:** رامانج بھی جنوبی ہند کا برہمن تھا۔ شنکر آچاریہ کی وفات سے تقریباً دو سو برس بعد ۱۰۱۶ء میں پیدا ہوا۔ سری رنگم میں رہنے لگا جو مدراس کے ضلع ترچناپلی کا مشہور مقام ہے۔ اُس نے وشنومت کا پرچار شروع کیا۔ سری رنگم کا راجا دشمن بن گیا۔ رامانج کو بھاگ کر میسور میں پناہ لینی پڑی۔ راجا کی وفات پر پھر سری رنگم چلا گیا اور باقی زندگی وشنومت کے پرچار میں بسر کر دی۔

۴۔ **مادھوآچاریہ:** مادھوآچاریہ بھی جنوبی ہند کا باشندہ تھا۔ ۱۱۹۹ء میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے کشتی کا شوق تھا۔ پچپن برس کی عمر میں سنیاسی بنا اور ملک کا دورہ شروع کیا۔ وہ بھی رامانج کی طرح وشنومت کا پرچارک تھا۔ شمالی ہندوستان میں بنارس اور ہردوار تک سفر کیا۔ آواز بڑی بلند تھی۔ مذہبی بحثوں میں مخالف اس کے کڑکے سے ڈر جاتے۔ اگر کوئی شخص بات چیت سے قائل نہ ہوتا تو مادھو فوراً کپڑے اتار کر کشتی کے لیے تیار ہو جاتا۔ مخالف جب تک ہار نہ مانتا، اُس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔]

ہندو دھرم کی موجودہ شکل: ان پرچارکوں نے ہندو دھرم کے پھیلانے میں بڑا حصہ لیا۔ بدھ مت اور جین مت تقریباً مٹ گئے، لیکن اب ہندو دھرم کی شکل بدل چکی تھی۔ وہ پہلا دھرم نہیں رہا تھا، جس پر آریاؤں کو ناز تھا۔ اب بنیادی عقیدوں میں یکجہتی کی جگہ چند ظاہری رسموں اور ریتوں کی

یکسانی پر دھرم کا دارو مدار رہ گیا تھا۔ ہر عقیدے کے لوگوں کو ہندو سمجھا جانے لگا۔ سب کے دیوتا ہندو دھرم کے دیوتا بن گئے۔ اسی دھرم سے ہندوستان میں مسلمانوں کو سابقہ پڑا جس میں تعصب اور تنگ نظری بہت بڑھ گئی تھی۔ چھوت چھات اور ذات پات کے بندھن بھی بڑے سخت ہو گئے تھے۔ چند خاص آداب و رسوم کی پابندی یا برہمنوں کی پیشوائی کے اعتراف پر اس کا انحصار تھا۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر ہندوستان میں مسلمانوں کے کام کا اندازہ کرنا چاہیے۔

☆.....☆.....☆

واقعات و سنین

مسلمانوں سے پیشتر کے دَور کے سنین میں بڑا اختلاف ہے اور کوئی تاریخ بھی یقینی نہیں، لیکن بعض سنین عام اندازے کے مطابق یہاں پیش کیے جاتے ہیں جن سے اس زمانے کے تاریخی حالات کا سرسری تصور دماغوں میں بیٹھ جائے گا۔

آریاؤں کا زمانہ

آریاؤں کی آمد کا زمانہ	تین ہزار قبل مسیح سے دو ہزار قبل مسیح تک
رامائن اور مہابھارت کا زمانہ	ڈیڑھ ہزار قبل مسیح سے ایک ہزار قبل مسیح تک

مگدھ کا راج

سیس ناگ خاندان کا ظہور	ساتویں صدی	ق ، م
بمبسار کی مسند نشینی	۵۸۲	ق ، م
اجات ستر و کی مسند نشینی	۵۵۴	ق ، م
دارا گشتاسپ کا حملہ	۵۱۶	ق ، م

(اجات ستر و سے تقریباً ساٹھ برس بعد سیس ناگ خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور نندا خاندان حکمران ہوا، جس سے چندر گپت موریا نے مگدھ کی سلطنت چھینی۔

اسکندر اعظم

اسکندر کی پیدائش	۳۵۶	ق ، م
تخت نشینی	۳۳۶	ق ، م
فتح ایران کے لیے روانگی	۳۳۴	ق ، م
ایرانیوں سے پہلی جنگ	۳۳۳	ق ، م

فتح مصر	۳۳۲	ق ، م
اسکندریہ کی بنیاد	۳۳۱	ق ، م
جنگ اربیلا	۳۳۱	ق ، م
دارا سوم شاہِ ایران کا قتل	۳۳۰	ق ، م
فتح باختر	۲۷_۳۲۸	ق ، م
اسکندر سوات و باجوڑ میں	۳۲۷	ق ، م
عبور سندھ	فروری ۳۲۶	ق ، م
جنگ جہلم	جولائی ۳۲۶	ق ، م
اسکندر بیاس پر	اکتوبر ۳۲۶	ق ، م
ہندوستان سے واپسی	۳۲۵	ق ، م
بابل میں وفات	جون ۳۲۳	ق ، م

موریا خاندان کا دور

چندر گپت کی تخت نشینی	۳۲۱	ق ، م
سلیوکس کی بادشاہی	۳۰۶	ق ، م
ہندوستان پر حملہ	۳۰۵	ق ، م
میگستھینز کی آمد	۳۰۲	ق ، م
چندر گپت کی دست برداری	۲۹۷	ق ، م
بندوسار کی وفات	۲۷۲	ق ، م
اشوک کی تخت نشینی	۲۶۹	ق ، م
کلنگا کی جنگ	۲۶۱	ق ، م
مقدس مقامات کی یاترا	۲۴۹	ق ، م
بدھ دھرم کی تیسری مجلس	۲۴۲	ق ، م
اشوک کی وفات	۲۳۲	ق ، م

موریا خاندان کا خاتمہ	۱۸۵	ق ، م

بیرونی حملہ آوروں کا دور

باختر میں مستقل حکومت	۲۵۰	ق ، م
ڈیمیٹریوس کا حملہ	۱۷۵	ق ، م
مناندر کا عروج	۱۵۰	ق ، م
کنشک کی مسند نشینی	۱۲۰ء	
کنشک کی وفات	۱۴۹ء	
کوشانیوں کا زوال	۱۸۵ء	

گپت خاندان اور ہرش کا دور

چندر گپت اوّل کی فرماں روائی	۳۲۰ء
سمدر گپت کی تخت نشینی	۳۲۶ء
شاہ سیلون کی سفارت	۳۶۰ء
چندر گپت ثانی یا بکرماجیت کا جلوس	۳۷۰ء
مالوہ، گجرات اور کاٹھیاواڑ کی تسخیر	۳۹۵ء
بکرماجیت کی وفات	۴۱۴_۱۵ء
فاہیان ہندوستان میں	۴۰۵_۴۱۱ء
کمار گپت کی وفات	۴۵۵ء
ہن قوم کی آمد	۴۸۸ء
گپت خاندان کا خاتمہ	۵۱۰ء
مہر گل کا قتل	۵۴۰ء
ہرش وردھن کا جلوس	۶۰۶ء
سلطنت کی توسیع	۶۰۶_۶۱۲ء
ہیون سانگ کی آمد	۶۳۰ء

قنوج میں مجلس	۶۴۳ء
ہیون سانگ کی واپسی	۶۴۴ء
ہرش کی وفات	۶۴۹ء
ہیون سانگ کی وفات	۶۶۴ء

☆.....☆.....☆

maablib.org

موریا خاندان کا شجرہ

چندر گپت

۳۳۱ق م ۔ ۲۹۷ق م

/

بندوسار

۲۹۷ق م ۔ ۲۷۳ق،م

/

اشوک

۲۷۳ق،م ۔ ۲۳۲ق،م

۱۔ موریا سلطنت چندر گپت نے قائم کی۔ اس کی حدیں دریائے سندھ سے لے کر بنگال تک اور دریائے نربدا سے لے کر دامنِ کوہ ہمالیہ تک تھیں۔ ۳۰۵ق م میں سلیوکس نے حملہ کیا۔ پھر صلح کر لی اور اپنی لڑکی کی شادی چندر گپت سے کر دی۔ اس کے جہیز میں ہندوکش سے لے کر دریائے سندھ تک کا سارا علاقہ دے دیا۔ اس طرح موریا سلطنت کی شمالی و مغربی سرحد افغانستان میں پہنچ گئی۔ ۲۹۸ق م میں چندر گپت نے سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی اور میسور میں وفات پائی۔ وہ جین مت کا پیرو بن گیا تھا۔

۲۔ چندر گپت کے بیٹے بندوسار نے سلطنت کی حدیں جنوب کی طرف بڑھائیں اور شمالی دکن کے علاقے بھی فتح کر لیے۔ وہ ۲۷۳ق،م میں فوت ہوا۔

۳۔ اشوک کے پہلے تین برس خانہ جنگی میں گزرے۔ ۲۶۱ق،م میں کلنگا (اڑیسہ) پر

حملہ کیا۔ کلنگا فتح ہو گیا لیکن اس جنگ میں اتنا خون بہا کہ اشوک نے لڑائی بھڑائی بالکل چھوڑ دی اور خون بہانے کے بجائے لوگوں کی خدمت اور ان کے دلوں کی تسخیر میں لگ گیا۔ اس نے بدھ دھرم اختیار کر لیا اور باقی ساری زندگی دھرمی حکمران کی حیثیت میں بسر کی۔ اس کے عہد میں موریا سلطنت وسعت اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے اوجِ کمال پر پہنچ گئی۔

۴۔ اشوک کے بعد موریا سلطنت چھیالیس سینتالیس برس قائم رہی۔ آخری راجا کو اس کے سپہ سالار نے قتل کر کے نئے خاندان حکومت کی بنیاد رکھی، لیکن اس خاندان کی حیثیت محض ایک ریاست کی سی تھی۔

۵۔ اشوک کے عہد میں ہندوستان کے زیادہ سے زیادہ حصے اکٹھے ہوئے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد ان میں پھر انتشار شروع ہو گیا۔

۶۔ اشوک کے عہد میں میگستھینیز یونانی یہاں چار برس بطور سفیر موجود رہا۔ پھر مصر کے یونانی بادشاہ نے بندوسار کے عہد میں سفیر بھیجا۔ گویا اس زمانے میں ہندوستان کے تعلقات بیرونی دنیا سے بھی تھے۔

۷۔ موریا سلطنت کی فوج بڑی زبردست تھی اور مہاراجا مطلق العنان تھے۔

★.....★.....★

maablib.org

گپت خاندان کا شجرہ

چندر گپت اوّل

۳۲۰ء۔ ۳۲۲ء

/

سمدر گپت

۳۲۶ء ۳۷۵ء

/

چندر گپت ثانی بکرماجیت

۳۷۵ء ۔ ۴۱۴ء

/

کمار گپت

۴۱۴ء

سکندا گپت

۴۵۵ء۔ ۵۱۰ء

۱۔ لچھوی خاندان کی مدد سے چندر گپت نے اپنی سلطنت بڑھائی اور ۳۲۰ء میں ایک سَمّت جاری کیا جو فروری ۳۲۰ سے شروع ہوتا تھا۔

۲۔ سمدر گپت نے کم و بیش انچاس برس حکومت کی۔ دکن کو بھی فتح کر لیا۔ وہ بڑا بہادر اور جنگجو نیز عالم، شاعر اور علم کا سرپرست تھا۔

۳۔ چندر گپت ثانی کا لقب بکرماجیت تھا۔ یعنی ''آفتابِ فتح''۔ اس نے مالوے، گجرات اور کاٹھیاواڑ کو سلطنت میں شامل کیا، اوجین کو راجدھانی بنا کر زیادہ تر وہاں رہنے لگا۔ اُس

کے عہد میں علوم و فنون کو بہت ترقی ہوئی۔ اُسی زمانے میں فاہیان ہندوستان آیا۔

۴۔ کمار گپت کے آخری زمانے میں ہن قوم کے حملے شروع ہو گئے تھے۔ اس نے ۴۵۵ء میں وفات پائی۔

۵۔ اس کے بیٹے سکند اگپت کے زمانے میں گپت سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

۶۔ ہندوؤں کے نزدیک گپت خاندان میں سمدر گپت، بکر ماجیت اور کمار گپت کا زمانہ ہندو دھرم کا سنہری زمانہ ہے۔ اسی میں یہ دھرم از سرِ نو زندہ ہوا۔ قدیم ہندوستان کے حکمرانوں میں سے یہی خاندان تھا، جسے حقیقی معنوں میں ہندو خاندان کہا جا سکتا ہے۔

۷۔ پھر ہرش نے بڑی سلطنت قائم کی۔ اس کا میلان بدھ دھرم کی طرف تھا۔ اس کے عہد میں ہیون سانگ یہاں آیا۔ ہرش کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے ملک پھر ٹکڑوں میں بٹ گیا اور ساڑھے پانسو برس تک افراتفری کی حالت رہی۔ اسی زمانے میں برہمنوں نے سارے فرقوں کے دیوتاؤں کو اپنا لیا۔ جنگجو قوموں کو شدھ کر کے راجپوت کا لقب دیا اور ہندو دھرم نئے دور میں داخل ہوا۔ اس نے نئی شکل اختیار کی۔ اس زمانے میں راجپوتوں کی کئی حکومتیں شمالی ہند میں قائم ہوئیں، نیز ہندوؤں میں بعض مذہبی ریفارمر پیدا ہوئے۔

☆.....☆.....☆

maablib.org

تاریخِ پاکستان و ہند

حصّہ دوم

پہلا اسلامی دَور

۷۱۱ء تا ۱۵۲۶ء

maablib.org

پہلا باب

ہندوستان میں اسلام کا پہلا قدم

اسلام کا ظہور: اسلام کا ظہور سرزمینِ عرب میں ہوا۔ یہیں خدائے پاک کے آخری دین کا چشمہ اُبلا۔ اسی کے افق پر انسانوں کی ہدایت کا وہ سورج چمکا جس کی کرنیں اس کائنات کے گوشے گوشے میں ایمان کا نور لے کر پہنچیں۔ انسانوں کے دلوں سے گمراہی کا اندھیرا دھو ڈالا۔ عقیدے، عمل اور اخلاق کی پاکیزگی پورے جوبن پر آئی۔ دنیا کو ہر غلامی اور ہر محکومی سے آزاد ہو کر صرف خدا کی چوکھٹ پر سر جھکانے کا سبق ملا۔ یہ پیغامِ حق خدا کے پاک رسول اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ لائے۔

آنحضرت ﷺ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو پیر کے دن مکہ شریف میں پیدا ہوئے جو عرب کا پرانا اور مشہور شہر تھا اور جہاں خدا کا پہلا گھر بنا تھا۔ چالیس برس کی عمر میں حضور ﷺ کو خدا کی بارگاہ سے پیغمبری کا منصب ملا اور توحید کی دعوت سے مکہ شریف کے پہاڑوں میں گونج پیدا ہوئی۔ جو لوگ صدیوں سے باطل عقیدوں اور بدعملیوں کے عادی چلے آتے تھے، انھیں کب یہ صدا بھلی معلوم ہو سکتی تھی۔ وہ مخالفت کے جوش میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ تیرہ برس تک آنحضرت ﷺ اور آپ کے پاک نفس ساتھیوں پر ظلم و ستم کا وہ خوفناک دَور طاری رکھا، جو اگر دن پر طاری ہوتا تو رات بن جاتا، پہاڑوں پر طاری ہوتا تو پانی بن کر بہ نکلتے، لیکن خدا کے پاک نبیؐ نے ساری تعذیاں قدوسی صبر کے ساتھ جھیل لیں۔ آہستہ آہستہ لوگ دینِ حق میں داخل ہوتے رہے۔ بعد کے دس برس میں ساری مخالف قومیں پاش پاش ہو گئیں۔ پورا عرب اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا۔ محض پتھر ہی کے بُت نہ ٹوٹے، بلکہ نسل اور رنگ اور برادریوں، قبیلوں، بُری رسموں اور باطل عقیدوں کے بُت بھی ریزہ ریزہ ہو گئے۔ عرب کی سنسان وسعت میں ایک ایسی قوم تیار ہو گئی، جس کے دل میں اس کے سوا کوئی تڑپ نہ تھی کہ ساری دنیا اسلام کے نور سے جگمگا اٹھے۔

پیغامِ حق کی اشاعت: آنحضرت ﷺ نے قمری حساب سے تریسٹھ برس کی عمر پائی۔ مئی ۶۳۲ء

میں آپ مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اُمت کی باگ ان پاک نفس بزرگوں نے یکے بعد دیگرے سنبھالی، جنہیں آنحضرت ﷺ کی آغوشِ رحمت میں خاص تربیت ملی تھی۔ یہ خلفاء راشدین تھے۔ انھیں کے زمانے میں عرب اسلام کا پیغام لے کر اپنے وطن سے باہر نکلے اور سورج کی روشنی بن کر ہر طرف پھیل گئے۔ عرب پہلے رات دن آپس میں لڑتے رہتے تھے اور انھیں کوئی بھی باعزت قوموں میں شمار نہیں کرتا تھا بلکہ وہ اس کائنات کے سب سے بڑھ کر گمنام لوگ تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات پر اسّی برس بھی نہیں گزرے تھے کہ انھوں نے ہسپانیہ سے لے کر چین تک ہر خطے اور ہر فضا میں اسلام کا ڈنکہ بجا دیا۔ نیز علوم وفنون، تہذیب وتمدن، حکومت وفرمانروائی اور سپہ گری وسپہ داری میں سب قوموں کے سرتاج بن گئے۔

ایک امریکی مؤرّخ کی شہادت: امریکہ کے ایک فاضل تاریخ دان نے لکھا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے ابتدائی دور میں بہت کم لوگ عرب سے واقف تھے۔ اگر اس موقع پر کوئی شخص یہ پیشگوئی کر دیتا کہ دس بارہ برس کے اندر اندر اس غیر معروف سرزمین سے ایک ایسی نادیدہ قوت اُبھرے گی، جو وقت کی دو نہایت عظیم الشان سلطنتوں یعنی رومی سلطنت اور ایرانی سلطنت سے ٹکرائے گی، ایرانی اقتدار کی مسند سنبھال لے گی اور رومی سلطنت کے زرخیز ترین صوبوں پر قابض ہو جائے گی، تو یہ پیشگوئی کرنے والے شخص کو دنیا دیوانہ اور پاگل سمجھنے میں کبھی تامل نہ کرتی، لیکن کیا تاریخ کی اس گواہی سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ یہی واقعات پیش آئے؟ عرب کی شور اور بنجر سرزمین یکایک ان بہادروں اور جوانمردوں کی پرورش گاہ بن گئی، جن کی مثالیں دوسری جگہ نہیں مل سکتیں، نہ تعداد میں اور نہ ذاتی جوہروں میں۔ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ نے عراق، ایران، شام اور مصر کی فوجی مہموں میں جو کارنامے انجام دیے، وہ رزم و پیکار کی تاریخ کا نہایت درخشاں سرمایہ ہیں۔ دنیائے قدیم وجدید کے تین بڑے جرنیل مانے جاتے ہیں۔ ایک اسکندر، دوسرا ہنی بال اور تیسرا نپولین۔ اگر ان کی جنگی ہنرمندیوں سے خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کے کارناموں کا مقابلہ کیا جائے تو ان کی عظمت وشان کا طرّہ بدستور سربلند نظر آئے گا۔

اتنی تھوڑی مدت میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنت پیدا کر لینا جو تین بڑی عظموں میں پھیلی ہوئی تھی، یقیناً ایک ایسا معجزہ تھا جو نہ زمین وآسمان نے عربوں سے پہلے دیکھا تھا، نہ بعد میں نظر آیا۔

اسلام کا مشن: عرب ملک فتح کرنے یا حکومتیں بنانے کے لیے نہیں نکلے تھے، صرف یہ چاہتے تھے کہ خدا کے پاک نبیؐ نے انھیں جو روشنی دکھائی تھی، اسے ہر ملک اور ہر قوم کے پاس پہنچا دیں، لیکن وہ جہاں گئے، خدا نے انھیں حکومتیں اور سلطنتیں بھی دیں، اس لیے کہ وہ خدا کے سچے فرماں بردار تھے۔ ان کے دلوں میں ہم جنسوں کی خدمت اور بھلائی کا ایسا درد تھا کہ جو دیکھ لیتا، ان پر جانیں چھڑکنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ اُنہوں نے جہالت کی رسمیں محو کر دیں۔ کالے گورے، عربی عجمی، شرقی غربی کے امتیازات مٹا دیے۔ ذات پات، چھوت چھات اور غرورِ نسب کے داغ دھو ڈالے۔ آقا اور غلام، امیر اور غریب کے بناوٹی فرق دُور کر دیے۔ انسانوں کو محبت اور رواداری کا سبق پڑھایا۔ تعصب و تنگ نظری کی بیماری سے نجات دلا دی۔ وہ رسولِ پاکؐ کے سچے پیرو تھے، اس لیے اپنے ہادیِ برحق کی طرح ہر ظلم کو صبر سے برداشت کیا۔ غیروں کے ساتھ معاملہ پڑا تو راست بازی کو کبھی نہ چھوڑا۔ غلبہ نصیب ہوا تو مخالفوں کی ساری خطاؤں اور سارے قصوروں کو فراخ حوصلگی سے معاف کر دیا۔

مسلمانوں کے یہی جوہر تھے جن کی برکت سے خدا کا پیغام دنیا کے ہر ملک میں پھیلا۔ عرب کے شتربان قرآنِ پاک کی تعلیم اور رسولِ پاکؐ کی تربیت سے ایسی قوم بن گئے کہ نہ ان سے پہلے تاریخ میں ایسی کسی قوم کا نشان ملتا ہے، نہ بعد میں کوئی قوم ان کی ہمسری کا دم بھرنے کے قابل ہوئی۔

ہندوستان سے عربوں کا تعلق: اسلام سے پہلے بھی عربستان کے ساحلی علاقوں کے باشندے ہندوستان آتے جاتے تھے۔ وہ مغربی ملکوں کا تجارتی مال یہاں پہنچاتے اور یہاں کا مال مغربی ممالک کے لیے لے جاتے۔ خود اہلِ ہند کو سمندر کے سفر سے کبھی زیادہ دلچسپی پیدا نہ ہوئی، بلکہ آخری زمانے میں تو ان کا عقیدہ یہ ہو گیا تھا کہ ہندو دھرم بحری سفر کی اجازت ہی نہیں دیتا۔

اسلام نے عربوں میں زندگی کی نئی رُوح دوڑا دی تھی۔ تجارت کو قرآنِ حکیم میں "اللہ کا فضل" بتایا گیا تھا۔ اس فضل کی طلب میں مسلمانوں کے تجارتی قافلے ہر طرف آنے جانے لگے۔ جن طوفانی سمندروں کو دیکھ کر عام لوگوں کے دل دہل جاتے تھے، اُن کے سینوں پر عرب مسلمانوں کے جہاز اس طرح دوڑنے لگے کہ آج سے تیرہ چودہ سو برس پیشتر شاید خشکی پر بھی کسی کو یوں بے تکلف پھرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔

مسلمانوں کی تجارتی کوٹھیاں: مسلمان تاجروں نے پہلے پہل گجرات اور دکن کی بندرگاہوں میں تجارتی کوٹھیاں بنائیں۔ ملیبار کی اسلامی آبادیاں اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ پھر وہ لکادیپ اور مال دیپ وغیرہ جزیروں میں آباد ہوئے۔ قدم ذرا آگے بڑھایا تو راس کماری کا چکر کاٹتے ہوئے سیلون جا پہنچے۔ وہاں سے ساٹرا، جاوا اور فلپائنز ہوتے ہوئے انھوں نے چین کے ساتھ تجارتی رشتے پیدا کر لیے۔ ان تمام ملکوں میں اُسی وقت سے اسلام کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ آج وہاں کروڑوں فرزندان توحید موجود ہیں۔ یہ انھیں عرب تاجروں کی خاموش تبلیغ کا نتیجہ ہیں جنھوں نے دنیا کی تجارت کے سلسلے میں آخرت کی تجارت کو کبھی فراموش نہ کیا۔ جہاں گئے، اپنی نیک کرداری اور راست بازی سے لوگوں کے دل موہ لیے اور ان میں اسلام کے لیے شیفتگی پیدا کر دی۔ البتہ ہندوستان میں اسلامی حکمرانی کی پہلی قدم گاہ سندھ تھا اور یہیں پہلی اسلامی حکومت قائم ہوئی، جس کی داستان سنانے سے پیشتر سندھ کا ابتدائی حال بتا دینا ضروری ہے۔

سندھ کی ابتدائی تاریخ: ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرح سندھ کے تاریخی حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ پہلے سندھ میں بدھوں کی حکومت تھی، جس کی حدیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جب یہ راج کمزور ہو گیا تو کئی علاقے چھن گئے۔ ان میں مکران و بلوچستان[1] بھی تھے، جن پر ایرانی قابض ہو گئے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت سندھ میں راجہ ساہسی حکمران تھا۔

ساہسی کے دربار میں چچ نام ایک برہمن منشی کی حیثیت میں ملازم ہوا۔ وہ بڑا ہوشیار اور تدبیر آدمی تھا۔ آہستہ آہستہ راجا کی نظروں میں اتنا اعتبار جما لیا کہ وزیر اعظم بن گیا۔

ساہسی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ جب وہ بیمار ہوا اور بچنے کی امید نہ رہی تو رانی نے چچ سے ساز باز کر کے اسے گدی کا مالک بنا دیا اور خود اس کی رانی بن گئی۔ رعایا اور فوج کے جن طبقوں کی جانب سے مخالفت کا کھٹکا تھا، انھیں انعام و اکرام کے ذریعہ سے خوش کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔

چچ کی فتوحات: جو شخص معمولی پروہت سے اٹھ کر بڑے راج کا مالک بن گیا تھا، اس سے یہ امید نہیں ہو سکتی تھی کہ نچلا بیٹھا رہے گا۔ چچ کو پہلے راجا ساہسی کے ایک رشتہ دار فرمانروا سے مقابلہ پیش آیا۔ اس میں کامیاب ہوا تو سندھ کے پرانے چھنے ہوئے علاقے ایک ایک کر کے واپس لے لیے۔ پہلے ملتان کو فتح کیا، پھر جنوبی سندھ پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ بعد میں مکران و بلوچستان کو

واپس لینے کی غرض سے ایران کے ساتھ لڑائی چھیڑ دی۔

ایران کی ساسانی سلطنت اس زمانے میں خانہ جنگیوں کا شکار ہو چکی تھی اور عراق میں عربوں کے ساتھ جھڑپیں شروع ہو گئی تھیں۔ اس لیے ایرانیوں نے یہی مناسب سمجھا کہ چچ سے لڑائی نہ چھیڑی جائے اور مکران اسے دے کر راضی کر لیا جائے، لیکن یہ شرط لگا دی کہ چچ عربوں کے خلاف ایرانیوں کی امداد کے لیے فوج بھیجے۔

عربوں سے بلاوجہ دشمنی: چنانچہ سندھی فوجوں نے قادسیہ اور نہاوند کے معرکوں میں ایرانی فوجوں کے دوش بدوش عربوں سے جنگ کی، اگرچہ سندھیوں کی امداد ایران کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی۔

عرب اگر ایران کی تسخیر کے بعد سندھ پر حملہ کر دیتے تو ہر لحاظ سے حق بہ جانب سمجھے جاتے، اس لیے کہ چچ نے بلاوجہ ان سے دشمنی مول لی تھی لیکن انھوں نے چچ کی اس حرکت کو نظر انداز کر دیا۔ البتہ وہ علاقے قبضے میں لے لیے جو ایرانیوں کی کمزوری کے باعث سندھیوں نے ہتھیا لیے تھے۔

چچ کے جانشین: چچ کی وفات پر اس کا بھائی چندر راجا بنا۔ وہ فوت ہوا تو سندھ کا راج دو حصوں میں بٹ گیا۔ شمالی حصہ چچ کے چھوٹے بیٹے داہر نے سنبھال لیا۔ جنوبی حصے میں چندر کے بیٹے راج کی حکومت قائم ہو گئی۔ داہر کا پایہ تخت اروڑ تھا جو پہلے سارے سندھ کی راجدھانی تھا۔ جنوبی حصے کا مرکز برہمن آباد تھا جسے چچ اور چندر کے زمانے میں دوسری راجدھانی کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ پھر برہمن آباد کی حکومت داہر کے بھائی دھرسیہ نے سنبھال لی۔ ان کی ایک بہن تھی جس کی شادی بھاٹیہ کے راجا سے ٹھہری۔ داہر نے جوتشیوں سے جب یہ سنا کہ اس کی بہن پورے سندھ کی رانی بنے گی تو تمام قاعدوں کو بالائے طاق رکھ کر بہن سے خود شادی کر لی۔ دھرسیہ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ اروڑ پر حملہ کر دیا لیکن وہ فوت ہو گیا۔ اس طرح پورا سندھ داہر کے حصے میں آ گیا۔

مسلمانوں سے پرخاش: سندھ کی حکومت ایک مرتبہ چچ کے زمانے میں مسلمانوں سے بے وجہ لڑ چکی تھی۔ دو مرتبہ مکرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی تو راجا داہر نے مکرانیوں کو مدد دی۔ جب خلیفہ عبدالملک نے حجاج کو بصرے کا گورنر بنایا اور اسلامی سلطنت کے تمام مشرقی صوبوں کا انتظام بہتر طریق پر ہونے لگا تو مکران سے کچھ عرب باز پرس کے خوف سے بھاگ کر سندھ میں

پناہ گزیں ہوئے۔ داہر نے انھیں خوشی سے پناہ دے دی، لیکن مسلمانوں نے داہر کی اس حرکت کے باوجود سندھ کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درگزر ہی نے داہر کو دشمنی میں زیادہ بے باک بنا دیا تھا۔ آخر اس سے ایک ایسا جرم سرزد ہوا جس کے بعد مسلمانوں کے لیے حملے کے سوا چارہ نہ رہا۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱۔ ظہور اسلام کے وقت نہ بلوچستان کا نام موجود تھا اور نہ اس ملک کے حدود وہ تھے جو اَب ہیں۔ سرسری طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جنوبی حصّے کو مکران کہتے تھے جس میں وہ علاقہ بھی شامل تھا جسے آج کل ایرانی بلوچستان کہتے ہیں۔ باقی حصّے کو سیستان کہتے تھے۔ اس میں افغانستان کا جنوبی و مغربی علاقہ بھی شامل تھا۔ یہی سیستان عربوں کی بولی میں سجستان بن گیا۔

۲۔ قادسیہ اور نہاوند کی جنگوں میں ایران کی قسمت کا فیصلہ ہوا اور ساسانی سلطنت اسلام کی حلقہ بگوش بنی۔

۳۔ ''اروڑ'' کو عرب ''الور'' کہتے تھے، آج کل اس کا نام ''روڑ'' ہے یہ موجودہ روڑی سے سات آٹھ میل جنوب مشرق میں ہے۔ پہلے دریائے سندھ اس کے نیچے بہتا تھا اور یہ بہت بڑا شہر تھا۔ دریا کا بہاؤ بدل گیا تو اروڑ اجڑ گیا۔ اب ایک معمولی گاؤں ہے۔

۴۔ برہمن آباد کا اصل نام غالباً بہمن آباد تھا۔ اسے ایران کے بادشاہ بہمن سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ موجودہ حیدر آباد کے شمال مشرق میں تھا۔ عربوں نے اپنے زمانہ اقتدار میں اسی کے پاس منصورہ آباد کیا تھا لیکن اب برہمن آباد محض ملبہ کا ایک انبار ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ زلزلہ میں تباہ ہوا۔ منصورہ بھی بالکل بے نشان ہو گیا۔

سندھ پر اسلامی حملے کے اسباب

مسلمان تاجروں کی آبادیاں: ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مسلمان تجارت کے سلسلے میں ہندوستان آتے جاتے تھے۔ سیلون تک بڑی بڑی بندرگاہوں میں ان کی تجارتی کوٹھیاں بن گئی تھیں اور ان کے ساتھ آبادیاں قائم ہوگئی تھیں۔ اس زمانے میں اگرچہ ہندوستان میں چھوت چھات کا بڑا زور تھا اور عام لوگوں کی تنگ نظری آخری حد تک پہنچی ہوئی تھی، لیکن مسلمانوں نے نیکی، دیانت داری اور حسنِ اخلاق کے باعث اتنی عزت پیدا کر لی تھی کہ غیر مسلم اپنی امانتیں صرف مسلمانوں کے پاس رکھتے اور اپنے جھگڑوں میں انھیں کو ثالث بناتے۔ راجاؤں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ مسلمانوں کی مرضی کے مطابق ان کے لیے رعایتوں اور سہولتوں کا بندوبست کر دیتے۔ گویا ہمارے زمانے میں غیر ملکی سفیروں کو بھی بین الملی قواعد کے ماتحت وہ آسانیاں میسر نہیں جو انکا دکا مسلمان تاجروں نے محض اپنے اخلاق کی بلندی کے باعث مختلف علاقوں میں حاصل کر لی تھیں۔

سمندری قافلہ: پھر مسلمان ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصوں پر قابض ہو چکے تھے۔ ان کی فوجیں مشرق میں چینوں سے گزر چکی تھیں اور مغرب میں ہسپانیہ کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں۔ سب راجا اور بادشاہ ان سے دوستی کے رشتے پیدا کرنے اور محبت کے تعلقات بڑھانے کے آرزومند رہتے تھے۔ سیلون (سراندیپ) کے راجا نے بھی اسی غرض سے اپنے ایلچی بصرے بھیجنے کا ارادہ کیا جو اسلامی سلطنت کے مشرقی صوبوں کا مرکز تھا۔ جہازوں کا ایک قافلہ تیار کیا گیا، اس لیے کہ ان عرب تاجروں کے بال بچے بھی وطن جانا چاہتے تھے جو سیلون میں فوت ہو چکے تھے۔ نیز بہت سے مسلمان حج کا فرض ادا کرنے کے آرزومند تھے

آٹھ جہازوں کا یہ قافلہ سیلون سے چلا۔ تاجروں کے بال بچوں، حاجیوں اور راجا کے ایلچیوں کے علاوہ ان پر تجارتی مال بھی ہوگا۔ خود راجا نے بھی ایلچیوں کے ہاتھ دربارِ خلافت کے

لیے قیمتی تحفے بھیجے تھے۔

سندھی لٹیروں کا حملہ: یہ جہاز راستے میں جگہ جگہ ٹھہرتے، مال اور مسافروں کو اتارتے چڑھاتے ہوئے آہستہ آہستہ بصرے جا رہے تھے۔ سندھ کی کسی بندرگاہ پر ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن طوفانی ہوا کے تیز جھکڑوں نے جہازوں کو دیبل میں پہنچا دیا۔ دیبل، اس زمانے میں سندھ کی سب سے بڑی اور مشہور بندرگاہ تھی۔

وہاں سندھ کے ڈاکوؤں نے ان جہازوں پر چھاپہ مارا۔ مال و اسباب بھی اٹھا لیا، عورتوں اور بچوں کو بھی پکڑ کر لے گئے۔ صرف تھوڑے سے لوگ بچ کر نکل سکے جنھوں نے بصرے پہنچ کر حجاج کو یہ درد بھری کہانی سنائی۔ اسے بڑا رنج ہوا۔ جب اس نے سنا کہ ایک عورت نے بے بسی کے عالم میں فریاد کی تھی کہ "اے حجاج مدد کو پہنچ" تو حجاج بے اختیار پکار اٹھا کہ "میں آ رہا ہوں۔"

داہر سے تلافی کا مطالبہ: واقعہ بڑا رنجیدہ تھا، لیکن حجاج کو خیال ہوا کہ غالباً سندھ کے راجا کو اس کا علم نہیں ہو سکا، ورنہ کیوں کر ممکن تھا کہ اس کی فرمانروائی میں مسافروں کے جہازیوں لٹ جائیں اور وہ لٹیروں کی گوشمالی نہ کرے۔ چنانچہ حجاج نے فوراً ایک خط سندھ بھیجا جس میں داہر کو لکھا کہ آپ کی مملکت میں ہمارے تاجروں کا مال لوٹا گیا۔ بیوہ عورتیں اور یتیم بچے گرفتار ہوئے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ ان مظلوموں کو رہا کرائیں، مال واپس دلائیں اور لٹیروں کو سخت سزا دیں۔ داہر نے امید کے خلاف یہ روکھا پھیکا جواب دیا، کہ جن سمندری لٹیروں کا یہ کام ہے، وہ میرے ماتحت نہیں ہیں اور میں کچھ نہیں کر سکتا۔

اگر یہ درست بھی ہوتا تو ایک ذمہ دار حکمران کے لیے مناسب نہ تھا کہ دوسرے حکمران کو ایسا جواب دیتا، لیکن داہر کا جواب اس وجہ سے بھی غیر مناسب تھا کہ ڈاکہ سندھ کی بندرگاہ میں پڑا تھا اور ڈاکو اس کے ملک میں رہتے تھے، نیز جب آگے چل کر دیبل فتح ہوا تو سارے مسلمان قیدی داہر کے قید خانہ سے دستیاب ہوئے۔

تادیبی حملے: بہر حال اس کورے جواب کے بعد حجاج مجبور ہو گیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی کے لیے مؤثر قدم اٹھائے۔ اس نے ایک فوج سندھ بھیجنے کے لیے دربار خلافت سے اجازت منگوائی اور ایک سردار کو تھوڑے سے غازی دے کر بھیج دیا تا کہ سمندری ڈاکوؤں کی گوشمالی اور قیدیوں کی

رہائی کا کام انجام دے۔ اس وقت یہ خیال نہ ہوگا کہ داہر خود مقابلے کے لیے کھڑا ہو جائے گا۔ یہ فوج سندھ کے قریب پہنچی تو داہر نے اس کے مقابلے کا حکم دے دیا۔ حالاں کہ اس کے لیے مناسب صورتیں دو ہی تھیں، یا تو خود ڈاکوؤں کو سزا دیتا یا اگر ڈاکو اس کے بس کا روگ نہ تھے تو مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان کی بیخ کنی کرتا، لیکن اس نے دونوں صورتیں چھوڑ کر مقابلے کی ٹھان لی۔ گویا اپنے طرزِ عمل سے اعلان کر دیا کہ سندھی لٹیروں نے جو کچھ کیا، بالکل ٹھیک کیا۔

پہلے اسلامی لشکر کا سردار لڑائی میں شہید ہو گیا تو ایک اور سردار کو بھیجا گیا جس کا نام بدیل تھا۔ اس نے بڑی بہادری سے جنگ کی، لیکن عین گھمسان کے رن میں اس کا گھوڑا ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گیا۔ اس حالت میں بدیل گھوڑے سے گر گیا اور سندھیوں نے اسے گھیرے میں لے کر شہید کر ڈالا۔ سردار کی شہادت کے بعد اسلامی لشکر پیچھے ہٹ گیا۔

فتح سندھ کا فیصلہ: اب تک حجاج محض ڈاکوؤں کو سزا دینے اور قیدیوں کو چھڑانے کے خیال میں تھا، سندھ کی فتح اس کے پیشِ نظر نہ تھی۔ داہر کا عزم جنگ دیکھ چکنے کے بعد اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ زیادہ زوردار کارروائی کی جائے اور اس دشمن کو ختم کر دیا جائے، جو بارہا مسلمانوں کو بے وجہ آزار پہنچا چکا تھا۔

اس غرض سے حجاج نے پانچ ہزار کا جرار لشکر تیار کیا۔ اس کے لیے ضرورت کی تمام چیزیں ساتھ کر دیں، یہاں تک کہ سوئی تاگا بھی نظر انداز نہ ہوا۔ عرب سرکے کے بڑے شوقین تھے اور ہندوستان میں اچھا سرکہ نہیں ملتا تھا۔ حجاج نے دھنکی ہوئی روئی کے بڑے بڑے گالے سرکے میں تر کرا کے سائے میں خشک کرائے۔ پھر انھیں گٹھوں میں بندھوا کر اونٹوں پر لدوا دیا تاکہ جب لشکر کو سرکے کی ضرورت پڑے، روئی کو پانی میں جوش دے کر چھان لیا جائے۔

پانچ ہزار تیز رفتار سانڈنیاں لشکر کی سواری کے لیے مہیا کی گئیں۔ سامان اٹھوانے کے لیے کئی ہزار اونٹ الگ تھے۔ بھاری سامان جہازوں پر لدوا کر سمندر کے راستے براہِ راست دیبل بھیج دیا جہاں اسلامی لشکر کو سب سے پہلے پہنچنا تھا۔ اس سامان میں منجنیقیں بھی تھیں جن کے ذریعے سے بھاری پتھر پھینکے جاتے تھے۔ یہ گویا پرانے زمانے کی قلعہ شکن توپیں تھیں۔ ایک منجنیق اتنی بڑی تھی کہ پانسو آدمی اسے چلاتے تھے۔

محمد بن قاسمؒ: اس لشکر کا سپہ سالار اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کو بنایا۔ وہ اگرچہ سترہ برس کا

نوجوان تھا لیکن حجاج اور پورے لشکر کو اس کی بہادری اور کاردانی پر بھروسا تھا۔ اسی نوجوان جرنیل کے ہاتھوں سندھ فتح ہوا اور ہندوستان میں پہلے پہل اسلامی حکومت کا جھنڈا گاڑا گیا جس کا پھریرا آگے چل کر سندھ سے آسام تک اور کشمیر سے راس کماری تک اُڑنے والا تھا۔

تاریخ میں ایسی مثال شاید ہی ملے کہ اتنی بڑی فوج اور ایسے اہم کام کی باگ سترہ برس کے ایک نوجوان کے حوالے کی گئی ہو، لیکن محمد بن قاسم نے تھوڑی ہی مدت میں نہ محض یہ کام پورا کر دیا بلکہ فتح کے بعد ملک کا انتظام اس خوبی اور دانش مندی سے کیا کہ ساری رعایا اس کے گن گانے لگی۔ تاریخ اسلام کے معجزوں میں سے ایک معجزہ محمد بن قاسم بھی تھا۔

محمد بن قاسم رَے میں تھا جب اسے نئے عہدے کی خبر ملی۔ وہ رَے سے شیراز گیا پھر فوج کے ساتھ مکران پہنچا جہاں اس نے پہلے مکران کے مشہور مقام ارمن بیلہ کو فتح کیا۔ پھر آگے بڑھا اور دیبل کے سامنے پہنچ کر ڈیرے ڈال دیے۔ اسی وقت جہاز بھاری سامان لے کر دیبل کی بندرگاہ میں داخل ہو گئے اور سندھ کے راجا کی گوشمالی کا وہ دَور شروع ہو گیا جسے مسلمان بار بار نا لتے رہتے تھے، لیکن داہر نے خود اس بلا کو کھینچ کھینچ کر اپنے اوپر نازل کیا۔

دیبل کی کیفیت: دیبل محض ایک بندرگاہ نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ خاصی بڑی آبادی تھی۔ عین سمندر کے کنارے ایک شاندار مندر بنا ہوا تھا جس میں غالباً گوتم بدھ کی مورتیاں رکھی گئی تھیں۔ اس مندر ہی کی وجہ سے شہر کا نام "دیول" رکھا گیا، جسے عربوں نے دِیبل (دِ مکسور ب مفتوح) رکھا، اور بعد کے مؤرخ اسے دیبل ہی لکھتے رہے۔

مندر کے اوپر بھاری گنبد بنا ہوا تھا۔ کہتے ہیں اس کا کلس کم و بیش چالیس گز اونچا تھا۔ اس پر جھنڈا لگا رہتا۔ سات سو پجاری مندر کی خدمت کے لیے مقرر تھے۔ اس کی حیثیت ایک قلعہ کی سی تھی۔ آبادی کے گرد بھی ایک مضبوط فصیل بنی ہوئی تھی۔

حجاج نے لشکر کے ساتھ نامہ و پیام کا ایسا بندوبست کر دیا تھا کہ سندھ سے بھیجا ہوا ہر خط ساتویں دن بصرے پہنچ جاتا اور اتنے ہی دنوں میں اس کا جواب مل جاتا۔ محمد بن قاسم کو تاکید کر دی تھی کہ ہر تیسرے دن تمام حالات کی خبریں پہنچاتا رہے۔ خود حجاج بھی ہر تیسرے دن ہدایتیں بھیجتا تھا۔

شہر فتح ہو گیا: محمد بن قاسم دیبل کے سامنے پہنچا تو سندھی فوج نے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ نہ کیا بلکہ شہر بند ہو کر بیٹھ گئی۔ اسلامی سپہ سالار نے بھی مناسب مقامات پر فوج کو مورچے

بنانے کا حکم دے دیا اور شہر کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ کئی روز تک جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک دن ایک برہمن محمد بن قاسم سے ملا اور جان کی امان لے کر اس نے کہا کہ اگر دیبل کو فتح کرنا منظور ہے تو سب سے پہلے مندر کا جھنڈا گرایئے۔ اس کے بغیر اہلِ دیبل مقابلہ نہیں چھوڑیں گے۔ ممکن ہے پروہتوں نے یقین دلا رکھا ہو کہ جب تک مندر کا جھنڈا نہیں گرے گا، شہر فتح نہیں ہو گا۔ چونکہ جھنڈا بڑی بلندی پر لگا ہوا تھا، اس لیے خیال نہ تھا کہ اسے آسانی سے گرایا جا سکے گا۔ محمد بن قاسم نے یہ سنتے ہی ایک منجنیق مناسب جگہ پر لگوائی اور مندر کے جھنڈے پر پتھر برسانے کا حکم دے دیا۔ چند ضربوں میں جھنڈا ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ حالت دیکھتے ہی سندھیوں پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو گی۔ وہ ایک دم سے شہر سے باہر نکل پڑے تا کہ دست بدست جنگ کر کے دل کے حوصلے نکال لیں۔ مسلمان پہلے سے یہی چاہتے تھے۔ جب مسلمان غازیوں نے ہر طرف سے تیز حملے شروع کیے تو سندھی جس تیزی سے باہر نکلے تھے، اسی تیزی سے پھر شہر میں جا گھسے۔ مسلمان بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے فصیل کے پاس پہنچے اور سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ گئے۔ جو جانباز پہلے اوپر پہنچے، وہ کود کر اندر گئے اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ اس طرح اسلامی لشکر اندر داخل ہو گیا اور شہر فتح کر لیا۔ یہ واقعہ مئی ۷۱۱ء کا ہے۔[1] دیبل ہی سے وہ قیدی ملے جن کی رہائی کے لیے حجاج کو سندھ پر حملے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

فتح کے بعد محمد بن قاسم نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو دیبل میں آباد کیا اور ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ ہندوستان میں یہ پہلی جامع مسجد تھی۔ حاکمِ شہر اطاعت قبول کر چکا تھا۔ فاتح نے اسے حاکم کے عہدے پر بحال رکھا، البتہ کوتوالی کا عہدہ ایک مسلمان کو دے دیا۔

حواشی

[1] دیبل کے موقع اور محل کے متعلق مؤرخوں میں اختلاف ہے۔ اب یہ مقام موجود نہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ کراچی کے جنوب میں ٹھٹھہ کے سامنے سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔

فتح سندھ وملتان

داہر کا خط اور اس کا جواب: داہر کو فتح دیبل کی خبر ملی تو اسے بڑا غصہ آیا۔ خود محمد بن قاسم کو خط لکھا کہ دیبل کی فتح پر مغرور نہ ہو جانا۔ وہاں صرف بیوپاری اور پیشہ ور لوگ رہتے تھے۔ ان کو شکست دینا کون سی بڑی بات تھی، لیکن اگر قدم آگے بڑھاؤ گے تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو تم سے پہلے بدیل کا ہو چکا ہے۔ تمہیں یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ زندہ واپس چلے جاؤ گے۔ ہمارے پاس بے شمار ہاتھی ہیں اور بھاری لشکر موجود ہے۔

محمد بن قاسم نے جواب میں لکھا کہ تمہیں اپنے ہاتھیوں، گھوڑوں اور لشکر پر ناز ہوگا، ہمارا بھروسا صرف اللہ کے فضل پر ہے۔ میں نے سندھ پر اس لیے چڑھائی کی کہ سندھیوں نے ان جہازوں کو لوٹا جن میں مسلمان مرد، عورتیں اور بچے سوار تھے اور انھیں قید کر لیا۔ نیز دربارِ خلافت کے تحائف لوٹ لیے۔ مجھے اس بدعملی کی سزا دینے کا حکم ملا ہے۔ جہاں کہیں بھی مقابلہ پر آؤ گے، تمہیں شکست دوں گا یا اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دوں گا۔

فتح ملتان: سندھ کا فیصلہ ہو گیا تو محمد بن قاسم نے ملتان کا قصد کیا جو پہلے کے زمانے سے سندھ کا ایک صوبہ چلا آتا تھا۔ داہر کا چچیرا بھائی وہاں کا حاکم تھا۔ اس نے دو مہینے تک مقابلہ جاری رکھا لیکن جب کامیابی کی کوئی امید نہ رہی تو جان بچا کر بھاگ گیا اور ملتان بھی محمد بن قاسم کے قبضے میں آ گیا۔

ملتان میں ایک برہمن نے محمد بن قاسم کو ایک دفینہ کا پتہ بتایا جس کا حال کسی کو معلوم نہیں تھا۔

پرانے زمانے میں جسو بن نام ایک برہمن ملتان کا راجا تھا۔ آخری عمر میں راج چھوڑ کر جوگی بن گیا۔ رات دن مورتی پوجا میں لگا رہتا تھا۔ لوگ اس کی ریاضت اور تیاگ کو دیکھ کر معتقد ہو

گئے اور بڑی بڑی نذریں پیش کرنے لگے۔ جب اس کے پاس بے اندازہ دولت جمع ہوگئی تو شہر سے باہر ایک تالاب بنوایا جو سو گز لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ اس کے اردگرد درخت لگوائے۔ تالاب کے بیچ میں ایک مندر تعمیر کرایا۔ اس میں سونے کا بت بنوا کر رکھا اور اس کے نیچے چالیس دیگیں دفن کیں جو سونے کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھیں۔ یہ دفینہ اس لیے محفوظ رہا کہ کسی کو اس کا علم نہیں تھا اور دولت کو محفوظ کرنے کی یہ انوکھی تدبیر کسی کے خیال میں نہیں آسکتی تھی۔ محمد نے یہ دفینہ نکلوا کر عرب بھیج دیا۔

محمد بن قاسم کی معزولی: عرب سپہ سالار ابھی ملتان ہی میں تھا کہ شوال ۹۵ھ (جولائی ۷۱۴ء) میں حجاج کا انتقال ہوگیا۔ محمد بن قاسم کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ نہ محض اس لیے کہ حجاج اس کا چچا اور خسر تھا، اس لیے بھی کہ حجاج ہی کی سرپرستی کے باعث اسے اپنے خداداد جوہر دکھانے کا موقع ملا تھا۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے فرمان آگیا کہ جہاں ہو وہیں ٹھہرے رہو، ہر پیش قدمی کو روک دو، اور نئے حکم کا انتظار کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ عبدالملک نے ولید کے بعد اپنے دوسرے بیٹے سلیمان کے لیے جانشینی کی وصیت کی تھی۔ ولید چاہتا تھا کہ اس وصیت پر عمل نہ ہو اور سلیمان کی جگہ اس کا اپنا بیٹا خلیفہ بن جائے۔ مشرقی صوبوں کا گورنر حجاج اور مغربی صوبوں کا گورنر موسےٰ ابن نصیر دونوں ولید کے خاص مشیر اور اس کی سکیم کامیاب بنانے میں مددگار تھے۔ حجاج کے انتقال سے ولید کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ اس نے موسےٰ ابن نصیر اور طارق بن زیاد فاتح اندلس کو اندلس سے دمشق بلا لیا اور محمد بن قاسم کی پیش قدمی روک دی۔ شاید یہ خیال ہو کہ ممکن ہے ان لوگوں سے کسی دوسرے میدان میں کام لینے کی ضرورت پیش آجائے۔ لیکن ولید ابھی اپنی مرضی کے مطابق ولی عہدی کا انتظام نہیں کر سکا تھا کہ اسے بھی پیغامِ اجل آپہنچا اور سلیمان مسندِ خلافت پر بیٹھ گیا۔ اسے ولید کے تمام مشیروں بلکہ ان کے خاندانوں سے سخت دشمنی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ سب اس کو خلافت سے محروم رکھنے کے لیے کوشاں رہے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ بنتے ہی اس نے موسےٰ بن نصیر اور طارق ابنِ زیاد کو برطرف کر دیا۔ پھر محمد بن قاسم فاتحِ سندھ اور قتیبہ بن مسلم فاتحِ ترکستان کی معزولی کے احکام بھیج دیے۔

اس طرح سلیمان کی ذاتی کدورت بہت بڑے قومی نقصان کا باعث بن گئی۔ اگر موسےٰ ابنِ نصیر اور طارق ابنِ زیاد کو دمشق نہ بلایا جاتا تو وہ فیصلہ کر چکے تھے کہ قلبِ یورپ کو

چیرتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچیں گے اور اسے فتح کر کے اپنی فتوحات کے ثمرات بارگاہِ خلافت میں پیش کریں گے۔ قتیبہ بن مسلم چین پر پیش قدمی کے لیے تیار تھا۔ محمد بن قاسم کے لیے سارا ہندوستان کھلا پڑا تھا۔ اگر چند برس کی مہلت بھی مل جاتی تو یقین تھا کہ یہ فاتح تمام ممالک کو فتح کر لیتے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ عربوں کے قدم جہاں جہاں پہنچے، وہاں اسلام کا قدم ہمیشہ کے لیے جم گیا۔ یہ خصوصیت غیر عرب مسلمان قوموں میں پیدا نہ ہو سکی، اگرچہ ان کی تلوار عربوں سے زیادہ چلی۔

محمد کی وفات: محمد بن قاسم سپہ سالاری سے برطرف ہونے کے بعد عرب واپس چلا گیا۔ عراق میں سلیمان نے ایک ایسے شخص کو گورنر بنا دیا تھا جو حجاج اور اس کے پورے خاندان کا جانی دشمن تھا۔ اس نے محمد بن قاسم کو عراق پہنچتے ہی گرفتار کر کے واسط کے جیل خانہ میں ڈال دیا۔ پھر اسے سخت تکلیفیں دیں، یا تو ان تکلیفوں کی وجہ سے موت واقع ہوئی، یا شہید کرا دیا۔ اس وقت محمد بن قاسم کی عمر صرف بائیس برس کی تھی۔ اسلام کے اس نادر سپہ سالار کا یہ انجام یقیناً بڑا حسرت ناک ہے۔

ایک بے سروپا افسانہ: مدت سے ایک افسانہ چلا آتا ہے جسے بعض مؤرخ بڑے شوق سے اپنی کتابوں میں درج کرتے رہے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ داہر کی دو بیٹیاں محمد بن قاسم کے ہاتھ گرفتار ہو گئیں اور انھیں خلیفہ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیج دیا گیا۔ انھوں نے خلیفہ سے شکایت کی کہ محمد بن قاسم نے ہماری آبرو سلامت نہ رکھی۔ اس پر خلیفہ نے غضب ناک ہو کر حکم بھیج دیا کہ محمد بن قاسم کو جانور کی تازہ کھال میں بند کر دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ کھال سوکھی تو محمد بن قاسم جان بحق ہو گیا۔ پھر ان لڑکیوں نے خود خلیفہ کے سامنے اقرار کیا کہ ہم نے تو محض اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے یہ افسانہ تراش لیا تھا۔

یہ افسانہ بالکل غلط اور بے اصل ہے۔ نہ داہر کی بیٹیاں قید ہوئیں، نہ انھیں دمشق بھیجا گیا نہ تحقیق کے بغیر خلیفہ کوئی حکم صادر کر سکتا تھا، نہ تازہ کھالوں میں بند کر کے موت کی سزا دینے کا اس زمانے کے مسلم تاجداروں میں رواج تھا۔ سب سے آخر میں یہ کہ محمد بن قاسم کی معزولی اور وفات کے صحیح واقعات وہی ہیں جو ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ خلیفہ سلیمان نے اسے حجاج کے گناہ کی پاداش میں معزول کیا۔ حجاج کے خاندان کے دشمن گورنر نے عراق میں اسے قید کر لیا۔ اسی قید میں وفات پائی یا قتل ہوا۔

محمد بن قاسم کا بُت: محمد بن قاسم ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ تین برس رہا۔ اس مدت میں اس نے سندھ اور ملتان کو فتح کیا۔ اسی زمانے میں نئے سرے سے ملک کا انتظام درست کیا۔ عام سندھی لوگ اس کے ہمدردانہ برتاؤ سے اتنے خوش تھے کہ جب وہ واپس چلا گیا تو ایک شہر کے غیر مسلموں نے اس کا بت بنا کر مندر میں رکھ دیا۔ دوسری مورتیوں کے ساتھ اس کی بھی روزانہ پوجا ہوتی تھی۔ یہ سب سے بڑی عزت تھی جو ہندو اس زمانے میں کسی کو دے سکتے تھے اور یہ عزت دوسرے کسی مسلمان فاتح کے حصے میں نہ آئی۔ اس کے ماتم میں بھی سندھ والوں نے پورا حصہ لیا۔

★.....★.....★

حواشی

۱ واسط اسلامی عہد میں عراق کا مشہور مقام تھا۔ بصرہ اور کوفہ کی طرح یہ بھی اسلامی عہد میں آباد ہوا۔ عباسیوں کے عہد میں بغداد کی بنیاد پڑی تو دوسرے شہروں کی حیثیت گھٹ گئی۔

چوتھا باب

سندھ میں عربوں کی حکومت

محمد بن قاسم کے بعد کی حالت: محمد بن قاسم کی معزولی کے بعد ہندوستان میں فتوحات کا وہ شاندار سلسلہ رک گیا جس کا آغاز اس نوجوان سپہ سالار نے کیا تھا، لیکن عرب تقریباً دو سو برس تک سندھ پر حکمران رہے۔ انھوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے جن میں سے منصورہ اور محفوظہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے عہدِ حکومت میں اگرچہ بار بار فتنے اٹھتے رہے اور بعض مواقع پر انھوں نے مارواڑ، گجرات اور مالوے پر بھی یورشیں کیں لیکن ان کا دائرۂ حکومت سندھ سے آگے نہ بڑھا۔ اس زمانے میں ملک کی آبادی کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ دسمبر ۸۹۳ء (شوال ۲۸۷ھ) میں ایک خوف ناک زلزلہ آیا جس میں دیبل کی بندرگاہ تباہ ہو گئی۔ صرف ایک سو مکان بمشکل بچ گئے۔ ملبہ ہٹا کر لاشیں نکالی گئیں تو ڈیڑھ لاکھ نکلیں۔ جو لوگ زخمی ہوئے یا زندہ بچے وہ ان کے علاوہ تھے۔ جس ملک کی بندرگاہ میں کم و بیش دو لاکھ آدمی آباد تھے، اس کی رونق اور آبادی میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔

دورِ انتشار: آہستہ آہستہ مرکزی حکومت کی گرفت کمزور ہوتی گئی۔ پھر سندھ دو صوبوں میں بٹ گیا۔ جنوبی حصے کا مرکز منصورہ تھا، شمالی حصے کا مرکز ملتان بن گیا۔ چوں کہ یہ علاقہ اسلامی سلطنت کی آخری حد پر واقع تھا اس لیے جن لوگوں کو حکومت سے اختلاف ہوتا، وہ یہاں پہنچ جاتے۔ شدہ شدہ سندھ مذہبی اور سیاسی باغیوں کا مرکز بن گیا۔ قرمطی لوگ بڑی تعداد میں یہاں جمع ہو گئے۔ آخر میں ملتان میں قرمطیوں کا خاصا جمگھٹا ہو گیا۔ انھیں کی بیخ کنی کے لیے محمود غزنوی کو ملتان پر حملے کی ضرورت پڑی تھی۔

سندھ پر عربوں کا اثر: عرب سندھ پہنچے تو ہندوستان کی پرانی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے درمیان میل جول کا پہلا موقع پیدا ہوا۔ سندھ کی سابقہ غیر مسلم آبادی میں بدھ مت کے پیرو بھی

تھے۔ بچ کے زمانے میں برہمنوں کو بھی خاصی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ آخری زمانے میں بدھوں اور برہمن مت کے پیروؤں کے درمیان چنداں فرق بھی نہیں رہا تھا۔

عربوں نے تمام غیر مسلموں کے ساتھ اتنا اچھا برتاؤ کیا کہ وہ خود بخود مسلمان ہونے لگے۔ آج سندھ کی آبادی میں مسلمانوں کی کثرت عربوں ہی کے عہد کی یادگار ہے۔ اس سلسلے میں بزرگانِ دین نے بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ سندھی زبان میں عربی الفاظ شامل ہوگئے۔ اس کا رسم الخط اب تک عربی ہے۔ ہندوستان کے لوگ گھروں سے باہر نکلنا، خصوصاً ملک سے باہر جانا بہت بُرا سمجھتے تھے، لیکن سندھ کے ہندو تجارت کے سلسلے میں دنیا کے ہر بڑے شہر میں پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ عربوں ہی کی صحبت کا اثر تھا۔ سندھی ہندوؤں کی بود و ماند اور معاشرتی طریقوں کو بھی سامنے رکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ ہندوؤں کے بجائے مسلمانوں سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔

حجاج کی ہدایتیں: حجاج اور محمد بن قاسم کی خط و کتابت دیکھ کر ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ عربوں نے سندھ کے غیر مسلموں سے کیسا برتاؤ کیا اور ان کی حکومت کیسی تھی؟ ایک موقع پر حجاج نے لکھا کہ نماز میں خدا کے حضور رو رو کر دعائیں مانگا کرو، ہر وقت اللہ کا ذکر زبان پر جاری رکھو۔ خدا کے فضل و رحمت کے بغیر کسی کو قوت و شوکت نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ پر بھروسا رکھو گے تو قوی امید ہے کہ فتح پاؤ گے۔

رعایا سے حسنِ سلوک: جب حجاج کو دیبل کے فتح ہونے کی خوشخبری ملی تو لکھا کہ قلعوں کو مضبوط بنانے اور فوج کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد جو مال بچ رہے، اسے رعایا کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کرو۔ یاد رکھو ملک اسی حالت میں خوشحال بنتا ہے کہ کاشتکار، کاریگر، سوداگر اور پیشہ ور لوگ خوشحال ہوں، رعایا کے ساتھ ہمیشہ ایسا برتاؤ کرو کہ ان کے دل تمہاری محبت سے بھر جائیں۔

یاد رہے یہ اس حجاج کی ہدایتیں اور نصیحتیں ہیں جو تاریخ کے چند بڑے ظالموں میں گنا جاتا ہے۔ وقتی سیاسی اغراض کے لیے اس نے خواہ کیسی ہی حرکتیں کی ہوں لیکن ملک داری کے بنیادی اصول میں اس کی رائے وہی تھی جو ایک حق پرست مسلمان کی ہونی چاہیے۔

اہلِ نیرون کے متعلق حکم: اہلِ نیرون نے لڑائی کے بغیر شہر حوالے کر دیا تھا اور وہ پہلے ہی امان نامہ لے چکے تھے۔ حجاج نے ہدایت بھیجی کہ نیرون کے باشندوں سے نرمی اور دلداری کا سلوک کرو۔ ان کی بہبود کا خیال رکھو۔ لڑنے والوں میں سے جو امان طلب کرے، اسے ضروری امان

دو۔ جو وعدہ کسی سے کرو، اس پر مضبوطی سے قائم رہو تا کہ تمہارے قول اور فعل پر سندھ والوں کے دل میں پورا بھروسا پیدا ہو جائے، یعنی وہ سمجھیں کہ ایسے آدمی سے معاملہ ہے جو اپنی بات کا پکا اور قول کا سچا ہے۔ ایسا نہیں کہ صبح کو کچھ کہتا ہے اور شام کو کچھ کرتا ہے۔

سلطنت کے چار ستون: ایک اور خط میں حجاج نے لکھا کہ سلطنت کے چار ستون ہیں:

۱۔ رعایا کے ساتھ نرمی اور نیکی کا برتاؤ کرنا۔

۲۔ حق داروں کو انعام اور بخشش سے مالا مال کر دینا۔

۳۔ دشمنوں کا مزاج پہچاننا اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔

۴۔ قوت اور بہادری سے کام لینا۔

جو شخص اللہ کو مانے اور تمہاری اطاعت قبول کرے، اس کا مال و اسباب برقرار رکھو۔ جو شخص اپنے مذہب پر قائم رہے اسے صرف اس حد تک مجبور کرو کہ تمہارا فرمانبردار بن جائے۔

محمد بن قاسم کا طریقہ: محمد بن قاسم جتنا بہادر اور جواں مرد تھا، اتنا ہی نیک دل اور صلح پسند تھا۔ اس نے جس شہر پر قبضہ کیا، اس کے تمام لوگوں کی حفاظت اپنے ذمے لے لی اور سب کو مذہبی آزادی دے دی۔ مثال کے طور پر برہمن آباد کی فتح کے بعد اعلان کر دیا کہ جو لوگ اپنی رضامندی سے مسلمان بن جائیں گے، ان سے شریعت کے مطابق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو اپنے دھرم پر قائم رہیں گے، ان کو جزیہ دینا پڑے گا۔ جزیہ کی شرح یہ مقرر کی:

۱۔ امیر لوگ (تقریباً پندرہ روپے سالانہ)

۲۔ درمیانہ درجے کے لوگ (تقریباً سات روپے سالانہ)

۳۔ عام لوگ (تقریباً چار روپے سالانہ)

مندروں کے ساتھ جو جائیدادیں پہلے سے چلی آتی تھیں، ان سب کو قائم رکھا۔ زمینداروں کے حقِ مالکی کو بالکل نہ چھیڑا۔ مالیہ کے نظام میں کوئی تبدیل نہ کی۔ مالگزاری وصول کرنے کے لیے سندھی مقرر کیے۔ آپس کے جھگڑوں کو چکانے کے لیے با اثر اور دانش مند لوگوں کی پنچایتیں بنا دیں۔ کاشتکاروں کے لیے مناسب رعایتوں کا بندوبست کر دیا۔

حجاج کی طرف سے احتیاط کا حکم: اس کی نرم دلی اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ حجاج نے پوری کیفیت سنی تو لکھا کہ تمہارے انتظامات اگرچہ شرع کے مطابق ہیں، لیکن ہر خاص و عام کو رعایت دینے

اور دوست دشمن میں تمیز نہ کرنے سے معاملات کہیں بگڑ نہ جائیں۔ جو لوگ اچھی شہرت کے مالک ہوں، انھیں ضرور امان دے دیا کرو، لیکن شریروں کو دیکھ بھال کے بعد معاف کیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ تمہارے حد سے بڑھے ہوئے رحم کو کمزوری سمجھ لیں اور اس طرح تمہارے رعب اور دبدبے کو نقصان پہنچے۔

مندروں کی دُرستی: لڑائی میں بعض مندروں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ سب سے پہلے برہمن آباد کے پروہتوں نے اپنے ہاں کے مندروں کی مرمت کا سوال اٹھایا۔ معاملہ چوں کہ نیا تھا اس لیے محمد بن قاسم نے اسے حجاج کے پاس پیش کر دیا۔ وہاں سے حکم آیا کہ برہمن آباد کے باشندوں نے جب اطاعت کر لی ہے تو ان کے دھرم میں یا دوسرے معاملات میں دخل نہیں دیا جا سکتا اور نہ ان پر کسی طرح کا جبر مناسب ہے۔

راجا داہر کے عہد میں پروہتوں اور پجاریوں کو جو رعایتیں حاصل تھیں، محمد بن قاسم نے ان میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ مالگزاری میں سے تین فی صدی کی رقم ان کے لیے الگ کر دی جسے وہ مندروں کی مرمت میں خرچ کر سکتے تھے۔

محبت اور حق شناسی کا یہی برتاؤ تھا جس نے عربوں کو اہل سندھ میں ہر دل عزیز بنایا اور وہ اسلام کی جانب راغب ہوتے گئے۔ پہلے راجاؤں کے عہد میں غریب اور نچلے درجے کے لوگوں کی حالت بڑی خراب تھی۔ مسلمانوں نے ان کے لیے سہولتیں بہم پہنچا دیں۔ اسی وجہ سے عوام کو حاکموں کے ساتھ دلی لگاؤ پیدا ہو گیا۔

جاٹوں اور لوہانیوں سے چچ کا سلوک: چچ نے جب جاٹوں اور لوہانیوں پر قابو پایا تھا تو ایسی شرطیں لگا دی تھیں کہ وہ لوگ غلاموں سے بھی بدتر ہو گئے تھے۔ بعض شرطیں یہ تھیں:

۱۔ وہ کبھی تلوار نہ باندھیں۔
۲۔ پشمینے اور زری کے لباس کبھی نہ پہنیں۔
۳۔ گھوڑے پر سوار ہوں تو زین نہ ڈالیں۔
۴۔ سر اور پاؤں ننگے رکھیں۔
۵۔ برہمن آباد کے حاکم کے لیے ایندھن لایا کریں۔

• مسلمانوں نے سندھ کو فتح کر لینے کے بعد اس قسم کے تمام امتیازات ختم کر دیے اور

کسی کے لیے کوئی ایسی شرط مقرر نہ کی جو ہتک یا ذلت کا باعث بن سکتی۔

غیروں کا اعتراف: عربوں کے اس حسنِ سلوک کا اعتراف سب نے کیا ہے، لیکن بعض غیر مسلم تاریخ نگاروں نے بیچ میں سے یہ بات پیدا کر لی کہ اگر عربوں نے زمینوں کا پہلا انتظام بحال رکھا اور سندھی کارکنوں کو بھی نہ بدلا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نیا انتظام فوراً جاری نہیں کر سکتے تھے، اس لیے پہلے انتظام کو باقی رکھنے پر مجبور تھے۔ رائے زنی کا یہ طریقہ بڑا دلچسپ ہے کہ مسلمانوں نے اگر کسی انتظام کو بدلا تو کہہ دیا کہ عام لوگوں پر ظلم کیا، اگر نہ بدلا تو کہہ دیا کہ مجبوری کی حالت میں نہ بدلا۔ حالاں کہ انھیں کوئی مجبوری نہ تھی۔ انھوں نے فوجی قوت سے سندھ کو فتح کیا تھا اور سو برس سے مختلف ملکوں کی تقدیریں ان کے ہاتھ میں تھیں۔ سندھ پہلا ملک نہیں تھا جو ان کے قبضے میں آیا تھا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے جو ملک فتح کیے، ان کے انتظامات میں صرف ان چیزوں کو تبدیل کیا جو شریعت کے خلاف تھیں، یا جن سے عام لوگوں کے حقوق کو نقصان پہنچتا تھا، یا جو چیزیں آبادی کے مختلف طبقوں میں امتیاز پیدا کرتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

پانچواں باب

دولتِ غزنویہ

سامانی پادشاہ: عباسی خلافت میں ضعف کے آثار پیدا ہوئے تو اس کے بعض صوبیداروں نے خودسری اختیار کر لی۔ ان میں اسماعیل سامانی بھی تھا، جو ترکستان و خراسان کا حاکم تھا۔ اس نے بخارا کو پایۂ تخت بنا کر خود مختاری کا سروسامان کر لیا۔ اگرچہ ظاہر میں تخت گاہِ خلافت کی فرمانبرداری کا دم بھرتا رہا اور سکہ و خطبہ بھی خلفائے بغداد ہی کے نام کا جاری رکھا۔ اس خاندان میں سے پانچ چھ نامور پادشاہ گزرے ہیں جنھوں نے وسط ایشیا میں مدت تک اسلامی عظمت کا علم بلند رکھا اور علوم و فنون کی سرپرستی کرتے رہے۔ تاریخ میں انھیں سامانی پادشاہ کہا جاتا ہے۔ سامانیوں ہی میں سے ایک پادشاہ عبدالملک کا ایک غلام الپتگین تھا جس نے غزنی میں الگ سلطنت کی بنیاد رکھی۔

مسلمان غلام: اسلام سے پہلے جنگی قیدیوں کو غلام بنا لینے کا عام دستور تھا۔ ان لوگوں کو جانوروں کی طرح خرید اور بیچا جاتا تھا۔ اسلام نے آقا اور غلام کی تمیز مٹا دی تھی اور انسانوں کو آزادی اور مساوات کا ایسا سبق پڑھا دیا تھا کہ غلامی باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ اگرچہ زمانے کے رواج کے مطابق دولت مندوں کے ذاتی نوکروں چاکروں کو عام بول چال میں ''غلام'' ہی کہا جاتا رہا، حالاں کہ وہ ''غلام'' نہ تھے بلکہ گھر کے آدمیوں کی طرح رہتے تھے۔

ترکستان کے جو وحشی قبیلے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسلامی حکومت کے دائرے سے باہر تھے، وہ آپس میں لڑتے تو ایک دوسرے کے بچوں کو اٹھا لے جاتے اور انھیں غلاموں کی حیثیت میں بیچ ڈالتے۔ اگر کوئی خریدنے کے لیے تیار نہ ہوتا تو انھیں قتل کر دیتے۔

اس ترکستانی علاقے سے ملے ہوئے اسلامی خطوں کے حاکموں اور امیروں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ ان ترک بچوں کو خرید لیتے۔ پھر گھر کے آدمیوں کی طرح ان کی پرورش کرتے، تعلیم و تربیت دلاتے اور ان کی قابلیت کے مطابق مختلف کاموں پر لگا دیتے۔ تاریخ میں

انھیں بھی غالباً اس وجہ سے "غلام" کہا گیا کہ وہ خریدے گئے تھے۔ حالاں کہ سب کو معلوم ہے کہ ان میں سے اسلام کے مشہور امیر، نادر سپہ سالار اور عالی قدر پادشاہ اٹھے۔ مصر میں مدت تک ان ترک 'غلاموں' کو پادشاہی کا منصب حاصل رہا جنھیں مملوک سلاطین کہتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان پادشاہوں میں سے ایک خاندان کو 'خاندانِ غلاماں' کہا جاتا ہے، اس لیے کہ ان میں سے تین بڑے پادشاہ 'غلامی' کی حالت سے اٹھ کر تختِ شاہی پر پہنچے تھے۔

الپتگین: الپتگین کو عبدالملک سامانی نے خریدا تھا، پھر اس کو اعلیٰ تربیت دی۔ اپنی بہادری، لیاقت اور دانش مندی کے باعث وہ خراسان کا حاکم بن گیا۔ پھر دربار سے جھگڑا پیدا ہو گیا اور الپتگین نے غزنی میں الگ حکومت بنالی۔ وہ مرا تو اس کا بیٹا، پھر دو اور شخص مسند نشین ہوئے۔ ۹۷۷ء میں غزنی کے تمام فوجی سرداروں نے سبکتگین کو پادشاہ بنالیا۔

سبکتگین: ایران کا آخری ساسانی پادشاہ یزدجرد عربوں کے مقابلے میں شکست کھا کر ترکستان کی طرف بھاگا تھا۔ وہ خود اپنے درباریوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اُس کے اہل و عیال ترک قبیلوں کے درمیان آباد ہوئے۔ آہستہ آہستہ وہ ترک قبیلوں میں گھل مل گئے اور ترک ہی سمجھے جانے لگے۔ کہتے ہیں کہ سبکتگین اسی خاندان سے تھا۔

وہ دس بارہ برس کا ہوگا جب ایک ہمسایہ قبیلے نے اس کے گھر بار پر اچانک حملہ کر دیا۔ بعض لوگ مارے گئے۔ جو دشمن کے ہاتھ گرفتار ہوئے ان میں سبکتگین بھی تھا۔ اس طرح وہ غلام بن کر ایک مسلمان سوداگر کے ہاتھ فروخت ہوا جس نے بڑی توجہ سے اسے پالا، تعلیم دلوائی اور سپہ گری کے فنون سکھائے۔ سترہ برس کا ہوا تو الپتگین نے ہونہار دیکھ کر اسے اپنی حمایت میں لے لیا۔ پھر اس کی شرافت، نیکی، بہادری اور وفاداری سے خوش ہو کر اپنی لڑکی سے شادی کر دی۔

اس طرح سبکتگین کی قسمت کا ستارہ مصیبتوں کے بادل سے نکل کر چمکنے لگا، آگے چل کر یہ ستارہ غزنی کے آسمان پر چاند بننے والا تھا، پھر اس چاند سے فتح و ظفر مندی کا وہ سورج نکلا جس کی کرنیں بتیس برس تک ایشیا کے بڑے حصے میں چکاچوند پیدا کرتی رہیں اور غزنی کا نام دنیا بھر میں روشن ہو گیا۔

قدرت کے طریقے عجیب ہیں۔ آج خوشحال گھرانے کا ایک بچہ بے کسی کی حالت میں

دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر غلام کی حیثیت میں بکتا ہے۔ یہ انتہائی بدنصیبی ہے، جو کسی کو پیش آسکتی ہے لیکن یہی بدنصیبی اس کے لیے تختِ حکومت پر پہنچنے کی سیڑھی بن جاتی ہے۔ سبکتگین اگر گرفتار نہ ہوتا اور غلام بن کر نہ بکتا تو وہ ترکستان کے ایک گھرانے میں زیادہ سے زیادہ سردار بن جاتا، جیسے سردار غیر مسلم ترکوں میں ہزاروں تھے لیکن مصیبتوں کے طوفان سے گزر کر وہ تاریخ کی ایک عظیم الشان شخصیت بن گیا۔

جے پال والیِ لاہور سے پہلی جنگ: غزنی کی حیثیت اس وقت معمولی تھی پنجاب کے بڑے حصے پر وہ ہندو خاندان حکمران تھا، جسے ''برہمن شاہی'' کہتے ہیں۔ یہ خاندان پہلے افغانستان کے وسیع حصے پر قابض تھا۔ شکستیں کھا کھا کر پیچھے ہٹتا رہا۔ سبکتگین کے ہم عصر راجا جے پال کے زمانے میں جلال آباد سے آگے لغمان تک کا علاقہ برہمن شاہی راج میں شامل تھا۔

جے پال کے دل میں غالباً یہ خیال تھا کہ سبکتگین اس کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکے گا، لہٰذا غزنی کو فتح کر لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ فوج کے ساتھ بڑھا اور سبکتگین کے علاقے پر حملہ آور ہوا۔ جلال آباد (افغانستان) سے ذرا آگے جنگ ہوئی۔ جاڑے کا موسم قریب تھا۔ وقت سے پہلے برف پڑنے لگی۔ ہندی سپاہی برف باری کے عادی نہ تھے۔ بہت سے اکڑ کر مر گئے یا ان کے ہاتھوں پاؤں بے کار ہو گئے۔ مجبور ہو کر جے پال نے صلح کر لی۔ بات چیت کے بعد یہ شرطیں طے ہوئیں:

۱۔ جے پال تاوانِ جنگ ادا کرے۔
۲۔ پچاس ہاتھی دے۔
۳۔ شمالی قلعے سبکتگین کے حوالے کرے۔

سبکتگین نے اپنے دو آدمی جے پال کے ساتھ لاہور بھیج دیے تاکہ تاوان اور ہاتھی لے آئیں۔ اس لڑائی میں سبکتگین کا بیٹا محمود بھی باپ کے ساتھ تھا۔ اس وقت وہ پندرہ سولہ برس کا ہوگا۔

جے پال کی عہد شکنی: لاہور پہنچتے پہنچتے جے پال کی نیت بدل گئی اس نے سبکتگین کے آدمیوں کو قید میں ڈال دیا اور صلح کی جو شرطیں خود مان کر آیا تھا، انھیں ٹھکرا دیا۔ سبکتگین نے یہ سنا تو اسے یقین نہ آیا کہ راجا اپنے عہد سے پھر گیا ہے۔ جب اس کی تصدیق ہو گئی تو فوج لے کر جے پال کے علاقوں میں تاخت تاراج کے بعد غزنی جا بیٹھا۔

جے پال نے عہد شکنی کے ساتھ ہی اجمیر، کالنجر اور قنوج وغیرہ کے راجاؤں کو بلاوے بھیجے۔ یہ کہہ کر ڈرایا کہ سبکتگین پنجاب پر حملہ کرنے والا ہے۔ اگر پنجاب فتح ہو گیا تو ہندوستان کا کوئی حصہ سلامت نہیں رہے گا۔ اس طرح بھاری فوج تیار کر لی، جس کی تعداد تین لاکھ بتائی جاتی ہے۔

سبکتگین کے پاس صرف ساٹھ ہزار جانباز تھے۔ پشاور کے قریب دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی۔ سبکتگین نے نے اپنی پوری فوج پانچ پانچ سو کے جیشوں میں تقسیم کر لی تھی اور حکم دے دیا تھا کہ ایک وقت میں چند جیش لڑیں۔ وہ تھک جائیں تو پیچھے ہٹ آئیں اور دوسرے جیش ان کی جگہ لے لیں۔

جب سبکتگین کو اندازہ ہو گیا کہ دشمن کی فوج تھک چکی ہے تو پورے لشکر کو لے کر اس زور سے حملہ کیا کہ جے پال کی سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خود جے پال پریشان ہو کر بھاگا اور اٹک سے پار پہنچ کر دم لیا۔ سبکتگین نے اس فتح پر پشاور تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور اپنے ایک سردار کو دس ہزار فوج دے کر پشاور کی حفاظت کے لیے بٹھا دیا۔

سبکتگین کی وفات: ان دو لڑائیوں کے علاوہ سبکتگین نے جو معرکے سر کیے، ہم نے انھیں اس وجہ سے بیان نہیں کیا کہ وہ تاریخ ہند کے مضمون سے خارج ہیں۔ بیس برس کی حکومت کے بعد ۹۹۷ء میں اس کا انتقال ہوا۔ صرف چھپن برس کی عمر پائی۔ اس کے عہد حکومت میں سلطنت کی حدیں بہت پھیل گئیں۔ سامانی بادشاہ نے خراسان کے علاقے کا انتظام بھی اسی کے حوالے کر دیا۔

سبکتگین کی وفات کے وقت اس کا بڑا بیٹا محمود خراسان کا گورنر تھا۔ امیروں نے اس کے چھوٹے بھائی اسماعیل کو بادشاہ بنا دیا۔ غالباً اس لیے کہ وہ الپتگین کا نواسا تھا اور غزنی کی سلطنت پر اس کا دوہرا حق سمجھا گیا یا اس لیے کہ تخت اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی خالی رکھا گیا تو کہیں افراتفری نہ پیدا ہو جائے۔

اسماعیل کو لڑائیوں کا تجربہ نہیں تھا۔ محمود جانتا تھا کہ غزنی کو مختلف اطراف سے خطرہ ہے اور وہی شخص اس کی عزت بچا سکتا ہے جس میں سپہ داری کی صلاحیتیں موجود ہوں۔ اس نے اسماعیل کو بلخ و خراسان کی حکومت دے کر صلح کرنی چاہی۔ فیصلہ نہ ہو سکا تو لڑائی کی جس میں اسماعیل ہار گیا اور محمود غزنی کا فرمانروا بنا۔

سلطان محمود غزنوی ۹۹۷ء۔ ۱۰۳۰ء: محمود کی ماں زابلستان[1] کے سردار کی بیٹی تھی۔ یکم نومبر

۹۷۱ء کو پیدا ہوا۔ چھ برس کا تھا کہ باپ کو غزنی کی حکومت ملی۔ تعلیم بڑی اچھی پائی۔ قرآن کا حافظ تھا۔ شہزادگی کے زمانے میں فقہ پر ایک کتاب لکھی تھی جو مدت تک رائج رہی۔ اس کا گھرانا اگرچہ حنفی تھا، لیکن وہ خود شافعی فقہ کا پابند بن گیا تھا۔ شافعی عالموں کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں محمود کا ذکر بھی آتا ہے۔

ہوش سنبھالتے ہی باپ کے ہمراہ لڑائیوں میں شامل ہونے لگا، گویا لڑائی کی ساری ہنرمندیاں میدانِ جنگ میں سیکھیں۔ ملکی انتظام کا پورا تجربہ خراسان کی گورنری کے زمانے میں حاصل کیا۔

تخت نشینی کے ساتھ ہی محمود کو بخارا اور کاشغر سے لڑائیاں پیش آگئیں جس میں وہ دو برس الجھا رہا۔ اس اثنا میں جے پال نے تیسری مرتبہ غزنی پر حملے کی تیاری کر لی۔

جنگِ پشاور نومبر ۱۰۰۱ء: جے پال کے دل میں پہلی شکستوں کی خلش موجود تھی۔ اب اس نے سوچا کہ سبکتگین جیسا تجربہ کار سپہ سالار غزنوی لشکروں کی کمانداری کے لیے نہیں رہا اور ایک جواں سال لڑکے سے مقابلہ ہے جو دوسری لڑائیوں میں پھنسا ہوا ہے، اس لیے پہلی شکستوں کے داغ دھو ڈالنے کا اچھا موقع پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے فوج تیار کر کے پشاور پر دھاوا بول دیا۔

جے پال بارہ ہزار سوار، تیس ہزار پیادے اور تین سو ہاتھی لے کر پشاور پہنچا۔ سرحدی قبیلوں کو بھی رشوت دے کر اس نے ساتھ ملا لیا تھا۔ محمود صرف دس ہزار سوار مقابلے پر لا سکا۔ ۲۷ نومبر ۱۰۰۱ء کو پشاور میں جنگ ہوئی۔ تھوڑی دیر میں جے پال نے شکست کھائی۔ اس کی فوج کے پندرہ ہزار آدمی مارے گئے اور خود راجا اپنے پندرہ رشتہ داروں سمیت گرفتار ہو گیا۔ محمود اسے غزنی لے گیا اور عزت سے رکھا۔ پھر دونوں کے درمیان ایک عہد نامہ ہوا، جس کے مطابق جے پال نے ڈھائی لاکھ دینار تاوان دینا منظور کیا اور پچاس ہاتھی پیش کیے۔ اس کا ایک بیٹا اور ایک نواسا یرغمال کے طور پر محمود کے پاس رہے تاکہ راجا دوبارہ عہد شکنی نہ کرے۔ آئندہ کے لیے وہ خراج گزار بن گیا۔

مؤرخوں نے خدا جانے کس وجہ سے اس جنگ کو ہندوستان پر محمود کا پہلا حملہ قرار دے دیا؟ جنگ کی ابتدا جے پال کی طرف سے ہوئی تھی نہ کہ محمود کی طرف سے اور لڑائی پشاور میں ہوئی تھی جو غزنی کی سلطنت میں شامل تھا۔ صحیح یہی ہے کہ یہ حملہ جے پال نے کیا تھا اور محمود صرف مدافعت میں لڑا تھا۔ البتہ یہ درست ہے کہ سلطان کی حیثیت میں ہندوستانیوں کے ساتھ محمود کی

پہلی جنگ یہی تھی، جس کے بعد لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا اور سلطان کی زندگی کا بڑا حصہ ہندوستان پر ترکتازوں میں بسر ہوا۔

جے پال تین مرتبہ حملے کر کے شکستیں کھا چکا تھا۔ لاہور واپس آیا تو شرمندگی سے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ اس نے چتا تیار کرائی اور اس میں زندہ جل مرا۔ اپنے جانشین انند پال کو وصیت کر دی کہ محمود سے لڑائی نہ چھیڑنا اور جو خراج میں قبول کر چکا ہوں، اسے برابر ادا کرتے رہنا۔

ملتان پر حملہ: ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ملتان میں قرمطی فرقے کا زور تھا جو مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ ابوالفتح داؤد وہاں کا حاکم تھا۔ سلطان محمود ان کے زور کو توڑنا چاہتا تھا، اس لیے ۱۰۰۴ء میں ملتان پر حملے کی غرض سے آیا۔ درہ خیبر سے ہوتا ہوا دریائے سندھ پر پہنچا تو انند پال مقابلے کے لیے تیار ہو گیا، حالاں کہ وہ سلطان کا باجگزار تھا اور سلطان اس کے علاقے سے صرف گزرنا چاہتا تھا۔ علاوہ بریں انند پال نے ابوالفتح داؤد کو خبر بھیج دی کہ محمود حملے کی غرض سے آ رہا ہے، مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

سلطان کو انند پال کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا اور اس پر حملہ کر دیا۔ وہ شکست کھا کر کشمیر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ پھر سلطان ملتان پہنچا۔ شہر فتح کر لیا۔ ابوالفتح داؤد نے قرمطی عقیدے سے توبہ کر لی اور پکا مسلمان بن گیا۔ اس اثنا میں خبر ملی کہ کاشغر کی فوجوں نے سلطانی علاقے پر حملہ کر دیا ہے۔ محمود نے اپنے ہندوستانی علاقے جے پال کے نواسے سیوک پال (جسے بعض مؤرخوں نے سکھ پال لکھا ہے) کے حوالے کیے اور خود غزنی چلا گیا۔ اپنے نانا کی طرح سیوک پال نے بھی فرمانبرداری کا عہد توڑ ڈالا۔ سلطان نے اسے بھی شکست دی اور چار لاکھ درم تاوان وصول کیا۔

ہندی فوجوں کا جمگھٹا: انند پال ۱۰۰۴ء میں شکست کھا کر کشمیر کی پہاڑیوں میں بھاگ گیا تھا۔ سلطان واپس چلا تو پھر لاہور پہنچا اور اپنے باپ کی طرح شمالی ہند کے راجاؤں کو چٹھیاں بھیجیں کہ سب مل کر محمود کو ختم کر دو، ورنہ ہندوستان کی خیر نہیں۔ چنانچہ نگرکوٹ (کانگڑہ) گوالیار کالنجر، قنوج، اجمیر، دہلی اور تھانیسر کے راجاؤں نے فوجیں لاہور بھیج دیں۔ اس طرح ایک بہت بڑا جتھا تیار ہو گیا جسے لے کر انند پال نے پشاور پر پیش قدمی کی۔ عام لوگوں کے جوش و خروش کی یہ

حالت تھی کہ دولت مند ہندو عورتوں نے اپنے زیور اور جواہرات قومی سرمائے میں دے دیے۔ پنڈتوں اور دھرم کے پیشواؤں نے گاؤں گاؤں اور بستی بستی پھر پھر کر لوگوں کو جنگ کے لیے ابھارا۔ گویا سارے شمالی ہند میں مذہبی دیوانگی کا دور شروع ہو گیا تھا۔ انند پال لشکر لے کر روانہ ہو گیا، لیکن اس کے بعد بھی جنگجوؤں کا تانتا بندھا رہا۔

پشاور کی دوسری جنگ ۱۰۰۸ء: انند پال کے جھنڈے تلے لاکھوں آدمی جمع تھے۔ کھوکھروں نے بھی تیس ہزار جنگی آدمی اس کے جتھے میں شامل کر دیے تھے۔ محمود پایۂ تخت کی فوج لے کر مقابلے کے لیے پشاور پہنچا تو ہندی فوجوں کا جنگل دیکھ کر تذبذب میں پڑ گیا۔ پیچھے ہٹنا غیرت و حمیت کے خلاف تھا۔ لڑائی چھیڑتا تو فوج اتنی کم تھی کہ کامیابی مشکل نظر آتی تھی۔ اس نے اپنی لشکر گاہ کے اردگرد خندق کھدوائی تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے۔

انند پال کے پاس روزانہ نئے نئے جتھے پہنچ رہے تھے۔ آخر محمود کو انتظار سے اکتا کر لڑائی چھیڑنی پڑی۔ پہلے چھ ہزار تیر اندازوں کو آگے بڑھایا لیکن کھوکھر مقابلے پر نکل آئے جنہوں نے اپنے بھالوں اور نیزوں سے تین چار ہزار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ محمود کے لیے یہ بہت بڑا نقصان تھا جس نے اسے پریشان کر دیا۔ اس اثنا میں انند پال کے ہاتھی کے ایک تیر لگا اور وہ پیچھے کی طرف بھاگا۔ اس کے تمام ساتھی راجاؤں اور پیشکاروں نے اسے فرار کا اشارہ سمجھ لیا۔ اور سب سوچے سمجھے بغیر بھاگ نکلے۔ ہاتھی بھاگے تو اپنی ہی فوجوں کو روندتے چلے گئے۔ معلوم ہوتا ہے ان کے دلوں پر پہلے سے ہراس طاری تھا۔ جم کر لڑنے اور جان کی بازی لگانے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ بس ذرا سا موقع نظر آیا تو اٹھ دوڑے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا، نکل گیا۔ سلطانی سپہ سالاروں نے دو دن اور دو رات تک تعاقب جاری رکھا اور جب تک ایک ایک آدمی اٹک کے پار نہ پہنچ گیا، دم نہ لینے دیا۔

یہ لڑائی ۱۰۰۸ء میں ہوئی۔ محمود کے خلاف ہندوستان راجاؤں کی یہ آخری بڑی کوشش تھی۔ بعد میں وہ ایسا کوئی جتھا نہ بنا سکے۔

ہندوستان پر حملے: یہی جنگ ہے جس کے بعد ہندوستان پر محمود کے حملوں کا آغاز ہوا، اور اس نے ایک ایک کر کے تمام راجاؤں سے بدلے لیے، جو پشاور کی جنگ میں انند پال کے ساتھ ہو کر لڑے تھے حالاں کہ محمود نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھیڑا تھا۔ بعد میں جتنے حملے ہوئے، وہ

اصل میں پشاور کی دوسری جنگ کا بدلہ لینے کے لیے کیے گئے تھے۔ ان کی مختصر سی کیفیت یہ ہے۔

۱۔ ۱۰۰۹ء میں کانگڑہ پر حملہ کیا۔ یہاں کا قلعہ ایک پہاڑی پر تھا اور بہت مضبوط سمجھا جاتا تھا، لیکن سلطانی فوجوں کو دیکھ کر لوگوں نے خود دروازے کھول دیے۔ بہت سے دینار، سونا، چاندی، جواہرات اور قیمتی کپڑے سلطان کے ہاتھ لگے۔

۲۔ ۱۰۱۰ء میں ملتان پر حملہ کیا۔ یہاں کا حاکم پہلے فرمانبردار بن چکا تھا، لیکن موقع پا کر اس نے پھر سازشیں شروع کر دی تھیں۔ سلطان نے ملتان پر قبضہ کر لیا۔

۳۔ ۱۰۱۱ء میں تھانیسر پر حملہ کیا۔ تھانیسری فوج نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی۔

۴۔ ۱۰۱۸ء میں سلطان قنوج پر حملے کے لیے نکلا۔ جمنا کو عبور کر کے برن (بلند شہر) ہوتا ہوا مہابن اور متھرا گیا۔ وہاں سے جنوری ۱۰۱۹ء میں قنوج پہنچا۔ وہاں کے راجہ راجیہ پال نے کوئی مقابلہ نہ کیا اور سلطان کا فرمانبردار بن گیا۔ سلطان نے اس کا راج بحال رکھا۔ پھر وہ بندھیل کھنڈ سے گزرتا ہوا واپس چلا گیا۔

۵۔ راجیہ پال کی فرمانبرداری پر کالنجر کے راجا کو سخت غصہ آیا۔ اس نے گوالیار کے راجا کو ساتھ ملا کر راجیہ پال پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ اپنے حلیف کے قتل کی خبر سن کر سلطان ۱۰۱۹ء میں کالنجر پہنچا۔ راجا کے پاس چھتیس ہزار سوار، ایک لاکھ پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس ہاتھی تھے، لیکن رات کے وقت اس کے دل پر ایسا خوف طاری ہوا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔

۶۔ ۲۲-۱۰۲۱ء میں سلطان نے گوالیار پر حملہ کیا اور وہاں کے راجا کو مطیع بنا کر کالنجر پہنچا۔ اس مرتبہ کالنجر کے راجا نے بھی اطاعت قبول کر لی۔

پنجاب پر قبضہ: صاف ظاہر ہے کہ حملے انھیں راجاؤں پر کیے گئے جو پشاور کی جنگ میں کسی سبب کے بغیر محمود کے خلاف لڑے تھے یا جنھوں نے اس کے حلیف کو قتل کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر یہ لوگ جنگ پشاور میں شریک نہ ہوتے تو سلطان ان پر کبھی حملے نہ کرتا۔ وہ بہادر اور کاردان سپہ سالار تھا اور اس زمانے میں اپنی دھاک بٹھانے کا طریقہ یہی تھا کہ فوجیں لے کر من چلے آدمی نکل پڑتے، جدھر رخ ہوتا، فتح کرتے جاتے۔ مدعا یہ ہے کہ سلطان نے جو حملے کیے، ان کا سبب

یہ تھا کہ راجاؤں نے سلطان کے خلاف جنگ میں پیش دستی کی تھی۔ ۱۰۲۱ء میں سلطان نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ گویا سندھ کے بعد سب سے پہلی اسلامی حکومت پنجاب ہی میں قائم ہوئی، جس کا مرکز لاہور تھا۔

سومنات پر حملہ ۱۰۲۵ء۔۱۰۲۶ء: سومنات پر حملہ محمود کا سب سے بڑا فوجی کارنامہ ہے، جس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملیں گی۔ ہندوستان اس کی یورشوں سے گونج رہا تھا۔ سومنات کے پروہت یہ شیخی بگھارنے لگے کہ تھانیسر، متھرا اور کانگڑہ پر سلطان کے حملے اس وجہ سے کامیاب ہوئے کہ ان تیرتھوں کی دیویوں سے سومنات کی دیوی ناراض ہو گئی تھی۔ محمود میں ہمت ہے تو سومنات آئے، پل بھر میں اسے تہس نہس کر دیا جائے گا۔ محمود نے یہ سنا تو سومنات جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

راستے کی مشکلات: سومنات کاٹھیاواڑ میں سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔ اگر وہ دہلی اور متھرا کا راستہ اختیار کرتا تو یہ لمبا بھی تھا اور اس میں ہر مقام پر لڑائیوں کا بھی اندیشہ تھا۔ اگر ملتان سے سیدھا سومنات جاتا تو سارا راستہ ریگستان میں سے تھا۔ محمود نے اس راستے کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

وہ ۱۰۲۵ء کے آخر میں ملتان پہنچا۔ تیس ہزار سوار ساتھ تھے۔ ملتان میں بیٹھ کر سفر کے انتظامات کیے۔ ہر سپاہی کو دو اونٹ دیے تا کہ وہ ضرورت کے مطابق رسد اور پانی ساتھ لے لے۔ اپنے ساتھ بیس ہزار اونٹ رکھے۔ ان پر بھی دانہ اور پانی لدا ہوا تھا۔

ملتان سے نکل کر بہاول پور اور جیسلمیر میں سے گزرتا ہوا نہروالہ (گجرات) جا پہنچا۔ وہاں کا راجا شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ۶ جنوری ۱۰۲۶ء کو سلطان سومنات کے سامنے نمودار ہو گیا۔

جنگ: سومنات کے مندر کی حیثیت ایک قلعہ کی سی تھی۔ ایک ہزار برہمن وہاں ہر وقت پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے۔ پانچ سو داسیاں بھجن گاتی تھیں۔ ہزاروں دیہات کی آمدنی اس مندر کے لیے وقف تھی۔ ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ روح جب جسم سے الگ ہوتی ہے تو سومنات پہنچ جاتی ہے اور وہاں کی دیوی روح کے لیے نئے جنم کا بندوبست کرتی ہے۔ چاند گرہن کے موقع پر لاکھوں ہندو وہاں جمع ہوتے تھے۔

پجاریوں کو یقین تھا کہ دیوی خود بخود محمود کو شکست دے دے گی، لیکن جب سلطان کا کچھ نہ بگڑا تو آگے بڑھ کر سختی سے مقابلہ کرنے لگے۔ دو روز جنگ جاری رہی۔ اردگرد سے

راجاؤں کی فوجیں بھی آ گئیں۔ پھر سلطان نے خود گھوڑا آگے بڑھایا اور اس کے سپاہی نعرے لگاتے ہوئے اندر پہنچ گئے۔ سومنات مسخر ہو گیا۔

مشہور ہے کہ پروہتوں نے سلطان کے سامنے بہت بڑی رقم پیش کر کے کہا تھا کہ بُت کو نہ توڑیے۔ سلطان نے جواب دیا کہ میں بت فروش نہیں کہلانا چاہتا۔ اس کے بعد بت توڑا اس میں سے اس اتنے جواہرات نکلے جو پروہتوں کی پیش کی ہوئی رقم سے بہت زیادہ تھے۔

سلطان نے سومنات کو فتح کیا، یہ بالکل درست ہے۔ ہوسکتا ہے بت بھی لڑائی میں ٹوٹا ہو، لیکن اوپر کا افسانہ بالکل غلط ہے۔ سومنات کا بُت ٹھوس پتھر کا تھا جو چند فٹ زمین کے اندر گڑا ہوا تھا اور اتنا ہی یا اس سے کسی قدر زیادہ زمین کے اوپر تھا۔ وہ کھوکھلا نہ تھا کہ اس میں سے جواہرات نکلتے۔

واپسی میں سلطان نے رن کچھ کا راستہ اختیار کیا اور سندھ ہوتا ہوا اپریل ۱۰۲۶ء میں غزنی پہنچ گیا۔ گویا اس مہم میں ساڑھے چھ مہینے صرف کیے۔

وفات: سومنات کے حملے کے بعد سلطان صرف ایک مرتبہ جاٹوں کی سرکوبی کے لیے ہندوستان آیا۔ آخری عمر میں سل کی بیماری ہو گئی تھی۔ ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء کو ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی۔ غزنی کے باغ فیروزہ میں دفن ہوا۔

خوش خلق، نیک دل اور عادل بادشاہ تھا۔ رعایا اس کے عہد میں بہت خوشحال رہی۔ ایک مرتبہ ایک سوداگر نے اس کے بیٹے مسعود کے خلاف عدالت میں دعویٰ کر دیا کہ شہزادے نے چیزیں خریدی تھیں اور روپیہ نہیں دیتا۔ سلطان نے جب تک مسعود سے پورا روپیہ نہ دلا دیا، اسے نہ چھوڑا۔

نیشاپور کے حاکم کے خلاف ایک عورت نے شکایت کی کہ میری جائیداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان نے اس مقدمے کی تحقیقات کرائی۔ جرم ثابت ہو گیا۔ حاکم کے تازیانے لگوائے اور اسے عہدے سے برخاست کر دیا۔

نماز کبھی قضا نہ کی۔ روزہ کبھی نہ چھوڑا۔ قرآنِ پاک کی تلاوت میں کبھی ناغہ نہ کیا۔ حج کی بڑی آرزو تھی لیکن جا نہ سکا۔ ہر سال لوگوں کو ہزاروں اشرفیاں دے کر قافلوں کی شکل میں حرمین شریفین بھجواتا۔

شخصیت: محمود ایشیا کے چند عظیم الشان بادشاہوں میں سے تھا۔ دربار خلافت سے اسے یمین الدین اور امین الملت کے خطاب ملے تھے۔ بعض مؤرخوں نے اس پر تعصب کے الزام لگائے ہیں اور اس کی لڑائیوں کو کچھ ایسے انداز میں پیش کیا ہے کہ گویا وہ رات دن غیر مسلموں کو لوٹتا اور قتل کرتا رہتا تھا۔ الفنسٹن نے لکھا ہے کہ ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی کہ میدان جنگ سے باہر اس کے ہاتھ سے کوئی شخص قتل ہوا ہو یا اس نے کسی کو جبراً مسلمان بنایا ہو یا کسی کے دھرم میں دخل دیا ہو۔

اس کے پاس ہندوؤں کی بھی ایک فوج تھی جس کے افسر تک ہندو تھے۔ غزنی میں ان کے لیے علیحدہ آبادی کا انتظام کر دیا تھا تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اطمینان سے رہیں۔

علم کی سرپرستی: اس کے دربار میں جلیل القدر علماء اور شاعر جمع ہو گئے تھے۔ مثلاً مشہور حکیم اور ریاضی دان البیرونی، جس نے اپنے شوق سے سنسکرت پڑھی اور اس کی کتاب آج ہندوؤں کے عقائد و رسوم کے متعلق معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ عتبی اور بیہقی جو بہت بڑے مؤرخ تھے۔ شعراء میں سے فردوسی، اسدی، عسجدی، عنصری اور فرخی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ فردوسی سلطان کے بادشاہ بننے سے بیس برس پہلے شاہنامہ شروع کر چکا تھا۔ جب غزنی پہنچا تو اس کتاب کا بڑا حصہ مکمل ہو چکا تھا۔ سلطان کے دربار میں صرف چند سال رہا۔ ۱۰۲۰ء میں فوت ہوا۔ فی شعر ایک اشرفی مقرر کرنے اور نہ دینے کا قصہ سراسر جھوٹا ہے۔

غزنی کی عظمت: سلطان کے عہد میں غزنی ایشیا کا بہت بڑا شہر بن گیا تھا۔ اس کی عمارتیں اور باغات بیس میل کی لمبائی میں پھیل گئے تھے۔ سکولوں، کالجوں اور کتب خانوں کا شمار نہ تھا۔ اس مایہ ناز شہر کو علاؤ الدین جہاں سوز نے تباہ کیا۔

محمود کے جانشینوں میں سے صرف مسعود اور ابراہیم قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان میں سے بھی محمود جیسا کوئی نہ تھا۔ ابراہیم کے بعد بہرام شاہ کے عہد میں غوریوں سے جھگڑا ہو گیا۔ بہرام شاہ شکست کھا کر ہندوستان آتا ہوا راستے میں مر گیا۔ اس خاندان کے دو آخری بادشاہوں کا پائے تخت لاہور تھا۔ خسرو ملک کو محمد غوری نے قید کر کے غور بھیج دیا اور پنجاب کو خود سنبھال لیا۔

داتا گنج بخشؒ: غزنوی عہد کا ذکر داتا گنج بخشؒ کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ وہ ممتاز بزرگانِ دین میں سے پہلے فرد ہیں جن سے اسلامی تعلیم و تربیت کا سلسلہ ہندوستان میں جاری

ہوا۔ بادشاہوں نے تلواریں چلا کر ملک فتح کیے۔ بزرگانِ دین نے خدا کا پیغام سنا کر دلوں کی اقلیمیں مسخر کیں۔ داتا صاحب غزنی میں پیدا ہوئے۔ سلطان محمود کے فرزند مسعود کے عہد میں لاہور آئے۔ پھر زندگی کے آخری سانس تک وطن واپس نہ گئے۔ پنجاب میں ان کی برکت سے ہر طرف اسلام کی تربیت گاہیں بن گئیں اور اسلامی تبلیغ کا کام انجام پایا جو دراصل مسلمانوں کی زندگی کا مقصود تھا۔ داتا صاحب کا روضہ لاہور ہی میں ہے۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ زابل یا زابلستان افغانستان کے اس علاقے کو کہتے تھے جو غزنی اور قندھار کے درمیان تھا۔ شاہنامے کا ہیرو رستم عام روایت کے مطابق اسی علاقے کا رئیس زادہ تھا۔

چھٹا باب

شہاب الدین محمد غوری

غوری کون تھے؟ غزنی اور ہرات کے درمیان افغانستان کا کوہستانی علاقہ غور کہلاتا ہے۔ اس علاقے میں جس خاندان کو حکمرانی کا منصب حاصل تھا، اس کے نسب کے متعلق عجیب و غریب افسانے مشہور ہیں۔ ہمارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے بھی یہ لوگ خود مختار تھے، مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کی سرداری قائم رہی۔ البتہ سلطان محمود کی عظمت کے سامنے انہیں جھکنا پڑا اور وہ غزنوی سلطنت کے باج گزار بن گئے، لیکن جب غزنویوں کی اقبال مندی کا آفتاب ڈھلنے لگا تو پھر ان کے دل میں آزادی و خود مختاری کے ولولے موجزن ہو گئے۔

غوریوں اور غزنویوں میں جھگڑا اتفاقیہ شروع ہو گیا۔ غوری سرداروں میں سے ملک قطب الدین محمد کسی بات پر بھائیوں سے ناراض ہو کر غزنی پہنچا۔ سلطان بہرام شاہ نے بڑی مدارات کی۔ پھر بعض درباریوں کی شکایتیں سن کر بہرام شاہ کو اتنا غصہ آیا کہ قطب الدین محمد کو قتل کرا دیا۔ اس کے بھائی سیف الدین سوری نے بدلہ لینے کے لیے غزنی پر حملہ کیا۔ بہرام شاہ شکست کھا کر ہندوستان آ گیا۔ پھر فوج جمع کر کے غزنہ پہنچا اور سیف الدین سوری کو گرفتار کر کے بڑی ذلت سے قتل کرایا۔

تیسرا بھائی علاؤ الدین فوج لے کر آیا، غزنی پر قبضہ کیا۔ بدلے کے جنون میں حکم دے دیا کہ شہر کو آگ لگا دی جائے۔ سات روز تک شہر جلتا رہا۔ اس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اس واقعہ کے بعد علاؤ الدین نے ''جہاں سوز'' کا لقب پایا۔

شہاب الدین محمد غوری: علاؤ الدین کی وفات پر اس کا بیٹا سیف الدین محمد تخت کا مالک بنا۔ اس خاندان کو ابتدا ہی سے باطنی فرقے کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ سیف الدین محمد نیک دل مسلمان تھا، اس نے یہ تعلق توڑ ڈالا۔ ''جہاں سوز'' کے عہد کے بعض امراء اس کی جان کے دشمن بن گئے اور موقع پا کر اسے شہید کر دیا۔ پھر سلطنتِ غور بہاؤ الدین سام کے بڑے بیٹے شمس الدین کو ملی جس

نے غیاث الدین محمد لقب اختیار کیا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین محمد کو اپنے ہاتھ سے حکومتِ غزنی کا تاج پہنایا۔ یہی شہاب الدین محمد ہے جس نے ہندوستان کے قلب میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔

ہندوستان کی حالت: شہاب الدین محمد جب حکمران کی حیثیت میں تاریخ کی سٹیج پر نمودار ہوا اور اس نے توجہ کی باگ ہندوستان کی طرف پھیری تو یہاں شمالی حصوں میں راجپوتوں کا بڑا زور تھا۔ اجمیر میں چوہان، دہلی میں تنواڑ اور قنوج میں راٹھور حکمران تھے۔ دہلی کے راجا کے نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس نے اپنی لڑکی چوہانوں میں بیاہ دی، اس طرح اجمیر کے علاوہ دہلی کا راج بھی چوہانوں کو مل گیا۔ پرتھوی راج ان دونوں گدیوں کا مالک تھا، جو عام طور رائے پتھورا کے لقب سے مشہور ہے۔ قنوج میں جے چند کی حکومت تھی، جسے پرتھوی راج کا خالہ زاد بھائی بتایا جاتا ہے۔

سندھ کو محمد بن قاسم نے پونے پانسو برس پہلے فتح کیا تھا لیکن وہاں کی اسلامی حکومت کا نقشہ بگڑ چکا تھا، اس لیے کہ قرمطی فرقے کے لوگ زور پکڑ گئے تھے۔ وہ اگرچہ مسلمان سمجھے جاتے تھے لیکن اصل میں مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ پنجاب سلطان محمود کے زمانے میں غزنی کے زیرِ نگیں آیا تھا۔ پنجاب اور سندھ کے درمیان اس زمانے میں اوچ اور ملتان مشہور مقامات تھے۔ اوچ میں بھٹی راجپوتوں کی حکومت تھی اور ملتان محمود کے زمانے کی طرح پھر قرمطیوں کا خالص مرکز بن گیا تھا۔

ابتدائی معلومات: محمد غوری نے پہلے ملتان پھر اوچ کو فتح کیا۔ چوں کہ گجرات کا راجا قرمطیوں کا خاص مددگار بنا ہوا تھا، اس لیے گجرات پر بھی حملہ کیا، لیکن راستے میں پانی نہ ملنے کی باعث سخت تکلیفیں پیش آئیں اور یہ حملہ ناکام رہا۔

ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ بہرام شاہ سلطانِ غزنی ہندوستان آتا ہوا راستے میں فوت ہو گیا تھا۔ اس کا بیٹا خسرو شاہ پادشاہ بنا جس کا پائے تخت لاہور تھا۔ اس کی وفات پر بہرام شاہ کا پوتا ملک خسرو مسند نشین ہوا جو غزنوی خاندان کا آخری پادشاہ تھا۔

یہ لوگ محض نام کے پادشاہ تھے۔ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پرتھوی راج نے ہانسی، تھانیسر اور سرہند کے علاقے اپنے قبضے میں لے لیے تھے۔ سخت خطرہ تھا کہ وہ آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھاتا جائے گا، اس طرح سلطان محمود کے فتح کیے ہوئے سب علاقے چھن جائیں

گے۔ یہ دیکھ کر محمد غوری نے فیصلہ کیا کہ لاہور کی برائے نام حکومت کو ختم کر کے خود پنجاب کا انتظام سنبھال لے تا کہ دشمنوں کے تصرفات کو روکنے کی صورت نکلے۔ چنانچہ اس نے پشاور، سیالکوٹ اور لاہور کو یکے بعد دیگرے فتح کیا اور خود پنجاب کا مالک بن گیا۔

جنگِ ترائن ۱۱۹۱ء: یہ ہو چکا تو اب اُس نے پرتھوی راج سے مطالبہ کیا کہ جن علاقوں کو دبائے بیٹھے ہو، انہیں واپس کر دو۔ پرتھوی راج کے انکار پر غوری تھوڑی سی فوج لے کر سرہند پر بڑھا اور اسے فتح کر کے وہاں اپنا قلعہ دار بٹھا دیا۔

یہ اطلاع پاتے ہی پرتھوی راج بھاری قوت کے ساتھ غوری سے لڑنے کے لیے نکل پڑا۔ مشہور روایت کے مطابق اس کے ساتھ دو لاکھ سپاہی اور تین ہزار جنگی ہاتھی تھے۔ آس پاس کے سیکڑوں راجا اس کے ہم رکاب تھے گویا وہ راجپوتانہ کی ساری جنگی طاقت کو سمیٹ لایا تھا۔ غوری کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ دُور اندیشی باگ پکڑ کر روک رہی تھی کہ اتنے بڑے لاؤ لشکر کا مقابلہ مٹھی بھر فوج سے کرنا مصلحت کے خلاف ہے، لیکن غیرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ دشمن کی آمد کا غلغلہ سن کر خود پیچھے ہٹ جائے اور قلعہ نشین فوج کو اس کے رحم پر چھوڑ دے یا قلعہ خالی کر دے۔ آخر یہی فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ پیش آئے، دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ یہ طے کرتے ہی اس طرف روانہ ہو گیا جدھر سے پرتھوی راج کے آنے کی خبر ملی تھی۔

ترائن[2] کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ غوری نے وقت کے رواج کے مطابق اپنی فوج کو تین حصّوں میں بانٹا: ایک جیش کو داہنے بازو پر مقرر کیا، دوسرے کو بائیں بازو پر، خود قلب میں رہا۔ چوں کہ فوج بہت کم تھی اس لیے راجپوتوں نے تھوڑی دیر میں دونوں بازوؤں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور قلب خطرے میں پڑ گیا۔

غوری نے ہمت نہ ہاری اور خود آگے بڑھ کر پرتھوی راج کے بھائی گوبند رائے پر حملہ آور ہوا جو ہاتھی پر سوار تھا، اور لمبا نیزہ اس زور سے گوبند رائے کے منہ پر مارا کہ اس کے دو دانت ٹوٹ کر حلق میں گر پڑے۔ لیکن خود سلطان کے بازو پر بھی تلوار کی سخت ضرب پڑی اور گہرا زخم آیا۔ اس سے اتنا خون بہا کہ وہ بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گرنے لگا کہ ایک وفادار خلجی سپاہی نے یہ حالت دیکھی تو اچک کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سلطان کو تھام کر میدان سے باہر لے گیا۔ قلب کے سپاہی اس وقت تک مردانگی سے لڑ رہے تھے۔ جب ان کی نظروں سے سلطان اوجھل ہو گیا تو

وہ بھی پریشان ہو کر بکھر گئے۔ اس طرح ترائن کے میدان میں پرتھوی راج کو فتح حاصل ہوئی۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر سرہند کا محاصرہ کر لیا، جہاں اگرچہ بہت تھوڑی سپاہ تھی لیکن تیرہ مہینے تک مقابلہ کرتی رہی۔ پھر اس شرط پر قلعہ حوالے کیا کہ تمام مسلمان سپاہی اپنے ہتھیاروں سمیت لاہور واپس چلے جائیں۔

بہادر کا عزم: ترائن کے میدان میں شکست کی وجہ یہ نہ تھی کہ غوری یا اس کے جاں بازوں سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی ہو، جو آداب جوانمردی کے خلاف تھی، تاہم اس شکست نے اس کے دل کو اتنا صدمہ پہنچایا کہ ہر راحت و آسایش اپنے اوپر حرام کر لی۔ دل میں عہد باندھ لیا کہ جب تک بدلہ نہیں لے لے گا، نہ پلنگ پر سوئے گا اور نہ اندر کا لباس بدلے گا۔ فوج کے جن سرداروں نے اس کے بعد میدان چھوڑا تھا، انہیں سخت سزائیں دیں اور ایک لاکھ بیس ہزار کی تازہ دم فوج تیار کر کے ۱۱۹۲ء میں پھر ہندوستان کا رخ کر لیا۔ اپنا ارادہ کسی پر ظاہر نہ کیا۔

جنگ تھانیسر ۱۱۹۲ء: پشاور پہنچا تو ایک بوڑھے مشیر نے موقع پا کر زیر عتاب سرداروں کی خطائیں معاف کرائیں۔ پھر سلطان منزلیں طے کرتا ہوا اسی میدان میں جا ٹھہرا جہاں ایک برس پہلے شکست کھائی تھی۔ وہیں پرتھوی راج آ گیا۔ اس کے ساتھ اب کے تین لاکھ سپاہی، تین ہزار جنگی ہاتھی اور ڈیڑھ سو راجا تھے۔ گویا سروسامانِ جنگ پہلے سے بھی زیادہ تھا۔

اس مرتبہ سلطان نے بارہ ہزار چیدہ جانباز الگ کر لیے اور انہیں اپنی کمان میں رکھا۔ باقی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر کے حکم دے دیا کہ ایک حصہ باری باری دشمن سے لڑے۔ جب لڑنے والے تھک جائیں تو پیچھے ہٹ جائیں اور دوسرے ان کی جگہ لے کر مقابلہ شروع کر دیں۔

صبح کے وقت لڑائی شروع ہوئی اور غروب آفتاب کے قریب تک جاری رہی۔ سلطان ایک طرف اونچے مقام پر بیٹھا ہوا اپنے بہادروں کی شانِ مردانگی دیکھتا رہا۔ جب اس نے اندازہ کر لیا کہ راجپوت تھک گئے ہیں تو خود اٹھا اور بارہ ہزار سواروں کو لے کر بجلی کی طرح راجپوتوں کے ٹڈی دل پر جا گرا۔ وہ اس ضرب کی تاب نہ لا سکے اور ریت کے ذرّوں کی طرح بکھر گئے۔ بے شمار مارے گئے۔ بڑے بڑے سردار کھیت رہے۔ پرتھوی راج نے یہ حالت دیکھی تو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا لیکن سرسوتی ندی کے کنارے سرسوتی[۳] شہر کے قریب گرفتار ہوا اور مارا گیا۔

جنگ تھانیسر[۴] نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور اس ملک میں اسلامی حکومت کا

جھنڈا گڑ گیا۔

مفتوحین سے برتاؤ: اس جنگ کے بعد سرسوتی، ساہانہ، ہانسی اور کہرام سلطان کے قبضے میں آ گئے اور وہ اجمیر پہنچا، جہاں کی حکومت پرتھوی راج کے بیٹے ''کولا'' کے حوالے کر دی۔ ''کولا'' باقاعدہ خراج دیتا تھا۔ کچھ مدت بعد اس کے ایک بھائی نے بغاوت کا فتنہ اٹھایا لیکن اسے دبا دیا گیا اور ''کولا'' اطمینان سے اجمیر پر حکومت کرتا رہا۔ البتہ ایک مسلمان حاکم اس کی امداد کے لیے مقرر کر دیا۔

مفتوحین کے ساتھ اچھا برتاؤ ہر دور اور ہر عہد میں مسلمان حکمران کا امتیازی نشان رہا ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اجمیر کی حکومت پرتھوی راج کے بیٹے کو دے دی گئی۔

جنگِ تھانیسر کے بعد غوری واپس چلا گیا اور ہندوستان کے مقبوضات کا انتظام اپنے قابل اور وفادار سپہ سالار قطب الدین ایبک کے حوالے کر گیا۔ ایبک نے میرٹھ، کول اور دہلی کو مسخر کیا۔ اس وقت سے دہلی ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا مرکز بنی اور اس نے تاریخ میں ناموری کا وہ مقام حاصل کیا جو دنیا کے صرف چند شہروں کو حاصل ہو سکا۔

جنگِ چندوار ۱۱۹۴ء: دہلی اور اجمیر فتح ہو چکے تھے اور چوہان راجپوتوں کی قوت دم توڑ چکی تھی لیکن پورب میں جے چند راٹھور پیچ و تاب کھا رہا تھا اور چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا قدم جمنے سے پہلے ہی انہیں شکست دے کر ہندوستان سے باہر نکال دے۔ اس کے راج کی مشرقی حد بنارس تک پہنچی ہوئی تھی، قنوج پائے تخت تھا جو مہاراجا ہرش کے زمانے میں شمالی ہند کی ایک بڑی سلطنت کا مرکز رہ چکا تھا۔ پھر راجا بھوج نے اس کی شہرت کو زندہ کیا تھا۔ جے چند کا جھگڑا چکانے کے لیے سلطان محمد غوری ۱۱۹۴ء میں پھر ہندوستان آیا۔ راجا فوج لے کر اٹاوہ اور چندوار کے درمیان خیمہ زن ہوا۔ سلطان نے فوج کے ہراول کی کمان قطب الدین ایبک کے ہاتھ میں دی۔ جے چند کو اپنی فوج اور ہاتھیوں پر بڑا ناز تھا۔ وہ ہاتھی پر سوار ہو کر لڑائی کے لیے نکلا۔ قطب الدین ایبک نے تاک کر ایسا تیر مارا جو جے چند کی آنکھ میں پیوست ہو گیا اور وہ درد کی شدت سے تڑپ کر ہودے سے زمین پر گر پڑا۔ ایک مسلمان سپاہی نے فوراً اس کا سر قلم کر ڈالا۔

جے چند کے گرتے ہی اس کی سپاہ میں سراسیمگی پھیل گئی اور وہ تھوڑی ہی دیر میں بکھر گئی۔ اس لڑائی کے بعد مشرق میں بنارس اسلامی سلطنت کی سرحد بن گیا۔ جے چند کی ساری

دولت ایک قلعے میں محفوظ تھی جو گھنے جنگل میں بنایا گیا تھا تا کہ کوئی وہاں آسانی سے نہ پہنچ سکے۔ یہ دولت فاتح کے ہاتھ آئی۔ راٹھور راجپوت قنوج سے اٹھ کر راجپوتانہ میں جا بیٹھے جہاں انہوں نے جودھ پور کا راج قائم کیا۔ یہ ریاست کی شکل میں ساڑھے سات سو سال تک قائم رہا۔

غلط افسانے: اس سلسلے میں بعض مؤرخوں نے عجیب و غریب افسانے تراش لیے، جن کی کوئی اصل نہیں۔ مثلاً پرتھوی راج نے اس لیے شکست کھائی کہ جے چند نے اسے امداد نہ دی اور ان کے درمیان جھگڑا اس وجہ سے پیدا ہوا کہ دونوں دہلی کے راجا کے نواسے تھے، دونوں کو اس راج سے حصہ لینے کا یکساں حق تھا، لیکن دہلی کے راجا نے اپنا راج پورے کا پورا چوہانوں کو دے دیا اور جے چند کا کوئی خیال نہ رکھا۔ پھر پرتھوی راج جے چند کی لڑکی سنجوگتا کو سوئمبر سے اٹھا لے گیا اور ان کے درمیان دشمنی اور بھی تیز ہو گئی۔

اگر یہ مسلّم ہے کہ پرتھوی راج اور جے چند خالہ زاد بھائی تھے تو یہ کیوں کر مانا جا سکتا ہے کہ پرتھوی راج نے خالہ زاد بھائی کی بیٹی کو رانی بنایا؟ راجپوت ہمیشہ ہندو رسم و رواج کے سخت پابند رہے۔ ہندوؤں میں خالہ زاد بھائی کی بیٹی سے شادی کب جائز تھی؟ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہ تھا تو جے چند کی لڑکی کو پرتھوی راج نے اور لڑکی نے پرتھوی راج کو کہاں دیکھا؟ نیز کسی معزز راجا کی لڑکی کو زبردستی اٹھا لے جانا موری کا کون سا فعل تھا، جس پر پرتھوی راج کی مدح کے گیت گائے گئے؟ کون سا غیرت مند باپ اپنی لڑکی کو زبردستی اٹھا لے جانے والے کی خاطر تلوار کھینچنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا؟ خود پرتھوی راج یا سنجوگتا کے لیے اس فعل میں عزت کا کون سا پہلو تھا؟

باقی رہا امداد کا معاملہ، تو ظاہر ہے کہ پرتھوی راج کے ساتھ پہلے دو لاکھ سپاہی اور تین ہزار جنگی ہاتھی تھے اور سپاہ کی بے پناہ کثرت ہی کے باعث وہ کامیاب ہوا تھا۔ جے چند اس موقع پر بھی الگ تھا۔ دوسری مرتبہ پرتھوی راج کے ساتھ تین لاکھ سپاہی تھے جو غوری کی فوج سے کم از کم ڈھائی گنا تھے، لیکن وہ اس لیے ناکام رہا کہ نہ خود اچھا جرنیل تھا اور نہ اس کے سپاہی غوری فوج کے آدمیوں کے برابر جفاکشی اور ثابت قدمی کا ثبوت دے سکے۔

غوری کی شہادت: ۱۱۹۴ء کی جنگ کے بعد غوری واپس چلا گیا اور کئی برس تک ہندوستان نہ آیا۔ اس اثنا میں قطب الدین ایبک نے سلطان کے نائب کی حیثیت میں فتوحات جاری رکھیں،

جن کا ذکر ہم ایبک کے بیان میں کریں گے۔ غوری نے ۱۲۰۴ء میں خوارزم پر حملہ کیا جو غور کے شمال میں تھا لیکن شکست کھائی۔ اس پر ملتان اور غزنی کے حاکموں نے خود مختاری کا علم بلند کر دیا۔ نیز پنجاب میں کھوکھروں نے اُودھم مچایا۔ غوری تیزی سے پنجاب پہنچا۔ اس نے اور ایبک نے مل کر سارے فتنوں کو مٹایا۔ وہ لاہور ٹھہرتا ہوا واپس جا رہا تھا کہ ضلع جہلم میں ''دھمیک'' کے مقام پر کھوکھروں نے رات کے وقت خیمے میں گھس کر اسے شہید کر ڈالا۔ یہ مارچ ۱۲۰۶ء کا واقعہ ہے۔

سیرت: سلطان شہاب الدین محمد غوری بڑا خدا ترس مسلمان، بہادر کاروان سپہ سالار اور عادل سلطان تھا۔ ہمیشہ رعایا کی بھلائی اور بہتری اس کے پیش نظر رہی۔ میدانِ جنگ سے باہر ہوتے ہی ہر طبقے اور ہر گروہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہا۔ پرتھوی راج کے ساتھ اگرچہ دو مرتبہ خون ریز لڑائیاں ہو چکی تھیں، لیکن جب اجمیر فتح ہو گیا تو پرتھوی راج کے بیٹے ''گولا'' کو وہاں کا راجا بنا دیا۔ ہندوستان کے قلب میں اسلامی حکومت کی بنیاد اسی نے رکھی۔ سلطان محمود غزنوی یقیناً اس سے بہتر اور کامیاب سپہ سالار تھا لیکن سلطنت کی حد پنجاب سے آگے نہ بڑھائی۔ غوری نے جو علاقے فتح کیے، انہیں اپنے مقبوضات میں شامل کیا، اس لیے اس کی فتوحات زیادہ پائیدار اور نتیجہ خیز تھیں۔ اسی نے شمالی ہند کے بڑے حصے کو مسخر کر کے مستقل انتظام کی داغ بیل ڈالی، اس لیے یہاں اسلامی حکومت کا آغاز حقیقت میں اسی سے ہوا۔ آگے چل کر اس حکومت کا پرچم سارے ہندوستان پر لہرانے والا تھا۔''

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ: مسلمان جہاں جہاں پہنچتے رہے، ان کے علوم و فنون بھی ساتھ ساتھ پہنچے، لیکن اسلام کو عوام کے سامنے صحیح رنگ میں پیش کرنے بلکہ دلوں میں اتارنے کا فرض بزرگانِ دین نے انجام دیا، جن میں سے حضرت داتا گنج بخشؒ کے بعد اولیاء ہند کے سرتاج خواجہ معین الدین اجمیریؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب ۵۳۶ھ (۴۲۔ ۱۱۴۱ء) میں سجستان میں پیدا ہوئے۔ ابھی نو عمر ہی تھے کہ سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا۔ پہلے قرآن شریف حفظ کیا۔ پھر دوسرے علوم کی تحصیل کی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے پاس پہنچے اور بیس برس ان کی خدمت میں گزار دیے۔ مختلف ملکوں میں پھر کر اولیاء کی زیارت کی۔ حرمین شریفین سے ہندوستان کا قصد کیا۔ لاہور میں رہے۔ ملتان میں پانچ برس گزار کر ہندوستان کی ٹھیٹھ بولی سیکھی۔ پھر دہلی ہوتے ہوئے اجمیر

گئے اور اسے وطن بنا کر اطمینان سے بیٹھ گئے، حالاں کہ اس وقت اجمیر پر چوہان حکمران تھے اور سلطان محمد غوری ہندوستان پہنچا بھی نہیں تھا۔ خواجہ صاحب کے ساتھ کوئی جنگی قوت نہ تھی۔ صرف خدا کا نام اور خدا کا پیغام لے کر ہندوستان میں غیر مسلموں کی سب سے مشہور اور طاقت ور راجدھانی میں بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس اثنا میں مسلمانوں کے ساتھ پرتھوی راج کی دو جنگیں ہوئیں، لیکن خواجہ صاحب کا خدائی کام اجمیر میں بدستور جاری رہا۔ پرتھوی راج کی شکست کے بعد خواجہ صاحب نے نکاح کیا۔ پھر روحانی برکات کے اس سرچشمے سے سوتیں نکل نکل کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلیں۔ لمبی عمر پا کر سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کی درگاہ صدیوں سے عوام کی زیارت گاہ ہے۔ خواجہ صاحب کو "سلطان الہند" کا لقب غالباً اسی وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس ملک میں روحانی برکات کی اکثر بڑی مسندوں کا سلسلۂ فیض انہیں سے شروع ہوا۔ یہی بزرگ تھے جنہوں نے اسلامی اخلاق، اسلامی کردار اور اسلامی تعلیمات کو ہندوستان میں پھیلایا اور قبولِ اسلام کے لیے ہزاروں لاکھوں دلوں کے دروازے چوپٹ کھولے۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ اس زمانے میں بادشاہ بن جانے پر خاص لقب اختیار کرنے کا عام دستور تھا۔ شمس الدین نے غیاث الدین محمد لقب اختیار کیا اور وہ نام کے بجائے لقب سے مشہور تھے۔ اس کے بھائی شہاب الدین محمد کا لقب معزز الدین تھا۔ لیکن وہ لقب کے بجائے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

۲ ترائن کو آج کل تراوڑی کہتے ہیں۔ یہ تھانیسر سے چودہ میل ہے۔

۳ اس نام کا قصبہ اکبر کے زمانے تک موجود تھا، اب ناپید ہے۔

۴ ترائن اور تھانیسر کی جنگیں ایک ہی میدان میں ہوئی تھیں لیکن دونوں میں امتیاز قائم رکھنے کی غرض سے ایک کو جنگِ ترائن اور دوسری جنگ کو جنگِ تھانیسر کہنا زیادہ مناسب ہے۔

۵ کول علی گڑھ کا پرانا نام ہے۔

ے چندوار آگرہ کے ضلع میں فیروز آباد کے قریب ایک گاؤں ہے۔ مولوی ذکاء اللہ نے اسے چندوار لکھا ہے۔

ے بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ دھمیک غزنی کے قریب ہے اور سلطان کو شہید کرنے والے لوگ باطنی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔

ساتواں باب

ایبک اور آرام شاہ
(۱۲۰۶ء۔۱۲۱۰ء)

محمد غوری کے بعد سلطنت کی حالت: سلطان محمد غوری کے نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس کی سلطنت میں سے غور اس کے بھتیجے نے سنبھال لیا، باقی ساری سلطنت محمد غوری کے پرورش کیے ہوئے ''غلاموں'' کے قبضے میں آ گئی جنہیں وہ اپنے بیٹے سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس کی وفات کے وقت تاج الدین یلدوز اس علاقے کا حاکم تھا جو افغانستان اور بالائی سندھ کے درمیان تھا۔ ناصر الدین قباچہ سندھ کا حاکم تھا۔ قطب الدین ایبک ۱۱۹۲ء سے ہندوستان کا انتظام سنبھالے بیٹھا تھا۔ ناصر الدین قباچہ خاموش بیٹھا رہا۔ یلدوز نے پہلے غزنی پر قبضہ کیا، پھر ایبک سے جنگ کی لیکن شکست کھائی۔ بعد ازاں یلدوز نے جیتے جی غزنی سے قدم باہر نہ نکالا۔

ایبک کے ابتدائی حالات: ایبک کو چھوٹی عمر ہی میں کسی نے غلام بنا کر نیشاپور کے قاضی اعظم فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جو امام اعظمؒ کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کے ساتھ تعلیم دلائی، سپہ گری کے فنون سکھائے، لیکن قاضی صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں نے ایبک کو ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا جو اسے غزنی میں لایا اور وہاں محمد غوری نے بھاری قیمت دے کر خرید لیا۔ کہتے ہیں شکل و صورت چنداں اچھی نہ تھی، لیکن اپنی قابلیت کی بنا پر بہت جلد شاہی اصطبل کا داروغہ بن گیا۔ ایک لڑائی میں وہ دانے چارے کی تلاش میں پھر رہا تھا، تھوڑے آدمی ساتھ تھے کہ اچانک دشمن نے آ گھیرا۔ بڑی بہادری سے لڑا اور قید ہو گیا۔ محمد غوری نے دشمن کو شکست دی تو ایبک قید سے چھوٹا۔ اس جاں نثاری نے غوری کی نگاہوں میں اس کا اعتبار اور بھی بڑھا دیا۔

ایک موقع پر غوری نے اپنے خاص مصاحبوں میں بڑی رقم بطور انعام تقسیم کی۔ باقی لوگ اپنے اپنے حصے کے انعام لے کر خوش خوش گھروں کو چلے گئے لیکن ایبک نے پوری رقم اپنے ماتحت ملازموں میں بانٹ دی۔ فراخ دلی اور سیر چشمی کا یہ واقعہ غوری کے کانوں تک پہنچا تو ایبک کا

درجہ اور منصب اور بھی بڑھا دیا۔ غرض وہ اپنی طبیعت کی نیکی، ہمدردی اور عالی ہمتی کے باعث دربار اور فوج میں بڑا ہر دل عزیز تھا۔ جب ہندوستان فتح ہوا تو غوری کو اس سے بڑھ کر وفادار اور جاں نثار کوئی نظر نہ آیا جسے اس وسیع اور زرخیز سلطنت کا انتظام سپرد کرتا۔

ایبک نائب سلطان کی حیثیت میں: ایبک ۱۱۹۲ء سے لے کر سلطان محمد غوری کی شہادت تک ہندوستان میں نائب یعنی گورنر کی حیثیت میں حکمران رہا۔ اس نے دہلی کو فتح کر کے مرکز حکومت بنایا، نیز میرٹھ کو مسخر کیا۔ وسط میں رنتھمبور اور گوالیار کو لے کر ۱۱۹۷ء میں نہروالہ (گجرات) کے راجا بھیم دیو پر حملہ کیا، جس پر بارہ تیرہ برس پہلے غوری کا حملہ ناکام رہا تھا، اور اسے فاش شکست دی، اس طرح اپنے آقا کی ناکامی کا بدلہ لے لیا۔ ۱۲۰۲ء میں کالنجر (بندھیل کھنڈ) کو مسخر کیا جو اس زمانے میں ہندوستان کا نہایت مضبوط قلعہ سمجھا جاتا تھا۔

بہار و بنگال کی تسخیر: بہار و بنگال محمد بختیار خلجی کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ اس بہادر کے کارنامے افسانوں سے زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے پہلے غزنی میں کوشش کی کہ معمولی سپاہی کی حیثیت میں بھرتی ہو جائے۔ جگہ نہ ملی تو دہلی چلا آیا۔ یہاں بھی کسی نے نوکر نہ رکھا تو بدایوں کی طرف نکل گیا۔ وہاں تھوڑی سی زمین مل گئی۔ محمد بختیار نے دو سو سوار فراہم کیے اور ۱۱۹۷ء میں بہار پر ہلہ بول دیا۔ اس صوبے پر قبضہ ہو گیا تو قطب الدین ایبک نے اپنے پاس سے گراں بہا خلعت دیا۔ بہار سے فارغ ہو کر محمد بختیار بنگال پر بڑھا۔ مردانگی کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ کوئی قوت مقابلے کی جرأت نہیں کرتی تھی۔ وہاں کا راجا رائے لکشمن سین ندیا میں رہتا تھا۔ محمد بختیار نے اس تیزی سے پیش قدمی کی کہ ساری فوج پیچھے رہ گئی اور وہ صرف اٹھارہ آدمی لے کر ندیا کے دروازے پر پہنچا۔ لوگوں نے سمجھا کہ تاجر مال لے کر بیچنے آئے ہیں۔ شہر میں پہنچ کر محمد بختیار نے لڑائی شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ راجا کھانا کھا رہا تھا، باہر سے لوگوں کی چیخ پکار کان میں پہنچی اور حملے کا حال معلوم ہوا تو حواس باختہ ہو کر محل کے پچھلے دروازے سے ننگے پاؤں سنار گاؤں کی طرف بھاگ گیا۔ تاریخ میں ایسی مثال شاید ہی مل سکے کہ صرف اٹھارہ آدمیوں نے بہت بڑی حکومت کی راج دھانی پر قبضہ جمایا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ سارا بنگال فتح ہو گیا اور محمد بختیار نے ندیا کی جگہ لکھنوتی کو دارالحکومت بنایا۔

تبت پر حملہ: بنگال سے فارغ ہو کر محمد بختیار نے تبت اور چینی ترکستان کو فتح کرنے کی تیاری

کی۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ان اضلاع میں سے گزرا، جو آج کل بوگرا، رنگ پور اور جلپا گڑی کہلاتے ہیں۔ پھر سکم میں سے ہوتا ہوا تبت پہنچا لیکن رسد کی قلت اور برفستانی ہواؤں کی تیزی میں اس کی فوج کے لیے پیش قدمی مشکل ہوگئی۔ وہ پیچھے لوٹا تو بہت سے آدمی دریاؤں اور نالوں میں ڈوب گئے۔ صرف تھوڑی سی فوج بچا کر واپس لایا۔ ناکامی کے صدمے نے محمد بختیار کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا اور وہ بیمار ہوگیا۔ اسی بیماری میں ۱۲۰۶ء میں وفات پائی۔[2]

ایبک کی بادشاہی: ایبک بہادر، جفاکش، دُور اندیش اور عادل بادشاہ تھا۔ اس نے ملک کا انتظام اتنے اعلےٰ پیمانے پر پہنچا دیا کہ عام تعبیر کے مطابق شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔ اس کے عہد میں عام لوگوں کو امن و خوشحالی کی دولت نصیب ہوئی، راستے محفوظ ہوگئے، لوٹ مار رُک گئی، رعایا اطمینان کے ساتھ اپنے کاموں میں لگ گئی۔ اس کا ایک روشن ثبوت یہ ہے کہ ایبک چودہ برس تک گورنر کی حیثیت میں حکمران رہا لیکن اس تھوڑی مدت میں ایک مرتبہ بھی رعایا کے کسی طبقے کی زبان پر حرفِ شکایت نہ آیا۔ ہندو اس زمانے میں یہاں کی سب سے بڑی آبادی تھے اور مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، لیکن ایبک کی حکومت فوجی قوت کے بل پر نہیں، صرف حسنِ انتظام اور حق شناسی کی بنا پر ہندوؤں میں ہر دل عزیز ہوئی۔ ہندوستان کا وہ پہلا خود مختار مسلمان بادشاہ تھا، جو اگرچہ باہر سے آیا تھا لیکن یہاں کا مستقل باشندہ بن گیا اور اسی سرزمین کو اس نے اپنا وطن بنالیا۔

ذاتی طور پر وہ بڑا نیک سرشت اور فیاض انسان تھا۔ سخاوت میں ہاتھ اتنا کھلا تھا کہ عوام میں 'لک بخش' کے لقب سے مشہور ہوگیا تھا، یعنی لاکھوں روپے بخش دینے والا۔

اس کی فیاضی اور علوم و فنون کی سرپرستی کا شہرہ سن کر ہر علم اور ہر فن کے باکمال ہندوستان پہنچے اور یہاں جگہ جگہ سیکڑوں مدرسے اور صنعت گاہیں قائم ہوگئیں۔ بزرگانِ دین میں سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے علاوہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جن کا مرکز دہلی میں تھا۔

تعمیرات: ایبک نے زیادہ تر فتوحات اس وقت حاصل کیں جب وہ سلطان محمد غوری کے نائب کی حیثیت میں یہاں حکمران تھا۔ بادشاہی کے دوران میں اس نے ایک مسجد اجمیر میں بنوائی جو اس زمانے میں بہ لحاظِ اہمیت دہلی سے بڑھ کر نہیں تو کم از کم اس کے برابر ضرور تھا اور حضرت خواجہ

معین الدین اجمیریؒ کا مرکز ہونے کے باعث اسلام کی تبلیغ اور اسلامی علوم کی اشاعت کا سرچشمہ بن گیا تھا۔ دوسری بڑی مسجد کی بنیاد دہلی میں رکھی گئی جو "قوت اسلام" کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ مسجد پوری ہو جاتی تو دنیا بھر میں عجیب ہوتی۔ اس کا صرف ایک مینارہ التمش کے عہد میں مکمل ہوا اور اب تک قطب مینار یا قطب صاحب کی لاٹھ کے نام سے دنیا کے سات عجائبات میں گنا جاتا ہے۔ بعد میں اس کے مقابلے پر دوسرے مینار کی تعمیر علاؤالدین خلجی نے شروع کی لیکن وہ پورا نہ ہو سکا۔ البتہ علاؤالدین کا بنوایا ہوا ایک دروازہ موجود ہے جسے "علائی دروازہ" کہتے ہیں۔

وفات: ایبک نے ۱۲۱۰ء میں لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر وفات پائی۔ اسی شہر میں بادشاہی کا تاج پہنا تھا، اسی کی خاک میں دفن ہوا۔ اس کا مقبرہ کھلے میدان میں بنایا گیا ہو گا۔ پھر آہستہ آہستہ قبر کا نشان مٹتا گیا۔ لاہور کی آبادی بڑھی تو یہ قبر آبادی میں گم ہو گئی۔ چند سال ہوئے اس پر ایک تختی لگا دی گئی تھی۔ ہسپتال روڈ سے انارکلی کی طرف جائیں تو بائیں ہاتھ گلی میں قبر ملتی ہے۔ اسی وجہ سے سڑک کا نام ایبک روڈ رکھا گیا ہے۔

آرام شاہ: قطب الدین کی جگہ آرام شاہ بادشاہ بنا۔ اکثر مؤرخ اسے قطب الدین کا بیٹا بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بیٹا نہ تھا بلکہ لے پالک تھا۔ بہر حال وہ ایبک کی وفات پر بادشاہ بن گیا، لیکن اس میں انتظام یا سپہ داری کا کوئی جوہر موجود نہ تھا اس لیے ایبک جیسے سلطان کی خالی کی ہوئی جگہ کیوں کر سنبھال سکتا تھا؟ چند ہی مہینے میں اکثر امیر اس کے طور دیکھ کر بددل ہو گئے۔ ادھر سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ ناصر الدین قباچہ نے سندھ سے نکل کر اوچ اور ملتان پر قبضہ کر لیا اور وہ لاہور کی طرف بڑھا۔ تاج الدین یلدوز غزنی سے نکل کر پنجاب پر حملہ آور ہو گیا۔ مشرق میں علی مردان خلجی حاکم بنگال نے دہلی کو خراج دینا بند کر دیا، اس طرح بنگال خود مختار بن گیا۔ اس انتشار کو روکنے کے لیے ایک طاقت ور ہاتھ کی ضرورت تھی۔ سب کی نظریں شمس الدین حاکم بدایوں کی طرف اٹھیں جو سپہ گری اور ملک داری میں ایبک کے ماتحت ناموری حاصل کر چکا تھا اور رشتے میں ایبک کا داماد تھا۔ چنانچہ اسے دہلی لایا گیا۔ آرام شاہ نے معمولی مزاحمت کے بعد شکست کھائی اور میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس پر غلام بادشاہوں کے پہلے خاندان کی حکومت ختم ہو گئی اور شمس الدین التمش نے دوسرے خاندان کی بنیاد رکھی۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ سنارگاؤں پہلے مشرقی بنگال کا مرکز تھا۔ یہ ڈھاکے سے بارہ تیرہ میل پر ہے۔

۲ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایک ماتحت سردار علی مردان نے محمد بختیار کو بحالت بیماری قتل کر کے حکومت خود سنبھال لی۔

آٹھواں باب

التتمش اور اس کے جانشین

(۱۲۱۰ء۔۱۲۶۶ء)

شمس الدین التتمش جو ۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا، ہندوستان کے غلام بادشاہوں میں قابل ترین شخص تھا۔ وہ البیری قبیلے کا ترک اور ایک خان کا فرزند تھا۔ چوں کہ بڑا حسین اور خوبرو تھا، اس لیے والدین بہت محبت کرتے تھے۔ سوتیلے بھائی یا ایک روایت کے مطابق رشتے کے بھائی ایک روز اسے باغ میں لے گئے اور پکڑ کر کسی تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ وہ اسے فروخت کرنے کے لیے غزنی پہنچا۔ تاجر نے زیادہ قیمت مانگی۔ کارندوں نے اس بات کو ایسے رنگ میں سلطان کے سامنے بیان کیا کہ اس نے خفا ہو کر حکم دے دیا کہ غزنی میں اسے کوئی شخص نہ خریدے۔

تاجر اسے پہلے بخارا پھر بغداد لے گیا۔ لیکن اتفاق کی بات ہے کہ کہیں بھی منہ مانگی قیمت نہ مل سکی اور کم قیمت پر بیچنے کے لیے تاجر تیار نہ ہوا۔ دوبارہ غزنی آیا تو ایبک نے محمد غوری سے اجازت لے کر خرید لیا اس طرح ایک عزت مند سردار کا چہیتا فرزند غلامی کی گردش سے گزر کر اس مقام پر پہنچا جہاں اس کے لیے عروج و اقبال کا زینہ تیار ہو رہا تھا اور ایک بڑے ملک کا بادشاہ بن کر اس کا نام تاریخ کے صفحات پر سنہری حرفوں میں لکھا جانے والا تھا۔

مخالفوں کی سرکوبی: التتمش کی قابلیت کے جوہر کھلے تو ایبک نے اس کا رتبہ بڑھایا اور اپنی بیٹی سے شادی کر دی۔ جب وہ دہلی کے تخت پر بیٹھا تو ملک کا انتظام بہت بگڑ چکا تھا۔ التتمش نے پہلے امیروں کی سازشیں ختم کیں۔ پھر ۱۲۱۵ء میں تاج الدین یلدوز کو ترائن (موجودہ تراوڑی) کے مقام پر شکست دی۔ یلدوز پکڑا گیا تو باقی عمر اس نے بدایوں کے قلعے میں بسر کی۔ ۱۲۱۷ء میں ناصر الدین قباچہ پر حملہ کیا، اس نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح ایک گونہ اطمینان کی صورت پیدا ہو گئی۔

تاتاریوں کی آندھی: التتمش شمال مغرب کی طرف سے فارغ ہو کر بنگال میں امن قائم کرنا چاہتا تھا کہ ایک اور طوفان بلا اٹھا، یہ تاتاریوں کی یورش تھی۔

تاتاریوں کو منگول اور مغل[2] بھی کہتے ہیں۔ یہ وحشی قبائل تھے اور آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ چنگیز خاں نے انہیں ایک جھنڈے تلے جمع کر کے خوف ناک جنگی قوت کی شکل دے دی۔ اتفاق یہ کہ سلطان محمد خوارزم شاہ سے چنگیز خاں کا جھگڑا ہو گیا اور اس نے اپنے خون ریز لشکروں کو حملے کا حکم دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی تاتاری طوفانِ بلا بن کر اٹھے اور چند ہی سال میں ترکستان خراسان، ایران اور عراق کے بہشت زاروں میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ جن عظیم الشان شہروں سے علم اور تہذیب کی روشنی نکل کر سارے ایشیا کو منور کر رہی تھی، ان کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

سلطان محمد خوارزم شاہ بڑا بہادر اور جوانمرد فرمانروا تھا۔ ابتدا میں بہادری سے لڑا لیکن شکست کھائی۔ پھر سراسیمہ وار بھاگتا پھرا۔ آخر بحیرہ قزوین کے ایک جزیرے میں بے کسی کی حالت میں وفات پائی۔ اس کے بیٹے جلال الدین خوارزم شاہ نے دو مرتبہ تاتاریوں کو شکست دی لیکن ان کے حملے نہ رُکے۔ آخر جلال الدین نے بال بچوں کو خدا کے سپرد کیا اور تیروں کی بارش میں دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان پہنچ گیا۔

جلال الدین من چلا آدمی تھا۔ ہندوستان پہنچتے ہی کھوکھروں کو ساتھ ملایا اور قباچہ پر حملہ کر دیا۔ التتمش کے لیے یہ بڑی پریشانی کا زمانہ تھا۔ اسے یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ایک مصیبت زدہ بادشاہ سے لڑے یا اسے اپنے ہاں پناہ دینے سے انکار کر دے، لیکن اس کی مدد کرتا تو صاف نظر آ رہا تھا کہ تاتاری ہندوستان پر چڑھ آئیں گے۔ التتمش اسی دبدا میں تھا کہ کچھ دیر بعد جلال الدین خود ہی ہندوستان سے عراق چلا گیا اور وہاں آخری دم تک تاتاریوں سے لڑتا رہا۔ جب تک جلال الدین ہندوستان میں رہا، تاتاریوں کی یورش کا خطرہ موجود رہا اور التتمش کسی دوسری طرف توجہ نہ کر سکا۔

بنگال کی تسخیر: بنگال میں علی مردان خلجی نے الگ حکومت قائم کر کے علاؤ الدین کا لقب اختیار کیا تھا۔ پھر اس کی جگہ غیاث الدین خلجی بادشاہ بنا۔ ۱۲۲۵ء میں التتمش نے ایک فوج بنگال کی تسخیر کے لیے بھیجی۔ غیاث الدین نے وقت گزاری کے لیے اطاعت قبول کر لی اور بھاری خراج ادا کیا، لیکن جب سلطانی فوج لوٹی تو پھر خود مختار بن گیا۔ التتمش کا بڑا بیٹا ناصر الدین محمود شاہ اودھ کا گورنر تھا۔ وہ فوج لے کر بنگال کی طرف بڑھا۔ غیاث الدین مارا گیا، خلجی امیر قید ہو گئے اور پورا بنگال پہلے کی

طرح سلطنتِ دہلی کا جزو بن گیا۔ التتمش نے شہزادہ ناصر الدین محمود شاہ کو اس کا گورنر بنا دیا۔ ۱۲۲۶ء میں رنتھمبور فتح ہو گیا جو وسط ہند کا نہایت مضبوط قلعہ تھا۔

قباچہ کا خاتمہ: ناصر الدین قباچہ حاکم سندھ بڑی بے چین طبیعت کا آدمی تھا۔ اس نے ۱۲۱۷ء میں اطاعت قبول کی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل اطاعت پر راضی نہ تھا۔ ۱۲۲۷ء میں وہ پھر مخالفت کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو گیا اور اوچ پر قبضہ کر لیا۔ التتمش نے اوچ کو محاصرہ کے بعد فتح کر لیا۔ قباچہ بکھر میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر اپنے بیٹے کو صلح کا پیغام دے کر بھیجا۔ التتمش بڑی مہربانی سے پیش آیا لیکن قباچہ کے بیٹے کو واپس نہ جانے دیا۔ قباچہ سخت پریشان ہو گیا۔ جان بچانے کی غرض سے کشتی میں بیٹھ کر بھاگا اور دریا میں ڈوب مرا۔

دربارِ خلافت سے خلعت: ہندوستان میں اگرچہ مستقل حکومت قائم ہو چکی تھی لیکن اس زمانے میں عام لوگ کسی حکومت کو اس وقت تک صحیح حکومت نہیں سمجھتے تھے، جب تک دربارِ بغداد سے اس پر تصدیق کی مہر نہیں لگ جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سامانی، غزنوی اور سلجوقی سلطان اگرچہ اتنی قوت و شوکت کے مالک تھے کہ خلیفۂ بغداد ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا تھا، لیکن وہ بھی اسی کے دربار سے اپنی بادشاہیوں پر مہریں لگواتے تھے اور اسی سے خطاب حاصل کرنا باعثِ فخر جانتے تھے۔ ۱۲۲۹ء میں دربارِ بغداد سے ایک خلعت خاص التتمش کے لیے بھی آیا جس کی وجہ سے عوام کی نظروں میں اس کی حکومت کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا۔ التتمش نے یہ عزت ادب اور تعظیم سے قبول کی اور اس خوشی میں بڑی رقمیں بطور انعام تقسیم کیں۔

بنگال اور گوالیار: ناصر الدین محمود شاہ حاکمِ بنگال نے وفات پائی تو خلجیوں نے پھر بغاوت کا فتنہ کھڑا کیا، لیکن التتمش نے اس بغاوت کو سختی سے فرو کر دیا اور اپنے ایک امیر ملک علاؤ الدین کو بنگال کی حکومت سونپی۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ آرام شاہ کی بادشاہی میں بعض دوسرے علاقوں کے علاوہ گوالیار بھی ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ ۱۲۳۱ء میں التتمش نے گوالیار پر حملہ کیا۔ وہاں کے راجا منگل دیو نے سخت مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور مارا گیا۔ ۱۲۳۲ء میں التتمش نے مالوے میں پیش قدمی کی، بھیلسہ کو فتح کرتا ہوا وہ بکرماجیت کی راجدھانی ''اوجین'' پہنچ گیا۔

وفات اور سیرت: زندگی کے آخری ایام میں سلطان نے ملتان کی طرف سفر اختیار کیا لیکن

راستے میں طبیعت بگڑ گئی اور کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ جان خطرے میں نظر آنے لگی۔ لہٰذا واپس لوٹا، دہلی پہنچ کر ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ (۲۹ اپریل ۱۲۳۶ء) کی وفات پائی اور مسجد قوت الاسلام کے پہلو میں دفن ہوا۔

وہ بہادر، بیدار مغز، نیک دل اور انصاف دوست بادشاہ تھا۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیادی اینٹ محمد غوری نے رکھی، اس پر عمارت بنانے کا کام ایبک نے شروع کیا لیکن اس عمارت کا بڑا حصہ التتمش کے ہاتھوں میں مکمل ہوا اور اس کی استواری کمال کو پہنچی۔

مظلوموں کو ان کا حق دلانے کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ حکم دے دیا تھا کہ مظلوم رنگین لباس پہن لیں تا کہ بادشاہ دیکھتے ہی پہچان جائے اور ان کی درد بھری کہانی سن کر تلافی کرا دے۔ پھر محل کے برجوں میں ایک زنجیر بندھوا کر اس میں گھنٹی لگوا دی تا کہ رات کے وقت کسی کو اچانک کوئی حادثہ پیش آجائے تو زنجیر ہلا دے۔ اس طرح بادشاہ کو فوراً خبر لگ جائے اور وہ فریادی کی فریاد سن لے۔

''غلام'' بادشاہوں میں التتمش کا درجہ سب سے اونچا ہے لیکن یہ حقیقت شاید عام لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ جس طرح بادشاہوں میں اس کا ذکر عزت سے کیا جاتا ہے، اسی طرح بزرگانِ دین کے تذکروں میں بھی اس کے حالات لکھے جاتے ہیں۔ گویا بادشاہی کے تخت پر بیٹھ کر بھی اس نے درویشی کی شان قائم رکھی۔ ایک تذکرہ میں ہے:

> ''اگرچہ ظاہر میں بادشاہ تھا، لیکن دل سے فقیر اور فقیر دوست تھا۔ بہت کم کھانا کھاتا اور کم سوتا۔ لمبی راتیں بیداری میں گزار دیتا۔ اگر کبھی تھوڑی دیر کے لیے آنکھ لگ جاتی تو فوراً جاگ اُٹھتا۔ اپنے کام کے لیے نوکروں اور غلاموں کو تکلیف نہ دیتا، یہاں تک کہ رات کو (نماز کے لیے) اٹھتا تو خود کنوئیں سے پانی نکال کر وضو کرتا اور اس بات کو گوارا نہ کرتا کہ نوکروں میں سے کسی کو بے آرام کرے۔ رات کے آخری حصے میں گدڑی اوڑھ کر شہر میں نکل جاتا۔ اس طرح رعایا کے حالات سے آگاہی حاصل کرتا۔ عالموں، نیک لوگوں اور بزرگوں کی خدمت میں رقمیں پیش کرتا تو اس طرح کہ مٹی کے برتن میں پہلے اشرفیاں ڈالتا اوپر سے گندم بھر دیتا تا کہ سخاوت ظاہر نہ ہونے پائے اور ثریا کا رنگ نہ پیدا ہو۔''

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ خواجہ صاحب نے التتمش سے پانچ مہینے پیشتر وفات پائی اور وصیت فرمادی کہ میرے جنازے کی نماز وہ شخص پڑھائے جو حرام سے ہمیشہ بچا رہا ہو، عصر کی سنتیں کبھی نہ چھوڑی ہوں، فرض نماز برابر جماعت کے ساتھ پڑھی ہو اور اس سے پہلی تکبیر کبھی نہ چھوٹی ہو۔ یہ وصیت سنائی گئی، تو التتمشؒ کے سوا کسی میں یہ شرطیں پوری نہ تھیں۔ چنانچہ اسی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

علوم وفنون کی سرپرستی: التتمش کو علوم وفنون کی سرپرستی کا خاص خیال تھا۔ تاتاریوں کے خون ریز حملوں نے اسلامی علوم وفنون کے بڑے بڑے مرکز تباہ کر ڈالے تھے۔ ہزاروں اہل کمال گھر بار چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے۔ التتمش نے سب کے لیے مناسب وظیفے مقرر کر دیے۔ بخارا، سمرقند، غزنی، نیشاپور وغیرہ سے ہزاروں کاریگر یہاں پہنچ گئے اور التتمش کی سرپرستی کے باعث اس سرزمین کے ہر حصے میں مشہور اسلامی صنعتیں جاری ہو گئیں۔ بڑے بڑے شہروں میں سرکاری اور غیر سرکاری درس گاہیں بن گئیں۔ اجمیر، دہلی، بھٹنڈہ، بدایوں اور لاہور وغیرہ کی درسگاہوں کے حالات مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ قابل آدمیوں کو التتمش نے ذمہ داری کے عہدے دے دیے۔

اس کے عہد میں اونچے درجے کے جاں نثار امیروں کی وہ جماعت قائم ہوئی جسے ''خوانینِ شمسی'' یا ''خوانینِ چہل گانہ'' کہتے ہیں۔ یہ جماعت اصل میں ایک قسم کی پارلیمنٹ تھی جس سے تمام ضروری امور کے متعلق مشورے لیے جاتے تھے۔ یہ خوانین التتمش کے بعد دیر تک ملکی معاملات کو اپنے ڈھنگ پر چلاتے رہے۔ جو پادشاہ ان سے ٹکرائے، وہ اپنی پادشاہی کھو بیٹھے۔

جانشین: التتمش کے جانشینوں کی مختصر سی کیفیت یہ ہے:

۱۔ پہلے اس کا بڑا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ پادشاہ بنا۔ وہ سارا وقت عیش وعشرت میں بسر کرتا تھا۔ اس کی ماں ترکان خاتون مختارِ سلطنت بن گئی۔ چھ مہینے میں رکن الدین کی پادشاہی ختم ہو گئی۔

۲۔ **سلطانہ رضیہ:** [سلطانہ رضیہ کو خدا نے پادشاہی کے تمام جوہر عطا کیے تھے۔ بڑی عقلمند، دور اندیش اور لائق خاتون تھی۔ التتمش کی اولاد میں اس کا مقابل کوئی بھی نہ تھا، لیکن

وہ عورت تھی اور یہی چیز اس کی کامیابی میں رکاوٹ بن گئی۔

وہ بڑی عالم اور خدا پرست تھی۔ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتی۔ باپ کی زندگی ہی میں ملکی کاموں میں دخل دینے لگی تھی۔ التمش اس کی لیاقت اور دانشمندی پر اتنا بھروسا رکھتا تھا کہ ایک مرتبہ ارادہ کر لیا کہ رضیہ کی جانشینی کا اعلان کر دے۔ پھر اس خیال سے رُک گیا کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے بیٹی کو تخت پر بٹھانے سے جھگڑے پیدا ہوں گے۔

سلطانہ نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام بگڑے ہوئے انتظامات درست کر دیے۔ ساری خرابیاں مٹا دیں۔ بعض خود سر امیر سمجھے بیٹھے تھے کہ سلطانہ عورت ہے، اندر پردے میں بیٹھی رہے گی اور سلطنت کا کاروبار خود ان کے ہاتھ آ جائے گا۔ جب یہ امید پوری نہ ہوئی تو بگڑ بیٹھے، لیکن سلطانہ نے ہر سرکشی کو قوت اور تدبیر سے دبا دیا۔

امیروں میں بے چینی: سلطانہ بادشاہی کے سارے کام خود کرتی۔ مردانہ لباس پہن کر باہر نکلتی۔ جنگ میں ہاتھی پر سوار ہو کر فوجوں کو لڑاتی۔ دربار میں تخت پر بیٹھ کر سب کی فریادیں سنتی۔ امیروں میں اس کے خلاف چہ مہ گوئیاں شروع ہو گئیں اور آہستہ آہستہ بے چینی بڑھنے لگی۔

پہلے لاہور کا حاکم باغی ہوا۔ سلطانہ نے فوراً اس پر چڑھائی کی۔ وہ مطیع ہو گیا تو بھٹنڈے کے حاکم ملک التونیہ نے فتنہ اُٹھایا۔ سلطانہ نے بھٹنڈہ کا رُخ کیا۔ راستے میں بعض امیروں نے سازش کی اور سلطانہ کو پکڑ کر التونیہ کے حوالے کر دیا۔ دہلی میں التمش کا بیٹا بہرام شاہ تخت کا مالک بن گیا۔

سلطانہ کی آخری کوشش: معلوم ہوتا ہے کہ امیروں کو سلطانہ کے خلاف بڑی شکایت یہ تھی کہ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ بھٹنڈے پہنچنے کے بعد سلطانہ نے ملک التونیہ سے نکاح کر لیا۔ پھر میاں بیوی دونوں فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھے لیکن بہرام شاہ کے مقابلے پر شکست کھائی اور دونوں کو میدانِ جنگ سے بھاگنا پڑا۔

سلطانہ نے زنانہ پوشاک کے اوپر مردانہ لباس پہن رکھا تھا۔ شوہر سے بچھڑ کر کیتھل کے قریب پہنچی۔ بھوک نے بدحال کر دیا تو ایک کسان سے کھانا منگا کر کھایا اور سو گئی۔ کسان نے زنانہ لباس دیکھ لیا جس میں جواہر ٹنکے ہوئے تھے۔ اس نے سلطانہ کو شہید

کر کے کھیت میں دبا دیا اور لباس بیچنے کے لیے بازار چلا گیا۔ لوگوں کو شبہ ہوا۔ کوتوال کو خبر لگی تو اسے گرفتار کر کے سارے حالات معلوم کیے گئے۔ پھر لاش کو کھیت سے نکال کر دوسری جگہ دفن کیا اور اس پر گنبد بنا دیا۔ وہ تین برس اور چھ ماہ حکمران رہی۔]

۳۔ رضیہ سلطانہ کے بعد التتمش کا بیٹا معزالدین بہرام شاہ پادشاہ بنا۔ وہ اپنے ایک وزیر کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا۔ مئی ۱۲۴۲ء میں وہ گرفتار ہوا اور مارا گیا۔

۴۔ اس کے بعد رکن الدین فیروز شاہ کے بیٹے علاؤالدین مسعود شاہ کو پادشاہ بنایا گیا۔ اس کا ابتدائی دور بہت اچھا تھا۔ پھر وہ معمولی شبہات کی بنا پر لوگوں کو قتل کرانے لگا۔ ۱۲۴۶ء میں اسے تخت سے اتار دیا گیا اور التتمش کے سب سے چھوٹے بیٹے ناصر الدین محمود شاہ کو پادشاہ بنایا گیا۔

ناصر الدین محمود شاہ ۱۲۴۶ء۔۱۲۶۶ء: التتمش کے خاندان میں سے ناصر الدین محمود شاہ اکیلا تھا جس نے طبعی موت پائی اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک پادشاہ رہا لیکن اس کے عہد میں جہانداری کے تمام اختیارات بلبن کے ہاتھ میں رہے اور ناصر الدین کی پادشاہی محض نام کی تھی۔ وہ پہلے بھرائچ کا حاکم تھا۔ جب پادشاہ بنا تو غیاث الدین بلبن کو نائب و مختار بنا کر صرف اتنا فرمایا کہ ''کوئی کام ایسا نہ کرنا جس کے باعث قیامت کے دن خدا کے حضور مجھے اور تجھے شرمندہ ہونا پڑے۔''

بلبن نے ملکی انتظام کے بگڑے ہوئے ڈھانچے کو نئے سرے سے درست کیا۔ تمام فتنے اور ساری شورشیں دبا دیں۔ اس طرح ہندوستان کی عظمت و شوکت پھر اسی درجے پر پہنچ گئی جو التتمش کے عہد میں حاصل تھا۔ یہ تمام حالات ہم تفصیل کے ساتھ بلبن کے ذکر میں پیش کریں گے۔

ناصر الدین بڑا عابد اور حق شناس پادشاہ تھا۔ سرکاری خزانے سے کبھی ایک کوڑی نہ لی۔ محل میں کوئی نوکر نہ تھا۔ ملکہ اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی۔ پادشاہ قرآن مجید اور دوسری دینی کتابوں کی کتابت کرتا، بازار میں انہیں فروخت کرتا، جتنے پیسے ملتے ان سے اپنا خرچ چلاتا۔

ایک مرتبہ ایک امیر نے بادشاہ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کو اس خیال سے زیادہ قیمت دے کر خرید لیا کہ پادشاہ کو زیادہ پیسے مل جائیں۔ ناصر الدین کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آئندہ یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ کتابت کی ہوئی چیزیں خفیہ فروخت کی جائیں تاکہ کسی کو خبر نہ لگ سکے کہ یہ کس

کی ہیں۔ مؤرخین اسے درویش بادشاہ کہتے ہیں۔ واقعی وہ ایسا درویش تھا کہ بادشاہوں میں اس کا ثانی ملنا مشکل ہے۔

تاتاری سفیر ہندوستان میں: ناصر الدین کے عہد کا آخری قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ ہلاکو نے اپنے ایلچی دوستی کا پیغام دے کر ہندوستان بھیجے۔ ہلاکو بغداد کو فتح کر چکا تھا لیکن ہندوستان پر تاتاریوں کی یورشیں عموماً ناکام رہ چکی تھیں۔ اب اس نے چاہا کہ ہندوستان کے ساتھ تعلقات خوشگوار بنائے جائیں۔

بلبن نے ان ایلچیوں کی آمد کے موقع پر دہلی میں اپنی جنگی قوت کو ابھار کر دکھایا تا کہ تاتاریوں کو یقین ہو جائے کہ ہندوستان کی سلطنت تر نوالہ نہیں کہ اُسے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جائے، بلکہ جو ہاتھ اس کی طرف بڑھنے کی جرأت کرے گا، اسے توڑ کر رکھ دیا جائے گا۔

جمنا کے کنارے قصرِ سفید میں دربار سجایا گیا۔ محل کے دروازے کے سامنے دو لاکھ پیادے پچاس ہزار سوار دونوں جانب بیس بیس قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ ان کے پیچھے جنگی ہاتھیوں کے پرے جمے ہوئے تھے۔ ان کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے ایلچی ناصر الدین کے سامنے حاضر ہوئے، جو خود سادہ لباس میں تھا، لیکن اس کے دونوں طرف امیر اور شہزادے صفیں باندھے اور زرق برق لباس پہنے کھڑے تھے۔

یہ بتا دینا چاہیے کہ اس سفارت کے بعد بھی تاتاریوں اور حکومتِ ہندوستان کی دوستی نبھ نہ سکی اور لڑائیاں جاری رہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

فروری ۱۲۶۶ء میں ناصر الدین محمود شاہ نے بیس برس کی حکومت کے بعد وفات پائی۔ اس کے نرینہ اولاد نہ تھی جو تخت کی دعویدار بنتی۔ امیروں نے بلبن کو بٹھا دیا جو بیس برس سے سلطنت کا مختار اور عملاً بادشاہ چلا آتا تھا۔ وہی ان سب میں سے جہاں بانی کا اہل تھا۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ عام طور پر التمش مشہور ہے لیکن اب ثابت ہو چکا ہے کہ صحیح لقب التتمش ہے۔

۲ منگول "منگ" سے بنا جس کے معنی ایسے بہادر کے ہیں جو اپنی جان سے بے پروا ہو۔ مغل یا موگ بھی یہی لفظ ہے جو عبرانی میں جا کر "ماجوج" بنا۔ ہم نے چنگیز خان کو تاتاری اس لیے کہا کہ ان مغل بادشاہوں

سے یہ الگ سمجھے جائیں جن کا سلسلہ بابر سے چلا، اگرچہ ان سب کی نسل ایک تھی۔

۳ یہ التمش کا بڑا فرزند تھا۔ پھر یہ نام اور لقب دوسرے بیٹے کو دے دیا گیا جو ہندوستان کا بادشاہ بنا۔

۴ التمش کا بڑا بیٹا بھی اسی نام کا تھا۔ اس کے مرنے پر چھوٹے بیٹے کو یہ لقب اور نام دیا گیا۔

نواں باب

بلبن اور کیقباد

(۱۲۶۶ء۔ ۱۲۹۱ء)

بلبن کے ابتدائی حالات: بلبن سلطان التمش کے قبیلے سے تھا۔ اس کے باپ کو دس ہزار قبیلوں کی سرداری کا منصب حاصل تھا، لیکن بچپن میں تاتاریوں نے اسے پکڑ کر بغداد میں خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ نے بلبن میں ہونہاری کے جوہر دیکھے تو بڑی توجہ سے پالا۔ پھر التمش کے دربار میں لے آیا۔ یہیں ۱۲۱۲ء میں وہ دربار دہلی سے وابستہ ہوا جہاں چوالیس برس کے بعد تخت شہنشاہی پر بیٹھنے والا تھا۔

ترقی کرتے کرتے ناصر الدین محمود شاہ کے عہد میں مختار کل بنا۔ ناصر الدین کی وفات پر تمام امیروں نے اسے پادشاہ تسلیم کر لیا۔

عہدِ حکومت: اس کا عہدِ حکومت ٹھیک دو حصّوں میں بٹا ہوا ہے۔ ابتدائی بیس برس میں وہ اگرچہ کہنے کو وزیر تھا، لیکن دراصل سارے کام اسی طرح اپنی مرضی اور رائے سے کرتا تھا جس طرح پادشاہ کرتے ہیں۔ آخری بیس برس میں پادشاہی کے تخت کی زینت بنا رہا۔

وزیر بنتے ہی بلبن کا پہلا کام یہ تھا کہ اس بے امنی اور بدنظمی کو ختم کرے جو دس گیارہ برس سے مرکزی حکومت کی کمزوری کے باعث جگہ جگہ پیدا ہو چکی تھی۔ اس سلسلے میں اس کے کارناموں کی کیفیت یہ ہے۔

۱۔ پنجاب میں کھوکھروں کی شورش فرو کی۔

۲۔ گنگا جمنا کے دوآبہ میں ہندو رئیس سرکش ہو گئے تھے، انہیں زیر کیا۔

۳۔ رنتھمبور، گوالیار، چندیری اور مالوے کو نئے سرے سے مسخر کیا۔

۴۔ ترک امیروں کی حالت بڑی عجیب ہو چکی تھی۔ وہ دولت اور اقتدار کے نشے میں مست تھے۔ جب جی چاہتا بغاوت کر دیتے۔ بلبن نے بڑی مستعدی سے انہیں دبایا۔

۵۔ میوات کے علاقے میں عام بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ بلبن خود فوج لے کر وہاں پہنچا اور

مختلف چپقلشوں میں بارہ ہزار فسادیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ڈھائی سو کے قریب بڑے بڑے ڈاکو قید کر لیے۔

۶۔ بلبن پادشاہ بنا تو میواتیوں نے پھر بدنظمی پھیلائی اور وہ دہلی شہر کے دروازوں تک لوٹ مار کرتے آ جاتے تھے۔ بلبن نے سارے علاقے کے جنگل کٹوا دیے، اس لیے کہ لٹیروں نے ان کے اندر مرکز بنا رکھے تھے۔ یورشیں کیں، جگہ جگہ فوجی چوکیاں بنا دیں، اس طرح بالکل امن قائم کر دیا۔

لشکر کی نئی تنظیم: ان شورشوں کو مٹانے میں بڑی مستعدی درکار تھی اور خاصی سختی سے کام لینا پڑا، لیکن رعایا کے امن کی خاطر سختی بالکل جائز، بلکہ ضروری تھی اور مستعدی میں بلبن سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اس غرض کے لیے اس نے فوج کو نئے سرے سے منظم کیا۔ التتمش کے زمانے سے جو امیر بڑی بڑی جاگیریں لیے بیٹھے تھے، وہ اپنے اصل کاموں سے غافل ہو چکے تھے۔ ان میں سے بوڑھے اور ناکارہ آدمیوں کی جاگیریں ضبط کر لیں اور انہیں گزارے کے لیے پنشنیں دے دیں۔ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے لیے بھی مناسب معاش کا انتظام کر دیا۔ جو لوگ مستعد اور جوان تھے، ان کو جاگیروں کے مطابق فوج رکھنے اور اسے صحیح تربیت دینے پر مجبور کیا۔ ضبط شدہ جاگیریں ان لوگوں کو دے دیں، جو حکومت کے ساتھ وفاداری کے ثبوت جنگی میدانوں میں پیش کر چکے تھے۔ اس طرح ساری فوج میں التتمش اور ایبک کے زمانے کی طرح تازہ روح آ گئی۔

بلبن نے جگہ جگہ اپنے خاص آدمی مقرر کر دیے جو ایک ایک امیر کے حالات سے اُسے آگاہ کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ اس کے بیٹوں کی نقل و حرکت کے متعلق بھی رپورٹیں باقاعدہ پہنچتی رہتیں۔ کسی سے قصور سرزد ہو جاتا تو بلبن اسے ضرور سرزنش کرتا، اگرچہ وہ اس کا بھائی یا بیٹا ہی کیوں نہ ہوتا۔

فوجی چھاؤنیاں: اُس زمانے میں سب سے بڑی مصیبت تاتاریوں نے پیدا کر رکھی تھی۔ وہ آئے دن پنجاب و سندھ پر حملے کرتے رہتے۔ ان کی روک تھام کے لیے اعلیٰ درجے کے انتظامات ضروری تھے۔ بلبن نے اس غرض کے لیے ایک موزوں سکیم بنائی اور اسے فوراً عمل کا جامہ پہنا دیا، یعنی شمال و مغربی سرحد سے دہلی تک جتنے راستے آتے تھے، ان پر جگہ جگہ مضبوط چھاؤنیاں بنا دیں جن میں کاردان فوج کے جیش بٹھا دیے تاکہ جب تاتاری ہندوستان کی سرزمین

پر قدم رکھیں تو انہیں ہر مرحلے پر روکا جا سکے۔ اس سلسلے میں ملتان، اوچ، لاہور بھٹنڈے، سنام وغیرہ کی چھاؤنیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب پنجاب میں تھیں اور ان چھاؤنیوں کے لیے زیادہ تر پنجاب کے سپاہی بھرتی کیے جاتے تھے۔ گویا پنجاب آج نہیں، اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور سے اس ملک کے بچاؤ کے لیے ڈھال کا کام دیتا رہا ہے۔ اگر تیرہویں صدی عیسوی میں تاتاریوں کی یورشوں کو ہمت و مردانگی کے ساتھ ناکام نہ بنا دیا جاتا تو ہندوستان پر بھی تباہی و بربادی کا وہی طوفان اُمنڈ آتا، جو ترکستان، خراسان، ایران اور عراق پر نازل ہوا۔ ہندوستان کی حفاظت کے اس جہاد میں سب سے بڑھ کر پنجاب نے قربانیاں کیں اور سب سے زیادہ پنجاب ہی کا خون بہا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بلبن نے ملتان اور سنام کی حکومتیں اپنے بیٹوں شہزادہ محمد اور بغرا خاں کو دیں۔ یہ دونوں مقام سب سے پہلے خطرے میں آتے تھے۔

بنگال میں بغاوت: بنگال میں التمش نے امن قائم کیا اور اسے دہلی کے مرکز سے ملایا تھا، لیکن جب اس کے اپنے بیٹے ناصر الدین محمود کا انتقال ہو گیا تو پھر وہاں کے حالات بگڑ گئے۔ بلبن نے طغرل کو وہاں کی حکومت دی تھی۔ وہ باغی ہو گیا۔ سمجھتا تھا کہ بنگال دہلی سے بہت دُور ہے اور بلبن بڑھاپے میں فوج لے کر اتنی دُور کہاں آئے گا۔ نیز وہ تاتاریوں کی یورشوں کو روکنے کے انتظامات میں لگا ہوا تھا۔ باغی ہو کر طغرل نے سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کیا اور اپنے نام کا سکّہ چلا دیا۔ بلبن نے دو مرتبہ فوج اس کے مقابلے پر بھیجی لیکن دونوں مرتبہ طغرل کامیاب رہا اور شاہی فوج نے شکست کھائی۔ آخر بلبن خود نکلا۔ اپنے چھوٹے بیٹے بغرا خاں کو ساتھ لیا اور تیزی سے بنگال پہنچ گیا۔ یہ خبر سنتے ہی طغرل لکھنوتی کو چھوڑ کر جنگل میں جا چھپا۔ اپنا خزانہ بھی ساتھ لے گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ بلبن چند روز کے بعد واپس چلا جائے گا تو پھر اطمینان سے بیٹھ جاؤں گا، لیکن بلبن نے قسم کھا لی کہ جب تک طغرل ہاتھ نہیں آئے گا واپس نہیں جاؤں گا۔ اتفاق سے طغرل کا سراغ مل گیا، وہ مارا گیا اور جن بڑے افسروں نے بغاوت میں اس کا ساتھ دیا تھا، انہیں لکھنوتی کے بڑے بازار میں پھانسیوں پر لٹکا دیا گیا۔ پھر بغرا خاں کو وہاں کا حاکم بنا کر بلبن واپس لوٹا۔

شہزادہ محمد کی شہادت: ۱۲۸۵ء میں تاتاریوں نے پنجاب پر حملہ کیا۔ بلبن کا فرزندِ اکبر شہزادہ محمد ملتان کا حاکم تھا۔ وہ فوراً ملتان سے دیپال پور اور لاہور کی طرف نکلا تا کہ تاتاریوں کا مقابلہ کرے۔ راوی کے کنارے جنگ ہوئی۔ تاتاری شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ شہزادے کی فوج نے

تعاقب کیا اور خود شہزادے کے ساتھ صرف پانسو سوارہ رہ گئے۔ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ ایک تالاب پر اترا اور جماعت کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس جگہ کے پاس ہی ایک تاتاری سردار اپنے جیش سمیت چھپا ہوا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ شہزادے کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی ہیں تو اچانک حملہ کر دیا۔ شہزادے نے نماز سے فارغ ہو کر لڑائی شروع کر دی اور اس مردانگی سے حملے کیے کہ تاتاری میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اس اثنا میں اتفاق سے ایک تیر ایسا لگا کہ شہزادہ لڑکھڑا کر گرا اور جان بحق ہو گیا۔ یہ سب سے قیمتی خون تھا جو ہندوستان کے شاہی گھرانے نے تاتاریوں کو روکنے اور ملک کو ان کی ترکتاز سے بچانے کے لیے پیش کیا۔

شہزادہ بڑا قابل، شجاع، علم دوست اور دین دار تھا۔ اکثر اہلِ علم و کمال اس سے وابستہ تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن دہلوی پانچ برس تک اس کے دربار میں رہے۔ وہ ہر سال باپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور قیمتی تحفے پیش کرتا۔ بلبن کو اس سے بڑی محبت تھی اور اسی کو ولی عہد بنایا تھا۔ چوں کہ وہ بڑا ہر دل عزیز تھا، اس لیے ملک بھر میں اس کی خاطر صفِ ماتم بچھ گئی۔ اس حادثے نے بلبن کی کمر توڑ ڈالی اور اس کی حالت مردوں سے بدتر ہو گئی۔ شہزادہ محمد کو عام طور پر خان شہید کہا جاتا ہے۔

بلبن کی وفات: اس صدمے میں بلبن بیمار ہوا تو بغرا خاں کو بنگال سے بلایا تا کہ ملک کا انتظام اس کے حوالے کر دے لیکن بغرا خاں کو بنگال میں رہ کر تن آسانی کی عادت پڑ چکی تھی۔ وہ بادشاہی کی خاطر آرام چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور باپ کی طبیعت سنبھلتے ہی بنگال واپس چلا گیا۔

تاتاری امیر خسرو اور خواجہ حسن کو گرفتار کر کے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ رہا ہو کر دہلی پہنچے تو دربار میں وہ مرثیے پڑھے، جو شہزادے کی شہادت پر لکھے تھے۔ یہ مرثیے سن کر حشر سا ہو گیا۔ بلبن کے دل کے زخم پھر ہرے ہو گئے۔ وہ اتنا بیمار ہوا کہ پھر نہ سنبھل سکا اور ۱۲۸۶ء میں وفات پائی۔

سیرت: بلبن غلام خاندان کا آخری بڑا بادشاہ تھا۔ پورے خاندان میں اس کا درجہ التتمش کے بعد ہے۔ تیسرا درجہ ایبک کا ہے۔ سپہ گری و ملکہ داری دونوں میں یکساں ماہر تھا۔ ساری عمر محنت اور سرگرمی میں گزاری۔ اگر حکومت کی باگ اس جیسے قابل اور باتدبیر سلطان کے ہاتھ میں نہ آتی، تو التتمش کی وفات کے بعد جو نازک حالت پیدا ہوئی تھی، اس میں حکومت کے محفوظ رہنے کی بہ ظاہر کوئی شکل نہ تھی۔ بادشاہ بننے سے پہلے بلبن کی زندگی عام امیروں کی سی تھی، لیکن تخت پر بیٹھتے ہی

سارے طریقے بدل گئے۔ نماز ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرتا، تہجد کبھی نہ چھوڑی، قرآن مجید کی تلاوت روزانہ کرتا۔ باہر نکلتا تو جہاں کہیں وعظ کی مجلس جمی ہوئی پاتا، فوراً گھوڑے سے اتر کر عام لوگوں میں جا بیٹھتا۔ ہر وقت باوضو رہتا۔ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد قبرستانوں میں جا کر فاتحہ پڑھتا۔ خاص ملازموں یا امیروں میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازے میں شریک ہوتا، پھر گھر جا کر مرحوم کے پس ماندوں کو تسلی دیتا۔ جب تک کسی شخص کی دیانت اور پرہیز گاری کا یقین نہ ہو جاتا، اسے ذمہ داری کا کوئی عہدہ نہ دیتا۔ جس ملازم کے چال چلن میں ذرا سی بھی خرابی پاتا، اسے فوراً الگ کر دیتا۔

عدل اور امن: اس کے عہد میں بد دیانتی بالکل ختم ہو گئی۔ امن کا یہ رنگ تھا کہ لوگ اپنے مکانوں یا دوکانوں کے دروازے بند کرنے سے بے پروا ہو گئے تھے۔ لٹیروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع ہو گیا۔ چوری کی جڑ کٹ گئی۔ اکا دکا مسافر سونا اُچھالتے ہوئے جس طرف چاہتے نکل جاتے، کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کرتا۔ بغاوت اور سرکشی سے ملک پاک ہو گیا۔

بلبن کو نئے علاقے فتح کرنے کا شوق نہ تھا۔ خود کہا کرتا تھا کہ خدا نے جو حکومت دی ہے، اسے دشمنوں سے محفوظ رکھنا پہلا فرض ہے۔ میرا فرض ہے کہ رعایا کو امن کی نعمت سے شاد ماں رکھوں اور ان کی خوشحالی کے لیے برابر کوشاں رہوں۔ مظلوموں کو ظالم حکمرانوں کے ہاتھ سے نجات دلانے کا بڑا خیال رکھتا تھا۔

ملک بق بق چار ہزار سواروں کا افسر تھا اور بدایوں میں اسے جاگیر ملی ہوئی تھی۔ امیری کے گھمنڈ میں ایک نوکر کو اتنا پٹوایا کہ وہ جان بحق ہو گیا۔ سلطان کی طرف سے بدایوں میں جو خاص کارندے مقرر تھے، انہوں نے ملک بق بق کی پاسداری میں اس واقعہ پر پردہ ڈال دیا اور سلطان کے پاس رپورٹ نہ پہنچائی۔ بلبن بدایوں کے دورے پر گیا تو مقتول نوکر کی بیوہ نے اپنی دُکھ بھری کہانی اس تک پہنچا دی۔ سلطان نے خود سارے واقعہ کی چھان بین کی۔ جب بق بق کا جرم ثابت ہو گیا تو اسے برسرِ عام کوڑے لگوائے، یہاں تک کہ اس کی جان نکل گئی۔ سرکاری وقائع نگاروں کو بھی موت کی سزا دی، اس لیے کہ انہوں نے اپنا فرض ادا نہیں کیا تھا۔

اودھ کے حاکم ہیبت خاں نے ایک شخص کو ناحق مار ڈالا۔ بلبن کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اگرچہ ہیبت خاں اس کا پروردہ تھا لیکن اسے پہلے خود کوڑے لگوائے، پھر مقتول کی بیوہ کے حوالے

کرتے ہوئے کہہ دیا کہ یہ تمہارا مجرم ہے، جو سزا چاہو دے دو۔ ہیبت خاں نے منت سماجت کے بعد بیس ہزار ٹنکے دے کر بیوہ کو راضی کیا۔ اس طرح جان بچائی، لیکن اتنا نادم ہوا کہ پھر جیتے جی گھر سے باہر نہ نکلا۔

بلبن کو اپنے بیٹوں سے بڑی محبت تھی، لیکن خطا پر سزا دینے میں اتنا سخت تھا کہ ایک مرتبہ شہزادوں سے صبح کی نماز ادا کرنے میں دیر ہوگئی تھی تو کئی روز تک ان سے بات نہ کی۔

عظیم ترین کارنامہ: بلبن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہندوستان کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کا بندوبست کمال پر پہنچا دیا۔ اگر وہ شمالی و مغربی سرحد سے لے کر دہلی تک چھاؤنیوں کا جال نہ بچھا دیتا تو تاتاریوں کے سیلِ بلا کو روکنے کی بہ ظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ بلبن کا یہ احسان ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ یہ واقعہ بھی اس حقیقت کا ایک زندہ جاوید ثبوت ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کو اپنا عزیز وطن بنالیا تھا اور اس کی حفاظت میں وہ ہر مرحلے پر جانیں چھڑکتے رہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، شہزادہ محمد عرف خان شہید کا خون اسی راہ میں بہا۔ وہ بلبن کا عزیز لختِ جگر تھا اور اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث وقت کا بہترین امیر سمجھا جاتا تھا۔ بلبن اسے دوسرے حصے کی حکومت دے سکتا تھا، لیکن اس نے ملک کی حفاظت کے لیے اپنے لختِ جگر کو اس مورچے پر بٹھایا، جہاں خطرات کے جھکڑ انتہائی شدت سے ہر وقت چلتے رہتے تھے۔ جن بادشاہوں نے ملک کی حفاظت کو اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانوں پر ہمیشہ ترجیح دی، ان سے بڑھ کر اس سرزمین کی عزت اور ناموس کے بچاؤ کا دعویٰ کون کر سکتا ہے۔

معزالدین کیقباد ۱۲۸۶ء۔ ۱۲۹۰ء: بلبن نے پہلے بغرا خاں کو جانشین بنانا چاہا۔ وہ آرام کی زندگی کو بادشاہی کی خاطر چھوڑنے پر راضی نہ ہوا تو وصیت کر دی کہ شہزادہ محمد کے فرزند کیخسرو کو بادشاہ بنالیا جائے، جسے باپ کی جگہ ملتان کا حاکم بنا دیا تھا۔ بلبن کی وفات کے وقت اس کا دوسرا پوتا یعنی بغرا خاں کا بیٹا کیقباد دہلی میں موجود تھا۔ امیروں نے اسی کو معزالدین کیقباد کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔ وہ سترہ برس کا الھڑ لڑکا تھا۔ نہ جنگ کا تجربہ تھا، نہ ملکی انتظام سے کبھی سروکار رہا۔ خوشامدیوں نے چند ہی روز میں عیش و عشرت کی ایسی چاٹ لگا دی کہ سارے کام کاج ترک کر کے رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا۔ درباریوں میں سے ملک نظام الدین بڑا سازشی تھا۔ وہ کیقباد کا خاص مشیر اور مقرب بن گیا۔ جب اس نے بادشاہ کو شیشے میں اُتار لیا تو اس فکر میں لگ گیا کہ اسے

ٹھکانے لگا کر خود تاج و تخت کا مالک بن جائے اس نے سب سے پہلے [یہ پٹی پڑھائی کہ کیخسرو سلطنت کا اصلی مالک ہے۔ دادا نے اس کو جانشین بنایا تھا۔ تاج و تخت کی خیر چاہتے ہو تو پہلے اس کو ختم کرو۔ کیقباد نشے کی حالت میں تھا، فوراً حکم دے دیا کہ کیخسرو کو دہلی بلایا جائے۔ وہ ملتان سے دہلی آ رہا تھا کہ چند آدمی بھیج کر رہتک کے قریب اس کا کام تمام کرا دیا۔

باپ بیٹے کی کشمکش: جب بغرا خاں نے سنا کہ بیٹے کے ہاتھوں سلطنت برباد ہو رہی ہے تو اس نے درد بھرے خط لکھنے شروع کیے۔ ان کا کچھ اثر نہ ہوا تو فیصلہ کیا کہ خود دہلی پہنچ کر بیٹے کو سمجھائے۔ خوشامدی درباریوں نے کیقباد کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ باپ تمھیں ختم کر کے بادشاہ بن جانا چاہتا ہے۔

چنانچہ کیقباد فوج لے کر دہلی سے نکل پڑا تا کہ باپ کو راستہ میں روک دے۔ گھاگرہ ندی پر باپ بیٹے کی مڈبھیڑ ہوئی۔ چند روز تک دونوں کی فوجیں ندی کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے بیٹھی رہیں۔ بغرا خاں نے یہ حالت دیکھی تو خط لکھ کر اور آدمی بھیج کر بیٹے کے وسوسے دُور کیے۔ اس کے بعد دونوں میں ملاقات کا فیصلہ ہوا۔

ملاقات ہوئی، تو اس طرح کہ بیٹا تخت پر بیٹھا تھا۔ باپ معمولی امیر کی حیثیت میں سامنے آیا۔ مجرا بجالایا لیکن آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بالکل قریب آ گیا تو کیقباد کا دل پسیجا، باپ کے قدموں پر گر پڑا۔ بغرا خاں نے اسے اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

صلح صفائی: اس ملاقات نے کیقباد پر اچھا اثر ڈالا۔ بغرا خاں نے اُسے سمجھا کر سلطنت کے کاموں میں لگایا اور خود ضروری معاملات میں مشورہ دینے لگا۔ جب دیکھا کہ بیٹے کے طریقے سدھر گئے ہیں اور اب سلطنت کا کام ٹھیک چلتا رہے گا، تو وہ بنگال واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی چند روز میں خوشامدی پھر کیقباد پر چھا گئے اور وہ اپنی پرانی عادتوں پر آ گیا۔

کیقباد کا خاتمہ: وہ رات دن مست رہتا تھا۔ آخر اس پر فالج گرا اور ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے۔ سلطنت کے خیر خواہوں نے حالات کو درست کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ ان میں فیروز خلجی پیش پیش تھا۔ سوچ بچار کے بعد ان لوگوں کی رائے یہ ٹھہری کہ جب تک کیقباد زندہ ہے، انتظام ٹھیک نہ ہوگا۔ فالج کے بعد وہ خود تو ہل نہ سکتا تھا۔ چند امیروں نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور لاش جمنا میں پھینک دی۔

کیومرث: اب سوال پیدا ہوا کہ بادشاہ کسے بنایا جائے۔ اس سوال پر امیر دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک طرف تُرک تھے، جو کیقباد کے بیٹے کیومرث کو محل سے نکال لائے اور "شمس الدین" کے لقب سے اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ وہ محض بچہ تھا، خود کچھ نہیں کر سکتا تھا، سارے اختیارات تُرک امیروں کے ہاتھوں میں چلا جاتے۔ امیروں کا دوسرا گروہ اس حالت پر راضی نہ تھا۔ اس دوسرے گروہ کا سردار فیروز خلجی تھا۔ باہمی کشمکش میں کیومرث مارا گیا اور فیروز خلجی جلال الدین کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ خاندانِ غلامان کی بادشاہی ختم ہوگئی اور خلجیوں کی بادشاہی کا آغاز ہوا۔]

☆.....☆.....☆

maablib.org

دسواں باب

خلجیوں کی پادشاہی

(۱۲۹۰ء۔۱۳۲۰ء)

جلال الدین فیروز (۱۲۹۰ء۔۱۲۹۶ء): ایبک سے لے کر کیقباد تک تمام پادشاہ نسل کے ترک تھے۔ خلجی بھی اگرچہ نسب کے اعتبار سے ترک ہونے کے دعوے دار تھے، لیکن چوں کہ ترکستان سے نکل کر مدت تک افغانستان میں مقیم رہے اور وہاں کے مقامی باشندوں سے ان کے رشتے ناطے ہوتے رہے، اس لیے ترکوں کا خیال تھا کہ ان کے خون میں غیر ترکی خون کی ملاوٹ ہوگئی ہے۔ بنابریں انہیں اپنے سے کمتر جانتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک صدی تک ہندوؤں کے ساتھ میل جول کے باعث ہندوستانی ترکوں میں بھی نسلی تعصب پیدا ہو چکا تھا اور وہ جلال الدین فیروز کی پادشاہی پر بدیں وجہ دل سے راضی نہ تھے کہ وہ اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جسے نسلاً ترک نہیں سمجھا جاتا تھا۔

فیروز تخت پر بیٹھا تو ستر برس کی عمر تھی۔ نیک اور بردبار آدمی تھا۔ معمولی سپاہی کی حیثیت سے زندگی شروع کی۔ اپنی قابلیت کی بنا پر ترقی کرتے کرتے تاج و تخت کا مالک بن گیا۔ منصب جیسے جیسے بڑھتا گیا، فیروز کی نیکی، انکسار اور بردباری میں بھی اضافہ ہو گیا۔ پادشاہ بن جانے کے بعد تو اس نے نازک حالات میں بھی حلم اور نرم دلی کے ایسے مظاہرے کیے کہ مؤرخوں نے بے تکلف یہ رائے قائم کر لی کہ وہ پادشاہی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہل ہی نہ تھا۔

بڑا حق پسند آدمی تھا۔ برسوں تاتاریوں سے لڑتا رہا اور فتوحات حاصل کیں۔ پادشاہ بن جانے کے بعد خیال آیا کہ خطبے میں میرے نام کے ساتھ مجاہد فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا) کا لقب آنا چاہیے۔ بعد میں بڑے بڑے عالموں نے یہ لقب پیش کیا تو قبول نہ کیا۔ کہنے لگا "مجھے بھی یہ خیال آیا تھا، لیکن اب اس پر پشیمان ہوں۔ میں لڑائیاں اس لیے کرتا رہا کہ

بلبن کی نظروں میں اعتبار بڑھے اور میرا منصب اونچا ہو۔ یہ خدا کی راہ میں جہاد نہ تھا۔"

ملک چھجو کی بغاوت: بلبن کا بھتیجا ملک چھجو کڑا مانک پور کا حاکم تھا اور فیروز خلجی نے اس کے ساتھ حسن سلوک میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، لیکن اس کے دل سے یہ بات نہ نکل سکی کہ فیروز خلجی اس سلطنت کا مالک بن گیا ہے، جس کا حق دار بلبن کی اولاد کے بعد خود ملک چھجو کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، اور لوگ بھی ساتھ مل گئے، بھاری فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھا لیکن راستے میں شکست کھائی۔ ملک چھجو اور اس کے بڑے بڑے ساتھی پکڑے گئے۔ ان کی گردنوں میں دوشاخہ لکڑیاں ڈال کر فیروز کے سامنے پیش کیا گیا تو فیروز نے کہا، سب کو رہا کر دو، نہلا کر اور نئے کپڑے پہنا کر میرے پاس لاؤ۔ پھر ان سے معافی مانگی اور کہا کہ اگر آپ لوگوں نے اپنے آقا کے بھتیجے کے لیے جنگ کی تو حق نمک ادا کیا۔ فتح و شکست تقدیر کی بات ہے۔ ملک چھجو کو ملتان بھیج دیا اور اس کے آرام کے تمام سامان مہیا کر دیے۔

سید مولہ کا واقعہ: اسی زمانے میں سید مولہ کا واقعہ پیش آیا۔ یہ شخص تھوڑی دیر خواجہ فرید الدین شکر گنج کی صحبت میں رہا تھا۔ وہاں سے دہلی کا قصد کیا تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ امیروں سے میل جول نہ پیدا کرنا۔ دہلی پہنچ کر اس نے خانقاہ بنائی جس میں لنگر جاری کیا۔ اگرچہ اس کے پاس آمدنی کا بہ ظاہر کوئی ذریعہ نہ تھا لیکن اس کی شاہ خرچی دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ اس کا شہرہ دُور دُور پہنچ گیا۔ فیروز خلجی کا بڑا بیٹا خان خانان بھی مرید بن گیا۔ پھر ایک سازش ہوئی جس کا مدعا یہ تھا کہ جلال الدین فیروز شاہ کو قتل کر کے سید مولہ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ سازش پکڑی گئی اور سید مولہ کو قتل کی سزا ملی۔

تاتاری یورش: ۱۲۹۲ء میں ہلاکو خان کا پوتا ڈیڑھ لاکھ[1] کا لشکر لے کر ہندوستان پر چڑھ آیا اور سنام (پٹیالہ) تک آ پہنچا۔ جلال الدین فیروز نے بڑی بہادری و جوانمردی سے مقابلہ کیا اور تاتاریوں کا منہ پھیر دیا۔ سپہ سالار شکست کھا کر واپس چلا گیا، لیکن اس کا ایک رشتہ دار الغو خاں اپنے ساتھیوں سمیت دہلی میں ٹھہر گیا۔ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ سلطان نے اپنی ایک شہزادی الغو خاں سے بیاہ دی اور تاتاریوں کے لیے ایک الگ آبادی بنا دی جو "مغل پورہ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ جن لوگوں کو ہندوستان کی ہوا راس نہ آئی، وہ واپس چلے گئے۔ جو یہاں رہے وہ اس سرزمین کے باشندوں میں گھل مل گئے۔

علاؤ الدین کی ترکتاز دکن پر: جلال الدین فیروز کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ اس

کے بھتیجے علاؤ الدین حاکم کڑا نے دیوگری (موجودہ دولت آباد) پر حملہ کیا۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں محمود غزنوی کی یورشِ سومنات کے بعد یہ دوسرا عظیم الشان کارنامہ تھا، جس کی مثالیں صدیوں میں بھی نہیں ملتیں۔

علاؤ الدین نے سلطان سے صرف اتنی اجازت لی کہ میں چندیری کے آس پاس کا علاقہ فتح کرنا چاہتا ہوں۔ پھر صرف آٹھ ہزار سوار لے کر نکلا اور وسط ہند کے دشوار گزار جنگلوں کو چیرتا اور پہاڑوں کو پھاندتا ہوا بجلی کی تیزی سے ایلچ پور (برار) پہنچ گیا۔

مسلمان اس وقت تک دکن نہیں پہنچے تھے، بلکہ وسط ہند کے بھی بہت سے علاقے ان کی دسترس سے باہر تھے۔ علاؤ الدین کے لیے اس تھوڑی سی فوج کا تعلق دہلی کے ساتھ قائم رکھنا اور رسد و کمک پہنچنے کے سلسلے باقاعدہ جاری کرنا، دشوار ہی نہیں ناممکن تھا۔ یہ آنکھیں بند کر کے اندھیرے میں چھلانگ لگانا تھا۔ فوج کہیں بھی نرغے میں آسکتی تھی اور آجاتی تو ایک آدمی بھی زندہ بچ کر نہ نکل سکتا، لیکن علاؤ الدین نے ہر خطرے اور ہر خوف سے بے پروا ہو کر اس کام کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا اور علاؤ الدین جیسا من چلا آدمی ہی یہ شانِ مردانگی دکھا سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں حفاظت کی جتنی تدبیریں آئیں، ان سب سے کام لیا۔ مثلاً راستے میں جہاں جہاں سے گزرا، کہیں یہ اعلان کرتا رہا کہ میں نے سلطان کی ملازمت چھوڑ دی ہے اور اب جنوبی ہند میں کسی راجا کے پاس نوکری کی غرض سے جا رہا ہوں۔ کہیں یہ بتایا کہ میں شاہی فوج کا ہراول بن کر آیا ہوں، پیچھے پورا لشکر آ رہا ہے۔ پہلی صورت میں کسی کو اس کا راستہ روکنے کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری صورت میں کسی کو مقابلہ کرنے کا حوصلہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

دیوگری میں اس وقت راجا رام چندر حکمران تھا۔ اس کا بیٹا شنکر دیو فوج کا بڑا حصہ ساتھ لے کر یاترا کے لیے جنوب کی طرف گیا ہوا تھا۔ علاؤ الدین شہر کے سامنے پہنچا تو رام چندر نے تھوڑی سی فوج لے کر مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ علاؤ الدین محض ہراول دستے لے کر آیا ہے اور بڑی فوج پیچھے آ رہی ہے تو اسے یقین آ گیا۔ یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص آٹھ ہزار سوار لے کر غیر علاقے میں سے گزرتا ہوا سات سو میل کے فاصلے پر آ سکتا ہے۔ بہر حال اس نے صلح کر لی۔

اس اثنا میں رام چندر کا بیٹا شنکر دیو لشکر لے کر آ گیا۔ اس نے صلح نامے کو ٹھکرا دیا۔ راجا

نے بیٹے کو ہر چند سمجھایا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ لڑائی کی اور بُری طرح شکست کھائی۔ علاؤالدین کو اتنا مال غنیمت ملا جو اس سے پہلے کبھی کسی مسلمان کو نہیں ملا تھا۔

جلال الدین فیروز کا قتل: علاؤالدین دکن سے واپس لوٹا تو فیروز کو اس کے حالات کی اطلاع ملی چکی تھی۔ اس کے وزیر احمد چپ کی رائے تھی کہ سارا مال واسباب اس سے راستے ہی میں لے لینا چاہیے، لیکن سلطان کو اپنے بھتیجے اور داماد پر بدظنی مناسب معلوم نہ ہوئی۔ علاؤالدین کڑا پہنچ گیا تو اپنے بھائی الماس بیگ کو دہلی بھیج دیا تا کہ فریب کی باتیں کر کے سلطان کو جال میں اُلجھا لیا جائے۔ الماس بیگ نے فیروز سے کہا کہ علاؤالدین بہت ڈرا ہوا ہے، خود کڑا پہنچ کر اسے تسلی دیجیے اور جو مال واسباب وہ لایا ہے، وہ بھی لے آیئے۔ سلطان کا دل صاف تھا۔ وہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ اگرچہ ملک احمد چپ وزیر اسے روکتا رہا، لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ رمضان ۶۹۵ھ کی ستر ہویں تاریخ تھی (۱۹ جولائی ۱۲۹۶ء) سلطان روزے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوا کشتی میں کڑا پہنچا۔ علاؤالدین کنارے پر پیشوائی کے لیے کھڑا تھا۔ کشتی سے اترتے ہی بھتیجے کو گلے لگانے کے لیے آگے بڑھا۔ کہہ رہا تھا بیٹا! تو نے اس چچا پر بدگمانی کی، جس نے بچپن سے تجھے پالا اور اپنے بچوں کی طرح پیار کرتا رہا؟ اس اثنا میں علاؤالدین نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا اور انہوں نے ایک ہی وار میں نیک دل سلطان کو موت کی نیند سلا دیا۔ کہتے ہیں کہ گرتے وقت سلطان کی زبان سے نکلا: ''بد بخت یہ تو نے کیا کیا؟'' علاؤالدین نے پہلے سے سب کچھ طے کر رکھا تھا۔ وہیں ساتھیوں نے اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔

علاؤالدین کی تخت نشینی: جلال الدین فیروز کے تین بیٹے تھے۔ بڑا خان خاناں جو اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ دوسرا ارکلی خاں جو سلطان کے قتل کے وقت ملتان میں تھا، تیسرا قدر خاں۔ سلطان کے قتل کی خبر دہلی پہنچی تو اس کی بیگم ملکہ جہاں نے جو علاؤالدین کی چچی اور ساس تھی، سوچا کہ اگر ارکلی خاں کے انتظار میں تخت خالی رہا، تو ممکن ہے کہ امیر اور درباری علاؤالدین سے جا ملیں، اس لیے قدر خاں کو رکن الدین ابراہیم کے لقب سے بادشاہ بنا دیا۔ ارکلی خاں ناراض ہو کر ملتان ہی میں بیٹھا رہا۔

علاؤالدین کے پاس مال و دولت کی ریل پیل تھی۔ وہ دہلی کی طرف نکلا تو ہر منزل پر چاندی سونے کا مینہ برسانے گا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگ "جلال الدین فیروز کے قتل کو بھول گئے اور

گروہ در گروہ علاؤالدین کی فوج میں نام لکھوانے لگے۔

ملکہ جہاں کو زمین پاؤں تلے سے نکلتی ہوئی نظر آئی تو ارکلی خان کو بلاوا بھیجا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ لشکر دشمن سے جاملا۔ اب میرے سامنے آنے سے کچھ نہیں بنے گا۔

علاؤالدین دہلی کے نزدیک پہنچا تو رکن الدین ابراہیم اور ملکہ جہاں بھی دہلی کو چھوڑ کر ملتان چلے گئے اور علاؤالدین اطمینان سے بادشاہ بن گیا۔

تاتاریوں کی یورشیں: علاؤالدین کے عہد حکومت میں تاتاریوں نے سات آٹھ مرتبہ یورشیں کیں، لیکن ہر مرتبہ شکست کھائی۔ پہلے ۱۲۹۷ء میں امیر داؤد حاکم ماوراالنہر ایک لاکھ فوج لے کر پنجاب ملتان اور سندھ کی تسخیر کے لیے آیا۔ علاؤالدین کے بھائی الغ خاں نے بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا۔ داؤد نے شکست کھائی اور اس کے ہزاروں ساتھی قتل ہو گئے۔ پھر ایک اور حملہ ہوا، جسے ظفر خاں نے ناکام بنایا اور تاتاری سردار کو دو ہزار ساتھیوں سمیت پابہ زنجیر دہلی بھیجا۔ سب سے بڑا حملہ ۱۲۹۹ء میں قتلغ خواجہ نے کیا۔ اس کے ساتھ دو لاکھ سوار تھے، تاتاری پہلے ہندوستان میں داخل ہوتے ہی لوٹ مار شروع کر دیتے تھے، اس مرتبہ راستے میں کسی کو نہ چھیڑا اور سیدھے دہلی کے قریب پہنچ گئے۔ اردگرد دُور دُور تک ہراس پیدا ہو گیا۔ بے شمار باشندے گھر بار چھوڑ کر دہلی میں جمع ہو گئے۔ مسجدوں، کوچوں، بازاروں اور سراؤں میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔

علاؤالدین نے ان کے مقابلے کے لیے بھاری فوج تیار کی لیکن مشیروں کی رائے تھی کہ باہر نکل کر لڑنا ٹھیک نہیں۔ شہر میں قلعہ بند ہو کر بیٹھے رہنا چاہیے۔ تاتاریوں کو غلہ چارہ نہیں ملے گا تو خود واپس چلے جائیں گے۔ پھر ان کا تعاقب مناسب ہوگا۔ علاؤالدین نے یہ رائے ٹھکرا دی اور بولا: ''تاتاری دو ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے لڑنے کے لیے دہلی پہنچ گئے، میرے لیے شرم کا مقام ہے کہ شہر میں چھپا بیٹھا رہوں۔ کل حرم کی عورتوں کو کیا منہ دکھاؤں گا اور رعایا میں میری کیا عزت رہے گی؟ اکیلا بھی رہ جاؤں گا تو میدان میں ان کا مقابلہ کروں گا۔'' یہ کہہ کر خزانوں کی کنجیاں شہر کے کوتوال کو دے دیں اور کہہ دیا ''جسے فتح حاصل ہو کنجیاں اسے دے دینا۔''

کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر اتنے بڑے لشکر کبھی جمع نہیں ہوئے تھے، جہاں تک نظر جاتی تھی، ہر طرف آدمیوں کے پرے دکھائی دیتے تھے۔

لڑائی ہوئی اور تاتاریوں نے شکست فاش کھائی۔ظفر خاں نے اس لڑائی میں اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی۔ اس نے اٹھارہ کوس تک بگٹٹ تاتاریوں کا تعاقب کیا، افسوس کہ تھوڑی سی سپاہ کے ساتھ ان وحشیوں کے نرغے میں آ گیا۔ وہ ہر چند کہتے رہے کہ مقابلہ چھوڑ دو اور ہمارے پاس چلے آؤ، عزت کے اس مقام پر بٹھائیں گے جس کا تصور بھی علاؤالدین کے ماتحت نہیں کر سکتے، لیکن ظفر خاں نے لڑتے ہوئے جان دے دی اور تاتاریوں کے اعزازات کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ تاتاریوں پر اتنا خوف طاری ہوا کہ وہ دو دو منزلیں ایک ایک دن میں طے کرتے ہوئے ہندوستان سے نکل گئے۔ کسی تاتاری کا گھوڑا پانی نہ پیتا تو وہ کہتا: کیا تو نے ظفر خاں کو دیکھ لیا ہے؟ گویا ظفر خاں ان کے لیے ہوّا بن گیا تھا۔

اس کے بعد بھی تاتاری چار پانچ مرتبہ آئے۔ ایک دفعہ پہاڑ کے دامن کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے امروہہ تک پہنچ گئے، لیکن غازی ملک تغلق نے انہیں شکست دی۔ باقی حملے بھی غازی ملک تغلق نے ہی ناکام بنائے جو دیپال پور کا حاکم تھا۔ الغ خاں اور ظفر خاں کے بعد وہی علاؤ الدین کے عہد کا بلند پایہ سپہ سالار تھا۔ بلبن نے سرحد سے ملے ہوئے علاقوں میں فوجی چھاؤنیوں کا جو نقشہ بنایا تھا، علاؤ الدین نے بھی اسی پر عمل کیا۔ سرحد سے لے کر دہلی تک تمام راستوں کی چھاؤنیوں کی مرمت کرائی اور ان میں فوجیں بٹھا دیں۔

تسخیر گجرات: ۱۲۹۷ء میں علاؤ الدین نے الغ خاں اور نصرت خاں کو فوج دے کر گجرات کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ گجرات کا مرکزِ حکومت نہروالہ محاصرہ کے بعد فتح ہو گیا اور راجا، جس کا نام کرن تھا، دکن کی طرف بھاگ گیا۔ نصرت خاں آگے بڑھ کر کھمبائیت پہنچ گیا۔

گجرات کی یورش میں علاؤ الدین کو دو نادر چیزیں ملیں، جنہیں اس کی زندگی میں نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ ایک کرن کی رانی کنول دیوی جو عام طور پر کملا دیوی مشہور ہے، دوم مشہور ہزار دیناری غلام ملک کافور۔ رانی دہلی پہنچی تو علاؤ الدین نے اسے عزت کے ساتھ محل میں ٹھہرایا۔ تھوڑی مدت کے بعد وہ اپنی مرضی سے مسلمان بن گئی اور علاؤ الدین کے ساتھ نکاح کر لیا۔ ملک کافور نے سپہ سالار بن کر دکن کو فتح کیا۔ علاؤ الدین کے آخری دنوں میں وہ سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ اس کی جاہ طلبی خلجیوں کی بربادی کا باعث بنی اور وہ خود بھی مارا گیا۔

گجرات سے فوج واپس آ رہی تھی، افسروں نے مالِ غنیمت کا حساب لینا چاہا۔ نومسلم

تاتاری سپاہی اس پر بگڑ بیٹھے اور انہوں نے تمام بڑے بڑے افسروں کو قتل کر دینا چاہا، پھر وہ اپنے سردار محمد شاہ کے ہم رکاب بھاگ نکلے اور رنتھمبور کے راجا ہمیر دیو کی پناہ میں چلے گئے۔

بادشاہ کی خام خیالیاں: علاؤ الدین چنداں پڑھا لکھا آدمی نہ تھا۔ محض بازو کی قوت سے فتوحات حاصل کیں، بڑی دولت جمع کر لی اور آخر میں چچا کو مار کر وسیع سلطنت کا مالک بن گیا۔ اقبال مندی کے نشے نے اس کا دماغ بگاڑ دیا۔ اس کے دل میں دو عجیب خیال چکر لگانے لگے۔ ایک یہ کہ ایک نیا مذہب چلائے، دوسرا یہ کہ اسکندر اعظم کی طرح دنیا بھر کو فتح کر لے۔ شراب بہت پینے لگا تھا۔ بزم ناؤنوش میں عموماً ایسی ہی باتیں کرتا رہتا۔ چوں کہ تیز مزاج اور اکھڑ آدمی تھا، اس لیے کسی کو سچی بات منہ پر کہنے یا سمجھانے کا حوصلہ نہ ہوتا۔

دہلی کا کوتوال علاؤ الملک برنی مدت سے اس کا وفادار مشیر چلا آتا تھا۔ ایک روز اس سے انہیں باتوں سے متعلق مشورہ پوچھا۔ کوتوال عالم اور دین دار آدمی تھا۔ اس نے خوشامد اور سخن سازی کو مناسب نہ جانا اور صاف صاف کہہ دیا کہ مذہب اور شریعت خدا کی طرف سے آتے ہیں۔ انسانوں کی تجویز و تدبیر کو ان میں کوئی دخل نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دین صرف رسول اور پیغمبر لاتے رہے۔ یہ منصب بادشاہوں کو کبھی نہیں ملا اور جب تک دنیا باقی ہے نہیں ملے گا، اگرچہ بعض پیغمبروں کو بادشاہی کے فرض بھی ادا کرنے پڑے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ بادشاہ کو ایسی بات کبھی زبان پر نہیں لانی چاہیے۔ چنگیز خان کو دیکھیے کہ اس نے اسلامی شہروں میں خون کے دریا بہا دیے لیکن مسلمانوں کو اپنے مذہب پر نہ لا سکا۔ ہزاروں تاتاریوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن ایک مسلمان نے بھی تاتاریوں کے مذہب کا حلقہ اپنی گردن میں نہ ڈالا۔

باقی رہا دنیا کو فتح کرنے کا معاملہ تو بے شک بڑے بادشاہوں کا دستور یہی ہے کہ وہ سب خطوں کو اپنے ماتحت رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن آج اسکندر کا زمانہ نہیں رہا۔ بادشاہ کو چاہیے کہ سب سے پہلے ہندوستان کے ان خطوں کو زیر نگیں لائے جو ابھی تک فتح نہیں ہوئے۔ نیز تاتاریوں پر ہندوستان کے دروازے بند کر دینے کا کام باقی ہے۔

آخر میں علاؤ الملک نے کہا: میں نے جو کام بتایا ہے یہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک بادشاہ شراب نہیں چھوڑے گا اور ناؤنوش کی محفلوں سے الگ نہ ہوگا۔

اس صاف گوئی نے علاؤ الدین کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹا دیا اور وہ سیدھے

راستے پر آ گیا۔

رنتھمبور کی فتح ۱۲۹۹ء: ۱۲۹۹ء میں سلطان نے رنتھمبور پر فوج بھیجی، جہاں باغی تاتاری نومسلم پناہ لیے بیٹھے تھے۔ قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔ نصرت خان جو شاہی فوج کا ایک بہادر اور کاردان سپہ سالار تھا، زخمی ہوا اور جانبر نہ ہو سکا۔ رانا ہمیر دیو نے دو لاکھ آدمی لے کر حملہ کیا۔ شاہی فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ سن کر علاؤالدین خود رنتھمبور کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں تھوڑے آدمیوں کے ساتھ شکار کے لیے نکل گیا۔ اس کے بھتیجے اکت خاں نے بادشاہ کو مار کر تخت پر قبضہ کر لینے کی سازش کی۔ بڑی مشکل سے علاؤالدین کی جان بچی۔ اکت خاں اور اس کے تمام ساتھیوں کو موت کی سزا دی گئی۔

آخر رنتھمبور فتح ہو گیا۔ نومسلم تاتاریوں کا سردار محمد شاہ زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ علاؤالدین اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے پوچھا کہ "اگر تمہارا علاج معالجہ کیا جائے تو تندرست ہو کر کیا کرو گے؟" محمد شاہ نے جواب دیا "تمہیں قتل کروں گا اور ہمیر دیو کے بیٹے کو گدی پر بٹھا دوں گا"۔ یہ سن کر اسے قتل کرا دیا گیا۔ رنتھمبور جولائی ۱۳۰۱ء میں فتح ہوا۔ گویا اس کی تسخیر میں کم و بیش ڈیڑھ سال لگ گیا۔

علاؤالدین نے رنتھمبور کی فتح کے بعد قلعہ الغ خاں کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ تلنگانہ اور معبر[3] پر پیش قدمی کرنا چاہتا تھا لیکن فوت ہو گیا اور دکن کی فتح کا سہرا بعد میں ملک کافور کے سر بندھا۔

میواڑ کی تسخیر ۱۳۰۳ء: ۱۳۰۳ء میں علاؤالدین نے چتوڑ کا رخ کیا، جو راجپوتانہ کی مشہور ریاست میواڑ کا مرکزی مقام تھا۔ چتوڑ ایک پہاڑی پر واقع تھا اور اردگرد ہر طرف میدان تھا۔ علاؤالدین کے زمانے میں قلعہ شکنی کے وہ سامان موجود نہ تھے، جو ہمارے زمانے میں تیار ہوئے، اس لیے چتوڑ کا سر کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن سمجھا جاتا تھا، لیکن علاؤالدین عام مشکلات کو مشکلات تسلیم کرنے کا عادی نہ تھا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ آخر میواڑ کا رانا مقابلہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور چتوڑ فتح ہو گیا۔ علاؤالدین نے اپنے بیٹے خضر خاں کو اس کا حاکم بنایا اور چتوڑ کا نام خضر آباد رکھا۔

پدمنی کا افسانہ: چتوڑ کے سلسلے میں بعض مؤرخوں نے ایک افسانہ گھڑ لیا کہ میواڑ کے رانا کی بیوی پدمنی کے حسن کا شہرہ سن کر علاؤالدین نے حملہ کیا تھا۔ جب قلعہ فتح نہ ہو سکا، تو اس شرط پر محاصرہ اُٹھا لینے کی تجویز پیش کی کہ رانی کی صورت آئینے میں دکھائی جائے۔ پھر بادشاہ نے رانا کو

دھوکے سے قید کرلیا۔ پدمنی نے ایسی چال چلی کہ رانا کو بھی قید سے نکال لے گئی اور خود بھی نکل گئی۔ آخر قلعہ فتح ہوا، رانا مارا گیا اور پدمنی سہیلیوں سمیت آگ میں جل کر مر گئی۔

یہ ساری کہانی سراسر جھوٹی ہے۔ نہ علاؤالدین نے پدمنی یا کسی رانی کے لیے چتوڑ پر حملہ کیا، نہ پدمنی نام کی کوئی رانی چتوڑ میں اس وقت موجود تھی، نہ بھیم سنگھ یا رتن سنگھ نام کا رانا علاؤالدین کے زمانے میں ہوا جسے پدمنی کا شوہر بتایا جاتا ہے، نہ اس کہانی کا کوئی تاریخی ثبوت ملتا ہے۔

[ہندی زبان کے ایک مسلمان شاعر نے شیر شاہ سوری کے عہد میں ایک مثنوی لکھی، جس میں پہلی مرتبہ یہ خیالی کہانی پیش ہوئی۔ بعد کے تاریخ نگاروں نے دلچسپ سمجھ کر اسے اپنی تاریخوں میں جگہ دے دی۔]

دکن پر یورشیں ۱۳۰۶ء۔۱۳۱۲ء: اب علاؤالدین نے دکن کی طرف توجہ کی باگ پھیری، جہاں وہ بادشاہ بننے سے پہلے ایک مرتبہ پہنچ چکا تھا۔ ملک کافور کو اس فوج کا سپہ سالار بنایا جو دکن بھیجی گئی۔ کافور مالوے اور گجرات ہوتا ہوا دیوگری گیا جہاں گجرات کا رائے کرن پناہ لیے بیٹھا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنی بیٹی دیول دیوی کی شادی دیوگری کے راجا رام چندر کے لڑکے سے کر دے۔ دہلی میں رانی کملا دیوی دیول کے فراق میں سخت پریشان تھی اور چاہتی تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو، بیٹی ماں کے پاس پہنچ جائے۔ دیول دیوی شاہی فوج کو اتفاقیہ مل گئی۔ اسے احترام کے ساتھ پالکی میں بٹھا کر دہلی بھیج دیا گیا جہاں رانی نے اس کی شادی علاؤالدین کے بڑے بیٹے خضر خاں سے کر دی۔ رام چندر نے ملک کافور کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اسے بھی دہلی بھیج دیا گیا، جہاں علاؤالدین نے عزت سے اپنے پاس ٹھہرایا۔ پھر گجرات میں نوساری کا علاقہ اس کی جاگیر میں دے دیا۔ اس کے بعد ملک کافور نے:

۱۔ مارچ ۱۳۱۰ء میں وارنگل کو فتح کیا۔

۲۔ ۱۳۱۰ء ختم ہونے سے پیشتر دوار سمدر[۴] اور معبر مسخر ہو گئے۔

۳۔ اپریل ۱۳۱۱ء میں مدورا لے لیا۔

دکن کے بالکل جنوبی گوشے میں تھوڑا سا علاقہ رہ گیا۔ اسے یا تو لشکر کشی کے قابل ہی نہ سمجھا گیا یا اس علاقے کے رئیسوں نے خود بخود اطاعت قبول کر لی۔ دکن کی فتح پر دہلی میں بھاری

جشن منایا گیا اور ملک کافور کو وزیر اعظم کا عہدہ مل گیا۔

اس طرح ہندوستان پہلی مرتبہ ایک جھنڈے تلے آیا اور ایک مرکزی حکومت کے ماتحت اکٹھا ہوا۔ اس سے پیشتر صرف اشوک کے عہد میں ملک کو سیاسی حیثیت سے ایک بنانے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن وہ کوشش اس پیمانے پر کامیاب نہیں ہو سکی تھی جس پیمانے پر علاؤالدین کے عہد میں کامیاب ہوئی۔

بغاوتوں کی روک تھام: علاؤالدین کے بھتیجے اکت خاں کی بغاوت کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ پھر اس کے بھانجوں عمر خاں اور منگو خاں نے سرکشی اختیار کی۔ اور نئی بغاوتیں بھی ہوئیں۔ اس پر بادشاہ نے بغاوتوں کے اسباب دریافت کیے جن کی کیفیت یہ تھی:

۱۔ شراب نوشی۔

۲۔ ملک داری سے بے پروائی اور رعایا کے حالات سے بے خبری۔

۳۔ امیر لوگوں کی باہم رشتہ داریاں اور گہرا میل جول۔

۴۔ مال و دولت کی بہتات۔

یہ معلوم کرتے ہی اس نے حکم دے دیا کہ امیر بادشاہ سے اجازت لیے بغیر آپس میں رشتے ناطے نہ کریں۔ خفیہ پولیس کا انتظام اتنا عمدہ کر دیا کہ بادشاہ کو امیروں اور غریبوں سب کے گھروں کی خبریں برابر ملتی رہتی تھیں۔ تمام جائیدادیں اور جاگیریں سرکاری قبضے میں لے لیں اور حکم دے دیا کہ ہر شخص کو سہولت سے گزارے کے مطابق پیسے ملتے رہیں، باقی تمام رقمیں اور جنسیں سرکاری خزانے میں داخل ہو جائیں۔ اس سے ایک مقصد یہ تھا کہ امیروں اور غریبوں، زمینداروں اور کاشتکاروں میں ایک گونہ برابری پیدا ہو جائے۔ شراب، بھنگ، افیون اور نشے کی ہر چیز کا بنانا اور بیچنا بند کر دیا۔ خود شراب ایک دم چھوڑ دی۔ اس غرض کے لیے چاندی کے جتنے برتن پاس تھے، تڑوا دیے اور جتنی شراب ذخیرے میں تھی، زمین پر بہا دی۔

بدکاری اور رشوت کا انسداد: رشوت بالکل مٹا دی۔ شروع میں رشوت کا ہر مقدمہ وہ خود سنتا اور جرم ثابت ہونے پر مجرموں کو خوفناک سزائیں دیتا۔ بدکاری بہت بڑھ گئی تھی۔ علاؤالدین نے اپنے طور پر نہایت سخت سزائیں تجویز کر لیں۔ ایک مرتبہ اس سزا کے متعلق عالموں سے بات ہوئی تو انہوں نے ایک سزا کو خلاف شریعت بتایا۔ علاؤالدین نے کہا: میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، لیکن یہ

جانتا ہوں کہ بدکاری بہت بڑا گناہ ہے اور اسے ختم ہو جانا چاہیے۔ قیامت کے دن مجھ سے سوال ہو گا تو خدا کی بارگاہ میں عرض کروں گا کہ تیرے بندوں کی بھلائی اور خدمت کے سوا میری کوئی غرض نہ تھی۔

راستوں کی حفاظت: ملک میں بدامنی پیدا ہو جائے تو شریر لوگ چوریاں اور ڈاکے شروع کر دیتے ہیں۔ علاؤالدین نے ہر مقام پر چودھریوں اور مقدموں کو اپنے اپنے حلقے کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا۔ جہاں سے چوری یا ڈاکے یا خون کی واردات کی خبر ملتی، چودھریوں اور مقدموں کو پکڑ لیا جاتا۔ اس تدبیر سے تھوڑے ہی دنوں میں سارے ملک کا امن بحال ہو گیا۔ یہی تدبیر تھی جس سے بعد میں شیر شاہ سوری نے کام لیا اور یہی تدبیر مغلوں کے عہدِ اقبال میں ہر جگہ چلتی رہی۔

نرخ بندی: علاؤالدین کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے غلّے اور تمام دوسری جنسوں کے بھاؤ مقرر کر دیے۔ ہر جگہ سرکاری منڈیاں بنا دیں، جہاں مقررہ وقت پر مقررہ نرخوں کے مطابق تمام جنسیں بکتی تھیں۔ منڈیوں کی نگرانی کے لیے خاص آدمی مقرر کر دیے، کوئی دکاندار ایک دمڑی بھی زیادہ نہیں لے سکتا تھا۔

ہر بڑے مقام پر غلّے کے انبار خانے بنا دیے، جن میں جنسیں برابر جمع رہتیں اور منڈیوں میں مانگ کے مطابق پہنچائی جاتیں۔ بعض علاقوں میں سخت قحط پڑا، لیکن علاؤالدین نے جو بھاؤ پہلے سے مقرر کر دیے تھے، ان میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور نہ کسی جگہ اناج کی کمی کی شکایت پیدا ہوئی۔ نرخ بندی صرف غلّے تک محدود نہ رہی، بلکہ کپڑوں اور جانوروں، گھوڑوں وغیرہ کی قیمتیں بھی درجہ وار مقرر تھیں۔

ہمارے زمانے میں بھی راشن اور نرخ بندی کا نظام جاری ہوا۔ اگرچہ وسیع عملہ رکھا گیا لیکن عوام کے لیے علاؤالدین کے زمانے کی سہولتیں مہیا نہ ہو سکیں۔

علاؤالدین کے زمانے کی بعض جنسوں کے نرخ معلوم کرنے کے لیے ذیل کا نقشہ دیکھنا چاہیے۔

جنس	وزن	قیمت
گندم	ایک من	۵ ۱/۲ جیتل
جو	ایک من	۴ جیتل

دھان	ایک من	۵ جیتل
ماش	ایک من	۵ جیتل
چنا	ایک من	۵ جیتل
موٹھ	ایک من	۳ جیتل
کھانڈ	ایک سیر	۱ ۱/۳ جیتل
گڑ	ایک سیر	۱/۲ جیتل
مکھن	۲ ۱/۲ سیر	۱ جیتل
سرسوں کا تیل	۳ سیر	۱ جیتل
نمک	۲ ۱/۲ من	۵ جیتل ۵

تجارت کا نظام: علاؤ الدین کے زمانے میں تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہوا، اس لیے کہ راستوں پر لوٹ مار کا کوئی اندیشہ نہیں رہا تھا اور بیوپاری لوگ اپنا مال بے تکلف دُور دُور لے جاتے تھے۔ بادشاہ نے یہ انتظام بھی کر دیا تھا کہ بھروسے کے تاجروں کو باہر کے ملکوں یا دُور افتادہ علاقوں سے ضرورت کی چیزیں خرید کر منڈیوں تک پہنچانے کے لیے سرکاری خزانے سے پیشگی روپیہ دیا جائے۔ نیز تمام تاجروں کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے نام رجسٹر کرائیں اور اجازت نامے لیں، ان کے بغیر کسی کو تجارت کی اجازت نہ تھی۔

فوجی نظام: علاؤ الدین کی فتوحات اعلیٰ فوجی نظام کا نتیجہ تھیں جس کی درستی پر اس نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر توجہ رکھی۔ اس سلسلے میں دو اصلاحات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ ابتدا سے فوجی خدمات کے لیے جاگیریں دینے کا دستور تھا۔ امیروں کو وسیع علاقے دے دیے جاتے اور ان کے مالیہ کے مطابق کہہ دیا جاتا کہ اتنی فوج رکھی جائے۔ تن آسان اور حق شناس امیروں نے آہستہ آہستہ یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ علاقے کا مالیہ کھاتے رہتے۔ جب ضرورت پڑتی، جلدی میں اِدھر اُدھر سے آدمی جمع کر کے گنتی پوری کر دیتے۔ علاؤ الدین نے جاگیریں موقوف کر دیں ان کی جگہ سپاہیوں او سواروں کے لیے نیز سواری کے گھوڑوں کے لیے تنخواہیں مقرر کیں۔ اس طرح فو

میں باقاعدگی پیدا ہوگئی۔

۲۔ نوکری کے گھوڑوں کی پہچان کا کوئی خاص نشان نہ تھا۔ علاؤالدین نے ''داغ'' کا طریقہ جاری کیا، جو اس کے بعد برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ انگریزی رسالے کے گھوڑے بھی داغے جاتے تھے۔ اس طرح بددیانتی کا دروازہ بند ہوگیا۔

وفات: غرض علاؤالدین اپنے بعض عیبوں کے باوجود بڑا پادشاہ تھا۔ سپہ گری اور ملکی انتظام کی صلاحیتیں بہت کم جمع ہوتی ہیں۔ علاؤالدین جیسا بڑا سپہ سالار تھا، ویسا ہی بڑا مدبّر اور منتظم تھا۔ اگر رعایا کے امن اور آسائش کا پیمانہ سامنے رکھ کر اندازہ کیا جائے تو اس جیسے پادشاہ ہندوستان میں بہت کم نکلیں گے۔

آخری عمر میں بیمار ہوا۔ اس بیماری میں دماغ پر بھی اثر پڑا اور مزاج میں چڑچڑاپن بہت آ گیا۔ ملک کافور کے سوا اپنے پرائے ہر ایک سے اعتبار اٹھ گیا۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر کافور نے دو قابل بیٹوں یعنی خضر خاں اور شادی خاں سے بھی بدگمان کر دیا۔ چنانچہ ان دونوں کو گوالیار میں قید کر دیا گیا۔ ۲ جنوری ۱۳۱۶ء کو علاؤالدین نے وفات پائی۔

کافور کی نمک حرامی: ملک کافور نے علاؤالدین کے چھوٹے بیٹے عمر خاں کو جس کی عمر صرف چھ برس کی تھی، شہاب الدین کے لقب سے پادشاہ بنایا۔ خضر خاں اور شادی خاں کی آنکھوں میں سلائی پھروادی۔ پادشاہ بیگم ملکہ جہاں کے سارے جواہرات اور زیور چھین کر اسے قید میں ڈال دیا اور عہد علائی کے بہادر و وفادار امیروں کو ایک ایک کر کے اونچے عہدوں سے الگ کر دیا۔ صرف ایک شہزادہ مبارک خاں کسی طرح اس ظالم کے ہاتھ سے بچ گیا۔ آخر ملک کافور مارا گیا اور شہزادہ مبارک خاں، قطب الدین مبارک شاہ کے لقب سے پادشاہ بنا۔

مبارک شاہ ۱۳۱۶ء۔۱۳۲۱ء: مبارک شاہ کی سلطنت کا آغاز اچھا ہوا۔ گجرات اور دکن میں شورشیں اٹھیں، انہیں بڑی مستعدی سے دبا دیا گیا۔ جب ہر طرف امن ہوگیا تو مبارک شاہ عیش و عشرت میں اس طرح غرق ہوگیا کہ ملک داری کا کوئی ہوش ہی نہ رہا۔ گجرات سے ایک نیچ ذات ہندو اس کے دربار میں پہنچ گیا تھا جو مسلمان ہوگیا۔ مبارک شاہ نے اسے خسرو خاں کا خطاب دے کر اپنا خاص مصاحب بنا لیا۔ پھر تھوڑے ہی دنوں میں سیاہ و سفید کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اس بے درد نے پادشاہ کو غافل پایا تو دہلی میں اپنے ماتحت ہندو راج قائم کر دینے کی ٹھان

لی۔ موقع پا کر خسرو نے مبارک شاہ سے حکم لے کر اس کے بھائیوں کو قتل کر دیا۔ بعد میں مبارک شاہ کو ٹھکانے لگایا اور خود بادشاہ بن گیا۔ اتنے ظلم کیے کہ دہلی کی سرزمین سراپا فریاد بن گئی۔ آخر غازی ملک تغلق نے ہمت کر کے خسرو کو شکست دی۔ وہ گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ غازی ملک غیاث الدین تغلق کے لقب سے دہلی کا بادشاہ بنا۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ تاتاریوں کے ہاں لشکروں کا حساب "تمن" کی بنا پر ہوتا تھا۔ ہر "تمن" میں دس ہزار جنگجو ہوتے تھے۔ زیر بحث لشکر کے پندرہ تمن تھے۔ یعنی ڈیڑھ لاکھ۔

۲ برن بلند شہر کا پرانا نام تھا۔ اسی علاؤ الملک کا بھتیجا ضیاء الدین برنی تھا، جس نے "تاریخ فیروز شاہی" لکھی۔

۳ یہ کارومنڈل کا عربی نام ہے۔

۴ دوار سمدر کو آج کل ملی بید کہتے ہیں یہ کسی زمانے میں میسور کا دارالحکومت تھا۔ آج کل بھی ریاست میسور ہی میں ہے۔

۵ صحیح حساب کے لیے یہ جان لینا چاہیے کہ علائی عہد کا سیر ۲۴ تولے کا تھا اور اس وجہ سے من ہمارے زمانے کے بارہ سیر کے برابر تھا۔ جیتل تانبے کا ایک سکہ تھا جس کی قیمت ہمارے زمانے کے سوا پیسے یا چار پائی کے برابر تھی۔ [یہ حساب پچاس کی دہائی میں لکھا گیا تھا۔ ۱۹۶۱ء سے پاکستان میں اوزان اور قیمتوں کا اعشاری نظام رائج ہے۔ آج کل کا ایک کلو، ایک سیر سے تقریباً ۱۰۰ گرام زیادہ ہے۔ علائی عہد کا سیر کم وزن کا تھا اس لیے سمجھنا چاہیے کہ اُس دور کا سیر آج کے تقریباً ۲۵۰ گرام کے برابر ہوا۔ یعنی ایک کلو تقریباً ۴ علائی سیر کے برابر ہوا۔ ادارہ]

گیارہواں باب

تغلق سلطان

(۱۳۲۱ء۔۱۴۱۲ء)

غیاث الدین تغلق (۱۳۲۱ء۔ ۱۳۲۵ء): غازی ملک نے سندھ کے حاکم کے پاس معمولی سپاہی کی حیثیت میں ملازمت شروع کی تھی۔ پھر سواروں میں شامل ہو کر محض خداداد صلاحیتوں کی بنا پر ترقی کرتے کرتے پنجاب کا حاکم بن گیا، جو تاتاریوں کے حملوں کا نشانہ بنا ہوا تھا اور جہاں کی حکومت صرف اس شخص کو دی جاتی تھی، جس کی وفاداری، جوانمردی اور کاردانی کا پورا امتحان کر لیا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ تاتاریوں کے خلاف اس نے چھوٹی بڑی انتیس لڑائیاں کیں اور سب میں فتح مند رہا۔ انہیں شاندار کارناموں کی بنا پر "غازی ملک" کا خطاب پایا۔

ملک کا انتظام اور مہم دکن: تخت پر بیٹھا تو خسرو کی مختاری اور بادشاہی میں ملکی انتظام کا شیرازہ بڑی بُری طرح بکھر چکا تھا۔ اسے نئے سرے سے درست کرنے کے لیے حسنِ تدبیر، دُور اندیشی، پامردی اور احتیاط کی ضرورت تھی۔ غازی ملک میں یہ تمام خصوصیتیں موجود تھیں اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نیک دل، خدا ترس اور حلیم آدمی تھا۔ انتظامات کی چول جلد اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور مرکزی بادشاہی کا رعب داب بحال ہو گیا۔

مبارک شاہ کے آخری زمانے میں تلنگانہ کے راجا نے خراج دینا بند کر دیا تھا، لہٰذا سب سے پہلے غیاث الدین نے اس کی طرف توجہ کی اور اپنے فرزند جونا خاں کو فوج دے کر تلنگانہ کی راجدھانی وارنگل بھیجا۔ بڑی خون ریز لڑائی ہوئی لیکن ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ غالباً دشمن نے شاہی فوج میں یہ افواہ اُڑا دی کہ دہلی میں غیاث الدین تغلق کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس پر فوج کے بعض سرداروں نے لڑائی چھوڑ دی اور محاصرہ اٹھانا پڑا۔

۱۳۲۳ء میں جونا خاں دوبارہ فوج لے کر وارنگل گیا۔ راجا نے ہتھیار ڈال دیے۔ سارا تلنگانہ مسخر ہو گیا۔ وارنگل کا نام "سلطان پور" رکھا گیا لیکن یہ نام مشہور نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ آصف جاہی دور میں بھی نہ محض مقام بلکہ صوبے کا نام بھی وارنگل ہی رہا۔

بنگال کی شورش: ۱۳۲۴ء میں بنگال میں شورش اٹھی، تو غیاث الدین نے مرکز کا انتظام اپنے ولی عہد کے حوالے کیا اور خود فوج لے کر بنگال پہنچا۔ جو شخص شورش کا ذمہ دار تھا، اسے قید کر کے دہلی بھیجا اور ناصر الدین کو وہاں کا حاکم بنایا۔ واپس لوٹا تو ترہٹ[1] کے راجا سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ راجا بھاگ کر جنگل میں جا چھپا۔ غیاث الدین نے جنگل کی کٹائی کا حکم دے دیا اور پہلے اپنے ہاتھ سے چند درخت کاٹ کر گرائے۔ ترہٹ فتح ہوگیا اور راجا پکڑا گیا۔

سلطان کی وفات: بنگال سے واپسی کے وقت سلطان نے فوج کو پیچھے چھوڑا اور خود تھوڑے سواروں کے ساتھ دہلی پہنچ گیا۔ شہزادہ ولی عہد نے شہر سے چھ میل کے فاصلے پر دریا کے کنارے سلطان کے استقبال کے لیے لکڑی کا ایک سائبان بنوایا تھا۔ طے یہ ہوا تھا کہ سلطان رات سائبان میں گزارے، صبح کے وقت اس کی سواری دھوم دھام سے جلوس کی شکل میں روانہ ہو اور شہر کے بڑے بازاروں سے گزرتی ہوئی محل میں پہنچے۔

غیاث الدین نے رات سائبان میں گزاری۔ صبح کے وقت جلوس سے پیشتر ناشتہ کیا، جس میں شہزادہ ولی عہد اور تمام بڑے بڑے امیر شریک تھے۔ شہزادہ اور امیر ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اس لیے جلد جلد باہر نکلے کہ سلطان کے سوار ہونے سے پہلے اپنے اپنے لشکروں میں پہنچ جائیں اور جلوس کے لیے تیار ہو جائیں۔ شہزادہ جونا خاں ان ہاتھیوں اور گھوڑوں کا معائنہ کر رہا تھا جو سلطان کی خدمت میں بطور نذر پیش کرنے کے لیے فراہم کیے گئے تھے۔ اس اثنا میں اچانک سائبان کی چھت گر گئی اور سلطان اپنے پانچ رفیقوں سمیت نیچے دب گیا۔ ان میں سلطان کا چھوٹا بیٹا محمود بھی تھا۔ ملبہ اٹھایا گیا تو سب جاں بحق ہو چکے تھے۔

اتفاقات کی بنا پر واقعہ کی شکل ایسی بن گئی، جس سے بعض لوگوں کے دل میں وسوسہ پیدا ہوگیا، کہ شہزادہ ولی عہد نے ساز باز کر کے سائبان گروایا تا کہ باپ مر جائے اور تخت اسے مل جائے، لیکن یہ وسوسہ بالکل بے اصل تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کے دوڑنے کی دھمک سے سائبان گر پڑا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہاتھی اتفاقیہ سائبان سے ٹکرا گئے تھے۔ چوں کہ واقعہ آناً فاناً پیش آیا اس لیے کسی کو اصل سبب کا پتہ نہ لگ سکا۔

غیاث الدین کی سیرت: غیاث الدین نیک دل بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں ملک کا انتظام اچھا رہا۔ رعایا کو امن چین ملا۔ فوج کا انتظام بہتر ہوگیا۔ خسرو نے اپنے ساتھیوں کو اندھا دھند

جاگیریں بانٹ دی تھیں، وہ سب واپس لے لی گئیں۔ اسے اپنے لشکریوں سے بڑی محبت تھی۔ چوں کہ معمولی سپاہی سے اٹھ کر تختِ شاہی پر پہنچا تھا، اس لیے ہر طبقے کی ضرورتوں کو خوب جانتا تھا اور انہیں پورا کرنے کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اس وجہ سے لشکری بھی اس پر جانیں نثار کرتے تھے۔

خلجی خاندان کی بیگمات کو خسرو کے عہد میں بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں۔ غیاث الدین نے ان کی دل جوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سب کے لیے عزت اور فارغ البالی کے ساتھ رہنے کا انتظام کر دیا۔

ہاتھ کا بڑا سخی تھا لیکن ہمیشہ مستحق لوگوں کو روپے دیتا اور صرف اتنے روپے دیتا کہ ان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور آرام سے رہیں، نہ کہ تن آسانی اور عیاشی میں پڑ جائیں۔ درسگاہوں کو کھلے دل سے امداد دیتا۔ خدا پرست درویشوں کو نذرانے بھیجتا۔ بھیک مانگنے کو بہت بُرا سمجھتا تھا۔ اگرچہ صرف چار برس بادشاہ رہا لیکن اپنے پیچھے نیک نام چھوڑ گیا۔

تغلق آباد: دہلی کے بادشاہوں میں ایک دستور یہ ٹھہر گیا تھا کہ ہر بادشاہ یا ہر خاندان اپنے لیے الگ محل بناتا۔ اس کے آس پاس امرا اور فوجی ملازموں یا خادموں کے مکان تعمیر ہو جاتے، بازار لگ جاتا، اس طرح خاصی آبادی کی صورت پیدا ہو جاتی۔ چنانچہ علاؤالدین خلجی نے ''سیری'' میں محل بنایا تھا۔ غیاث الدین نے رائے پتھورا کی دہلی (موجودہ قطب صاحب) سے تھوڑے فاصلے پر تغلق آباد کی بنیاد رکھی جس کے آثار اب تک موجود ہیں۔

سلطان محمد تغلق ۱۳۲۵ء۔ ۱۳۵۱ء: غیاث الدین کے بڑے فرزند کا نام جونا خاں تھا۔ بادشاہ بننے کے بعد باپ نے الغ خاں کا لقب دیا تھا۔ وہ سلطان محمد شاہ تغلق کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا۔ حکومت کی باگ اسی وقت ہاتھ آ گئی تھی جب باپ اسے مختار بنا کر بنگال گیا تھا۔ واپس لوٹا تو محل میں پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ محمد تغلق نے بڑی شان و شوکت سے تخت نشینی کی رسم ادا کی۔ جلوس نکلا تو مخلف امیروں کو حکم دے دیا کہ ہاتھیوں پر سوار ہوں، روپوں، اشرفیوں کے تشت پاس رکھ لیں اور مٹھیاں بھر بھر کر ہر طرف پھینکتے جائیں۔ دولت کی اس بارش میں ہزاروں غریبوں کو خاصی بڑی رقمیں مل گئیں اور وہ آسودہ حال بن گئے۔

بادشاہ کی خصوصیات: محمد تغلق کی شخصیت تاریخ کے عجائبات میں سے ہے۔ علم و فضل میں اونچا پایہ اسے حاصل تھا کہ عالمگیر کو چھوڑ کر ہندوستان کے بادشاہوں میں وہ بالکل یگانہ تھا۔ فارسی

اور عربی ادب پر اسے پورا عبور تھا۔ دونوں زبانوں میں تحریر اتنی اچھی تھی کہ بڑے بڑے عالم اسے دیکھ کر رشک کھاتے تھے۔ حافظہ نادر تھا۔ جو کتاب ایک مرتبہ دیکھ لی، اس کا حرف حرف ذہن میں پیوست ہو گیا۔ جو بات ایک مرتبہ سن لی، عمر بھر نہ بھولی۔ دونوں زبانوں کے ہزاروں شعر یاد تھے اور برجستہ پڑھتا تھا۔ گفتگو اتنی شیریں اور پر تاثیر ہوتی تھی کہ جو شخص پاس بیٹھ جاتا، اس کا جی چاہتا کہ برابر باتیں سنتا رہے۔ ادب کے علاوہ فلسفہ، منطق، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، الٰہیات وغیرہ تمام علوم کا ماہر تھا۔ یہاں تک کہ طب بھی باقاعدہ پڑھی اور اس میں اتنا کمال پیدا کر لیا کہ بیماروں کا علاج کرتا تھا۔ پھر پکا مسلمان، چھوٹے سے چھوٹے دینی حکم کی پیروی بھی پورے اہتمام سے کرتا تھا۔ ہاتھ اتنا کشادہ تھا کہ گویا اسے بخشش و نوازش کا بہتا دریا کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ بعض موقعوں پر ایک ایک شخص کو ایک ہی وقت میں لاکھوں روپے دے دیتا۔

ان غیر معمولی خوبیوں کے ساتھ طبیعت میں ضد بہت تھی۔ غور و فکر کے بعد ایک رائے قائم کر لیتا تو فوراً اس پر عمل شروع کرا دیتا۔ پھر یکایک یہ رائے بدل جاتی تو پلٹ کر اس کے برعکس حکم دے دیتا۔ اس خود رائی اور تلون کی وجہ سے کئی کام بگڑ گئے۔ محمد تغلق نے کئی نئی سکیمیں جاری کیں، عمدہ تجویزیں سوچیں، لیکن چوں کہ ان پر ٹھیک ٹھیک عمل نہ کرا سکا اس لیے وہ ناکام رہیں۔ بار بار کی ناکامیوں سے اس کی طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہو گیا۔ اس حالت میں اس نے لوگوں کو سخت سزائیں دیں۔

مؤرخوں کی رائیں: محمد تغلق کے متعلق تاریخ دانوں کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض اسے دیوانہ اور مجنون کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ دماغ بہت اچھا تھا، لیکن اس میں اپنی تجویزوں کے مطابق عمل کرانے کی صلاحیت موجود نہ تھی۔ حال میں بعض اصحاب نے خیال ظاہر کیا کہ وہ ایسے وقت میں پیدا ہوا کہ لوگوں کو اس کے نادر دماغی جوہروں کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر چند صدیاں بعد پیدا ہوتا تو بڑے کامیاب بادشاہوں میں شمار ہوتا، لیکن ظاہر ہے کہ ہر شخص کی خوبیوں کا اندازہ صرف اس بنا پر کیا جا سکتا ہے، کہ خوبیاں کس کس رنگ اور کس کس طریقے میں نمایاں ہوئیں اور اس کی زندگی کے اعمال کا مجموعی نتیجہ اچھا ہے یا نہیں۔ ہمارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ محمد تغلق جیسے علمی اور دماغی کمالات والے بادشاہ سے جیسے کارناموں کی توقع تھی، وہ بن نہ آ سکے۔ اس کا سبب خواہ یہ سمجھ لیا جائے کہ اسے اچھے کارکن نہ مل سکے یا یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ مستقل مزاج آدمی نہ تھا اور

سکیمیں سوچنے میں اسے جو ملکہ حاصل تھا، ویسا ملکہ ان کو جامہ عمل پہنانے میں حاصل نہ ہو سکا۔

ملکی پالیسی: سلطان محمد کی ملکی پالیسی رعایا کی عام بہبود پر مبنی تھی اور اس میں کسی فرقے یا طبقے یا گروہ کے لیے کوئی امتیاز نہیں تھا۔ بعض غیر مسلموں کو اس نے قابلیت کی بنا پر اونچے عہدے دیے۔ طبیعت تعصب اور تنگ نظری سے پاک تھی۔ چوں کہ خود اونچے پایے کا عالمِ دین تھا اس لیے عام مفتیوں اور قاضیوں کے فیصلوں یا حکموں پر آنکھیں بند کر کے عمل نہیں کرتا تھا بلکہ خود ہر فیصلے اور حکم کے درست یا نادرست ہونے کا اندازہ کرتا تھا۔ عدل و انصاف میں چھوٹے یا بڑے، امیر یا غریب اس کی نظر میں برابر تھے۔ عالموں یا قاضیوں سے بھی غلطیاں ہوتیں، تو ان کے ساتھ قانون کے مطابق برتاؤ کرتا۔

تخت نشینی کے آغاز میں ہر طرف امن تھا۔ مالیہ اور خراج باقاعدہ وصول ہوتے تھے خزانے میں روپے کی اتنی بہتات تھی کہ دریا دل پادشاہ کی عام سخاوتوں کے باوجود روپے کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ پھر نئے نئے قاعدے اور ضابطے جاری ہونے لگے۔ جن کی وجہ سے انتظام میں خلل پیدا ہوتا گیا۔

تاتاریوں کا حملہ ۱۳۲۹ء: ۱۳۲۹ء میں تاتاری بڑا لشکر کے ہندوستان پر چڑھ آئے اور کئی قلعے فتح کر لیے۔ سلطان ان کے مقابلے پر نکلا تو وہ پیچھے لوٹ گئے۔ سلطانی لشکر نے کلانور تک ان کا پیچھا کیا۔

تاتاری ساٹھ ستر برس سے سلطنتِ ہند کے لیے ایک خوف ناک مصیبت بنے ہوئے تھے۔ اب تک یہی ہوتا رہا کہ وہ جب ملک میں داخل ہوتے، ان کا مقابلہ کیا جاتا۔ سلطان محمد نے سارے حالات پر غور کر کے یہ تجویز سوچی کہ کیوں نہ ہندوستان سے آگے بڑھ کر خراسان اور وسط ایشیا کو فتح کر لیا جائے۔ اس طرح اس سرچشمے کو بند کر دیا جائے، جہاں سے آئے دن بلاؤں کے سیل آتے رہتے ہیں۔ جو خراسانی امیر تاتاریوں کے ظلموں سے تنگ آ کر ہندوستان چلے گئے تھے، انہوں نے بھی پادشاہ کو یہی ترغیب دی۔ یہ تجویز ہر لحاظ سے معقول تھی اور ہندوستان کی حفاظت کے لیے آگے بڑھ کر مورچہ بنا لینے میں اس ملک کا سراسر فائدہ تھا۔ خراسان میں خاصی ابتری پیدا ہو چکی تھی، اس لیے اسے فتح کر لینا مشکل نہ تھا۔ پھر مصر کا پادشاہ محمد تغلق کا دوست تھا اور اس بات کے لیے تیار تھا کہ محمد تغلق ہندوستان سے پیش قدمی کرے تو پادشاہِ مصر دوسری سمت سے

چڑھائی کرے۔

اس غرض کے لیے محمد تغلق نے تین لاکھ ستر ہزار کا بھاری لشکر تیار کیا اور ایک برس تک اس لشکر کو خزانے سے تنخواہ ملتی رہی۔ پھر خراسان اور وسط ایشیا کے حالات بدل گئے اور حملے کی سکیم کھٹائی میں پڑ گئی۔

تانبے کی اشرفیاں اور نوٹ: تین لاکھ ستر ہزار کے لشکر کو ایک برس تک مفت تنخواہ دینے کے باعث خزانہ خالی ہو گیا۔ محمد تغلق نے مالی پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کی اسکیم یہ سوچی کہ ۱۳۳۰ء میں سونے کے بجائے تانبے کی اشرفیاں چلا دیں۔ سکّے کی قیمت اعتباری ہوتی ہے۔ حکومت جس دھات پر اپنا ٹھپہ چاہے لگا دے اور اس کے لیے جو قیمت چاہے مقرر کر دے، لیکن چوں کہ نکسال کا انتظام ٹھیک نہ تھا اور تانبا ہر شخص کو بآسانی مل سکتا تھا، اس لیے کثرت کے ساتھ جعلی اشرفیاں بننے لگیں۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ہر ہندو کا گھر نکسال بن گیا اور جعلی اشرفیوں کا سیل بہ نکلا۔ مجبور ہو کر سلطان کو تانبے کی اشرفیاں روکنی پڑیں اور ان کے بدلے میں سونے اور چاندی کے سکے لوگوں کو دیے گئے۔ اس طرح خزانے پر اور بوجھ پڑ گیا۔ غالباً اسی زمانے میں کاغذی نوٹ جاری کیے گئے جو ہندوستان سے پہلے چین میں رائج تھے۔ غیر ملکی تاجروں نے نوٹوں کو لینے سے انکار کر دیا اور ملکی لوگ بھی انہیں قبول کرنے میں ہچکچاتے تھے۔ ان وجوہ سے یہ سکیم بھی ناکام ہو گئی۔

پائے تخت کی تبدیلی ۲۷۔۱۳۲۶ء: سلطان محمد تغلق کو دیوگری کا مقام اتنا پسند آیا کہ اسے ہندوستان کا دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اس شہر کا نام بدل کر دولت آباد رکھ دیا۔ پائے تخت کی تبدیلی بجائے خود قابلِ اعتراض نہ تھی۔ سلطان اگر دولت آباد میں جا کر ٹھہرتا تو ملکی دفتر اور اس کے ساتھ سرکاری کارندے، بڑے بڑے امیر درباری اور افسرانِ فوج خود وہاں پہنچ جاتے۔ ا سب لوگوں نے یا بعض نے غالباً دہلی کو چھوڑنے میں تامل کیا۔ سلطان نے حکم دے دیا کہ دہلی کی پوری آبادی دولت آباد چلی جائے۔ اس غرض کے لیے ایک تاریخ مقرر کر دی جس کے بعد کسی کے لیے دہلی میں رہنے کی اجازت نہ تھی۔ اگرچہ سفر کے لیے ہر قسم کی سہولتیں حکومت نے مہیا کر دی تھیں لیکن مرضی کے خلاف اٹھنے اور دُور دراز کا فاصلہ طے کرنے میں عوام کو بڑی تکلیفیں پیش آئیں۔ بہت سے آدمی دولت آباد پہنچنے سے پہلے ہی مر گئے۔ بہت سے ایسے تھے جنہیں دولت آباد کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ پھر خود ہی یہ تجویز ترک کر دی۔

تبدیلی کی وجہ کیا تھی؟ پائے تخت کو بدلنے کی وجہ کے متعلق رائیں مختلف ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تاتاریوں کی یورشوں کے باعث دہلی خطرے کی حد میں آ گیا تھا اور پائے تخت ایسی جگہ ہونا چاہیے تھا، جہاں کوئی خطرہ نہ ہوتا۔ بعض مؤرخوں کا خیال ہے کہ دہلی کے بجائے دولت آباد سلطنت کا صحیح مرکزی مقام تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلطان کو دولت آباد کی آب و ہوا زیادہ پسند آ گئی تھی، لیکن تمام حالات پر ٹھیک ٹھیک غور کیا جائے تو زیادہ پختہ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شمالی ہند میں اسلامی حکومت کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں، اس کے برعکس دکن میں مسلمانوں کو پہنچے ہوئے صرف پندرہ بیس برس ہی ہوئے تھے۔ محمد تغلق کا خیال ہوگا کہ اگر پائے تخت دولت آباد میں رہے گا تو دکن میں مخالف عنصروں کو دبا کر اسلامی فتوحات کو زیادہ پائیدار بنا لینا آسان ہوگا اور وہاں کے انتظامات بھی اپنی مرضی کے مطابق چلائے جا سکیں گے۔

دوآبہ میں مالیہ بڑھا دیا گیا: گنگا اور جمنا کا دوآبہ ابتدا سے بڑا زرخیز تھا اور وہاں کے لوگ آئے دن سرکشی کرتے رہتے تھے۔ سلطان نے انہیں راہِ راست پر لانے کی تدبیر یہ سوچی کہ مالیہ بڑھا دیا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں بارش کی قلت کے باعث قحط پڑ گیا اور لوگ سخت بدحال ہو گئے۔ سلطان نے ان کی اور دوسرے قحط زدہ علاقوں کی امداد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کے لیے غلہ فراہم کیا، کنوئیں لگوائے تاکہ فصلوں کی آبپاشی میں سہولت رہے، تقاوی پر رقمیں دیں۔

دوآبہ میں مختلف لوگ مالیہ بڑھنے اور قحط پڑنے کے باعث کھیتی باڑی چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے۔ انہیں گزارے کی کوئی شکل نظر نہ آئی تو ڈاکے ڈالنے لگے۔ اس طرح مختلف حصوں میں بدامنی کی فضا پیدا ہونے لگی۔

ہمالیہ کے پہاڑی علاقوں پر حملہ: چوں کہ ہمالیہ کے پہاڑی علاقوں نے اطاعت قبول نہیں کی تھی، اس لیے سلطان نے ان کی تسخیر کے لیے ایک فوج بھیجی۔ یہ نگرکوٹ (کانگڑہ) اور آس پاس کے علاقے تھے۔ جنہیں "قرہ چل" یا "ہما چل" کہتے تھے۔ یہی حملہ ہے جسے بعض مؤرخوں نے "ہما چل" کے اصل جغرافیائی موقع سے بے خبری کے باعث یہ سمجھ لیا کہ محمد تغلق نے چین کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

فوج ضروری ساز و سامان سے لیس تھی اور افسروں کو تاکید کر دی گئی تھی کہ راستے میں جگہ جگہ چوکیاں قائم کرتے ہوئے آگے بڑھیں، تاکہ رسد کے پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ مگر

کوٹ (کانگڑہ) اور آس پاس کے علاقوں کو فتح کرتی ہوئی فوج جوشِ تہور میں بہت آگے بڑھ گئی۔ پھر برسات کا موسم آ گیا اور رسد ملنی بند ہو گئی۔ نیز فوج میں وبا پھیل گئی۔ بہت سے سپاہی پہاڑی درّوں میں سیلاب کی نذر ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر پہاڑی باشندے چھاپے مارنے لگے اور فوج کا بڑا حصہ راستے ہی میں ختم ہو گیا۔

شورشوں کا آغاز: محمد تغلق کی حکومت کے ابتدائی دس سال بہ حیثیت مجموعی اطمینان سے گزر گئے۔ پھر شورشیں پھوٹ پڑیں۔ سب سے پہلے ہندوستان کے جنوبی گوشے میں بغاوت ہوئی۔ سلطان مستعدی سے دکن پہنچا۔ تلنگانہ سے آگے نہیں بڑھا تھا کہ لشکر میں ہیضے کی وبا شروع ہو گئی اور پیش قدمی یکا یک رُک گئی۔ یہ ۱۳۳۵ء کا واقعہ ہے۔

اس سے اگلے برس مشرقی بنگال میں فتنہ اٹھا جس کا علم دار فخر الدین تھا۔ سلطان نے فخر الدین کو شکست دی، لیکن فتنہ نہ رُک سکا اور وہاں مستقل حکومت قائم ہو گئی جس کا تعلق دہلی کے مرکز سے ٹوٹ گیا۔

۱۳۴۰ء میں اودھ کے حاکم عین الملک نے بغاوت کی۔ سلطان نے اسے شکست دی۔ عین الملک اور اس کے ساتھی گرفتار ہو گئے۔ باقی شورشیوں کو موت کی سزا دی گئی، لیکن عین الملک کو پرانی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے معاف کر دیا گیا۔

پھر سندھ میں بدامنی پیدا ہو گئی۔ سلطان خود فوج لے کر سندھ پہنچا اور فتنہ انگیزوں کو تتر بتر کر دیا۔ پنجاب میں ملک بہرام ایبہ حاکمِ ملتان نے سرکشی اختیار کی جسے غیاث الدین تغلق نے مُنہ بولا بھائی بنا رکھا تھا۔ وہ لڑائی میں مارا گیا۔ سلطان چاہتا تھا کہ اس بغاوت کی پاداش میں اہلِ ملتان کا خون بہائے لیکن حضرت شیخ رکن الدینؒ کی سفارش سے انہیں معافی دے دی۔

دکن کی علیحدگی: ان بغاوتوں کو فرو کرنے میں روپیہ اور وقت بھی صرف ہوا، خلق خدا کا خون بھی بہا اور ملکی انتظام کو بھی یقیناً نقصان پہنچا۔ آخر دکن بھی بنگال کی طرح الگ ہو گیا۔ وہاں دو بڑی خود مختار سلطنتیں بن گئیں۔ ایک علاؤ الدین حسن بہمنی کی، جو عام طور پر بہمنی سلطنت کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری وجے نگر کی، جس کے بانی کا نام ہری ہر تھا۔ ان کے حالات آئندہ چل کر بیان ہوں گے۔

دربارِ خلافت سے خلعت اور فرمان: سلطان شمس الدین التتمش کو عباسی خلیفہ نے بغداد سے خلعت و فرمان بھیجے تھے۔ پھر بغداد کو ہلاکو نے تباہ کر ڈالا۔ عباسی خلافت مٹ گئی۔ خاندان کے

بعض لوگ مصر پہنچ گئے جہاں کے مملوک حکمرانوں نے قاہرہ میں خلافت کا مرکز قائم کر کے عباسیوں میں سے ایک کو خلیفہ بنا دیا۔

۱۳۴۳ء میں حاجی سعید مصری قاہرہ کے دربارِ خلافت سے ہندوستان پہنچے اور سلطان محمد تغلق کے لیے ایک فرمان، ایک پرچم، ایک خلعت اور "ناصر المومنین" کا خطاب لے کر آئے۔ سلطان نے ان کے اعزاز میں شہر کو آراستہ کرایا۔ پھر خاص درباریوں اور سادات و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر حاجی صاحب کا استقبال کیا۔ رخصت کرتے وقت قیمتی تحفوں کے علاوہ ایک بیش بہا گوہر پیش کیا، جیسا گوہر شاہی خزانہ میں دوسرا نہ تھا۔ بعد میں بھی دو تین مرتبہ خلیفہ کی طرف سے فرمان آئے اور یہ سلسلہ محمد تغلق کے جانشین فیروز تغلق کے زمانے میں بھی جاری رہا۔

وفات: گجرات میں طغی کی بغاوت کی اطلاع پہنچی تو سلطان خود فوج لے کر وہاں گیا۔ طغی بھاگ کر سندھ کی طرف چلا گیا۔ سلطان نے اس کے تعاقب میں ٹھٹہ کی طرف پیش قدمی کی۔ خراسان کے حاکم نے بھی سلطان کے ساتھ دوستی کی بنا پر تاتاریوں کا ایک لشکر امداد کے لیے سندھ بھیج دیا۔ سلطان کی صحت اچھی نہ تھی، لیکن دسویں محرم کا روزہ رکھ لیا۔ افطار کے وقت مچھلی کھالی اور بیمار ہو گیا۔ اسی بیماری میں ۲۱ محرم ۷۵۲ھ (۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء) کو ٹھٹہ کے قریب وفات پائی۔

سلطان کے مزاج اور طبیعت کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی مختلف سکیمیں ناکام رہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض سکیمیں خلافِ اُمید نک رکاوٹوں کی وجہ سے ناکام ہوئیں۔ مثلاً جنوبی ہند میں بغاوت اس وجہ سے فرو نہ ہو سکی کہ سلطان کی فوج میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ "ہما چل" کی مہم میں فوج اس لیے تباہ ہوئی کہ سپہ سالار جوشِ میں آگے بڑھتا گیا اور اس نے موسم کا خیال نہ رکھا۔ خراسان پر حملہ اس لیے نہ ہو سکا کہ جن حالات کی بنا پر حملے کی سکیم تیار ہوئی تھی، وہ بدل گئے۔ یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ شورش جہاں کہیں اٹھی، سلطان اسے دبانے کے لیے ہر مقام پر خود پہنچا۔ وہ بنگال گیا، دکن گیا، پنجاب آیا، گجرات گیا۔ چہ بیمار ہو گیا تھا لیکن ذرا صحت پاتے ہی سندھ چلا گیا۔ وہیں فوت ہوا۔ گویا حکمرانی کے فرائض بجالانے میں اُس نے ذاتی آرام کی مطلق پروا نہ کی۔

بطوطہ: محمد تغلق کے عہد میں باہر سے بہت آدمی ہندستان آئے لیکن ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر مشہور عالم سیاح ابنِ بطوطہ ہے جس کی کتاب میں چودھویں صدی کے ہندوستان کے

متعلق معلومات کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

ابنِ بطوطہ کا نام "محمد" اور کنیت، ابوعبداللہ تھی۔ فروری ۱۳۰۴ء میں طنجہ[۲] (مراکش) میں پیدا ہوا۔ اکیس برس کی عمر میں سیاحت کے لیے گھر سے نکلا۔ شمالی افریقہ، مصر، شام، حجاز، ایشیائے کوچک، کریمیا، ترکستان، افغانستان وغیرہ ہوتا ہوا ستمبر ۱۳۳۳ء میں ہندوستان پہنچا۔ سلطان نے اسے دہلی کا قاضی بنا دیا تھا۔ آٹھ برس سلطان کے پاس رہا۔ پھر اسے ایک سفارت کے ساتھ چین بھیجا گیا جہاں سے واپس آ کر وہ پچیس برس کے بعد ۱۳۴۹ء میں وطن پہنچا۔ ۷۳ برس کی عمر پا کر ۷۸۔۱۳۷۷ء میں فوت ہوا۔ اس نے اپنے سفرنامے میں ذاتی مشاہدات کی بنا پر ہندوستان کے جو حالات لکھے ہیں، ان سے محمد تغلق کے عہد پر عمدہ روشنی پڑتی ہے۔

فیروز شاہ تغلق ۱۳۵۱ء ۔۱۳۸۸ء: محمد تغلق کے لڑکا کوئی نہ تھا۔ اس نے زندگی ہی میں اپنے چچیرے بھائی فیروز کو ولی عہد بنا دیا تھا۔ آخری بیماری میں بھی وصیت کر دی تھی کہ اسی کو تخت پر بٹھایا جائے۔ فیروز تخت نشینی کے وقت بیالیس برس کا ہو چکا تھا۔ ساری تربیت محمد تغلق کی آغوش میں پائی۔ ان چند آدمیوں میں سے تھا جو آخر وقت تک محمد تغلق کے وفادار رہے اور ان پر بادشاہ کو بھی اعتبار رہا۔

فیروز کی طبیعت پر زہد و عبادت کا رنگ غالب تھا۔ وہ بادشاہ بننے پر راضی نہ تھا اور چاہتا تھا کہ حج و زیارت کے لیے حرمین چلا جائے لیکن امیروں نے سمجھایا کہ حالات نازک ہیں۔ جو تاتاری لشکر سلطان محمد تغلق کی زندگی میں امداد کی غرض سے بھیجا گیا تھا، وہ لوٹ مار شروع کر دینے کی تیاری کر رہا ہے۔ پھر ملک میں بدامنی کا خطرہ ہے۔ آپ بادشاہ نہیں بنیں گے تو جو شخص چاہے گا حکومت کا دعویٰ لے کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس طرح خلقِ خدا کو جو دکھ اور نقصان پہنچے گا، اس کی ذمہ داری آپ پر ہو گی۔ یہ سن کر فیروز راضی ہو گیا۔ سب سے پہلے وضو کیا۔ پھر دو نفل پڑھ کر دعا مانگی کہ "خدایا مجھ پر جو ذمہ داری آ پڑی ہے، اس کا خواہاں نہ تھا۔ تو اسے ٹھیک ٹھیک پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

فتوحات: فیروز نیک طبع اور نرم دل آدمی تھا۔ جنگجوئی اور معرکہ آرائی سے اسے کوئی مناسبت نہ تھی۔ بنگال پر حملہ کیا۔ ابتدا میں کامیابی تو حاصل کی لیکن قلعے کے محاصرے میں عورتوں اور بچوں کی آہ و فریاد سنی تو محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا۔

اس کے عہد میں جاج نگر (اڑیسہ) سندھ اور نگر کوٹ کانگڑہ فتح ہوئے۔

ملک کا انتظام: فیروز کی ناموری تیغ زنی اور ملک گیری پر نہیں بلکہ مملکت کے امن اور رعایا کی خوشحالی کے کاموں پر مبنی ہے۔ اسے عوام کی ضرورتوں کا پورا علم تھا۔ اپنی زندگی انہیں ضرورتوں کو پورا کرنے میں صرف کردی۔ بعض انتظامات کی سرسری کیفیت یہ ہے۔

۱۔ وہ تمام ضابطے موقوف کردیے جو اسلامی شریعت کے خلاف تھے۔

۲۔ حکم دے دیا کہ زمین کی حیثیت کا اندازہ کر کے لگان مقرر کیا جائے۔ خواجہ حسام الدین جنید کو اس کام پر لگایا جس نے سارے ملک کا دورہ کیا۔

۳۔ لگان کی شرح گھٹا دی اور وہ تمام محصول موقوف کر دیے، جو صوبوں کے حاکم کاشتکاروں سے بہ طور خود وصول کر لیتے تھے۔ اس طرح کاشتکاروں کے لیے بڑی آسانی پیدا کردی۔

۴۔ لگان کے وصول کرنے میں جو زیادتیاں کی جاتی تھیں، وہ سب بند کردیں۔

کاشتکاروں کے لیے سہولتیں پیدا ہوئیں تو وہ افتادہ زمینوں کو آباد کرنے لگے اور ہزاروں نئے دیہات آباد ہو گئے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ صرف دہلی کے گرد و نواح میں ایک ہزار دو سو نئے گاؤں بس گئے، جن میں باغات بھی تھے اور ان سے سرکاری خزانے کو ایک لاکھ دس ہزار ٹنکے ہر سال ملتے تھے۔

آبیاری کے انتظامات: کھیتی باڑی کے لیے پانی کے انتظامات کی سخت ضرورت تھی۔ فیروز نے اس معاملے پر خاص توجہ مبذول رکھی۔ بہت سے بند اور تالاب بنائے، کنوئیں لگوائے۔ آبیاری کے عام انتظامات کا کوئی حساب نہیں ہو سکتا۔ مؤرخوں نے چار بڑی نہروں کا ذکر کیا ہے، جن کی کیفیت یہ ہے۔

۱۔ ایک نہر ستلج سے نکال کر گھگر میں ڈالی گئی۔ یہ ۹۶ میل لمبی تھی۔

۲۔ دوسری نہر سرمور کی پہاڑیوں کے پاس سے نکالی گئی جس میں سات ندیوں کا پانی شامل تھا۔ یہ ہانسی کے پاس سے گزرتی ہوئی آگے بڑھی جہاں فیروز شاہ نے حصار فیروزہ کے نام سے ایک قلعہ بنایا۔ اس کے پاس آبادی قائم ہوگئی۔ یہ مقام آج کل حصار کہلاتا ہے اور مشرقی پنجاب کے ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔

۳۔ ایک نہر گھگر سے نکالی، جو سرسوتی ہوتی ہوئی آگے نکل گئی تھی۔ اس پر فیروز آباد نام کا ایک قصبہ تعمیر ہوا۔

۴۔ ایک نہر جمنا سے نکال کر فیروز آباد پہنچائی گئی۔ اس کے آخری حصے میں ایک بڑا تالاب بنا دیا گیا۔

ملک کی آبادی: فیروز شاہ نے کم و بیش دو سو نئے قصبے آباد کیے، جن میں سے فیروز آباد، حصار، فتح آباد اور جون پور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آخری قصبہ محمد تغلق کی یادگار میں بنا تھا، اس لیے اس کا نام جونا پور رکھا گیا تھا، کثرت استعمال سے جون پور مشہور ہو گیا۔ ایک سو سرائیں اور بیس محل بنوائے۔ ڈیڑھ سو پل، ایک سو شفاخانے اور ایک سو حمام تعمیر کرائے۔ تیس بڑے کالج قائم کیے۔ نئے دیہات کا شمار مشکل ہے۔ پرانے بادشاہوں کے آثار کی مرمت کرا دی۔ جو مقبرے ڈھے چکے تھے، ان کو نئے سرے سے تعمیر کرا دیا۔

علاؤالدین خلجی کی طرح فیروز نے بھی تمام جنسوں کے بھاؤ مقرر کر دیے تھے اور خاص طور پر قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ سرکاری کارندوں کو بھی تاکیدی حکم تھا کہ ضرورت کی ہر جنس بازار سے مقررہ بھاؤ پر خریدیں۔

عام اصلاحات: فیروز کی بعض دوسری اصلاحات کا نقشہ یہ ہے:

۱۔ مسلمان عورتوں کو مزاروں اور ہندو عورتوں کو مندروں میں جانے سے روک دیا، اس لیے کہ اخلاقی خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔

۲۔ حکم دے دیا کہ کاریگروں پر کوئی سختی نہ ہونے پائے اور سب کو پوری اجرت ملے۔

۳۔ مردوں کو ریشم اور زربفت کے کپڑے پہننے کی ممانعت کر دی۔

۴۔ تاکید تھی کہ اگر کوئی سرکاری ملازم مر جائے تو اس کا کوئی بیٹا یا قریبی رشتہ دار اس کا کام سنبھالنے کے لائق ہو تو ملازمت اس کو دی جائے۔

۵۔ علوم کی ترقی اور پھیلاؤ کے خاص انتظامات کیے۔ باہر سے مشہور عالموں کو گراں بہا مشاہرے دے کر بلایا اور بڑے بڑے کالجوں کے لیے مقرر کیا۔

۶۔ طلبہ کے لیے وظیفوں کا سلسلہ جاری کیا تاکہ عوام میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

فیروز کا آخری زمانہ: غرض وہ نیک اور دیندار آدمی تھا۔ بادشاہ بنتے ہی سونے چاندی کے سب

برتن اٹھا دیے اور مٹی کے برتنوں میں کھانا کھاتا۔ جن لوگوں کے پاس لڑکیوں کی شادیوں کے لیے روپیہ نہ ہوتا، انہیں خزانے سے رقمیں دلاتا۔

بڑھاپے میں اس کا قابل اور ہونہار بیٹا فتح خاں فوت ہو گیا۔ اس صدمے نے کمر توڑ ڈالی۔ انتظامات بھی اچھے نہ رہے۔ ۳۷ برس کی بادشاہی کے بعد ۱۳۸۸ء میں اس نے وفات پائی۔

خانہ جنگی: فیروز نے اپنے پوتے (شہزادہ فتح خاں کے بیٹے) تغلق شاہ کو ولی عہد بنایا تھا۔ وہ تخت پر بیٹھتے ہی عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ فیروز کے دوسرے بیٹے محمد خان نے تخت کے لیے جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ تغلق شاہ ۱۳۸۹ء میں مارا گیا۔ پھر فیروز شاہ کا ایک اور پوتا ابوبکر بادشاہ بنا۔ لڑائیاں اس پر بھی نہ رُکیں، آخر محمد خاں ناصر الدین محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

محمد شاہ ۱۳۹۴ء میں مرا۔ پھر اُس کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ بڑے سکندر شاہ نے صرف ڈیڑھ مہینہ حکومت کی۔ چھوٹا محمود تغلق اٹھارہ برس بادشاہ رہا، لیکن محض برائے نام۔ وہ تغلق خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔

ادھر خانہ جنگی اور بدنظمی کا زور تھا، ادھر وسط ایشیا سے اچانک ایک آندھی اٹھی، جس نے سلطنت کی بربادی آخری حد پر پہنچا دی۔ یہ امیر تیمور کا حملہ تھا۔

امیر تیمور: امیر تیمور وسط ایشیا کا مشہور فاتح تھا جس نے ایشیا کے بڑے حصے کو زیر نگیں کر لیا۔ ۱۳۳۶ء میں پیدا ہوا۔ ترکوں کے برلاس قبیلے کی گورگانی شاخ کے رئیس کا فرزند تھا۔ پہلے ترکستان کو فتح کر کے سمرقند کو پائے تخت بنایا۔ پھر ایران، عراق اور شام کو پامال کر ڈالا۔ اس کا آخری اور حد درجہ دردناک کارنامہ یہ تھا کہ عثمانی ترکوں کے مشہور سلطان بایزید اوّل پر اس زمانے میں حملہ کیا۔ جب سلطان کی فوجیں یورپ کی تسخیر میں لگی ہوئی تھیں۔ انگورہ (موجودہ انقرہ) کے قریب سلطان بایزید اور امیر تیمور کے درمیان خوف ناک جنگ ہوئی، جس میں بایزید نے شکست کھائی اور تیمور نے اسے لوہے کے پنجرے میں بند کر دیا۔ اسی حالت میں بایزید نے وفات پائی اور دیر تک یورپ میں ترکوں کی پیش قدمی رُکی رہی۔

ہندوستان پر حملہ ۱۳۹۸ء: تیمور نے ہندوستان کی دولت کا شہرہ سنا تو پہلے اپنے پوتے پیر محمد کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے اوچ فتح کیا، پھر ملتان لیا۔ ستمبر ۱۳۹۸ء میں تیمور بھاری فوج لے کر

خود آ گیا۔ تلمبہ[3] اور دیپال پور ہوتا ہوا بھٹنیر[4] پر حملہ آور ہوا، جو اس زمانے میں ہندوستان کا مشہور قلعہ تھا۔ راجپوتوں نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ اس کے بعد تیمور سرسوتی اور کیتھل ہوتا ہوا دہلی کی طرف بڑھا۔ شہر سے چھ میل کے فاصلے پر فیروز شاہ نے "جہاں نما" کے نام سے ایک خوبصورت محل اور باغ بنایا تھا۔ تیمور وہاں پہنچ کر رُکا۔ فوج نے اردگرد کے علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔

لوٹ مار اور قتل عام: لڑائی ہوئی۔ محمود تغلق شکست کھا کر بھاگ گیا۔ دہلی کے علماء، مشائخ اور قاضی تیمور کے پاس پہنچے اور اطاعت کا اقرار کیا۔ فوج شہر میں داخل ہوئی تو لوٹ مار شروع کر دی۔ اس زمانے میں دہلی شہر قطب صاحب سے لے کر فیروز شاہ کے کوٹلے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے کئی حصے تھے۔ لوگوں نے لوٹ مار میں مزاحمت کی تو تیموری سپاہیوں نے قتل عام شروع کر دیا جو تین روز جاری رہا۔ ہزاروں بے گناہ قتل ہو گئے۔ پھر ہزاروں کاریگروں کو پکڑ لیا گیا، اس لیے کہ تیمور انہیں سمرقند لے کر جا کر ایک جامع مسجد بنوانا چاہتا تھا۔

تیمور دو ہفتے دہلی میں رہا۔ پھر میرٹھ اور علاقہ کوہستان سوالک کو فتح کرتا ہوا سمرقند چلا گیا۔ خضر خاں کو اس نے لاہور، ملتان اور دیپال پور کا حاکم بنا دیا۔

محمود تغلق کا آخری دور: تیمور کے حملے نے دہلی کی اقبال مندی کو خاک میں ملا دیا تھا۔ شہر بُری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا لیکن محمود تغلق اور تخت کے ایک اور دعویٰ دار میں لڑائی جاری تھی۔ امرا بھی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے کوششیں کر رہے تھے۔ پہلے تو اقبال خاں کا زور رہا۔ پھر دولت خاں مختار کل بن گیا۔ ۱۴۱۲ء میں محمود تغلق نے وفات پائی۔ دو برس بعد خضر خاں حاکم ملتان نے دولت خاں کو شکست دے کر خاندانِ سادات کی حکمرانی کا ڈول ڈالا۔

☆.....☆.....☆

حواشی

[1] ترہٹ سے مراد شمالی بہار ہے۔ بعد میں ترہٹ کا نام مظفر پور رکھا گیا جو آج کل شمالی بہار کے ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔ غالباً یہی علاقہ تھا جس کا نام قدیم زمانے میں متھلا تھا اور یہیں کے راجا جنک کی بیٹی سیتا جی رام چندر جی سے بیاہی گئی تھی۔

۲ انگریزی میں اس مقام کو تنجیر لکھتے ہیں۔(Tangier)

۳ تلمبہ چناب اور جہلم کے مقام اتصال پر ہے۔ ملتان سے تقریباً ستر میل کے فاصلے پر ہوگا۔

۴ بھٹنیر بیکانیر میں ہے اور آج کل اس کا نام ہنومان گڑھ ہے۔

maablib.org

بارہواں باب

وحدت کے بعد انتشار

ملک کی وحدت: ہندوستان کی تاریخ میں ایسے دور بہت کم آئے ہیں جب سارا ملک ایک مرکزی حکومت کے ماتحت آیا۔ پرانے حالات کے متعلق جو کچھ اب معلوم ہوتا ہے، اس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے پیشتر صرف مہاراجا اشوک کے عہد میں اس وسیع ملک کا بڑا حصہ (نہ کہ سارا ملک) اکٹھا ہوا تھا، لیکن اشوک کے مرتے ہی پھر مختلف علاقے بکھر کر خود مختار ہو گئے۔ اشوک کے بعد پہلے کنشک نے، پھر گپت خاندان نے اور بعد میں ہرش نے یہاں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں لیکن ان میں سے کسی کا اقتدار نربدا سے آگے نہ بڑھ سکا۔ سب سے پہلے جس شخص نے دہلی کے مرکز کا جھنڈا سارے ہندوستان کی فضا میں لہرایا، وہ علاؤ الدین خلجی تھا۔ اس سے پیشتر ہندوستان کی تاریخ میں ملک کی یکجائی اور سلطنت کی وحدت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

محمد تغلق کے زمانے میں شورش اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس میں دکن اور بنگال الگ ہو گئے۔ فیروز شاہ تغلق کی آنکھیں بند ہونے پر خانہ جنگی کا خوفناک دور جاری ہوا۔ اس میں اور علاقے بھی یکے بعد دیگرے علیحدہ ہوتے رہے۔ تیمور کے حملے نے مرکز کی عزت و وقار کا گلا گھونٹ دیا اور ملک کا انتشار اپنی آخری حد پر پہنچ گیا۔ اس زمانے میں جگہ جگہ خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان کا سرسری نقشہ سامنے رکھ لینا ضروری ہے جس کے بغیر ملک کی آئندہ تاریخ کے واقعات ٹھیک ٹھیک ذہن نشین کرنا مشکل ہے

بنگال: بنگال اگرچہ مسلمانوں کے دہلی پہنچنے کے چند ہی سال بعد فتح ہو گیا تھا لیکن چوں کہ مرکز سے دور تھا، اس لیے وہاں کے حاکم نیم خود مختاری کی حالت میں رہے۔ جب کوئی طاقت ور سلطان دہلی کا تخت سنبھال لیتا، تو اطاعت گزار بن جاتے۔ جب حکومت کی عنان کسی کمزور بادشاہ کے ہاتھ آتی، تو بے پروا ہو جاتے۔ فیروز شاہ تغلق نے جب اسے فتح کرنے کی کوشش کی تو الیاس وہاں حکمران تھا، جس نے شمس الدین الیاس شاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے خاندان کی سلطنت

۱۴۱۴ء تک قائم رہی۔ پھر ایک ہندو اس پر قابض ہو گیا جس کا نام گنیش تھا۔ مسلمان مؤرخوں نے اس کا نام کنس لکھا ہے۔ وہ مرا تو اس کا بیٹا مسلمان ہو گیا اور اس نے جلال الدین کا لقب اختیار کیا۔ مختلف دوروں سے گزرنے کے بعد بنگال کے اقبال کا ستارہ علاؤ الدین حسین شاہ کے عہد میں چمکا جو ۱۴۹۳ء سے ۱۵۱۹ء تک پادشاہ رہا۔ یہ عرب کے خاندانِ سادات میں سے تھا۔ پھر اس کا بیٹا ناصر الدین نصرت شاہ پادشاہ بنا۔ ۱۵۳۷ء میں اسی خاندان سے ہمایوں نے بنگال فتح کیا۔

وجے نگر: حکومت وجے نگر کی بنیاد دو بھائیوں نے ۱۳۳۶ء میں رکھی۔ ان میں سے بڑے کا نام ہری ہر اور چھوٹے کا بکا تھا۔ تھوڑی ہی مدت میں یہ سلطنت سارے جنوبی ہند پر چھا گئی اور تمام چھوٹے بڑے ہندو راجا اور رئیس اس کے ماتحت آ گئے۔ یہ ۱۵۶۵ء تک قائم رہی۔

دکن کے مسلمان پادشاہوں نے مل کر ۱۵۶۴ء میں وجے نگر پر حملہ کیا۔ ۱۵۶۵ء میں تلی کوٹ کے معرکے میں وجے نگر نے شکست کھائی۔ فاتحین مالِ غنیمت پانچ سو پچاس ہاتھیوں پر لاد کر لائے۔ اس کی قیمت ایک کروڑ پاؤنڈ سے بھی زیادہ تھی۔

بہمنی سلطنت: بہمنی سلطنت حسن گانگو بہمنی نے قائم کی تھی جو معمولی حیثیت سے اٹھ کر فوج میں اونچے درجے کا سردار بن گیا۔ اس نے پادشاہ بن جانے کے بعد علاؤ الدین حسن بہمن شاہ کا لقب اختیار کیا، اس لیے کہ وہ ایران کے پادشاہ بہمن کی نسل سے ہونے کا دعویدار تھا اور گلبرگہ کو اپنا پائے تخت بنایا۔ بہمن شاہ کے خاندان کے اٹھارہ پادشاہ ہوئے اور یہ سلطنت ۱۵۲۵ء تک رہی، اگرچہ اس کے آخری دور کی حیثیت بالکل معمولی تھی۔ بعد میں اس سلطنت کا دوسرا مرکز بیدر بن گیا تھا۔ خواجہ محمود گاوان اسی خاندان کا وزیر تھا جسے تدبر، علم و فضل، حسن اخلاق، خوبیِ انتظام اور علم دوستی کے باعث دکن کی تاریخ میں یگانہ درجہ حاصل ہے۔ محمد شاہ سوم بہمنی نے ایک غلط شبہ کی بنا پر خواجہ موصوف کو ۱۴۸۱ء میں قتل کرا دیا۔ اس وقت سے سلطنت کی بربادی کا آغاز ہوا۔

پانچ خود مختار سلطنتیں: بہمنی سلطنت کمزور ہو گئی تو اس کے امیر یکے بعد دیگرے خود مختار ہوتے گئے اور ایک کی جگہ پانچ سلطنتیں پیدا ہو گئیں۔ ان کی مختصر سی کیفیت یہ ہے۔

۱۔ **عماد شاہی:** ۱۴۸۴ء میں فتح اللہ عماد الملک نے اس کی بنیاد رکھی۔ یہ برار پر مشتمل تھی۔ ۱۵۷۴ء میں یہ ختم ہو گئی۔

۲۔ **عادل شاہی:** اس کا بانی یوسف عادل شاہ تھا جسے مشہور ترک سلطان مراد ثانی کا بیٹا

بتاتے ہیں اور خواجہ محمود گاوان نے اسے منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔

یوسف عادل شاہ ۱۴۸۹ء میں خود مختار ہوا۔ بیجاپور اس خاندان کا پایہ تخت تھا۔ ۱۶۸۶ء میں عالمگیر نے اسے فتح کیا۔

۳۔ **نظام شاہی:** اس کی بنیاد نظام الملک بحری نے ۱۴۹۰ء میں رکھی۔ احمد نگر اس کا صدر مقام تھا۔ چاند سلطانہ عرف چاند بی بی اسی خاندان کی شہزادی تھی۔ یہ سلطنت شاہ جہاں کے عہد میں ختم ہوئی۔

۴۔ **برید شاہی:** اس کی بنیاد قاسم برید نے ۱۴۹۲ء میں رکھی۔ ۱۶۰۹ء میں برید شاہی سلطنت کو عادل شاہیوں نے ختم کر دیا۔ بیدر اس کا صدر مقام تھا۔

۵۔ **قطب شاہی:** اس کے بانی کا نام قطب الملک تھا۔ گولکنڈہ اس کا پایہ تخت تھا۔ قطب شاہی خاندان کا آخری بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ تھا۔ گولکنڈہ کو عالمگیر نے ۱۶۸۷ء میں فتح کیا اور تانا شاہ نے دولت آباد کے قلعے میں بہ حالت نظر بندی وفات پائی۔

خاندیش: خاندیش اس علاقے کو کہتے تھے جو دریائے تاپتی کی وادی پر مشتمل تھا۔ اس کے شمال میں بندھیا چل اور ست پڑا، جنوب میں دکن کی سطح مرتفع، مشرق میں برار اور جنوب میں گجرات تھا۔ ۱۳۷۰ء میں ملک رجا کو یہاں کا حاکم بنایا گیا تھا۔ جب مرکز میں ابتری کی آندھی چلی تو دوسروں کی دیکھا دیکھی ملک رجا کے دل میں بھی خود مختاری کی لہر اٹھی۔ ۱۳۹۹ء میں وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا ملک ناصر جانشین ہوا جس نے اسیر گڑھ کا قلعہ آسا اہیر سے چھین لیا۔ خاندیش کو اکبر نے ۱۶۰۱ء میں فتح کیا۔

گجرات: گجرات علاؤالدین کے عہد میں ۱۲۹۷ء میں فتح ہوا تھا۔ تیمور کے حملے کے وقت ظفر خاں وہاں کا حاکم تھا۔ اس نے ۱۴۰۱ء میں خود مختاری کی سج دھج اختیار کی۔ اس خاندان کا پہلا بڑا بادشاہ احمد شاہ (۱۴۱۱۔ ۱۴۴۱ء) تھا، جس نے احمد آباد کی بنیاد رکھی۔ وہ بڑا جنگجو تھا اور دُور دُور تک فتوحات کیں۔ اس کے عدل و انصاف کا یہ انداز تھا کہ اس کے داماد نے ایک بے گناہ کو بے دردی سے قتل کر دیا تو احمد شاہ نے رشتے سے بے پروا ہو کر قاتل کو برسرِ عام موت کی سزا دی۔ دوسرا بڑا بادشاہ محمود بیگڑہ (۱۴۵۸۔ ۱۵۱۱ء) تھا۔ اسی کے پوتے بہادر شاہ سے ہمایوں کی لڑائی ہوئی تھی۔ ۱۵۷۲ء میں اکبر نے گجرات کو فتح کیا۔

مالوہ: مالوہ کو ۱۲۲۵ء میں التتمش نے، پھر ۱۳۱۰ء میں علاؤالدین خلجی نے فتح کیا تھا۔ فیروز شاہ تغلق کے ایک امیر دلاور خاں نے جو مالوے میں جاگیردار تھا، ۱۴۰۱ء میں دہلی کی فرمانبرداری کا حلقہ اُتار پھینکا۔ یہ دلاور خاں شہاب الدین محمد غوری کے خاندان میں سے تھا۔ پھر اس کا بیٹا الپ خاں ہوشنگ شاہ کے لقب سے بادشاہ بنا۔ اُس نے شادی پور مانڈو کو مالوے کا مرکزِ حکومت بنایا اور ہوشنگ آباد بھی اسی کے نام پر آباد ہوا۔ ہوشنگ کے بیٹے غزنی خاں کو اس کے وزیر محمود خاں خلجی نے قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ یہ ۱۴۳۶ء سے ۱۴۶۹ء تک بادشاہ رہا۔ بڑا ہی بہادر اور جنگجو آدمی تھا۔ بڑی فتوحات کیں۔ اس کے عہد میں مالوہ ناموری کے اوج پر پہنچ گیا۔ ۱۴۴۰ء میں اس نے دہلی پر حملہ کیا تھا۔ بہلول لودھی نے اسے پیچھے ہٹایا۔ محمود خلجی کے خاندان کی حکومت بہادر شاہ والیِ گجرات نے ختم کی۔ ہمایوں نے ۱۵۳۵ء میں بہادر شاہ کو شکست دے کر مالوہ چھین لیا تھا۔ پھر شیر شاہ سوری نے شجاعت خاں کو وہاں کا حاکم بنایا۔ اُسی کا بیٹا ملک بایزید تھا جو عام طور پر باز بہادر کے لقب سے مشہور ہے۔ اکبر نے ۱۵۶۲ء میں اسے شکست دے کر مالوے پر قبضہ جمایا۔

جون پور: ایک مستقل سلطنت جون پور میں قائم ہوئی جسے شرقی سلطنت کہتے ہیں۔ اس کا بانی خواجہ جہاں ایک خواجہ سرا تھا، جس کا نام ملک سرور تھا اور سلطان محمد تغلق نے اسے "ملک الشرق" کا لقب دے دیا تھا۔ جب دہلی کے دربار میں امرا کے درمیان کھینچ تان شروع ہوئی تو خواجہ جہاں جون پور جا بیٹھا اور ۱۳۹۴ء میں ایک مستقل سلطنت کی داغ بیل ڈال دی۔ اس نے قرنفل کو اپنا متبنّٰی بنا لیا تھا۔ وہ خواجہ جہاں کے بعد مبارک شاہ کے لقب سے بادشاہ بنا۔ ۱۴۰۲ء میں مر گیا تو اس کا بھائی ابراہیم شمس الدین ابراہیم شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ یہ خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ پھر بہلول لودھی نے دہلی کی سلطنت سنبھالی، تو جون پور کے بادشاہوں سے لڑائیاں شروع ہو گئیں، جو کم و بیش چھبیس برس جاری رہیں۔ ان میں جون پور کی سلطنت ختم ہو گئی۔

انتشار کے بعد وحدت: ان حالات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے یہاں حکومت قائم کرنے کے بعد ہندوستان کے ایک ایک ٹکڑے کو آہستہ آہستہ فتح کر کے اسے ایک متحدہ ملک بنانے کا جو کام شروع کیا تھا، اس میں محمد تغلق کے عہد سے پھر خرابی کا عمل شروع ہو گیا، یہاں تک کہ تغلقوں کے آخری دور میں ہندوستان دوبارہ ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ سید بادشاہ ملک کی وحدت کے سلسلے میں کوئی قابلِ ذکر کام انجام نہ دے سکے۔ لودھیوں کے زمانے میں مختلف ٹکڑوں میں پیوند لگانے کا

سلسلہ جاری ہوا، لیکن اس کی رفتار بڑی دھیمی اور حیثیت بہت معمولی تھی۔ جب ہندوستان کی عنانِ حکومت مغلوں کے ہاتھ آئی تو یہ کام تیزی سے انجام پانے لگا۔ اکبر نے شمالی ہند کو متحد کر کے دکن کی طرف رُخ پھیرا۔ شاہ جہاں نے دکن کے ابتدائی مورچے سر کیے۔ عالمگیر نے وحدت و یکجائی کے کام کو آخری منزل پر پہنچایا۔

☆.....☆.....☆

تیرہواں باب

سادات اور لودھی

خضر خان (۱۴۱۴ء۔۱۴۲۱ء): دہلی میں سادات کی حکومت خضر خاں سے شروع ہوئی۔ اس کے والد ملک سلیمان کو حاکم ملتان نے اپنے بچے کی طرح پالا تھا۔ پھر ملک سلیمان خود ملتان کا حاکم بن گیا۔ باپ کی وراثت خضر خاں کو ملی۔ محمود تغلق کے عہد میں ملّو اقبال خاں کو عروج ہوا تو اس نے خضر خاں سے ملتان کی حکومت چھین لی۔ تیمور ہندوستان آیا تو خضر خاں اس سے مل گیا۔ واپسی کے وقت تیمور اسے لاہور، ملتان اور دیپال پور کا حاکم بنا گیا۔ یہیں سے اٹھ کر وہ دہلی کے تخت پر پہنچا لیکن جب تک زندہ رہا، اپنی بادشاہی کا اعلان نہ کیا بلکہ تیمور اور اس کی اولاد کے نائب کی حیثیت میں حکومت کرتا رہا۔

خضر خاں نے بگڑے ہوئے انتظام کو درست کیا اور شورشیں مٹائیں۔ ۲۰ مئی ۱۴۲۱ء کو وہ فوت ہوا۔

مبارک شاہ (۱۴۲۱ء۔۱۴۳۴ء): خضر خاں نے وصیت کر دی تھی کہ میرے بیٹوں میں سے مبارک تخت نشین ہو۔ چنانچہ وہ معزالدین ابوالفتح مبارک شاہ کے لقب سے بادشاہ بنا۔ اس کے عہد کے مفصل حالات یحییٰ بن احمد نے اپنی کتاب تاریخِ مبارک شاہی میں لکھے، جو چھپ چکی ہے۔

سید بادشاہوں میں مبارک شاہ سب سے بڑا تھا۔ تیرہ برس حکومت کی۔ یہ ساری مدت شورشیوں کے خلاف لڑائیوں میں گزار دی۔ پنجاب میں جسرت کھوکھر نے بڑا اُودھم مچا رکھا تھا۔ وہ لدھیانہ اور روپڑ ہوتا ہوا سرہند پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مبارک شاہ نے تعاقب کیا تو جسرت پہاڑوں میں جا چھپا۔ لاہور تباہ ہو چکا تھا۔ مبارک شاہ خود راوی کے کنارے خیمے لگا کر بیٹھ گیا اور ایک مہینے میں تمام شکستہ عمارتیں درست کرائیں اور قلعے کی مرمّت کرا دی۔

جسرت نے پھر ایک مرتبہ ہاتھ پاؤں نکالے لیکن شکست کھائی اور دوبارہ پہاڑوں میں جا چھپا۔

ابراہیم خاں شرقی بادشاہ جون پور سے بھی مبارک شاہ کی لڑائی ہوئی۔ بعض اور باغیوں کی بھی سرکوبی کی گئی۔

مبارک شاہ کا قتل فروری ۱۴۳۴ء: مبارک شاہ کے دو امیروں سردار الملک اور کمال الملک میں ایک دوسرے سے اختلاف پیدا ہوا۔ بادشاہ کمال الملک کو زیادہ اچھا سمجھتا تھا اس لیے سردار الملک کے دل میں گرہ بیٹھ گئی اور وہ بادشاہ کی جان کا لاگو بن گیا۔ اس نے بعض ہندوؤں اور امیروں کو ساتھ ملا کر سازشیں شروع کر دیں۔

مبارک شاہ نے جمنا کے کنارے ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی تھی جس کا نام مبارک آباد رکھا تھا۔ اکثر وہاں کی عمارتیں دیکھنے کے لیے چلا جاتا تھا۔ اس اثنا میں سنا کہ حاکم کالپی اور سلطان شرقی کے درمیان جنگ ہونے والی ہے۔ مبارک شاہ نے بھی فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ ۹ رجب ۸۳۷ھ (۱۹ فروری ۱۴۳۴ء) کو جمعہ کا دن تھا۔ حسب عادت مبارک آباد پہنچا اور کچھ دیر معماروں کا کام دیکھنے میں گزاری۔ پھر نماز جمعہ کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔ اس دوران میں سدھ پال نام ایک کھتری بادشاہ کے پاس پہنچا اور اچانک تلوار نکال کر اس زور سے سر پر ماری کہ بادشاہ گرا اور گرتے ہی جاں بحق ہو گیا۔ وہ بڑا رحم دل، سخی اور بہادر بادشاہ تھا۔

جانشین (۱۴۳۴ء۔۱۴۰۱ء): مبارک شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے اپنے بھائی فرید خاں کے بیٹے محمد خاں کو متبنّٰی بنا لیا تھا، وہی محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں سادات کی سلطنت بہت کمزور ہو گئی۔ کچھ پرگنے شاہ جون پور نے چھین لیے، راجاؤں نے خراج دینا بند کر دیا، محمود خلجی بادشاہ مالوہ فوج لے کر دہلی پر حملہ آور ہوا، اسے بہلول لودھی نے شکست دی اور انعام میں سرہند کے علاوہ لاہور اور دیپال پور کی حکومت پائی۔

۱۴۴۵ء میں محمد شاہ کا بیٹا علاؤ الدین عالم شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس کی پادشاہی محض برائے نام تھی۔ ''بادشاہتِ عالم از دہلی تا پالم'' اسی کے لیے مثل بنی تھی۔ یعنی عالم شاہ کی پادشاہت دہلی سے پالم تک ہے۔ پالم دہلی کے پاس ہی ایک گاؤں تھا جہاں آج کل ہوائی اڈہ بنا ہوا ہے۔

آخر عالم شاہ دہلی کو چھوڑ کر بدایوں چلا گیا۔ بہلول لودھی نے مرکزِ حکومت میں پہنچ کر حالات سدھارے، پھر عالم شاہ کو بلایا۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں خوشی سے سلطنت تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ میرے لیے بدایوں کی جاگیر کافی ہے۔ اس طرح سلطنت ۱۴۵۱ء میں

سادات کے ہاتھ سے نکل کر لودھیوں کے ہاتھ آئی۔ عالم شاہ نے پچیس تیس برس بعد بدایوں میں وفات پائی۔

بہلول لودھی (۱۴۵۱ء۔۱۴۸۸ء): بہلول لودھی کا دادا ملک بہرام اپنے بھائیوں سے کسی بات پر ناراض ہو کر وطن سے نکلا اور فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ملتان کے حاکم کے پاس ملازم ہو گیا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ ان میں سے بڑے بیٹے ملک سلطان نے خضر خاں کے ہمراہ ہو کر لڑائیوں میں بڑی بہادری دکھائی، اسلام خاں خطاب ملا اور سرہند کی حکومت پائی۔ اس کا چھوٹا بھائی ملک کالا دوراہہ[1] کا حاکم تھا اور کسی لڑائی میں مارا گیا۔ بہلول اسی کا فرزند تھا۔ اسلام خاں نے یتیم بھتیجے کی پرورش کی۔ جب دیکھا کہ اس میں قابلیت کے نادر جوہر موجود ہیں تو اپنی بیٹی سے شادی کر دی اور اپنے بیٹوں کو چھوڑ کر بہلول ہی کو خاندان کا سرپنچ اور سرداری کا وارث بنایا۔ چنانچہ اسلام خاں کی وفات پر وہی سرہند کا حاکم بنا۔ اس زمانے میں سلطنتِ سادات ابتری کے دور میں تھی۔ بہلول نے موقع پا کر اردگرد کے علاقے اپنے زیرِ اثر کر لیے۔ اسے فوجی قوت بڑھانے کا خاص خیال تھا اور اپنی پوری توجہ اسی کام میں صرف کرتا تھا۔

پادشاہی کی منزل: جیسا کہ ہم محمد شاہ سید کے حالات میں بتا چکے ہیں بہلول کو سادات خاندان کے امیروں اور حاکموں میں اوّل درجے کی حیثیت اس وقت حاصل ہوئی، جب اس نے محمود خلجی کا مقابلہ کیا اور دہلی کو اس کی یورش سے بچایا۔ اسی وقت سے سرہند کے علاوہ لاہور اور دیپال پور کی حکومت بھی اسے مل گئی نیز خانخاناں کا خطاب عطا ہوا۔ علاؤ الدین عالم شاہ دہلی کی بدنظمی اور دربا۔یوں کی خودسری سے تنگ آ کر بدایوں چلا گیا تو پوری سلطنت میں بہلول کے سوا کوئی نہ رہا، جو انتظام کے بارِ گراں کو اُٹھا سکتا اور بگڑے ہوئے انتظامات کو درست کر سکتا۔ اس طرح تختگاہ دہلی کے دروازے بہلول پر کھل گئے اور ہندوستان میں پہلی افغان سلطنت کی بنیاد پڑ گئی۔

ہندوستان کا نقشہ: یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جون پور، بنگال، دکن، گجرات، خاندیش اور مالوے میں مستقل بادشاہیاں بن چکی تھیں۔ بہلول کے پاس سرہند، لاہور، دیپال پور، ہانسی وغیرہ کے علاقے تھے۔ مہرولی کے پاس سے تقریباً چودہ میل تک کا علاقہ احمد خاں میواتی کے قبضے میں تھا۔ سنبھل کا صوبہ دریا خاں لودھی نے سنبھال رکھا تھا۔ گنگا اور جمنا کے دوآبے میں مختلف رئیس خود مختار تھے۔ اسی طرح دوسرے علاقوں میں مقامی رئیسوں یا صوبیداروں کی حکومت تھی اور دہلی کے

مرکز سے کوئی بھی وابستہ نہ تھا۔

عہدِ حکومت: بہلول نے حسنِ تدبیر سے کام لے کر انتظامات درست کیے، خودسری کو دبایا، عام امیروں اور فوجیوں کو انعام واکرام سے خوش کیا۔ اس کے عہد حکومت میں سے چھبیس برس صرف شاہانِ جون پور کے ساتھ لڑائیوں میں بسر ہو گئے۔ آخر پوری شرقی سلطنت بہلول کے قبضے میں آ گئی اور اس نے اپنے بڑے بیٹے بار بک شاہ کو نئے مفتوحہ علاقوں کا حاکم بنا دیا۔

کہتے ہیں کہ وہ بنگال، مالوے، گجرات اور دکن کو بھی فتح کر لینے کا آرزومند تھا لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ وہ گوالیار کے راجا کو خراج دینے پر مجبور کر کے دہلی واپس آ رہا تھا، جلالی (ضلع علی گڑھ) میں پہنچ کر ۱۴۸۸ء میں فوت ہوا، میت کو دہلی لا کر دفن کیا گیا۔

ذاتی اخلاق: بہلول، بہادر، فراخ دل اور صاف طینت آدمی تھا۔ طبیعت میں حلیمی، بردباری اور انکسار بہت زیادہ تھا۔ نئے پادشاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ سلطنت دہلی کے بگڑے ہوئے انتظام اور چھنے ہوئے وقار کو بحال کر دیا۔

پانچوں وقت کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ سب کے ساتھ شفقت سے پیش آتا۔ ناداروں اور محتاجوں پر بہت مہربان تھا۔ اس کے دروازے سے کبھی کوئی سائل خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ فریادیوں کے مقدمے خود سنتا۔ سپاہیوں کی دلداری کا بہت خیال رکھتا۔ اپنے پاس کبھی روپیہ نہ رکھا اور نہ خزانہ بھرا۔ جو کچھ ہاتھ لگتا فوراً بانٹ دیتا۔ اگرچہ خود زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن فرصت ملتی تو عالموں کی صحبت میں وقت گزارتا۔ اکیلا ہوتا تو معمولی روکھی سوکھی روٹی کھا کر گزارہ کر لیتا۔ مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا تو ان کے پاسِ خاطر سے اچھے اچھے کھانے دسترخوان پر آتے۔ افغان سرداروں کے ساتھ عمر بھر برابری کا برتاؤ جاری رکھا۔ وہ ملنے کے لیے آتے تو پاس بٹھا کر بے تکلف باتیں کرتا۔ خاص موقعوں کے سوا تخت پر کبھی نہ بیٹھا۔ سادگی بہت پسند تھی، تکلف اور نمائش کو بُرا جانتا تھا۔ افغانوں میں سے کوئی سردار ناراض ہو جاتا تو منانے کے لیے اس کے گھر چلا جاتا۔ کوئی سردار ضد کرتا تو تلوار اور دستار اتار کر اس کے سامنے رکھ دیتا اور کہہ دیتا کہ یہ لو، تمہاری پادشاہی دھری ہے، اگر میں اسے چلانے کے قابل نہیں تو کسی دوسرے کو یہ منصب دے دو۔ میرے لائق کوئی دوسری خدمت تجویز کر دو۔

افغان قوم میں کئی ایسی رسمیں جاری ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے غریب افغانوں کو بڑی

پریشانیاں اٹھانی پڑتی تھیں۔ اگر وہ رسمیں پوری کرتے تو قرض دار بن جاتے، نہ کرتے تو برادری میں عزت قائم نہ رہتی۔ بہلول نے ایسی تمام فضول اور مسرفانہ رسمیں بند کر دیں۔

سکندر لودھی (۱۴۸۸ء۔۱۵۱۷ء): بہلول کو آخری عمر میں اس بات کا بڑا خیال تھا کہ کہیں اس کی اولاد میں تاج و تخت کے لیے جنگ نہ چھڑ جائے۔ وہ اپنے تیسرے بیٹے نظام خاں کو فرمانروائی کے لائق سمجھتا تھا۔ دوسرے شہزادوں کو جاگیریں دینے کی تجویز تھی تاکہ نظام خاں بے خدشہ بادشاہ بن جائے، لیکن امیروں کو یہ معلوم ہوا تو مخالفت کرنے لگے۔ ان میں سے بعض بار بک شاہ کے حامی تھے جو جون پور کا حاکم تھا۔ بعض سلطان کے بڑے بیٹے بایزید خان مرحوم کے فرزند، اعظم ہمایوں کے طرف دار تھے۔ بادشاہ بیمار ہوا تو امیروں کو خیال آیا کہ نظام خاں خود ہی بادشاہ نہ بن جائے، اس لیے بادشاہ کی طرف سے بلاوے کا فرمان اس کے پاس دہلی بھیج دیا۔ اس اثنا میں بہلول کا انتقال ہو گیا۔ بیگمات میں سے صرف نظام خاں کی والدہ سفر میں ساتھ تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ سنار کی بیٹی تھی، اسی وجہ سے افغان اس کے فرزند کو بادشاہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور وہ بار بک شاہ کو ترجیح دیتے تھے جو ماں باپ دونوں طرف سے افغان تھا۔

نظام خاں کی والدہ نے ایک طرف بیٹے کو خفیہ پیغام بھیجا کہ جتنی جلدی ہو سکے آجاؤ۔ دوسری طرف پس پردہ بیٹھ کر افغان سرداروں سے پوچھا کہ جب میرے بیٹے میں بادشاہی کی صلاحیتیں موجود ہیں تو اس کے بادشاہ بننے کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ ایک سردار نے بیگم کو نسب کا طعنہ دیا، دوسرا اس پر بگڑ بیٹھا کہ کل بادشاہ مرا اور آج اس کی بیگم کے ساتھ تمہارا یہ سلوک ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک گروہ نظام خاں کا طرف دار بن گیا۔ وہ چوں کہ پہلے شاہی کیمپ میں پہنچ گیا تھا اس لیے اسی کی بادشاہی کا اعلان ہو گیا۔ اس نے سکندر شاہ کا لقب اختیار کیا۔

بار بک شاہ سے جنگ: بار بک شاہ نے سکندر کی بادشاہی قبول نہ کی اور جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ سکندر خود مقابلے کے لیے جون پور کی طرف گیا۔ اس جنگ میں بار بک نے شکست کھائی اور بھاگ کر بدایوں چلا گیا، لیکن گرفتار ہو گیا۔ سکندر نے اس کا جرم معاف کر دیا اور پہلے کی طرح جون پور کا حاکم بنا دیا۔

یہی جنگ ہے جس سے ذرا پہلے ایک درویش نے سکندر کا ہاتھ پکڑ کر فتح کی خوشخبری دی تھی۔ سکندر اس پر بڑا ناراض ہوا، بولا "جب لڑائی میں دونوں فریق مسلمان ہوں تو فتح یا شکست کا

حکم لگانا بالکل مناسب نہیں۔ ہاں دعا کرنی چاہیے کہ جس فریق کی فتح میں اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ہو، خدا اس کو فتح دے۔"

جون پور میں شورشیں: جون پور کی سلطنت بہلول کے زمانے میں فتح ہو چکی تھی لیکن وہاں کے زمیندار بڑے سرکش تھے۔ آئے دن ان کی طرف سے شورشیں اٹھتی تھیں۔ سکندر بار بک کو حاکم بنا کر واپس لوٹا تو زمینداروں نے پھر سر اٹھایا اور بار بک وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ چلا گیا۔ سکندر نے خود سرکشوں سے جنگ کی اور انہیں شکست دے کر بار بک کی حکومت بحال کر دی۔ وہ اتنا بے ہمت اور نا اہل تھا کہ سکندر کی واپسی کے بعد انتظام بحال نہ رکھ سکا، چنانچہ بغاوت اٹھی اور بار بک پہلے کی طرح معطل بیٹھا رہا۔ اب کے سکندر کو غصہ آیا، بار بک کو واپس بلا لیا اور خود فوج لے کر جون پور پہنچا۔ اس موقع پر حسین شاہ شرقی سابق بادشاہ جون پور بھی بنگال سے فوج لے کر آ گیا تھا۔ بنارس کے قریب جنگ ہوئی جس میں حسین شاہ نے شکست کھائی اور وہ میدان سے بھاگ گیا۔ پھر اسے تلوار اٹھانے کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔ سکندر کی فوجوں نے اس فتح کے بعد آگے بڑھا کر بہار پر بھی قبضہ کر لیا۔

افغان سرداروں کی گوشمالی: پوربی سمت کی لڑائیوں سے فارغ ہو کر سکندر نے افغان سرداروں کے کاروبار کی دیکھ بھال شروع کی۔ کئی سرداروں کے حسابات ہی درست نہ تھے۔ بادشاہ نے باقاعدہ محاسبہ شروع کیا تو سردار بگڑ بیٹھے۔ وہ اپنے ذہن میں سمجھ رہے تھے کہ ان کی جاگیروں یا آمدنیوں کا حساب لینا حقوقِ سرداری کے خلاف ہے۔ بہر حال سکندر کے خلاف ان کے دلوں میں اتنی تلخی پیدا ہو گئی کہ اسے مارنے کی سازشیں کرنے لگے۔ پھر سکندر کے بھائی فتح خاں کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ شہزادے نے اپنی ماں سے سب کچھ کہہ دیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ یہ حالات بادشاہ کو جا کر سنا دو۔ فتح خاں نے یہی کیا۔ سکندر نے ان تمام سرداروں کو سخت سزائیں دیں جو اس سازش میں شریک تھے۔

آگرہ کی بنیاد (۱۵۰۴ء): دہلی اسلامی حکومت کے آغاز سے دارالحکومت چلا آتا تھا۔ اس میں صرف محمد تغلق کے عہد میں سال دو سال کے لیے تبدیلی ہوئی تھی، جب دولت آباد کو مرکز بنایا گیا تھا۔ سکندر نے اپنی مملکت کی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مناسب سمجھا کہ آگرے کے مقام پر فوجی چھاؤنی بنائے تا کہ اٹاوہ، گوالیار، دھول پور، بیانا اور کول (علی گڑھ) پر کڑی نگرانی رکھ

سکے۔ نیز اپنی فتوحات کا سلسلہ وسطِ ہند کی طرف بڑھائے۔ اس غرض کے لیے ۱۵۰۴ء میں اس مقام پر نئے قصبے کا سنگِ بنیاد رکھا گیا جہاں آج کل آگرہ شہر ہے۔ ۱۵۰۵ء میں خوف ناک بھونچال آیا جس میں نئے شہر کی خوبصورت عمارتیں گر گئیں۔ یہ صرف آگرہ تک محدود نہ تھا بلکہ سارے ہندوستان میں آیا تھا، البتہ سب سے زیادہ نقصان آگرے کو پہنچا لیکن شہر نئے سرے سے بنا دیا گیا۔ سکندر نے اسے مستقل پائے تخت بنا لیا۔ پھر لودھیوں کے بعد مغل آئے تو ان کا دارالحکومت بھی آگرہ ہی رہا۔ شاہ جہاں نے دہلی کے مقام پر شاہ جہان آباد بسایا تو مرکزی حکومت وہاں منتقل ہوگئی؛ تاہم آگرے کی شہرت و عظمت اس وقت تک ماند نہیں پڑ سکتی جب تک تاج محل دنیا میں موجود ہے اور جب تک اس نادرِ روزگار عمارت کے ذکر سے تاریخ کے صفحات منور رہیں گے۔

آگرے کے قریب ہی سکندر نے اپنے لیے محل اور باغ بنایا تھا جو اب تک سکندرہ کے نام سے موسوم ہے۔

وفات: اس کے بعد سکندر کی توجہ زیادہ تر گوالیار، دھول پور اور مالوے پر مبذول رہی۔ ۱۵۰۶ء میں اس نے نُرور فتح کیا، پھر چندیری گیا۔ شورشوں اور بغاوتوں کو دباتا اور نئے علاقے فتح کرتا ہوا ۱۵۱۷ء میں آگرے پہنچا۔ اچانک بیمار ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گلے میں کوئی بیماری پیدا ہوگئی تھی اور نوالہ حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ آخر یکم دسمبر ۱۵۱۷ء کو اٹھائیس برس کی حکومت کے بعد وفات پائی۔ لودھی خاندان کا وہ سب سے بڑا بادشاہ تھا اور ہندوستان کے چند منتظم حکمرانوں میں گنا جاتا ہے۔

حکمرانی کے طریق: بہلول لودھی نے بدامنی کو مٹا کر سلطنت کو مضبوط بنانے کا جو کام عمدہ پیمانے پر شروع کیا تھا، سکندر نے اسے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اگرچہ وہ وسیع پیمانے پر اصلاحات جاری نہ کر سکا، اس لیے کہ عہدِ حکومت کا بڑا حصہ فوجی کارروائیوں میں بسر ہوگیا، پھر بھی اس کے زمانے میں ملک کا انتظام بہت اچھا ہوگیا۔ اس کے عہد میں غلّے کے تمام محصول معاف ہوگئے، کھیتی باڑی کو ترقی ہوئی، تجارت کو فروغ حاصل ہوا، راستے بالکل محفوظ ہوگئے۔ غریبوں اور کاشتکاروں کے حقوق کا وہ خاص خیال رکھتا تھا۔ افغان امیر بہلول کے عہد میں بہت خودسر ہوگئے تھے۔ سکندر نے ان کی خودسری ختم کر دی۔ حکومت کے معاملے میں اپنے پرائے،

امیر غریب میں کوئی تمیز نہ تھی۔ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا تھا۔ سلطنت کے تمام حصوں میں اپنے خاص وقائع نگار مقرر کر دیے جو تمام ضروری خبریں براہ راست بادشاہ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ امیروں اور شہزادوں کے تمام نوکر چاکر بادشاہ خود مقرر کرتا تھا۔ اس تدبیر سے امیروں اور شہزادوں کی خودسری کے امکانات بہت گھٹ گئے۔ غرض وہ بڑا منتظم، مدبر اور بیدار مغز حکمران تھا۔ تمام جنسوں کے بھاؤ روزانہ اس کے ملاحظے میں پیش ہوتے تھے۔ نرخ ذرا چڑھ جاتے تھے تو اسباب کی چھان بین کرتا۔ خبر رسانی کے لیے گھوڑوں کی ڈاک جاری کی۔ اس کی فوج ہزار میل پر بھی ہوتی تو اس کی نقل و حرکت کی خبریں برابر پہنچتی رہتیں۔ ہمیشہ ایمان دار اور رعایا کے ہمدرد آدمیوں کو سرکاری ملازمتیں دیتا۔ جس پر کوئی جرم ثابت ہو جاتا، اسے ملازمت سے نکال دیتا۔

ذاتی اخلاق: سکندر فارسی اور عربی کا فاضل تھا۔ فارسی میں بہت اچھے شعر کہتا۔ عالموں کا قدر دان تھا اور فرصت کے اوقات انہیں کی صحبت میں بسر کرتا۔ پرہیز گار مسلمان تھا۔ شریعت کی راہ سے کبھی اِدھر اُدھر نہ ہوا۔ سلطنت کے ہر حصے میں مسجدیں بنوا دیں، ان میں امام اور واعظ مقرر کیے جنہیں سرکاری خزانے سے تنخواہیں ملتی تھیں۔ باپ کی طرح طبیعت سادگی پسند تھی۔ شاہانہ تکلفات کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ عادل اور شجاع آدمی تھا۔ بادشاہی کے زمانے کا ایک ایک لمحہ سلطنت اور رعایا کی بہتری میں گزارا۔ سال میں دو مرتبہ تمام حاکموں سے غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی فہرستیں منگا لیتا اور سب کے لیے اتنی رقموں کا انتظام کر دیتا کہ چھ مہینے آرام سے گزار لیں۔ چوں کہ مذہب کا بہت پابند تھا، اس لیے بعض مؤرخوں نے اس پر تعصب کا الزام لگا دیا۔ اس کے متعلق جو تعصب آمیز واقعات بیان کیے جاتے ہیں، وہ یا تو مخالفوں نے خود گھڑ لیے یا سمجھنا چاہیے کہ بادشاہ کو کسی معاملے میں اسلامی شریعت کا حکم ٹھیک معلوم نہ ہو سکا۔ اس کے عہد میں ہندوؤں نے فارسی پڑھنی شروع کی اور سرکاری ملازم بننے لگے۔

ابراہیم لودھی (۱۵۱۷ء۔۱۵۲۶ء): سکندر کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا ابراہیم تخت کا مالک بنا۔ وہ مزاج کا اکھڑ اور غصیلا تھا۔ بہلول اور سکندر نے بادشاہی کے باوجود افغان امیروں کے ساتھ برادرانہ میل جول قائم رکھا اور یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ماتحت ہیں، بلکہ وہ یہی سمجھتے رہے کہ بادشاہی میں شریک ہیں لیکن ابراہیم نے ایسا برتاؤ شروع کیا کہ برادری اور ساجھے پن کے بجائے افغان امیروں میں ماتحت اور غیریت کا احساس پیدا ہو گیا۔ اس پر وہ بگڑ گئے۔ ابراہیم نے موقعے اور

ضرورت کے لحاظ سے سختی کے ساتھ نرمی برتنے کے بجائے بہ زور انہیں دبانا چاہا۔ نتیجہ الٹا نکلا۔ سلطنت میں خرابی کے آثار پیدا ہونے گے، یعنی افغان امیر سازشیں اور بغاوتیں کرنے لگے۔

شہزادہ جلال خاں کی بغاوت: امیروں کی سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابراہیم کے بھائی جلال خاں نے بغاوت کی اور جون پور میں پادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اعظم ہمایوں بھی اس کے ساتھ مل گیا۔ پھر دونوں نے اودھ پر قبضہ جما لیا۔ ابراہیم خود مقابلے پر گیا تو جلال خاں جون پور سے نکل کر آگرے کی طرف بھاگ گیا۔ آگرے کے گورنر نے اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ پادشاہی کا دعویٰ چھوڑ دے اور کالپی کی حکومت لے کر بیٹھ جائے۔ ابراہیم نے یہ تجویز منظور نہ کی۔ جلال بھاگ کر گوالیار چلا گیا۔ ابراہیم نے گوالیار بھی فتح کر لیا تو جلال مالوے ہوتا ہوا گونڈوانہ پہنچ گیا۔ وہاں سے پکڑا آیا اور اسے پھانسی بھیج دیا گیا جہاں ابراہیم نے اپنے دوسرے بھائیوں کو قید کر رکھا تھا۔ راستے میں اسے شاہی حکم کے مطابق قتل کر دیا گیا۔

اعظم ہمایوں: ابراہیم کا چچیرا بھائی اعظم ہمایوں اگرچہ بہت پہلے جلال الدین کو چھوڑ کر ابراہیم سے آملا تھا، لیکن پادشاہ کے دل سے شبہ دُور نہ ہوا اور اس نے اعظم ہمایوں اور اس کے ایک بیٹے فتح خاں کو قید میں ڈال دیا، دوسرے بیٹے اسلام خاں کو کڑا اینک پور کی حکومت سے برطرف کر دیا۔ بعض افغان سردار پادشاہ کی اس سختی پر اتنے ناراض ہوئے کہ انہوں نے ابراہیم کے خلاف لڑنے کے لیے بھاری لشکر جمع کر لیا جس میں چالیس ہزار سوار، بہت سے پیادے اور پانسو ہاتھی تھے۔ ایک خدا رسیدہ بزرگ شیخ راجو بخاری نے اس لڑائی کو روکنا چاہا۔ باغیوں کی طرف سے صرف یہ شرط پیش ہوئی کہ اعظم ہمایوں کو قید سے رہا کر دیا جائے۔ ابراہیم نے ایک نہ سنی۔ لڑائی ہوئی جس میں اسلام خاں مارا گیا۔ اس طرح کوتاہ اندیشی کے باعث سلطنت کی قوت باہمی لڑائیوں میں ضائع ہونے لگی۔

رانا سانگا سے جنگ: میواڑ نے رانا سنگرام سنگھ عرف سانگا کے زمانے میں بڑی قوت حاصل کر لی تھی۔ ابراہیم نے اس قوت کا سر کچلنے کے لیے ایک فوج تیار کی جس میں تیس ہزار سوار اور تین سو ہاتھی تھے۔ لڑائی میں راجپوتوں کا بہت نقصان ہوا، رانا سانگا زخمی ہو کر میدان سے بھاگ نکلا اور ابراہیم نے فتح پائی۔ رانا سانگا کو شکست دینا معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ ابراہیم اس کے بعد اپنی طاقت و قوت اور بہادری پر اور بھی مغرور ہو گیا۔

افغان امیروں پر سختیاں: اب اس نے افغان امیروں کو سختی سے دبانا شروع کیا۔ کئی امیر قید میں ڈال دیے، کئی مارے گئے۔ یہ حالت دیکھ کر دریا خاں لوحانی کے بیٹے بہادر خاں نے بہار میں خود مختاری کا اعلان کر دیا اور محمد شاہ لقب اختیار کیا۔ ابراہیم اس بغاوت کو فرو نہ کر سکا۔

اس اثنا میں دولت خاں لودھی حاکم پنجاب کا بیٹا دلاور خاں آگرے پہنچا۔ ابراہیم اس کو قید خانے میں لے گیا جہاں افغان امیروں کو زنجیروں میں جکڑ کر دیوار کے ساتھ لٹکایا گیا تھا اور کہا: ''جو لوگ میرے حکم سے سرتابی کریں، ان کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے۔''

ابراہیم کا مدعا یہ تھا کہ دلاور خاں کو ڈرایا جائے۔ اس نے سب کچھ دیکھا۔ پھر چپ چاپ آگرے سے نکلا اور لاہور پہنچ کر باپ سے کہا کہ: اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو جلد سے جلد بچاؤ کا کوئی انتظام کر لو، ورنہ ابراہیم کے پنجے سے رہائی کی کوئی صورت نہیں۔

بابر کو بلاوا: دولت خاں نے پریشانی کی حالت میں کابل کے بادشاہ بابر کے پاس بلاوا بھیج دیا جو ہندوستان کے شمال و مغربی حصے کو مسخر کر چکا تھا۔ بلاوا یہ تھا کہ آیئے اور ابراہیم کی جگہ اس کے چچیرے بھائی علاؤ الدین عالم خاں کو تخت پر بٹھایئے۔ دولت خاں کا خیال تھا کہ بابر ہندوستان آئے گا، ابراہیم کو شکست دے گا، پھر کچھ روپیہ لے کر واپس چلا جائے گا اور پنجاب میں خود اُس کا (دولت خاں کا) اقتدار قائم ہو جائے گا۔ بابر پہلے ہی ہندوستان کو خاندانی میراث سمجھتا تھا، اس لیے کہ تیمور اسے دو سو سال پیشتر فتح کر چکا تھا اور خضر خاں نے تیموری کے نام پر حکمرانی کا آغاز کیا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ افغان امرا بادشاہ کے مخالف بن گئے ہیں اور حاکم پنجاب کی طرف سے بلاوا بھی پہنچ گیا ہے، تو ۱۵۲۴ء میں لشکر لے کر آ گیا۔ لاہور کے قریب پہنچا تو دہلی کی فوج مقابلے کے لیے تیار تھی۔ بابر اسے بہ آسانی شکست دے کر لاہور پر قابض ہو گیا اور اس نے دیپال پور بھی لے لیا۔

دولت خاں کی منافقت: بابر نے فتح کے بعد دولت خاں کو جالندھر اور سلطان پور کے علاقے جاگیر میں دے دیے۔ دیپال پور کی حکومت علاؤ الدین عالم خاں کے حوالے کی۔ لاہور میں اپنا گورنر بٹھا دیا۔ یہ انتظامات دولت خاں کے نزدیک کیوں کر اطمینان بخش ہو سکتے تھے جو پورے پنجاب پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا؟ بابر نے اس کی یہ ہچکچاہٹ دیکھی تو جالندھر اور سلطان پور کی جاگیر اس کے بیٹے دلاور خاں کے حوالے کر دی اور خود اس ارادے سے واپس لوٹ گیا کہ مزید

فوج لا کر دہلی پر پیش قدمی کرے۔ کابل پہنچا تو معلوم ہوا کہ بلخ کی طرف سے اوزبکوں کے حملے کا خطرہ ہے، اس لیے وہاں ٹھہر گیا۔

اس اثنا میں دولت خاں اٹھا اور اپنے بیٹے سے جالندھر اور سلطان پور کی جاگیر چھین لی۔ پھر علاؤالدین عالم خاں کو دیپال پور سے نکال دیا۔ عالم خاں نے کابل پہنچ کر سارے حالات بابر کو سنائے۔ وہاں بابر اور عالم خاں کے درمیان عہد نامہ ہو گیا کہ دہلی کا تخت عالم خاں کے حوالے کر دیا جائے گا اور پنجاب پر بابر کی حکومت تسلیم کر لی جائے گی۔

عالم خاں واپس آیا تو دولت خاں نے اسے بابر سے برگشتہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ دونوں نے مل کر ابراہیم پر حملہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اس کشمکش میں خاصا وقت لگ گیا، یہاں تک کہ ۱۵۲۶ء میں بابر تازہ دم فوج لے کر ہندوستان آ گیا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ افغان سرداروں پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا اس لیے خود دہلی کا تخت حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

بابر کی پیش قدمی: بابر بارہ ہزار سپاہ لے کر آیا تھا۔ دولت خاں کا بیٹا دلاور خاں ساتھ ہو گیا۔ پھر دولت خاں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ بابر نے اسے معاف کر دیا، اس کی خاندانی املاک کو نہ چھیڑا، لیکن اور کوئی جاگیر نہ دی۔ سیالکوٹ سے بابر سیدھا دامنِ کوہ کے ساتھ ساتھ سرہند پہنچا۔ ہمایوں کو فوج دے کر حصار فیروزہ کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ ہمایوں کامیاب ہوا اور بابر نے حصار فیروزہ کو اس کی جاگیر میں دے دیا۔ پانی پت کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم کا لاؤ لشکر صرف چھ کوس کے فاصلے پر ہے، وہیں پر ڈیرے ڈال دیے۔

دہلی اور انبالہ کے درمیان اسی میدان میں پھر ایک مرتبہ ہندوستان کی تقدیر کے فیصلے کی بساط بچھ گئی، جہاں کئی صدیاں پہلے کورو اور پانڈو لڑے تھے اور لڑ کر دہلی پر حکمرانی کا حق طے کیا تھا۔ وہیں شہاب الدین محمد غوری نے ایک مرتبہ بازی ہار کر دوسری مرتبہ دہلی کا تخت جیتا تھا۔ وہیں بابر کے بعد بھی کئی بار ملک کی تقدیر کا فیصلہ ہوا۔ اس لڑائی کو تاریخ میں پانی پت کی پہلی جنگ کہتے ہیں جس میں لودھیوں کی بادشاہی کا چراغ گل ہوا اور مغلوں کے کاشانۂ اقبال میں کافوری شمعیں روشن ہو گئیں۔

لشکروں کی کیفیت: ابراہیم کے ساتھ ایک لاکھ جنگجو اور ایک ہزار ہاتھی تھے۔[2] بابر کے پاس صرف بارہ ہزار جانباز تھے۔[3] دونوں فریقوں کی سپاہ میں اتنا فرق تھا کہ ظاہر میں بابر کے لیے فتح

یاب ہونا محال تھا۔ ابراہیم بہادری اور شجاعت میں کم نہ تھا۔ پھر اپنے وطن میں اور اپنی سلطنت کے اندر لڑ رہا تھا۔ اس کے سپاہی چپے چپے کے حالات سے واقف تھے اور انہیں رسد حاصل کرنے یا مزید کمک مہیا کر لینے میں کوئی دقت پیش نہیں آسکتی تھی۔ اس کے مقابلے میں بابر کی سپاہ کے لیے ملک اجنبی تھا۔ وہ کہیں سے مدد نہیں لے سکتے تھے۔ اسی رسد پر گزارا کرنے کے لیے مجبور تھے جو اِدھر اُدھر سے بہ زور فراہم کر لیتے۔ شکست کھاتے تو ان کے لیے بچ کر واپس جانا مشکل تھا۔

لیکن دونوں فوجوں کے سپہ سالاروں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ابراہیم کو بنی بنائی سلطنت ملی اور اس نے اپنی بے تدبیری سے اس میں جگہ جگہ رخنے پیدا کر دیے۔ اپنے ہم قوم بھائیوں کو ناراض کر لیا جو اس کے باپ دادا کے عہد میں جانیں چھڑکتے رہے تھے۔ بابر نے باپ سے جو میراث پائی تھی وہ چھن گئی، تو اپنی قوتِ بازو سے نئی سلطنت پیدا کر لی۔ بارہ برس کی عمر سے لڑائیاں اس کے لیے رات دن کا کھیل بنی ہوئی تھیں۔ مغل سپاہی بیسیوں معرکوں میں اپنے سالار کی کاردانی کے جوہر دیکھ چکے تھے اور اس پر جانیں نثار کرنا باعثِ فخر جانتے تھے۔

سب سے آخر میں یہ کہ ابراہیم کے لشکر میں کوئی باقاعدگی اور کوئی تنظیم نہ تھی۔ اس نے محض لڑائی پیش آجانے پر بڑا لشکر جمع کر لیا تھا اور ہندوستانی بادشاہوں کا عام طریقہ یہی تھا کہ تیار فوج زیادہ نہ رکھتے۔ جب ضرورت پڑتی، وقتی طور پر آدمی بھرتی کر لیتے۔ خود بابر نے لکھا ہے کہ ابراہیم چاہتا تو دو لاکھ فوج بہ آسانی فراہم کر لیتا، لیکن اس نے بخل سے کام لیا اور زیادہ روپیہ خرچ کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔

جنگ پانی پت (۱۵۲۶ء): ابراہیم کا لشکر کوسوں میں پھیلا ہوا تھا۔ دور دور تک خیموں کا جنگل نظر آتا تھا۔ ہندوستانی امیر راگ رنگ کے اتنے عادی ہو چکے تھے کہ کہتے ہیں، طائفے بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ بابر کی فوج چوں کہ مقابلے میں بہت کم تھی، اس لیے اس نے حفاظت کے انتظامات بڑے اچھے پیمانے پر کیے۔ پانی پت شہر کو لشکر کے دائیں ہاتھ پر رکھا۔ سامنے توپوں کا پرا جمایا جن کو چمڑے کے رسّوں سے باندھ کر ایک زنجیرہ سا بنا دیا۔ ان توپوں کے بیچ میں تھوڑی تھوڑی جگہ چھوڑ دی اور خالی جگہ میں مٹی کے چھ چھ سات سات بورے اُوپر تلے رکھ کر اوٹ بنالی۔ ان کے پیچھے بندوقچی کھڑے کیے۔ فوج کے بائیں بازو پر خندق کھود کر درختوں کی شاخیں لگا دیں تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے۔ توپوں کے آراستہ کرنے کا یہ طریقہ بابر نے عثمانی ترکوں سے لیا

تھا، جنہیں عام طور پر رومی کہتے تھے۔ استاد علی قلی اور مصطفےٰ توپچی بابری توپ خانے کے افسر تھے، یہ عثمانی ترکوں کے پاس ملازم رہ چکے تھے۔

۱۹ اپریل کو بابر کی سپاہ کے پانچ ہزار آدمیوں نے ابراہیم کے لشکر پر شب خون مارا، پھر چھوٹی چوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو جمعہ کا دن تھا کہ صبح ہی ابراہیم کی فوج لڑائی کے لیے تیار ہو کر نکلی۔ سورج ایک نیزہ چڑھا تھا کہ لڑائی شروع ہوئی۔ مغل سواروں نے تین جتھے بنا لیے۔ دو غنیم کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے، تیسرے کو لشکر گاہ کی حفاظت سونپ دی گئی۔ بابر کے تیر اندازوں نے اوزبکوں کا طریق جنگ اختیار کیا۔ پہلے ابراہیم کے دائیں بازو کو توڑا اور اس کے لشکر کے پیچھے پہنچ گئے۔ پھر آگے پیچھے اور بازو سے تیز حملے شروع کر دیے اور ہر جانب سے تیروں کا مینہ برسانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں لودھی لشکر کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ بابر کے توپ خانے نے بھی بڑا نقصان پہنچایا۔ ابراہیم کے جنگی ہاتھی توپوں کی آواز سن کر ڈر گئے اور پیچھے کی طرف بھاگے، اس طرح انہوں نے ہی اپنی ہی فوج کو پامال کر ڈالا اور اس کی صفیں توڑ دیں۔

ابراہیم جوانمرد تھا۔ سپاہ کی پریشانی کے باوجود مقابلے پر جما رہا۔ مشیروں نے ہر چند کہا کہ "بچ کر نکل جایئے" لیکن وہ نہ ہلا۔ پھر بابر کے لشکر نے بچ نکلنے کا راستہ بند کر دیا۔ وہ لڑتا ہوا مارا گیا۔ دوپہر تک جنگ ختم ہو گئی جو تاریخ کی چند اہم فیصلہ کن لڑائیوں میں گنی جاتی ہے۔

ابراہیم کے آس پاس کی لاشیں گنی گئیں تو چھ ہزار سے کم نہ تھیں۔ بابر کا اندازہ تھا کہ اس میدان میں ہندوستان کے سولہ ہزار سپاہی مارے گئے لیکن ہندوستانیوں کے اندازے کے مطابق مقتولوں کی تعداد چالیس ہزار سے کم نہ تھی۔

مغل شہنشاہی کا آغاز: اس طرح ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو لودھیوں کی بادشاہی ختم ہو گئی اور ہندوستان کے آسمان پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوا، جو آگے چل کر مکران سے برما اور کابل سے راس کماری تک اس وسیع ملک کے گوشے گوشے میں اُجالا کرنے والا تھا۔ یہ مغل تھے جو سوا تین سو برس یہاں حکمران رہے۔ یہی زمانہ ہندوستان کی تاریخ کا سنہری زمانہ ہے۔ یہی دَور ہے جس میں یہ ملک علم و تہذیب، دولت و حشمت اور عظمت و شوکت میں اس بلند مقام پر پہنچا، جس کی مثال نہ پہلے موجود تھی، نہ بعد میں پیش ہو سکی۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ لدھیانہ اور انبالہ کے درمیان ہے۔

۲ اس کا صحیح تلفظ رَوَر (بروزن افسر) ہے۔ یہ موجودہ ریاست گوالیار میں ہے۔

۳ بعض مؤرخوں نے افغانی لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی ہے۔

۴ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بابر کے سواروں اور پیادوں کی تعداد پندرہ ہزار تھی۔

maablib.org

چودھواں باب

مسلمانوں کا دورِ حکومت

مختلف دَوروں کی عام کیفیت: لودھیوں پر ہندوستان میں اسلامی حکومت کا پہلا دَور ختم ہو گیا۔ عرب یہاں ۷۱۲ء میں آئے تھے لیکن ان کا دائرۂ اثر سندھ اور ملتان سے آگے نہ بڑھ سکا۔ تقریباً تین سو برس گزر گئے تو غزنویوں کی آمد آمد ہوئی۔ سلطان محمود نے دُور دُور تک لشکر کشی کی لیکن اس کی باقاعدہ حکومت کی حد پنجاب سے آگے نہ بڑھی۔ دہلی کی سمت ہانسی اور سرہند غزنوی سلطنت کی آخری چوکیاں تھیں۔ ۱۱۹۲ء میں محمد غوری نے پرتھوی راج کو شکست دی اور اس کے جرنیلوں نے شمالی ہند کے بڑے حصّے کو مسخّر کیا۔ ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک سے یہاں مستقل اسلامی حکومت کا آغاز ہوا جس کا باہر سے کوئی تعلق نہ تھا اور وطنیت کے عام اصول کے مطابق وہ خالص ہندوستانی حکومت تھی۔

اس سے لے کر لودھیوں تک کئی بادشاہیاں بدلیں جن کا سرسری نقشہ یہ ہے۔

خاندانِ بادشاہی	مدّتِ حکومت
غلام بادشاہ	۸۴ سال
خلجی بادشاہ	۳۱ سال
تغلق بادشاہ	۹۳ سال
سید بادشاہ	۳۷ سال
لودھی بادشاہ	۷۵ سال

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ تین سو برس کی اس مدت میں ہندوستان کی حالت کیا رہی؟ پہلے انتظامات میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں؟ رعایا کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا؟ مسلمان بادشاہوں نے اس ملک کی کیا کیا خدمتیں انجام دیں؟ اس قسم کے تمام معاملات کو سامنے رکھے بغیر مسلمانوں کے دَورِ حکومت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔

کیا یہاں شرعی حکومت قائم ہوئی؟ یہ حقیقت پہلے ہی واضح کر دینی چاہیے کہ اس ساری مدت میں یہاں کبھی شرعی حکومت قائم نہ ہوئی۔ ہم اسے صرف اس وجہ سے اسلامی حکومت قرار دیتے ہیں کہ حکمران مسلمان تھے۔ ان میں بہت اچھے بادشاہ بھی گزرے، معمولی درجے کے بادشاہ بھی تھے، بعض بڑے دین دار اور حق شناس تھے، بعض محض نام کے مسلمان تھے۔ حکومتیں سب کی دُنیا دارانہ تھیں، اگرچہ بادشاہوں اور ان کے کارکنوں کی اسلامیت کے باعث ان میں اسلامی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔

عرب اور غیر عرب کا فرق: یہ بھی جان لینا چاہیے کہ مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو ان میں اخلاق اور عمل کی پاکیزگی کا وہ نقشہ باقی نہیں رہا تھا، جس نے خلفائے راشدین کے زمانے میں دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور ہر مقام پر خدا کے بندوں کے دل اسلام کے لیے کھل گئے تھے۔ محمد بن قاسم کی آمد کے وقت بھی اس نقشے میں بڑی تبدیلیاں آ چکی تھیں اور حکومت میں دُنیاداری کا رنگ پیدا ہو گیا تھا۔ پھر سندھ کو چھوڑ کر ہندوستان کے ہر حصے میں اسلام ترکوں اور افغانوں کے ذریعہ سے پہنچا، جن میں عربوں کی مانند تبلیغ کی حقیقی رُوح موجود نہ تھی۔ عرب جہاں پہنچے، خدا جانے ان میں کیا بات تھی کہ خفیف سے جبر کے بغیر نہ محض مذہب بلکہ تمدن اور زبان بھی بدل دی۔ سندھ میں وہ تھوڑی مدت رہے اور مفتوحوں کے مندروں کے لیے پہلے سے جو رقمیں مقرر تھیں، وہ بھی انہوں نے باقی رکھیں؛ تاہم اس خطے پر اسلامیت کا ایسا رنگ چڑھا دیا کہ تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی اس کی آب و تاب نمایاں ہے۔ اس کے برعکس ترکوں اور افغانوں کو دیکھیے کہ صدیوں تک دہلی اور آگرے میں ان کے تخت بچھے رہے، لیکن ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی تیرہ چودہ فی صدی سے آگے نہ بڑھی۔

ہندوستان پر حملے کے اسباب: سندھ پر عربوں کے حملے کا سبب ہم پہلے بتا چکے ہیں اور وہ یہ کہ راجا داہر نے پے در پے ان کو چھیڑا۔ آخر میں ان کے جہاز سندھ کی بندرگاہ میں لوٹے گئے، پھر اس نقصان کی تلافی سے انکار کر دیا۔ غزنویوں کے حملوں کا سبب بھی یہ تھا کہ برہمن شاہی خاندان کے راجاؤں نے بار بار غزنی کی سلطنت پر حملے کیے تھے۔ پھر وہ ہندوستان کے اکثر راجاؤں کا جتھا بنا کر سلطان محمود پر چڑھ دوڑے۔ اس جتھے کو شکست دینے کے بعد سلطان نے سال بہ سال ان تمام راجاؤں پر یورشیں کیں، جنہوں نے بلاوجہ غزنی سے جنگ مول لی تھی۔ یہ ایسے ہی حملے تھے

جیسے فرمانروا ایک دوسرے پر کرتے رہتے تھے۔ انند پال والی لاہور نے ہندو راجاؤں کو دھرم کے نام پر اکٹھا کیا اور محمود غزنوی پر یورش کے لیے پشاور جا پہنچا۔ اس کے پنڈت اور پروہت گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو دھرم کے نام پر لڑائی کے لیے اُٹھاتے رہے۔ یہ تاریخی حقیقت سب مؤرخوں نے بھلا دی اور سلطان محمود کے حملوں کو مذہب کا رنگ دے کر افسانے تیار کرنے میں کسی نے کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے!

یقین رکھنا چاہیے کہ ہندوستان پر جتنے حملے ہوئے، وہ مذہبی نہ تھے، نہ مذہب کی خاطر کیے گئے۔ من چلے آدمی تیغ زنی کے جوہر دکھانے کے لیے ایک دوسرے پر چڑھائیاں کرتے رہتے تھے۔ برہمن شاہی خاندان کے راجاؤں نے یہی کیا۔ محمود غزنوی نے بھی یہی کیا۔ برہمن شاہی ہار گئے، محمود جیت گیا۔ پھر ہندوستان کی زرخیزی کا علم مسلمان کو ہوا تو وہ یہاں آباد ہو گئے، جس طرح ان سے پہلے آریا باہر سے آ کر آباد ہوئے تھے۔

دونوں کی آبادکاری کا یہ فرق کسی بیان کا محتاج نہیں کہ آریاؤں نے یہاں کے اصل باشندوں کو بالکل مٹا دیا یا اچھوت بنا کر انسانیت سے گرا دیا، لیکن مسلمان آبادکاروں نے یہاں کے باشندوں کے حقوقِ ملکیت و مذہب بالکل بحال رکھے بلکہ ان طریقوں کو بھی نہ روکا جو خود مسلمانوں کے لیے خاصے ذلت خیز تھے، مثلاً چھوت چھات۔ یہی وجہ ہے کہ آٹھ نو سو برس کی حکمرانی کے باوجود مسلمان پورے ہندوستان کی آبادی کا صرف ایک چوتھائی حصہ رہے، اگرچہ یہاں کا کوئی خطہ نہیں جہاں انہوں نے عالی شان حکومتیں قائم نہ کیں۔

غیر مسلموں کے حقوق: مسلمانوں نے غیر مسلموں کے عام حقوق یا طرزِ معاشرت یا مذہبی اطوار میں کوئی دخل نہ دیا۔ وہ مندروں میں جاتے تھے، اپنے طریقے کے مطابق پوجا پاٹ کرتے تھے اور کوئی انہیں چھیڑنے یا روکنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ تجارت اور کھیتی باڑی میں وہ آزاد رہے۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں دوآبہ گنگا و جمنا میں ہزاروں ہندو زمیندار اور سیکڑوں چھوٹے بڑے رئیس تھے، جو آئے دن فتنے اُٹھاتے رہتے تھے یا اُٹھے ہوئے فتنوں میں حکومت کے خلاف شریک ہو جاتے تھے لیکن نہ کسی کی زمین کبھی ضبط ہوئی، نہ کسی سے گھر بار چھڑایا گیا۔ جو رئیس خلاف لڑے، وہ بے شک اپنی سزا کو پہنچے، جنہوں نے حکومتِ وقت سے بغاوت نہ کی ان کی حیثیت بالکل محفوظ رہی۔ رواداری کا یہ حال کہ پرتھوی راج سے دو مرتبہ محمد غوری کی جنگ ہوئی۔

جب اجمیر فتح ہو گیا تو پرتھوی راج کے بیٹے کو وہاں کی حکومت سونپ دی۔

ہتھیار کبھی نہ چھینے: ایک اور بات سوچنے اور عبرت حاصل کرنے کی ہے۔ مسلمان کئی سو برس یہاں حکمران رہے، تاہم ایک مرتبہ بھی آبادی کے کسی حصے کو نہتا نہ کیا گیا۔ بغاوتیں بھی ہوئیں لیکن ہتھیار چھیننے کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ قانونِ اسلحہ کبھی جاری نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ سیکڑوں برس کی حکمرانی کے باوجود یہاں ہندو ریاستیں قائم ہوتی رہیں۔ دکن میں وجے نگر، مہاراشٹر میں مرہٹے، پنجاب میں سکھ برسرِ حکومت آ گئے۔ اس قسم کے خطرے پہلے دن سے موجود تھے اور مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کے مقابلے میں بہت کم تھی، لیکن مسلمان حکمرانوں نے یہاں کی آبادی کا جوہرِ مردانگی کچلنے کی کوشش کبھی نہ کی۔

ملک کی حفاظت: یہاں اسلامی حکومت بن جانے کے بعد سب سے بڑا خطرہ تاتاریوں نے پیدا کیا، جو ترکستان، خراسان اور ایران و عراق کی اسلامی آبادیوں کو بے دردی سے پامال کر چکے تھے اور التتمش کے عہد سے لے کر تغلقوں تک یہ خطرہ خوف ناک صورت میں باقی رہا۔ مسلمان حکمرانوں نے شمالی و جنوبی سرحد کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اپنی بہترین فوجیں اور بہترین جرنیل اسی حصے میں رکھے۔ پنجاب پر ان حملوں کا بوجھ سب سے بڑھ کر پڑا، باقی سارا ملک محفوظ رہا۔

بادشاہوں کی حیثیت: یہاں جو بادشاہ ہوئے، وہ سب مطلق العنان تھے، لیکن ان میں اور عام مطلق العنان بادشاہوں میں بڑا فرق تھا۔ مثلاً

۱۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کو خدا ترسی، حق شناسی اور انسانوں کی برابری کا جو سبق پڑھا دیا تھا، اس کا اثر کم و بیش سب بادشاہوں میں موجود تھا۔ وہ مسلمان رعایا سے بے تکلف ملنے کے عادی تھے۔ غیر مسلم رعایا کے لیے کبھی نیا ڈھنگ اختیار نہ کیا۔ سب فریادیوں کے مقدمے خود سنتے اور ان میں مذہب یا فرقے کی کوئی تمیز نہ تھی۔

۲۔ لائق بادشاہوں کو سب خوشی خوشی قبول کرتے رہے، نالائق بادشاہوں کو تخت سے اُتار دیا گیا۔ اگر شاہی خاندان میں سے کوئی حکومت کا اہل نظر نہ آیا تو سرداروں نے مل کر کسی دوسرے شخص کے سر پر تاج رکھ دیا۔ ایبک، التتمش، بلبن، فیروز خلجی، غیاث الدین تغلق، خضر خاں سید اور بہلول لودھی اسی طرح بادشاہوں کے درجے پر پہنچے۔

۳۔ چند آزاد طبع بادشاہوں کو چھوڑ کر ایک بھی نہیں مل سکے گا، جس نے رعایا کے حقوق کے سلسلے میں مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑا ہو یا کسی قسم کے تعصب کو روا رکھا ہو۔ یہاں اگرچہ کئی انقلاب آئے لیکن مسلمان بادشاہوں کی ہر دل عزیزی قائم رہی اور مغلوں کے دور میں تو یہ حال ہو گیا تھا کہ بابر کی اولاد کے سوا کوئی فرد بادشاہی کے لائق نہیں سمجھا جاتا تھا، یہاں تک کہ مرہٹے پیشوا اور ان کے سردار اپنے پروانوں پر ان بادشاہوں سے مہریں لگوانا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔

حکومت کا ڈھانچہ: حکومت کے بڑے شعبے یہ تھے: محکمۂ فوج، محکمۂ مال، محکمۂ انصاف، محکمۂ انشا اور محکمۂ اطلاعات۔ مختلف موقعوں پر کئی نئے محکمے بن گئے، مثلاً علاؤ الدین خلجی نے نرخوں کی پابندی کرانے کے لیے ایک مستقل محکمہ بنا دیا تھا۔ علاوہ بریں ڈاک، پولیس، خفیہ پولیس، زراعت، تعمیرات، صنعت و حرفت، خیرات اور بحریات کے محکمے بھی تھے۔

فوج کئی قسم کی ہوتی تھی۔ مثلاً:

۱۔ شاہی فوج، جو پائے تخت یا سرحدوں کی حفاظت کرتی یا مختلف چھاؤنیوں میں اسے رکھا جاتا۔

۲۔ صوبیداروں یا جاگیرداروں کی فوج: یہ صوبیداروں یا جاگیرداروں کے ماتحت رہتی۔ جیسے جیسے ضرورت پڑتی، بادشاہ کے حکم کے مطابق اسے مختلف محاذوں پر بھیجا جاتا۔

۳۔ خاص ضرورتوں کے وقت بادشاہ عارضی بھرتی کر لیتا یا صوبیداروں کو عارضی بھرتی کا حکم دے دیتا۔

عام طور پر مختلف فوجی افسروں کو جاگیریں دے دی جاتیں اور وہ ان جاگیروں کی آمدنی سے اپنی اپنی سپاہ کی تنخواہیں ادا کرتے۔ علاؤ الدین خلجی نے جاگیروں کا طریقہ بند کر کے تنخواہوں کا سلسلہ جاری کیا تھا لیکن یہ زیادہ دیر تک نہ چلا۔

مسلمانوں کے زمانے میں فوج کی تنظیم پر خاص توجہ کی جاتی تھی اور سب سے زیادہ خرچ اسی محکمے کا تھا۔ پھر جنگ اور حفاظت کے نئے نئے طریقے جاری ہوئے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج کے لیے جراح اور طبیب ملازم رکھے جاتے۔ جو سپاہی پیدل نہ چل سکتے، ان کو میدانِ جنگ سے اٹھا کر کیمپ میں پہنچانے کے لیے آدمی مقرر ہوتے جو ڈولیوں یا چارپائیوں سے کام لیتے۔

شہروں کا انتظام: بڑے بڑے شہروں کا انتظام کوتوال کے ہاتھ میں ہوتا۔ پائے تخت کا کوتوال بہت بڑے آدمی کو بنایا جاتا۔ کوتوال ہی دروازوں کی حفاظت کے لیے پہرے مقرر کرتا۔ رات کے وقت اسی کے پاس دروازوں کی کنجیاں رہتیں۔ شہری انتظام کے تمام محکمے اسی کے ماتحت ہوتے، مثلاً بازاروں اور منڈیوں کے نرخوں کی دیکھ بھال۔ اس کے ماتحت خفیہ پولیس کے آدمی ہوتے جو ذرا ذرا سی بات کی رپورٹیں پہنچاتے رہتے۔ وہ ایسے داروغے بھی مقرر کرتا جو لوگوں سے مذہبی اور اخلاقی قوانین کی پابندی کراتے۔ انہیں "محتسب" کہتے تھے۔

سکّے اور وزن: مسلمانوں کے عہد میں زیادہ تر تین سکّے رائج رہے۔ سونے کا ٹنکہ جسے بعد میں اشرفی (یعنی پونڈ) کہنے لگے۔ چاندی کا ٹنکہ جو ہمارے روپے سے ذرا بڑا ہوتا تھا۔ اسے اس زمانے کا روپیہ سمجھنا چاہیے۔ "جیتل" تانبے کا سکہ تھا جس کی قیمت چار پائی کے لگ بھگ تھی۔ ان کے علاوہ دھیلوں اور دمڑیوں کا بھی رواج تھا۔ کوڑیاں بھی لین دین میں استعمال ہوتی تھیں۔ محمد تغلق نے تانبے کی اشرفیاں اور نوٹ چلائے تھے جو جلد بند کرنے پڑے۔

عام وزن وہی تھے جو ہمارے زمانے میں رائج ہیں۔ یعنی ماشہ، تولہ، چھٹانک، سیر، من۔ من چالیس ہی سیر کا ہوتا تھا، لیکن سیر ۲۴ تولے کا ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے اُس زمانے کا من بارہ سیر کا سمجھنا چاہیے اور سیر کچھ کم پانچ چھٹانک کا۔

ہر دل عزیزی کی بنیادیں: مسلمان یہاں پہنچے تو ہندوستان کا معاشرتی اور معاشی ڈھانچا بہت خراب اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔ مہاتما بدھ نے برہمنوں کے استبداد یا مذہبی اجارہ داری کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی وہ خاموش ہو چکی تھی۔ بدھ دھرم کے پیرو بھی آہستہ آہستہ برہمنوں کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔ ان میں بت پرستی آ گئی تھی۔ پہلے کی طرح ترک، تیاگ اور خدمتِ خلق کی رُوح باقی نہیں رہی تھی۔ چھوت چھات عام تھی۔ زیادہ تر لوگ خستہ حال تھے۔

مسلمان یہاں آئے تو چھوت چھات سے بالکل پاک تھے۔ ان کے دلوں میں یہ بات رچی ہوئی تھی کہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ شرقی غربی، امیر غریب، چھوت چھات کے فرق لوگوں نے پیدا کر لیے۔ مسلمانوں نے یہاں پہنچنے کے بعد سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، سب کی بہتری کے لیے کوششیں کیں، سب کو خوشحال بنانے پر توجہ مبذول رکھی، پھر سارے ملک میں امن پیدا کر دیا۔ اس وجہ سے ان کی حکومت ہر دل عزیز بن گئی اور

لاکھوں غیر مسلم مسلمان بن گئے۔ مسلمانوں کے نزدیک اچھی حکمرانی کے خاص وصف یہ تھے کہ ملک میں امن رہے، باہر سے حملہ نہ ہو، اندر کوئی فتنہ نہ اٹھے، کسی طبقے پر ظلم نہ ہو، آبادی بڑھے، کھیتی باڑی کو ترقی ہو، صنعت و تجارت فروغ پائیں، باشندے خوشحالی کی زندگی بسر کریں اور سب کے ساتھ بلا امتیاز مذہب عدل کا برتاؤ ہو۔

ہندوستان کی وطنیت: ایبک سے لے کر بہلول لودھی تک ایک بادشاہ کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا جس نے ہندوستان کو اپنا پیارا وطن نہ سمجھا یا اس کی حفاظت میں اپنی جان نہ لڑائی یا اس ملک کی دولت سمیٹ کر باہر لے گیا۔ وہ سب اسی طرح ہندوستانی فرمانروا تھے جس طرح پرتھوی راج یا جے چند یا دوسرے بیسیوں راجا ہندوستانی تھے۔ وہی تھے جنہوں نے اس سرزمین کے ٹکڑوں کو ملا ملا کر اسے ایک ملک بنانے کی کوشش کی۔ وہی تھے جنہوں نے اسے فوجی قوت، زراعت، تجارت اور تعمیرات کے ذریعہ سے ترقی کی بلندی پر پہنچایا۔ وہی تھے جنہوں نے رفاہِ عام کے وسائل سے ملک کی آبادی بڑھائی۔ انہیں کی وجہ سے ہزاروں کاریگر یہاں آئے اور اس ملک میں نئی نئی صنعتیں جاری ہوئیں۔ وہی تھے جن کی وجہ سے ہندوستان کا بنا ہوا مال خشکی و تری کے راستے دُور دُور کے ملکوں تک پہنچنے لگا۔ چوں کہ ملک کے اندر بالکل امن قائم ہو گیا، مختلف علاقے پہلے خود مختار تھے، پھر ایک حکومت کے ماتحت آ گئے اور ان میں وحدت پیدا ہو گئی، اس لیے اندر کی تجارت خوب چمکی اور لوگوں کی خوشحالی بڑھی۔

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب: اب صرف ایک بات رہ گئی جس کا ذکر ضروری ہے اور وہ یہ کہ کیا وجہ ہے مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں یہاں آئے اور اپنے سے کئی گنا لشکروں پر فتوحات حاصل کرتے رہے؟ مثلاً داہر کے مقابلے میں محمد بن قاسم کی فوج بالکل تھوڑی تھی۔ یہی حالت غزنوی اور غوری کی فوجوں کی تھی۔ اس کی نمایاں وجہ یہی ہے کہ مسلمان سپہ سالار ہندوستانیوں کے مقابلے میں زیادہ بہادر اور باتدبیر تھے۔ مسلمان سپاہیوں کو لڑائیوں کا زیادہ تجربہ تھا۔ وہ زیادہ جفاکش اور جانباز تھے۔ اسلام کی تعلیم نے ان میں اتفاق اور سپہ سالار یا امیر کی فرمانبرداری کا خاص جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ آخر میں یہ کہ ان کا عقیدہ تھا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ اگر موت آنے والی ہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، آنے والی نہیں تو اسے لا نہیں سکتا۔ اس لیے وہ میدان جنگ میں موت سے بالکل بے پرواہ رہتے تھے۔

وہ باہر سے لڑنے کے لیے آتے رہے اور کم تعداد میں آتے تھے۔ یہاں کے راجا گھر میں بیٹھ کر لڑتے تھے، لیکن ان کے مقابلے میں شکستیں کھاتے رہے۔ پھر مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں نے رعیت پروری کی برکت سے اپنی حکومتوں کو ہر دل عزیز بنالیا۔

☆.....☆.....☆

maablib.org

پندرھواں باب

ہندوستان کی تہذیب اسلامی عہد میں

ایک نئی تہذیب کی بنیاد: مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان میں ایک نئی تہذیب کی بنیاد پڑی۔ جس طرح عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں کے میل جول سے نئی تہذیب پیدا ہوئی تھی، اسی طرح ہندوستان میں مسلمان ترکوں، ایرانیوں، عربوں اور افغانوں اور ہندوؤں کے میل جول سے ایک نیا دور جاری ہوا، جس نے دونوں کی خصوصیتیں جمع کر لیں۔ اس کے اثرات زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں ہوئے۔ یہاں تک کہ فارسی اور ہندی کی آمیزش سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی جس کا نام بعد میں اردو مشہور ہوا۔ ہندو دھرم نے بھی اس میل جول کے اثرات قبول کیے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

اقتصادی حالات: مسلمانوں کے عہد میں عام لوگوں کی مالی حالت خاصی اچھی رہی۔ علاؤالدین کے زمانے کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ایک ہندو مؤرخ نے لکھا ہے کہ علاؤالدین نے جو اقتصادی نظام بنایا تھا، وہ عہدِ متوسط کے مدبّر کا ایک نادر کرشمہ تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک سوار اپنا اور گھوڑے کا گزارا ۲۳۴ ٹنکے میں بخوبی کر سکتا تھا۔ یعنی تقریباً بیس ٹنکے ماہانہ میں۔ دولت کی بہتات تھی۔ علاؤالدین جب اپنے چچا کو قتل کر کے کڑا مانک پور سے دہلی کی طرف روانہ ہوا تھا تو ہر منزل پر سونے اور چاندی کا مینہ برساتا رہا۔ مبارک شاہ خلجی کو قتل کرنے کے بعد بدبخت خسرو نے سارا خزانہ لٹا دیا تھا۔ یہ ۱۳۲۱ء کا واقعہ ہے، لیکن تین چار برس بعد محمد تغلق تخت نشین ہوا تھا تو اس نے بھی روپوں اور اشرفیوں کا مینہ برسایا تھا۔ بایں ہمہ اس کے خزانے میں اتنا روپیہ تھا کہ تین لاکھ ستر ہزار فوج کا خرچ سال بھر ادا کرتا رہا۔ بیسیوں دوسری سکیمیں چلائیں۔ جب تانبے کی اشرفیاں نہ چل سکیں تو سنہری اشرفیاں دے کر تانبے کے سارے سکے واپس لیے جن میں اکثر جعلی تھے۔

جب اس کے بعد میں قحط پڑا تو صرف دو برس میں ستر لاکھ ٹنکے کی رقم کاشت کاروں کو نقادی کے طور پر دے دی۔ علاوہ بریں قاضیوں کو حکم دے دیا کہ اپنے اپنے علاقے کے ضرورت

مندوں کی فہرستیں بنائیں اور ان تمام کو سرکاری ذخیروں سے غلّہ دیا جاتا تھا۔

بعد میں بھی عام حالات اچھے رہے۔ خصوصاً فیروز شاہ تغلق نے آبادکاری کے جو انتظامات کر دیے تھے، ان سے کاشتکاروں کو بڑا فائدہ پہنچا اور ملک کا مالیہ بھی بہت بڑھ گیا۔

خانقاہیں اور لنگر خانے: اس زمانے میں عام لوگوں کی امداد کا ایک طریقہ یہ تھا کہ بادشاہ خانقاہیں اور لنگر خانے بنا دیتے تھے جن میں لوگوں کو مفت کھانا ملتا تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے صرف دہلی میں ایک سو بیس خانقاہیں بنوا دی تھیں۔ ان میں سرکاری ملازم رکھے جو سرکاری خرچ پر کھانا پکواتے تھے۔ حکم تھا کہ ہر شخص ایک خانقاہ میں تین دن ٹھہر سکتا ہے۔ ایک سو بیس خانقاہیں اس لیے بنوائیں کہ جو شخص دہلی میں آ جائے، وہ ایک خانقاہ میں تین تین دن رہ کر کم از کم ایک برس مفت گزارے۔ اسی طرح لنگر خانے جاری تھے۔

سرائیں اور شفاخانے: محمد تغلق نے جب دولت آباد کو پایۂ تخت بنانا چاہا تو دہلی سے دکن تک سڑک بنوائی۔ اس کے دونوں طرف درخت لگوائے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سرائیں تعمیر کرائیں تاکہ آنے جانے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ سکندر لودھی نے لاہور اور دہلی کے درمیان دو دو کوس پر سرائیں تعمیر کرائی تھیں جن میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

فیروز شاہ تغلق نے جگہ جگہ شفاخانے تعمیر کرائے اور ان کے آس پاس کے دیہات کی آمدنی شفاخانوں کا خرچ چلانے کے لیے وقف کر دی۔ ان میں مریضوں کو دوا اور غذا سرکار کی طرف سے ملتی تھی۔ قابل طبیب اور جراح مقرر تھے۔ طبیب عام علاج معالجہ کرتے، جراح چیر پھاڑ کرتے۔ آنکھوں کے علاج کے لیے الگ آدمی ملازم تھے۔ احمد آباد (گجرات)، شادی آباد مانڈو (مالوہ) وغیرہ میں بھی شفاخانوں کی مثالیں ملتی ہیں۔ محمود شاہ بہمنی نے اپنی سلطنت کے مختلف شہروں میں یتیم خانے قائم کر دیے تھے جن میں بے وارث بچوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔

رفاہی انتظامات: ہم فیروز شاہ تغلق کے رفاہی کارناموں کو سرسری ذکر پہلے کر چکے ہیں۔ مثلاً پل اور تالاب بنوائے، کنوئیں کھدوائے، نہریں جاری کیں، اعلیٰ درجے کی درسگاہوں کا انتظام کیا، ہزاروں نئے گاؤں آباد ہو گئے، بہت سے شہر تعمیر ہوئے، حمام، محل اور مسجدیں بنوائیں، پرانے بادشاہوں کے کئی آثار محفوظ کرا دیے اور کم و بیش ایک سو مقبرے بنوائے۔

سکندر لودھی سال میں دو مرتبہ ساری سلطنت کے مسکینوں کی فہرستیں تیار کرا لیتا تھا اور

ان کے لیے گزارے کا انتظام کر دیتا تھا۔ ابراہیم لودھی کا طریقہ بھی یہی تھا۔

دہلی کی شان: مسلمانوں کے عہد میں دہلی تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور تجارت کا ایسا عظیم الشان مرکز بن گیا کہ سارے ایشیا میں اس جیسا شہر کوئی نہ رہا۔ ابنِ بطوطہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ دہلی کو نہ صرف ہندوستان کے شہروں بلکہ مشرق کے تمام اسلامی شہروں پر برتری حاصل ہے، حالاں کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی پرانی شہرت کی کوئی بنیاد بھی باقی نہ رہی تھی اور دہلی کے مقابلے میں قنوج و اجمیر یا پٹنہ زیادہ اونچے درجے کے شہر سمجھے جاتے تھے۔

تعمیرات: مسلمان جو فنِ تعمیر اپنے ساتھ لائے تھے، اس میں یہاں کے طرزِ تعمیر کی خوبیاں ملا کر نئی قسم کی پائیدار عمارتیں بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ قطب مینار کی بنیاد ایبک نے رکھی۔ التتمش کے عہد میں یہ پورا ہوا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام پر اس کا نام قطب مینار رکھا گیا۔ فیروز تغلق کے عہد میں اس پر بجلی گری اور اوپر کی منزل ڈھے گئی۔ فیروز نے اسے اتروا کر دو منزلیں بنائیں۔ سکندر لودھی نے بھی اس کی بالائی منزل کی مرمت کرائی۔ مینار کے علاوہ مسجدِ قوت الاسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ ایک مسجد اجمیر میں بنائی گئی۔

علاؤ الدین خلجی کے عہد میں بہت سی عمارتیں بنیں، جن میں سے ایک نمونہ اب تک باقی ہے یعنی مسجدِ قوت الاسلام کا علائی دروازہ، جو ہندی اسلامی تعمیر کا بہترین نقشہ پیش کرتا ہے۔ علاؤ الدین نے مینار کے مقابلے پر ایک مینار بھی شروع کرایا تھا لیکن وہ پورا نہ ہوا۔ اب اس کا صرف نشان باقی ہے۔ علاوہ بریں گجرات، مالوے، دکن، جون پور اور بنگال میں بھی عالی شان عمارتیں بنیں۔

کئی عمارتیں ایسی تھیں جو مٹ گئیں۔ مثلاً سیری، جہاں پناہ، کلوکھڑی یا فیروز شاہ کے کوٹلے کی عمارتیں۔ البتہ تغلق آباد کے کھنڈر اب تک باقی ہیں، اگرچہ ان کی پہلی رونق و آب و تاب نہیں رہی، تاہم ان سے طرزِ تعمیر کی شان اور پختگی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

علم و ادب: اسلامی عہد میں سیکڑوں عالم باہر سے آئے، سیکڑوں یہاں پیدا ہوئے جنھوں نے عربی اور فارسی میں مختلف علوم کے متعلق کتابیں لکھیں۔ ادب و شعر میں امیر خسرو کے پائے کا کوئی دوسرا شخص ہندوستان پیدا نہ کر سکا۔ اُن کے ساتھی خواجہ حسن دہلوی، محمد تغلق کے دربار کا شاعر بدر چاچی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ضیاء الدین برنی کی "تاریخِ فیروز شاہی"، منہاج السراج کی

''طبقاتِ ناصری''، یحییٰ بن احمد کی'' تاریخِ مبارک شاہی''، شمس سراج عفیف کی تاریخ اس زمانے کے حالات کے نہایت قیمتی مرقعے ہیں۔ امیر خسرو نے تاریخ میں ''خزائن الفتوح'' لکھی۔ دوسرے علوم پر بھی متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں۔

فیروز شاہ تغلق نے نگر کوٹ، کانگڑہ کو فتح کیا تو سنسکرت کے بہت پرانے نسخے ہاتھ لگے۔ ان میں سے بعض کا ترجمہ فارسی میں کرایا گیا۔ ایک کا نام'' دلائلِ فیروز شاہی'' رکھا۔ ہندوؤں نے بھی ہندو دھرم یا فلسفے اور دوسرے علوم پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔

اخلاقی اصلاح: مسلمانوں کے عہد کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ عوام کی اخلاقی اصلاح کا کام بڑے ہی نیک اور مبارک ہاتھوں سے شروع ہوا، یعنی بزرگان دین نے اپنی زندگیاں اس کام کے لیے وقف کر دیں۔ حکومت اور فوج کی مدد سے بالکل بے نیاز ہو کر وہ جہاں بیٹھے، تھوڑے ہی دنوں میں مریدوں کا ایک اچھا حلقہ پیدا کر لیا۔ اسی طرح قلیل سی مدت میں سارے ہندوستان کے اندر اصلاحِ اخلاق اور تبلیغِ اسلام کے سرچشمے جاری ہو گئے۔ ہم داتا گنج بخشؒ اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حالات پہلے بیان کر چکے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ کے حلقۂ فیض سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اُٹھے جن کی ساری عمر دہلی میں گزری۔ ان کے خلیفہ خواجہ فرید گنج شکرؒ نے اجودھن کو مرکز بنایا جس نے بعد میں پاک پتن نام پایا، پھر شیخ نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ نصیر الدین محمودؒ چراغِ دہلی، خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ (گلبرگہ)، شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی وغیرہ سیکڑوں بزرگ تھے جن کے فیض سے ہندوستان میں اسلام کی رونق بڑھی۔ ان بزرگوں کی عام کرامتوں پر جتنا زور دیا گیا، اتنا زور اس بات پر نہ دیا گیا کہ انہوں نے ہزاروں دلوں میں دینداری کی سچی روح پیدا کی، ان کے اخلاق سنوارے اور ان میں دینِ حق کی لگن لگائی۔

اشاعتِ اسلام: اسلام کی تعلیم بہت سادی تھی۔ اس میں اونچ نیچ کی کوئی تمیز نہ تھی۔ سب انسانوں کو برابر سمجھا جاتا تھا۔ باہمی محبت، رواداری اور بے تعصبی پر خاص زور دیا جاتا تھا، اس لیے ہندوستان کے غیر مسلم خود بخود اس کی طرف جھکنے لگے۔ بزرگانِ دین کی نیکی، نرم دلی، شفقت اور اخلاص کی برکت سے یہ کشش اور بھی بڑھ گئی۔ مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں ہندوستان آئے تھے۔ عربوں، ترکوں اور افغانوں میں سے ایک ایک کو بھی گن لیا جائے تو ان کی تعداد چند لاکھ سے نہیں بڑھے گی، لیکن آج اس ملک کے طول و عرض میں کروڑوں فرزندانِ توحید موجود ہیں۔ یہ

سب اپنے شوق سے بزرگانِ دین کی نیکی دیکھ کر مسلمان ہوئے، ورنہ کسی حکومت نے یہاں تبلیغ کا بندوبست نہ کیا اور نہ حکمرانی کا اثر و رسوخ اس غرض کے لیے استعمال کیا گیا۔

اسلام کا اثر ہندوؤں پر: مسلمانوں کے عقیدۂ توحید سے یہاں کے غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان میں کئی ایسے مصلح (ریفارمر) پیدا ہوئے جو عمر بھر یہ تعلیم دیتے رہے کہ مذہبوں کے رسمی اختلافات چھوڑ دو، باہمی جھگڑوں سے الگ ہو جاؤ، ایک خدا کو مانو اور اپنی زندگیاں پاکیزہ بناؤ، اچھے اخلاق پیدا کرو اور عمل میں نیک بنو۔ اس سلسلے میں رامانند جی، چیتنیا، بھگت کبیر اور گورو نانک کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سکھ دھرم کے بانی گورو نانک کا بڑا حصہ مسلمان درویشوں کی صحبت میں بسر ہوا۔ وہ اس طرح زندگی بسر کرتے رہے کہ مسلمان انہیں مسلمان اور ہندو انہیں ہندو سمجھتے تھے۔ ان کی تعلیم کے بنیادی اصول سامنے رکھے جائیں تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ اسلام سے بے حد متاثر تھے۔ بعد میں اسلامی سلطنت سے سکھوں کی ٹکر ہوئی اور اس طرح دشمنی پیدا ہو گئی تو سکھ دھرم کے ابتدائی ڈھانچے میں کئی تبدیلیاں رُونما ہو گئیں۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ رامانند جی اور گورو نانک دونوں بت پرستی کے سخت مخالف تھے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ مذہبی جھگڑے ختم ہو جائیں، تعصب باقی نہ رہے، لوگ بھائیوں کی طرح زندگیاں بسر کریں، اونچ نیچ مٹ جائے، چھوت چھات محو ہو جائے، سب کے عمل اور اخلاق اچھے ہو جائیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ باتیں ان نیک لوگوں نے اسلام سے لیں۔

ایک ہندو تاریخ دان کی گواہی: زمانۂ حال کے ایک مشہور ہندو تاریخ دان نے لکھا ہے: نانک کی تعلیمات میں اسلام کا اثر صاف نمایاں ہے۔ یہ بزرگ ذات پات، ایک سے زیادہ خداؤں کی پرستش اور بت پرستی کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ وہ اس بنیادی حقیقت پر خاص زور دیتے تھے کہ خدا ہندوؤں، مسلمانوں، برہمنوں اور چنڈالوں سب کا مالک ہے۔ اس کی نظروں میں سب برابر ہیں۔ اگر خدا کا پجاری سچے راستے کا طلب گار ہو تو اسے مذہبی ریتوں اور ذات پات کی زنجیروں کو توڑ ڈالنا چاہیے۔

تمدن: مسلمانوں کی آمد سے پہلے کھانے پینے، رہنے سہنے اور پہننے کے انتظامات بہت معمولی تھے۔ مرد اور عورت کا عام لباس ایک کپڑا ہوتا تھا۔ مرد باندھتا تو اسے دھوتی کہتے، عورت باندھتی تو

اس کا نام ساڑھی رکھا جاتا۔ مسلمانوں نے یہاں اچھے لباس رائج کیے۔ خوبصورت کپڑوں کی سلائی کا رواج ہوا۔ کھلے مکان اور کھلے صحن یہاں مسلمانوں نے جاری کیے۔ ہندوؤں میں صحن رکھنے کا رواج نہ تھا۔ مکان بالکل تنگ ہوتے تھے، دروازے عموماً چھوٹے رکھے جاتے تھے۔ جنوبی ہند میں اب بھی ایسے مکان بہ کثرت دیکھے جاسکتے ہیں۔ مسلمان امیروں نے دروازے بالکل اُڑا دیے اور ان کی جگہ پردے لٹکائے جانے لگے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ مسلمانوں کے زمانے میں امن عام ہو گیا تھا۔ چوری چکاری کا ڈر نہیں رہا تھا۔ مسلمانوں ہی نے یہاں ایسے باغوں اور کوشکوں کو رائج کیا جن میں سے نہریں بہتی ہوئی گزرتی تھیں۔ گھروں کے اندر آب رواں کے چشموں کا رواج بھی مسلمانوں ہی سے ہوا۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ تاشقند کا باشندہ تھا اور تاشقند کا نام "چاچ" بھی تھا، اس لیے "چاچی" مشہور ہوا۔ عرب چاچ کو شاش کہتے تھے۔

واقعات و سنین

رسول پاک ﷺ کی ولادت	۲۰/اپریل ۵۷۱ء
رسول پاک ﷺ کا وصال	۲۷/مئی ۶۳۲ء

عربوں کا دور

محمد بن قاسم کی آمد	۷۱۱ء
فتح دیبل	مئی ۷۱۱ء
داہر کی شکست اور قتل	۲۰/جون ۷۱۲ء
محمد بن قاسم کی واپسی	۷۱۴ء

غزنوی دور

محمود کی پیدائش	یکم نومبر ۹۷۱ء
سبکتگین کی تخت نشینی	۹۷۷ء
جے پال سے پہلی جنگ	۹۸۸ء
جے پال سے دوسری جنگ	۹۹۱ء
محمود کی تخت نشینی	۹۹۷ء
پہلی جنگ پشاور	۲۷/نومبر ۱۰۰۱ء
ملتان پر حملہ	۱۰۰۴ء
انند پال سے جنگ	۱۰۰۴ء

پشاور کی دوسری جنگ	۱۰۰۸ء
کانگڑے کی فتح	۱۰۰۹ء
ملتان کی تسخیر	۱۰۱۰ء
تھانیسر پر حملہ	۱۰۱۴ء
قنوج پر حملہ	۱۰۱۹ء
کالنجر پر حملہ	۱۰۱۹ء
گوالیار پر حملہ	۱۰۲۱ء
پنجاب پر قبضہ	۱۰۲۱ء
سومنات پر حملہ	۱۰۲۵ء
محمود کی وفات	۳۰ر اپریل ۱۰۳۰ء

محمد غوری (۱۱۷۴ء۔۱۲۰۶ء)

تسخیرِ ملتان و اوچ	۱۱۷۵ء
گجرات پر حملہ	۱۱۷۸ء
لاہور پر قبضہ	۱۱۸۶ء
جنگِ ترائن	۱۱۹۱ء
جنگِ تھانیسر	۱۱۹۲ء
جنگِ چندوار	۱۱۹۴ء
تسخیرِ بہار	۹۳۔۱۱۹۷ء
تسخیرِ بنگال	۹۹۔۱۲۰۰ء
فتحِ کالنجر	۱۲۰۳ء
محمد غوری کی شہادت	۱۲۰۶ء

ا۔ خاندانِ غلاماں (۱۲۰۶ء۔۱۲۹۰ء)

ایبک کی تخت نشین	۱۲۰۶ء
وفات	۱۲۱۰ء
۲۔ آرام شاہ	۱۲۱۰ء
۳۔ التتمش کی تخت نشینی	۱۲۱۰ء
یلدوز کی شکست	۱۲۱۵ء
قباچہ کی اطاعت	۱۲۱۷ء
بنگال کی تسخیر	۱۲۲۵ء
رنتھمبور کی تسخیر	۱۲۲۶ء
قباچہ کی بغاوت اور وفات	۱۲۲۷ء
دربارِ خلافت سے خلعت	۱۲۲۹ء
گوالیار کی تسخیر	۱۲۳۱ء
اجین کی فتح	۱۲۳۲ء
التتمش کی وفات	۱۹/اپریل ۱۲۳۶ء
۴۔ رکن الدین فیروز شاہ	۱۲۳۶ء
۵۔ رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی	۱۲۳۶ء
رضیہ کی معزولی	۱۲۳۹ء
رضیہ کا قتل	۱۵/اکتوبر ۱۲۴۰ء
۶۔ بہرام شاہ کی تخت نشینی	۱۲۳۹ء
تاتاریوں کا حملہ لاہور پر	۱۲۴۱ء
بہرام شاہ کی معزولی	۱۲۴۲ء

۷۔ مسعود شاہ کی تخت نشینی	۱۲۴۲ء
تاتاریوں کا حملہ اوچ پر	۱۲۴۵ء
مسعود شاہ کی معزولی	۱۲۴۶ء
۸۔ ناصر الدین محمود شاہ کی تخت نشینی	۱۲۴۶ء
کھوکھروں کی سرکوبی	۱۲۴۶ء
کالنجر اور کڑا کی تسخیر	۱۲۴۷ء
مالوے کی تسخیر	۱۲۴۸ء-۱۲۵۰ء
دوآبے میں بغاوت کو دبانا	۱۲۵۵ء
ہلاکو کی سفارت	۱۲۵۸ء
ناصر الدین کی وفات	۱۲۶۶ء
۹۔ بلبن کی تخت نشینی	۱۲۶۶ء
بنگال میں قیام امن	۱۲۷۹ء
شہزادہ محمد کی شہادت	۱۲۸۵ء
بلبن کی وفات	۱۲۸۶ء
۱۰۔ کیقباد کی تخت نشینی	۱۲۸۶ء
کیخسرو کا قتل	۱۲۸۷ء
کیقباد کا قتل	۱۲۹۰ء

۲۔ خلجی سلاطین (۱۲۹۰ء۔۱۳۲۱ء)

۱۔ فیروز کی تخت نشینی	۱۲۹۰ء
ملک چھجو کی بغاوت	۱۲۹۱ء
تاتاریوں کا حملہ	۱۲۹۳ء

دیوگری پر یورش	۱۲۹۴ء
جلال الدین فیروز کا قتل	۱۲۹۶ء
۲۔ علاؤالدین خلجی کی تخت نشینی	۱۲۹۶ء
تاتاریوں کا پہلا حملہ	۱۲۹۷ء
تسخیرِ گجرات	۱۲۹۷ء
تاتاریوں کا دوسرا حملہ	۱۲۹۹ء
تاتاریوں کے مزید حملے	۱۳۰۵ء -۱۳۰۱ء
رنتھمبور کی فتح	۱۳۰۱ء
میواڑ کی تسخیر	۱۳۰۳ء
فتحِ ورنگل	۱۳۱۰ء
کاروممنڈل کی فتح	۱۳۱۰ء
دوارسمدر کی فتح	۱۳۱۰ء
فتحِ مدورا	۱۳۱۱ء
علاؤالدین کی وفات	۲رجنوری ۱۳۱۶ء
۳۔ مبارک شاہ کی تخت نشینی	۱۳۱۶ء
بغاوتِ دکن کا خاتمہ	۱۳۱۷ء
بغاوتِ گجرات کا خاتمہ	۱۳۱۷ء
مبارک شاہ کا قتل	۱۳۲۱ء
۴۔ خسرو	۱۳۲۱ء

۴۔ خاندانِ تغلق (۱۳۲۱ء۔۱۴۱۲ء)

۱۔ تغلق کی تخت نشینی	۱۳۲۱ء

تلنگانہ کی پہلی مہم	۱۳۲۱ء
تلنگانہ کی دوسری مہم	۱۳۲۳ء
مہم بنگال	۱۳۲۴ء
تغلق کی وفات	۱۳۲۵ء
۲۔ محمد تغلق کی تخت نشینی	۱۳۲۵ء
پایۂ تخت کی تبدیلی	۱۳۲۶ء
تاتاریوں کا حملہ	۱۳۲۹ء
خراسان پر حملے کی تیاری	۱۳۳۰ء
تانبے کے سکے	۱۳۳۰ء
ہماچل پر یورش	۱۳۳۲ء
ابن بطوطہ کی آمد	۱۳۳۳ء
جنوبی دکن میں بغاوت	۱۳۳۵ء
وجے نگر میں ہندو سلطنت کا قیام	۱۳۳۶ء
مشرقی بنگال میں بغاوت	۱۳۳۶ء
اودھ میں بغاوت	۱۳۴۰ء
دربار خلافت سے خلعت	۱۳۴۳ء
دکن میں بہمنی سلطنت کا قیام	۱۳۴۷ء
گجرات میں بغاوت	۱۳۵۰ء
محمد تغلق کی وفات	۲۰/مارچ ۱۳۵۱ء
۳۔ فیروز کی پیدائش	۱۳۰۹ء
فیروز کی تخت نشینی	۱۳۵۱ء
بنگال پر یورش	۱۳۵۳ء

اڑیسہ کی فتح	۱۳۵۴ء
سندھ پر یورش	۱۳۶۲ء
خواجہ جہاں وزیر کی وفات	۱۳۷۰ء
فتح خاں ولی عہد کی وفات	۱۳۷۵ء
فیروز شاہ کی وفات	اکتوبر ۱۳۸۸ء
۴۔ تغلق شاہ ثانی کی تخت نشینی	۱۳۸۸ء
تغلق شاہ کا قتل	فروری ۱۳۸۹ء
۵۔ ابوبکر کی تخت نشینی	۱۳۸۹
ابوبکر کی معزولی	۱۳۹۰ء
۶۔ ناصرالدین محمد شاہ کی تخت نشینی	۱۳۹۰ء
محمد شاہ کی وفات	جنوری ۱۳۹۴ء
۷۔ سکندر شاہ کی تخت نشینی اور وفات	۱۳۹۴ء
۸۔ محمود شاہ کی تخت نشینی	۱۳۹۴ء
تیمور کا حملہ	۱۳۹۸ء
ملّو اقبال خاں کا قتل	۱۴۰۵ء
دولت خاں کی خود مختاری	۱۴۱۲ - ۱۴۱۴ء

۵۔ خاندانِ سادات (۱۴۱۴ء۔۱۴۵۱ء)

۱۔ خضر خاں کی تخت نشینی	۱۴۱۴ء
خضر خاں کی وفات	۲۰ رمئی ۱۴۲۱ء
۲۔ مبارک شاہ کی تخت نشینی	۱۴۲۱ء
جسرت کھوکھر کی سرکوبی	۱۴۲۱ء

سلطان ابراہیم شرقی سے جنگ	۱۴۲۴ء
جسرت کی دوسری بغاوت	۱۴۲۸ء
جسرت کی تیسری بغاوت	۱۴۳۲ء
مبارک شاہ کا قتل	۱۹/فروری ۱۴۳۴ء
۳۔ محمد شاہ کی تخت نشینی	۱۴۳۴ء
محمود خلجی کا حملہ	۱۴۴۲ء
محمد شاہ کی وفات	۱۴۴۵ء
۴۔ عالم شاہ کی تخت نشینی	۱۴۴۵ء
دہلی کا ترک	۱۴۵۰ء
تخت سے دست برداری	۱۴۵۱ء

۶۔ لودھی خاندان (۱۴۵۱ء ۔ ۱۵۲۶ء)

۱۔ بہلول کی تخت نشینی	۱۴۵۱ء
شرقی سلطنت کی تسخیر	۱۴۵۲-۱۴۷۸ء
گوالیار پر حملہ	۱۴۸۷ء
بہلول کی وفات	۱۴۸۸ء
۲۔ سکندر کی تخت نشینی	۱۴۸۸ء
باربک شاہ سے جنگ	۱۴۸۹ء
جون پور میں شورش	۱۴۹۴ء
بہار کی تسخیر	۱۴۹۵ء
آگرے کی بنیاد	۱۵۰۴ء
ہندوستان میں زلزلہ اور آگرے کا انہدام	۱۵۰۵ء

نروَر اور چندیری کی فتح	۱۵۰۶ء
سکندر کی وفات	۱۵۱۷ء
۳۔ ابراہیم کی تخت نشینی	۱۵۱۷ء
شورشوں کا آغاز	۱۵۱۷ء
رانا سانگا کی شکست	۱۵۲۰ء
بابر کا حملہ ہندوستان پر	۱۵۲۴ء
پانی پت کی جنگ	۱۵۲۶ء
ابراہیم کا قتل	۱۵۲۶ء

☆.....☆.....☆

پادشاہی خاندانوں کے شجرے

خاندانِ غزنویہ

امیر سبکتگین

/

سلطان محمود

/

سلطان مسعود

/

سلطان ابراہیم

/

مسعود ثالث

/

بہرام شاہ

/

خسرو شاہ

/

خسرو ملک

۱۔ غزنوی خاندان میں سولہ پادشاہ ہوئے۔ ہم نے سب کا شجرہ نہیں دیا، صرف ان پادشاہوں کا سلسلہ بتایا ہے جو واقعی پادشاہ شمار ہونے کے قابل تھے یا جن سے خاندان کے آخری پادشاہوں کی کیفیت واضح ہو جائے۔

۲۔ ہندوستان سے جنگوں کا سلسلہ سبکتگین کے عہد میں شروع ہوا۔ جے پال نے دو مرتبہ غزنی کی سلطنت پر حملہ کیا۔ پہلی مرتبہ ۹۸۸ء میں، دوسری مرتبہ ۹۹۱ء میں۔ دونوں

مرتبہ شکست کھائی۔

۳۔ ۹۹۷ء میں سبکتگین کی وفات پر محمود بادشاہ بنا۔ جے پال نے ۱۰۰۱ء میں پھر حملہ کیا۔ پشاور میں جنگ ہوئی جس میں تیسری مرتبہ شکست کھائی اور خودکشی کر کے مر گیا۔

۴۔ ۱۰۰۴ء میں محمود نے ملتان پر حملہ کیا۔ راستے میں انند پال والیِ لاہور کو شکست دے کر بھگایا۔

۵۔ ۱۰۰۸ء میں انند پال نے ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کا جتھا بنایا اور بھاری لشکر کے ساتھ محمود پر حملہ کیا۔ پشاور میں ہی جنگ ہوئی اور ہندوستانی جتھے نے خوف ناک شکست کھائی۔

۶۔ اس لڑائی کے بعد محمود نے یکے بعد دیگرے ان تمام راجاؤں پر حملے کیے جو پشاور کی جنگ میں بے سبب اس کے خلاف لڑے تھے۔

۷۔ ۱۰۲۱ء میں پنجاب غزنی کا صوبہ بنا۔

۸۔ ۱۰۲۵ء میں محمود نے سومنات پر حملہ کیا۔ جنوری ۱۰۲۶ء کو سومنات پہنچا اور اسے فتح کیا۔

۹۔ ۱۰۳۰ء میں محمود فوت ہوا۔

۱۰۔ محمود کے بعد غزنوی خاندان میں ایک قابلِ ذکر پادشاہ مسعود تھا، جو دس برس کی حکومت کے بعد بھائی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ دوسرا قابلِ ذکر پادشاہ ابراہیم تھا جس نے چالیس برس حکومت کی۔ یہ بڑا نیک پادشاہ تھا۔ ہر سال اپنے لکھے ہوئے قرآن باری باری مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھیجتا۔ ایک قرآن داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بھی بھیجا تھا۔

۱۱۔ بہرام شاہ کے عہد میں غوریوں سے جنگ شروع ہوئی۔ علاؤ الدین حسین غوری نے بہرام کو شکست دے کر غزنی کو جلایا اور "جہاں سوز" لقب پایا۔ بہرام لاہور آتا ہوا راستے میں مر گیا۔

۱۲۔ خسرو شاہ اور خسرو ملک لاہور میں بادشاہ رہے۔ خسرو ملک کو ۱۱۸۶ء میں شہاب الدین محمد غوری نے گرفتار کر کے غور بھیج دیا اور خود پنجاب پر قابض ہو گیا۔

غوری

۱۔ غوریوں کو پہلے پہل سلطان محمود نے خراج گزار بنایا۔

۲۔ بہرام شاہ نے ایک غوری شہزادے کو درباریوں کی شکایت پر قتل کرادیا۔ اس سے غزنویوں اور غوریوں میں جنگ کا سلسلہ جاری ہوا جس میں غزنی تباہ ہو گیا اور محمود کی اولاد سے غزنی کی سلطنت چھن گئی۔

۳۔ جب غور میں غیاث الدین محمد پادشاہ بنا، تو اس نے اپنے بھائی شہاب الدین محمد کو غزنی کی حکومت دے دی۔ یہی شہاب الدین محمد ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا بانی تھا۔

۴۔ اس نے پہلے ملتان اور اوچ فتح کیے۔ ۱۱۸۶ء میں لاہور لے کر غزنوی خاندان کا خاتمہ کیا۔ ۱۱۹۱ء میں سرہند پر حملہ کیا لیکن ترائن کے میدان میں پرتھوی راج سے شکست کھائی۔

۵۔ ۱۱۹۲ء میں تھانیسر کے میدان میں پرتھوی راج کو شکست دی اور دہلی و اجمیر کی سلطنت حاصل کی۔

۶۔ ۱۱۹۴ء میں چندوار کے میدان میں جے چند والیِ قنوج کو شکست دی۔

۷۔ پھر بہار و بنگال فتح ہو گئے

۸۔ ۱۲۰۶ء میں شہاب الدین محمد غوری کو کھوکھروں نے شہید کر دیا۔ اس کی آبائی سلطنت اس کے بھتیجے غیاث الدین محمود نے سنبھال لی۔ غزنی پر غوری کا غلام تاج الدین یلدوز قابض ہو گیا۔ ہندوستان میں اس کا نائب قطب الدین ایبک بادشاہ بن گیا۔

☆.....☆.....☆

خاندانِ غلاماں (۱۲۰۶ء۔۱۲۹۰ء)

غلاموں کے تین مختلف خاندان ہندوستان میں ۸۴ برس حکمران رہے۔ یہ تمام پادشاہ تعداد میں دس تھے۔ تینوں خاندانوں کے شجرے الگ الگ درج ہیں۔

(۱)

قطب الدین ایبک (غلام محمد غوری)

۱۲۰۶ء۔ ۱۲۱۰ء

/

آرام شاہ

۱۲۱۰ء

(۲)

شمس الدین التمش (غلام ایبک)

۱۲۱۱ء۔۱۲۳۶ء

رکن الدین فیروز	سلطانہ رضیہ	معز الدین بہرام شاہ	ناصر الدین محمود شاہ
۱۲۳۶ء	۱۲۳۶۔۱۲۳۹ء	۱۲۳۹ء۔۱۲۴۲ء	۱۲۴۶ء۔۱۲۴۸ء

/

علاؤ الدین مسعود شاہ ۱۲۴۲ء۔۱۲۴۶ء

(۳)

غیاث الدین بلبن (غلام التمش)

۱۲۶۶ء۔۱۲۸۶ء

/

شہزادہ محمد عرف خان شہید	بغرا خاں
/	/
کیخسرو	معز الدین کیقباد
	۱۲۸۶ء۔ ۱۲۹۰ء

۱۔ ایبک چودہ برس محمد غوری کے نائب یعنی وائسرائے کی حیثیت میں ہندوستان کا حاکم رہا۔ محمد غوری کی وفات پر مستقل بادشاہ بنا۔ ہندوستان کا یہ پہلا اسلامی بادشاہ تھا جس کا تعلق باہر سے ٹوٹ گیا اور اسے ہندوستانی بادشاہ کہنا چاہیے۔

۲۔ اس نے دہلی کو فتح کر کے مرکزِ حکومت بنایا جو بعد میں صدیوں تک مسلمانوں کا پائے تخت رہا۔

۳۔ اس کے عہد میں بہار و بنگال کے علاوہ کالنجر اور گوالیار فتح ہوئے۔

۴۔ ایبک کی وفات پر آرام شاہ کے عہد میں سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ قباچہ نے سندھ سے اور تاج الدین یلدوز نے غزنی سے ہندوستان پر پیش قدمی شروع کر دی۔

۵۔ التتمش بادشاہ بنا تو اس نے یلدوز کو شکست دی۔ قباچہ کا خاتمہ کیا۔ بنگال میں خلجی امیر خودسر ہو گئے تھے، ان کے فتنے کو مٹایا۔ پھر رنتھمبور، بھیلسہ۔ گوالیار اور اجین کو فتح کیا۔ گویا التتمش کے عہد میں یہاں اسلامی سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور پورا شمالی ہند ایک مرکز کے ماتحت جمع ہوا۔

۶۔ التتمش کے جانشینوں کے زمانے میں پھر سلطنت کمزور ہو گئی۔ اس خاندان کے آخری بادشاہ ناصر الدین محمود شاہ کے عہد میں انتظامات بلبن کے ہاتھ میں آئے تو اس نے دوبارہ التتمش کے دَور کی حیثیت پیدا کر دی۔

۷۔ التتمش کے عہد میں بغداد کے عباسی خلیفہ نے سلطانِ ہند کو خلعت اور فرمان بھیجا، جس طرح پہلے سامانی اور غزنوی بادشاہوں کو خلعت اور فرمان بھیجے جاتے تھے۔

۸۔ ناصر الدین محمود شاہ کے عہد میں ۱۲۵۸ء میں ہلاکو تاتاری نے ایک سفارت بھیجی۔

۹۔ غیاث الدین بلبن ۱۲۶۶ء میں بادشاہ بنا۔ وہ غلام بادشاہوں میں سے آخری بڑا فرمانروا تھا۔ تاتاریوں کے حملے ہندوستان پر شروع ہو چکے تھے۔ بلبن نے دہلی سے لے کر ہندوستان کی شمالی و مغربی حد تک تمام راستوں پر چھاؤنیاں بنا دیں اور ان میں مستقل فوجیں متعین کر دیں تا کہ ہر قدم پر تاتاریوں کو روکا جا سکے۔ ہندوستان کی حفاظت کے لیے یہ بلبن کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔

۱۰۔ بلبن نے تمام اندرونی فتنے دبا دیے، شورشیں مٹا دیں، بغاوتیں فرو کر دیں اور ملک میں

امن قائم ہو گیا۔

۱۱۔ بلبن کا قابل بیٹا تاتاریوں کے خلاف لڑتا ہوا پنجاب میں شہید ہو چکا تھا۔ دوسرے بیٹے کو بنگال کا حاکم بنایا گیا تھا۔ وہ بنگال کو چھوڑ کر دہلی کا تخت لینے پر راضی نہ ہوا۔ بلبن نے اپنے بڑے بیٹے کے فرزند کو بادشاہ بنانے کی وصیت کی تھی، لیکن امیروں نے اس کے چھوٹے بیٹے کے فرزند کیقباد کو تخت پر بٹھایا۔ اس نے دو ہی تین برسوں میں سلطنت گنوادی، خود مارا گیا اور دہلی کا تخت خلجیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

maablib.org

خلجی خاندان

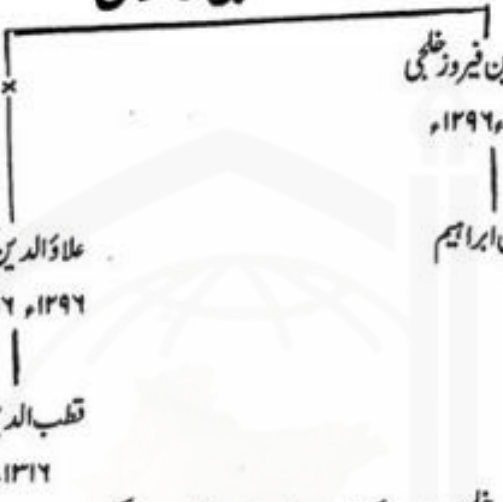

۱۔ خلجی خاندان کی بنیاد جلال الدین فیروز نے رکھی۔

۲۔ اس سلطنت کو اوج کمال پر علاؤ الدین نے پہنچایا، جو جلال الدین فیروز کا بھتیجا اور داماد تھا اور چچا کو قتل کر کے تخت کا مالک بنا تھا۔ اس کے عہد میں سارا ہندوستان تخت گاہِ دہلی کے تابع آیا۔ سلطنت کی وسعت کے لحاظ سے عالمگیر کے سوا علاؤ الدین ہندوستان کا سب سے بڑا پادشاہ تھا۔ ملک کا انتظام بہت اچھا رکھا۔ راستے پُر امن ہو گئے، شراب بند ہو گئی، بدکاری رُک گی، رشوت مٹ گئی، فوج اعلےٰ پیمانے پر پہنچ گئی، جنسوں کے نرخ مقرر ہو گئے۔

۳۔ علاؤ الدین کے بعد اس کا بیٹا مبارک شاہ تخت نشین ہوا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ کاروبار کی باگ ایک نومسلم کے حوالے کر دی جس نے مبارک شاہ کو قتل کر کے خود تخت سنبھال لیا اور ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا۔ غازی ملک تغلق حاکمِ پنجاب نے خسرو خاں کو قتل کر کے لوگوں کو ظلموں سے نجات دلائی اور نئے خاندانِ حکومت کی بنیاد رکھی۔

۴۔ الغ خاں، ظفر خاں، ملک کافور اور غازی ملک تغلق خلجیوں کے عہد کے مشہور سپہ سالار تھے۔

تغلق خاندان

(۱۴۱۲ء ۔ ۱۳۲۱ء)

۱۔ سلطنت کی بنیاد غیاث الدین تغلق نے رکھی۔ بگڑا ہوا انتظام درست کیا اور ملک کو امن کی دولت دی۔ بنگال اور تلنگانہ کی سرکشی کو فرو کیا۔

۲۔ محمد تغلق نے خراسان پر حملے کی تیاری کی، ہما چل پر مہم بھیجی، تانبے کے سکے چلائے، پائے تخت دہلی سے دولت آباد لے جانا چاہا۔ پھر اس کے عہد میں پے در پے بغاوتیں اور شورشیں ہوئیں، قحط پڑا، بنگال اور دکن سلطنت سے کٹ گئے۔ سندھ میں محمد تغلق فوت ہوا۔

۳۔ فیروز شاہ نے ملک کی آبادی کو بہت ترقی دی۔ رفاہِ عامہ کے اہم کام کیے۔ نہریں نکالیں، تالاب اور پل، سرائے، شہر بسائے، شفاخانے قائم کیے، آثارِ قدیمہ کی مرمت

کرائی۔

۴۔ فیروز کے بعد خانہ جنگی شروع ہوگئی اور سلطنت کی بنیادیں ہل گئی۔ آخری بادشاہ محمود تغلق کے عہد میں تیمور نے حملہ کیا جس میں سلطنت ہند کی رہی سہی عزت بھی مٹ گئی۔ ۱۴۱۲ء میں محمود تغلق کی وفات پر تغلق خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

سادات بادشاہ

(۱۴۵۱ء۔۱۴۱۴ء)

خضر خاں

۱۴۱۴ء۔۱۴۲۱ء

فرید خاں

مبارک شاہ

۱۴۲۱ء۔۱۴۳۴ء

محمد شاہ

۱۴۳۴ء۔۱۴۴۵ء

علاؤالدین عالم شاہ

۱۴۴۵ء۔۱۴۵۱ء

۱۔ خاندان کی بنیاد خضر خاں نے رکھی۔ جس نے مستقل بادشاہی اختیار نہ کی بلکہ تیموری خاندان کے نائب کی حیثیت میں حکومت کرتا رہا۔

۲۔ خضر خاں کا بیٹا مبارک شاہ خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ تیرہ برس حکومت کی اور یہ ساری مدت لڑائیوں میں گزری۔ اسے ایک وزیر نے سازش کر کے قتل کرا دیا۔

۳۔ پھر مبارک شاہ کا بھتیجا محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ وہ اور اُس کا بیٹا عالم شاہ محض نام کے بادشاہ تھے۔ محمد شاہ کے عہد میں مالوے کے بادشاہ محمود خلجی نے دہلی پر حملہ کیا۔ بہلول

لودھی نے اسے شکست دی۔ عالم شاہ اپنے وزیر کی خودرائی سے اتنا تنگ ہوا کہ تخت چھوڑ کر بدایوں چلا گیا۔ بعد میں بہلول لودھی کے حق میں پادشاہی سے دست بردار ہو گیا۔ دست برداری کے بعد کم وبیش چھبیس برس زندہ رہا۔

☆.....☆.....☆

لودھی خاندان

(۱۴۵۱ء۔۱۵۲۶ء)

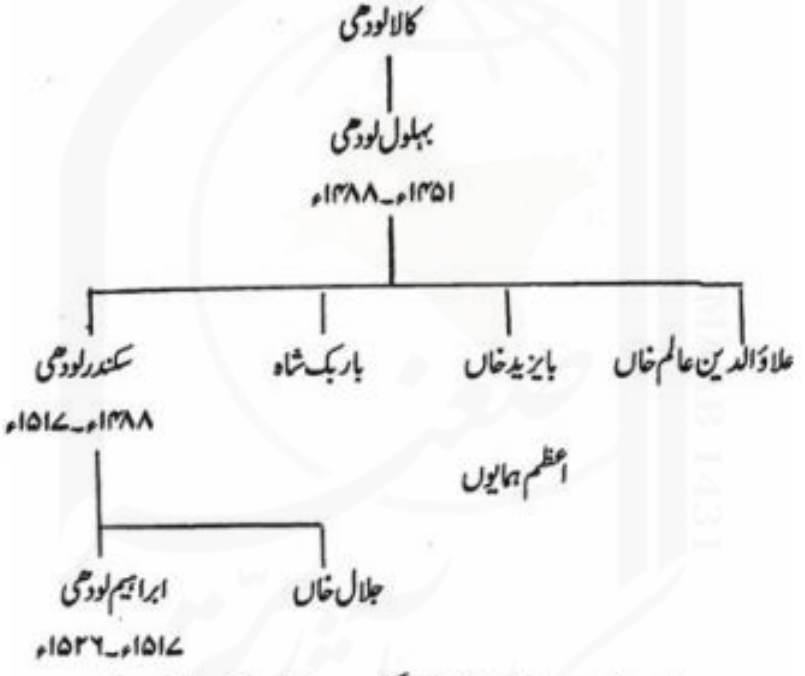

۱۔ سلطنت کی بنیاد بہلول لودھی نے رکھی۔ اسے کمال پر سکندر لودھی نے پہنچایا اور برباد ابراہیم لودھی نے کیا۔

۲۔ بہلول لودھی نے سادات کی حکومت کے علاوہ سلطنت جون پور کو فتح کیا اور وسط ہند کی طرف بھی اثر بڑھایا۔

۳۔ سکندر نے انتظام کو بہت بہتر بنایا، شورشیں مٹائیں، بہار فتح کیا، آگرے کی بنیاد رکھی اور وسط ہند میں اپنا اثر و اقتدار بڑھایا۔ اس کے عہد میں باربک شاہ نے تخت کا دعویٰ کیا لیکن شکست کھائی۔

۴۔ ابراہیم نے رانا سانگا کو شکست دی۔ اپنے بھائی جلال خاں سے جنگ کی جو تخت کا دعویٰ دار بن گیا تھا۔ اعظم ہمایوں سے بھی کشمکش پیدا کی۔ اس کا چچا علاؤ الدین عالم خاں بابر سے مل گیا تھا۔ پہلے بابر نے اس کے ساتھ یہ عہد نامہ کیا تھا کہ دہلی کا تخت اسے دے دے گا اور پنجاب خود لے لے گا۔ پھر اس کی اور افغان امیروں کی عہد شکنی سے پریشان ہو کر خود دہلی کا تخت حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆.....☆.....☆

تاریخِ پاکستان و ہند

حصّہ سوم

دوسرا اسلامی دور

(۱۵۲۶ء۔۱۸۵۷ء)

maablib.org

پہلا باب

بابر اور ہمایوں

خاندانی میراث: وسط ایشیا سے دو بڑے فاتح اُٹھے جن کی ترکتازوں نے دنیا کے بڑے حصے میں تہلکہ بپا کیا، ایک چنگیز، دوسرا تیمور۔ بابر کی رگوں میں ان دونوں کا خون دوڑ رہا تھا۔ اس کی ماں چنگیز خاں کے بیٹے چغتائی کی نسل سے تھی، باپ تیمور کی پانچویں پشت میں تھا۔ چنگیز غیر مسلم تھا، تیمور مسلمان، لیکن دونوں کے ہاتھ سے اسلامی سلطنتوں اور آبادیوں کو سخت نقصان پہنچا۔ چنگیز کا جھگڑا خوارزم کے بادشاہ سلطان محمد سے ہوا۔ وہ بدلہ لینے کی غرض سے خوارزم پر حملہ آور ہوا۔ پھر دُور دُور تک اسلامی خطوں میں خون کی ندیاں بہادیں اور ایشیا کے مایہ ناز شہروں کی جگہ ملبے کے ڈھیر رہ گئے۔ تیمور کو صرف یہ دھن تھی کہ وقت کا کوئی مشہور سپہ سالار اور سلطان نہ رہ جائے، جس کی پیشانی پر شکست کا داغ موجود نہ ہو اور وہ داغ خود تیمور کے ہاتھ سے نہ لگا ہو۔ بابر اگرچہ نسل و خون کے اعتبار سے دونوں کا وارث تھا، لیکن قدرت نے اسے چنگیز و تیمور کے صرف اچھے اوصاف عطا کیے، تمام بُری خصلتوں سے بچائے رکھا۔

گردوپیش: تیمور کے بیٹوں میں سے ایک جلال الدین میراں شاہ تھا، جس کے پوتے ابوسعید مرزا کے کئی فرزند تھے اور ان سب کو مختلف علاقوں کی حکومتیں مل گئی تھیں۔ ان میں سے ایک عمر شیخ مرزا تھا، جو فرغانہ پر حکمران تھا

یہی عمر شیخ مرزا بابر کا باپ تھا۔ مرزا کی شادی یونس خاں تاتاری کی بیٹی تغلق نگار خانم سے ہوئی تھی، جو چنگیز خاں کے بیٹے چغتائی کی اولاد میں سے تھا۔ اس خاتون کے بطن سے بابر ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ باپ نے ظہیر الدین محمد نام رکھا لیکن اس کے نانا یونس خاں نے بچے کو بابر کا لقب دیا، جس کے معنی ترکی زبان میں "شیر" کے ہیں۔ اسی لقب نے عام شہرت پائی۔

عمر شیخ مرزا کو اپنی سلطنت بڑھانے کا بڑا شوق تھا۔ اگرچہ اردگرد اس کے حقیقی یا نسبتی بھائی حکمران تھے، لیکن اس نے سب سے لڑائی چھیڑ رکھی تھی۔ ایک روز اپنے ایک پہاڑی قلعے میں

کبوتروں کی اُڑان کا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اچانک چٹان سے نیچے گر کر جاں بحق ہو گیا۔ صرف ۳۹ برس کی عمر تھی۔ یہ ۸ جون ۱۴۹۴ء کا واقعہ ہے اس طرح بابر سوا گیارہ برس کی عمر میں فرغانہ کا حکمران بنا۔ اس وقت گرد و پیش کی حالت یہ تھی۔

۱۔ اس کا ایک چچا، احمد میرزا، سمرقند و بخارا کا حاکم تھا۔
۲۔ دوسرا چچا، محمود میرزا، حصار بدخشاں پر حکمران تھا۔
۳۔ تیسرے چچا الغ بیگ نے کابل و غزنی کی حکومت سنبھال رکھی تھی۔
۴۔ ایک ماموں، محمود خاں، تاشقند شاہرخیہ پر قابض تھا۔
۵۔ دوسرے ماموں، احمد خاں کو تاشقند اور یلدوز کے بیچ کا علاقہ ملا ہوا تھا۔
۶۔ ہرات میں تیمور کے بڑے فرزند کی اولاد میں سے سلطان حسین پادشاہ تھا۔

چچاؤں میں سے احمد میرزا اور محمود میرزا کو بابر کی دو خالائیں بیاہی گئی تھیں، گویا ان کے ساتھ باپ کے علاوہ ماں کی طرف سے بھی خویشی کا رشتہ تھا، لیکن عمر شیخ میرزا جو لڑائیاں چھیڑ چکا تھا، وہ فرغانہ کی حکومت کے ساتھ بابر کو میراث میں ملیں۔ رشتہ داروں میں سے کسی کو بھی یتیم بھتیجے اور بھانجے پر ترس نہ آیا۔ اس کا چچا احمد میرزا اور ماموں محمود خاں فرغانہ پر حملے کر چکے تھے، جب عمر شیخ میرزا فوت ہوا۔ بابر کی رعایا نے جم کو مقابلہ کیا اور حملے کو ناکام بنایا۔

زندگی کے نشیب و فراز: جولائی ۱۴۹۴ء میں بابر کا چچا احمد میرزا حاکم سمرقند فوت ہوا۔ اس کے ساتھ ہی بابر کے دل میں باپ کے سے ولولے پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اس نے ۱۴۹۷ء میں سمرقند پر قبضہ کر لیا اور تین مہینے اس پر قابض رہا۔ اس اثنا میں فرغانہ میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ بابر سمرقند کو چھوڑ کر فرغانہ کو بچانے کے لیے دوڑا، لیکن اس کوشش میں بھی ناکام رہا۔ گویا سمرقند بھی گیا، اور فرغانہ بھی۔ بابر کو دو برس پریشان حالی میں گزارنے پڑے۔ اس زمانے کے متعلق وہ خود لکھتا ہے کہ گیارہ برس کی عمر سے میں نے رمضان کی دو عیدیں کبھی ایک جگہ نہ گزاریں۔ ۱۴۹۸ء کے آخر میں فرغانہ پر دوبارہ قبضہ جمایا لیکن یہ پھر بھی چھن گیا۔

اب اس کی توجہ سمرقند پر جم گئی۔ اس لیے بھی کہ بہت بڑا اور عالی شان شہر تھا، اس لیے بھی کہ تیمور کے وقت سے مرکزِ حکومت چلا آتا تھا اور وہاں کی حکومت ترکستان میں سب سے اونچی مانی جاتی تھی۔ ۱۵۰۱ء میں سمرقند دوسری مرتبہ لے لیا۔ اس اثنا میں اوزبک اٹھے اور اپنے مشہور

سردار محمد شیبانی خان کے ماتحت بابر پر حملہ کیا۔ اسے پھر سمرقند چھوڑ کر بے یار و مددگار پھرنا پڑا۔ دو برس اس حالت میں گزارے کہ صرف دو تین سو آدمی ساتھ تھے، ان کے ہاتھوں میں لٹھ تھے اور کپڑے تار تار تھے، لیکن تقدیر کے ان چکروں نے بابر کے اطمینان پر کوئی اثر نہ ڈالا۔ دماغ ہر لحظہ پادشاہی کے خواب دیکھتا۔ ہمت جوان تھی، بازو کی قوت بڑے بڑے ارادوں کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے بے تاب تھی۔

کابل کی پادشاہی: اس کا چچا الغ بیگ مر چکا تھا۔ اکتوبر ۱۵۰۴ء میں بابر کابل پہنچا اور لڑائی بھڑائی کے بغیر کابل و غزنی کا حکمران بن گیا۔ اس وقت سے لے کر ہندوستان کی تسخیر تک وہ بائیس برس کابل کا پادشاہ رہا۔ تیمور کی اولاد میں سے کسی نے پادشاہی کا لقب اختیار نہیں کیا تھا۔ سب اپنے آپ کو میرزا کہتے تھے۔ بابر نے کابل پہنچ کر سب سے پہلے اپنے آپ کو پادشاہ کہا۔

۱۵۰۷ء میں اس نے قندھار کو فتح کر کے اپنے بھائی کو وہاں کا حکمران بنایا لیکن بھائی نے تھوڑی دیر بعد شکست کھائی۔ پھر بابر کو پندرہ برس تک قندھار لینے کا موقع نہ ملا۔ اس کے دل میں سمرقند و فرغانہ کے لیے خاص تڑپ تھی، اسی جانب توجہ جمی رہی۔ ایک مرتبہ ہرات گیا تاکہ وہاں کے رشتہ داروں کو ساتھ ملا کر سمرقند کو فتح کر لے، لیکن یہ سکیم چل نہ سکی۔ ان میں سے شیبانی خاں کے مقابلے کی کسی کو ہمت نہ پڑی۔ ۱۵۱۰ء میں شاہ اسمٰعیل صفوی کی لڑائی شیبانی خاں سے ہوئی، جس میں اوزبک سردار مارا گیا۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر بابر اکتوبر ۱۵۱۱ء میں پھر سمرقند پہنچ گیا اور اس کی سلطنت خاصی وسیع ہو گئی۔ دو برس بعد اوزبکوں کا دباؤ پڑا تو پھر سمرقند سے ہاتھ دھونے پڑے۔ جب اس طرف سے بالکل مایوس ہو گیا تو اپنی توجہ کابل کی سلطنت کے استحکام اور ہندوستان کی تسخیر کی طرف پھیر لی۔ اس زمانے میں شاہ اسماعیل صفوی کی دیکھا دیکھی اس نے عثمانی ترکوں سے دو کاریگر توپچی منگائے جن میں سے ایک کا نام استاد علی قلی اور دوسرے کا مصطفےٰ توپچی تھا۔ اس طرح اپنے توپ خانے کو بہت ترقی دی۔

فتح ہند: بابر ہندوستان کو اپنے جدِ اعلےٰ تیمور کا خاص ورثہ سمجھتا تھا۔ ۱۵۱۸ء میں اس نے ہندوستان و افغانستان کے درمیانی علاقہ کو زیر کیا۔ ۱۵۱۹ء میں باجوڑ کو فتح کیا۔ ۱۵۲۰ء میں بھیرہ اور سیالکوٹ پر قبضہ جمایا۔ ۱۵۲۲ء میں شاہ بیگ ارغون سے قندھار لے لیا۔ ۱۵۲۴ء میں دولت خاں لودھی کی دعوت پر لاہور آیا۔ ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی پہلی جنگ میں ابراہیم لودھی کو شکست

دے کر دہلی اور آگرہ کا مالک بن گیا۔ ان لڑائیوں کے پورے حالات ہم لودھیوں کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔

بابر نے پانی پت کے میدان سے اپنے بیٹے ہمایوں کو سیدھا آگرے بھیج دیا تھا، خود دہلی ہوتا ہوا بعد میں آگرے پہنچا۔ ہمایوں کو جو مال و متاع ملا تھا، وہ باپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں ہندوستان کا مشہور ہیرا ''کوہِ نور'' بھی تھا، جس کی صحیح قیمت کا اندازہ آج تک نہیں کیا جا سکا۔ بابر نے کوہ نور ہمایوں کو بخش دیا۔ ابراہیم لودھی کے تمام رشتہ داروں کو انعام و اکرام دیے۔ اس کی والدہ کو سات لاکھ کی جاگیر دینے کے علاوہ آگرے کے پاس ایک محل دے دیا۔

اس کے بعد فوجیوں اور ہم وطنوں کی باری آئی۔ سرداروں میں سے بعض کو چھ لاکھ اور بعض کو دس لاکھ درم دیے۔ سپاہیوں کو بھی انعام سے نوازا۔ فرغانہ، خراسان، کاشغر اور ایران کے دوستوں کے پاس قیمتی تحائف بھیجے۔ حرمین شریفین نیز ہرات و سمرقند کے بزرگوں کو نذرانے ارسال کیے۔ کابل کے ہر مرد، عورت، بچے، بوڑھے اور غلام یا آزاد کو چاندی کا ایک ایک سکہ عطا کیا۔ ہندوستان کی سلطنت مل جانے پر یہ شادمانی اور یہ سخاوت یقیناً بالکل بجا تھی۔

بابر کی پریشانی: دہلی اور آگرہ فتح ہو چکے تھے، لیکن بابر کو ہر طرف سے خطرہ کے بادل اُٹھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ دہلی و آگرہ کے پہلو میں کئی سردار خود سر بیٹھے تھے۔ بہار میں لوحانی پٹھان ابراہیم لودھی کے زمانہ سے باغی چلے آتے تھے اور بہادر خاں لوحانی محمد شاہ کا لقب اختیار کر چکا تھا۔ دوسرے افغان سردار اس کے ساتھ مل کر قنوج پر قبضہ جما چکے تھے۔ راجپوتانہ میں سنگرام سنگھ عرف سانگا رانائے میواڑ راجپوتوں کو اکٹھا کر کے قسمت آزمائی کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ خود بابر کے ساتھی نئے نئے ہندوستان پہنچے تھے۔ وہ سب یہاں کی زبان بھی نہیں جانتے تھے۔ آس پاس کے عام لوگ لڑائی کے خوف سے اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔ فوج کے لیے غلّہ اور چارہ ملنے میں بھی دِقّت پیش آ رہی تھی۔ ایک مصیبت یہ پیش آئی کہ بابر کے ساتھی ہندوستان کی گرمی سے گھبرا گئے۔ وہ پہاڑوں میں پیدا ہوئے اور پہاڑوں میں پلے تھے۔ وسط ہند کے میدانوں کی شدید گرمی، تیز لُو اور بے پناہ تپش کبھی دیکھی نہ تھی۔ اب اس کا تجربہ ہوا تو گھبرا کر کابل یاد آیا اور وہ اپنی فتح پر خوش ہونے کی جگہ افسوس کرنے لگے۔ بابر کو بے اطمینانی کی کیفیت کا پتہ چلا تو تمام سرداروں کو بلا کر کہا کہ ''خدا کی رحمت سے ہمیں اتنی بڑی سلطنت مل گئی ہے اور طاقت ور دشمن کے مقابلے

میں کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ اب ہم اس ملک کو چھوڑ کر کابل کیوں جائیں؟ تم میں سے جو شخص اپنے آپ کو میرا دوست کہتا ہے، اس کی زبان پر واپسی کا لفظ کبھی نہیں آنا چاہیے۔ جو شخص یہاں ٹھہر نہیں سکتا اور واپسی کا ارادہ ترک نہیں کر سکتا، وہ اسی وقت اُٹھے اور چلا جائے۔" اس تقریر کے بعد سب نے ہمت کی کمریں کس لیں اور سلطنت کو مستحکم بنانے میں لگ گئے۔

سلطنت کی توسیع: اب بابر نے مختلف سرداروں کے ماتحت فوجیں مختلف علاقوں کی تسخیر کے لیے بھیج دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں سنبھل، جون پور، غازی پور، اٹاوہ، قنوج، کول (علی گڑھ) بیانا اور گوالیار مسخر ہو گئے، لیکن رانا سانگا کا معاملہ بدستور خطرناک تھا۔ یاد ہوگا کہ رانا سانگا ایک مرتبہ ابراہیم لودھی سے شکست کھا چکا تھا۔ اس کے خلاف رانا کو اتنی کاوش تھی کہ جب بابر نے ہندوستان پر چڑھائی کی تو رانا نے بھی امداد کا یقین دلایا۔ اسے خیال ہوگا کہ بابر دیرینہ دشمن کو شکست دے کر واپس چلا جائے گا یا دونوں لڑ کر کمزور ہو جائیں گے، پھر راجپوتوں کے لیے اطمینان سے قدم آگے بڑھانے کا موقع نکل آئے گا، لیکن بابر جب ہندوستان میں قدم جما کر بیٹھ گیا، تو رانا کو اپنے دل لبھانے والے سارے خواب پریشان ہوتے نظر آئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ راجپوتوں کو اکٹھا کر کے بابر کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ حسن خان میواتی اور بعض دوسرے افغان سردار بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ رانا نے حسن خان کو جو پیغام بھیجا تھا، اس کا مضمون یہ تھا کہ مغلوں نے یہاں آ کر سلطان ابراہیم کو قتل کر ڈالا اور ملک پر قابض ہو گئے۔ اب وہ ہم پر اور آپ پر بھی حملہ آور ہوں گے۔ اگر آپ میرے ساتھ مل کر ان سے لڑیں گے تو ہم دونوں بچ جائیں گے اور مغل ہمارے علاقوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔

کنواہہ کی جنگ ۱۵۲۷ء: راجپوتوں کا اجتماع دیکھ کر بابر بھی نکلا۔ آگرہ سے بیس میل اور سیکری سے دس میل کے فاصلے پر کنواہہ کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سانگا کے ساتھ سو لاکھ راجپوت لڑ مرنے کی قسمیں کھا کر آئے تھے۔ بابر کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ اس کے سردار پہلے ہی پریشان تھے۔ اتفاق سے انہیں دنوں ایک نجومی نے لشکر میں یہ بات مشہور کر دی کہ اس لڑائی میں مغلوں کو شکست ہوگی، اس لیے سب کی ہمتوں پر اوس پڑ گئی۔ صرف ایک شخص کا حوصلہ بجا تھا اور وہ خود بابر تھا۔

مسلمان خطرے کے وقت میں خدا کی طرف لوٹتا ہے۔ بابر نے بھی اسی بارگاہ پر عجز و

نیاز کی پیشانی رکھ دی۔ وہ شراب کا عادی تھا۔ اس سے توبہ کی اور ساری شراب زمین پر لنڈھا دینے کا حکم دے دیا۔ پھر سرداروں اور سپاہیوں کو جمع کر کے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ کہا:

"بہادرو! جو شخص اس دنیا میں آتا ہے، وہ موت کے چنگل سے بچ نہیں سکتا، ضرور مرے گا۔ سوچو کہ ذلت کے جینے سے عزت کا مرنا کس درجہ بہتر ہے۔ ہم مسلمانوں پر خدائے کریم کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اگر اُس کی راہ میں جانیں دیں تو شہادت کا رتبہ پائیں، فتح حاصل کریں تو غازی کہلائیں۔ آؤ ہم یک دل اور یک زبان ہو کر خدا کے نام پر حلف اٹھائیں کہ جب تک دم میں دم ہے نہ میدانِ جنگ سے ہٹیں گے اور نہ عزت کی موت سے منہ موڑیں گے۔"

یہ تقریر سنتے ہی سپاہیوں اور سرداروں کی پریشانی کافور ہو گئی۔ وہ بیسیوں معرکوں میں بابر کی شجاعت و کاردانی کے کارنامے دیکھ چکے تھے۔ اسے چٹان کی طرح مضبوط پایا تو ہر شخص کا دل اپنی جگہ پر جم گیا۔

۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء کو جنگ ہوئی۔ بابر خود قلب کی فوج کا کمان دار تھا۔ ہمایوں کے ہاتھ میں دائیں بازو کی کمان تھی اور مہدی خواجہ جو بابر کا مشہور سپہ سالار تھا، بائیں بازو کا افسر تھا۔ رانا سانگا کی فوج اگرچہ بابر کی فوج سے سات آٹھ گنا تھی اور لین پول کے قول کے مطابق اس سے بہتر فوج ہندوستان کی سرزمین سے تیار نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن دوپہر تک راجپوتوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ ہزاروں مارے گئے، جن میں حسن خان میواتی بھی تھا۔ رانا سانگا زخمی ہو کر بھاگ گیا اور میدان صاف ہو گیا۔ پانی پت کے بعد یہ دوسری بڑی اور فیصلہ کن فتح تھی جس نے مخالفوں کے چھکے چھڑا دیے اور ہندوستان کی پیشانی پر مغلوں کی سلطنت کا نقش گہرا کھد گیا۔ اس سال بابر نے چندیری کا مشہور قلعہ بھی فتح کر لیا۔

سلطنت کا انتظام: جب وہ بالکل مطمئن ہو گیا تو ہمایوں کو بدخشاں کی گورنری پر بھیج دیا، جہاں وہ ہندوستان آنے سے پہلے مقیم تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا کامران قندھار کا گورنر تھا۔ ہندال کابل کا انتظام سنبھالے بیٹھا تھا۔ عسکری کو بابر نے ملتان کی حکومت دے دی۔

اس کے عہد کی دو اور لڑائیاں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مرتبہ افغانوں نے بہار سے نکل کر

گنگا اور جمنا کے دوآبے پر حملہ کیا۔ بابر تیزی سے ان کی سرکوبی کے لیے پہنچا تو وہ بھاگ نکلے۔ اودھ تک بابر نے تعاقب کیا۔ پھر سارے افغان بنگال پہنچ گئے اور وہاں کے بادشاہ نصرت شاہ کو اُکسایا۔ بابر نہیں چاہتا تھا کہ نصرت شاہ سے جنگ ہو، اس لیے بات چیت سے معاملہ کو سلجھالینا چاہا۔ جب دیکھا کہ جنگ کے سوا چارہ نہیں تو فوج لے کر آگے بڑھا۔ بکسر کے قریب جنگ ہوئی جس میں بنگالیوں نے فاش شکست کھائی، لیکن بابر نے بنگال پیش قدمی نہ کی اور آگرے واپس آکر سلطنت کے انتظام میں لگ گیا۔

آخری دن: بابر کا سن زیادہ نہ تھا، لیکن عمر بھر کی جفاکشی اور جانفشانی نے اس کی صحت بگاڑ دی تھی۔ جوانی میں وہ اتنا طاقتور تھا کہ دو آدمیوں کو اٹھا کر دونوں بغلوں میں داب لیتا اور دوڑتا۔ ایک مرتبہ تفریح کے طور پر تیر کر گنگا سے گزر گیا۔ اگلے کنارے پر سانس لے کر پھر تیرتا ہوا واپس آگیا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر سو سو میل تک نکل جاتا اور قطعاً تکان محسوس نہ کرتا۔ اپنے سپاہیوں کے ساتھ ہر قسم کی تکلیفیں ہنسی خوشی جھیل لیتا۔ جب اُسے اپنے جسم کی طاقت گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی تو ہمایوں کو بلالیا اور وصیت کی کہ خدا تجھے بادشاہی دے تو بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو آگرے میں وفات پائی۔ صرف اڑتالیس برس کی عمر تھی۔ میت پہلے آگرے کے ایک باغ میں امانت کے طور پر دفن کی گئی، پھر اسے بابر کی وصیت کے مطابق کابل لے جا کر باغ بابر میں دفن کیا گیا۔

سیرت: بابر اپنے عہد کے ایشیائی حکمرانوں میں سب سے زیادہ قابل تھا، بلکہ ہر دور اور ہر ملک کے بادشاہوں کی صف میں بڑی اونچی جگہ پانے کا مستحق ہے۔ بڑا عالی حوصلہ اور بلند نظر شخص تھا۔ جس طرح میدانِ جنگ میں فتح یاب رہا، اسی طرح ملک داری میں بھی اعلیٰ صلاحیت کا مالک تھا۔

اُس کے عہد میں رعایا خوشحال رہی اور خود بابر کو رعایا کی بہتری کا خاص خیال تھا۔ حکمرانی میں بڑا رحم دل تھا۔ سپاہیوں کو خوش رکھنے میں اسے خاص ملکہ حاصل تھا اور انہیں لوٹ مار سے ہمیشہ روکتا تھا۔ سب سے آخر میں یہ کہ حد درجہ انصاف پسند بادشاہ تھا۔ تاریخ میں ایسے شخص بہت کم ملیں گے، جنہیں بابر کی طرح قدم قدم پر خوف ناک مشکلات سے سابقہ پڑتا رہا، لیکن اس کے حوصلے کی پیشانی پر کبھی کوئی شکن نہ پڑی۔ بازی میں ہمیشہ جیت نہیں ہوتی، لیکن بار بار کی ہار کو بابر کی طرح خندہ پیشانی سے قبول کر لینا اور ہمت نہ ہارنا ہر مرد کا کام نہیں۔ اس کی کامیابیوں کا

اصل راز یہ ہے کہ خدا پر بھروسا کبھی نہ چھوڑا۔ مصیبتوں کے اندھیرے میں بھی برابر یقین رہا کہ ضرور کامیابی ہوگی۔ عزم و استقلال میں کبھی فرق نہ آیا۔ ہمیشہ سادی زندگی بسر کی۔ فوج کو سخت تاکید تھی کہ خلقِ خدا پر کبھی سختی نہ ہونے پائے۔ رحم دل اتنا تھا کہ دولت خاں لودھی نے دو مرتبہ اس کے ساتھ بدعہدی کی، لیکن دونوں مرتبہ معافی دے دی۔ ابراہیم لودھی کی والدہ کو سات لاکھ کی جاگیر دی۔ اس نے سازش کر کے بابر کو زہر دلانے کی کوشش کی، سازش ظاہر ہوگئی، لیکن بابر نے اس خاتون کو کوئی سزا نہ دی۔

تعمیرات: بابر خوش ذوق آدمی تھا۔ ہندوستان کی آب و ہوا میں اس کے لیے کشش کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس نے یہاں نہایت عمدہ باغ لگوائے، ان میں نہروں کا انتظام کیا، اس طرح اپنے ملک کی سی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ محل بنوایا، جس میں روزانہ پونے سات سو آدمی کام کرتے تھے۔ جمنا کے کنارے ایک عالی شان باغ لگوایا۔ اس کی نقل میں کامران میرزا نے لاہور میں راوی کے کنارے باغ کا انتظام کیا جس کی بارہ دری کے آثار اب تک موجود ہیں۔

خوش ذوق ادیب و شاعر: بابر ترکی زبان کا بہت اچھا شاعر اور ادیب تھا۔ اپنی زندگی کے حالات بڑے عمدہ انداز میں لکھے، جو "تزکِ بابری" یا واقعاتِ بابری کے نام سے مشہور ہیں۔ اکبر کے عہد میں عبدالرحیم خاں خانخاناں نے اس کتاب کا ترجمہ ترکی سے فارسی میں کیا تھا۔ اس کے کئی ترجمے انگریزی اور دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ سے بابر کی صاف گوئی اور صاف دلی آشکارا ہے۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے ایسی نظر دی تھی جو ہر بات کی تہہ تک پہنچ جاتی تھی۔

ہمایوں: بابر کے چار فرزند تھے: ہمایوں، کامران، ہندال اور عسکری۔ ہمایوں سب سے بڑا تھا۔ ۱۶ر مارچ ۱۵۰۸ء کو کابل میں پیدا ہوا۔ اس میں ملک داری کے جوہر سب سے بڑھ کر موجود تھے، اسی لیے بابر نے اسے ولی عہد بنایا تھا۔ وہ کچھ کم تیس برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس نے باپ کی وصیت کے مطابق بھائیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن بھائیوں نے ہمایوں کا کوئی حق بھی پورا نہ کیا۔ جب تک اُسے اقتدار حاصل رہا، حقِ برادری جتا کر اس کی نیک دلی اور مروّت سے فائدہ اُٹھاتے رہے بلکہ فتنے اُٹھانے میں بھی تامل نہ کیا۔ جب وہ مشکلات میں گھر گیا اور اس کے ساتھ ہو کر جانیں لڑنے کی ضرورت پیش آئی تو اس طرح کنارہ کش ہو گئے جیسے

کبھی کوئی رشتہ اور تعلق موجود ہی نہ تھا۔

کامران باپ کی زندگی میں کابل و قندھار کا حاکم تھا۔ ہمایوں نے اسے شمالی و مغربی پنجاب کی حکومت بھی دے دی۔ علاوہ بریں اس نے ہندال کو سنبھل اور عسکری کو میوات (موجودہ الور اور گوڑگانوہ) کی حکومت دے دی۔ ہمایوں کے اور بھی کئی رشتہ دار ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ وہ بے وفائی میں بھائیوں سے بھی چند قدم آگے بڑھے ہوئے تھے۔

ملک کی حالت اور ابتدائی فتوحات: ہمایوں بادشاہ بنا تو ملک کی حالت خاصی تشویشناک تھی۔ گھر میں بھائی اور رشتہ دار بدخواہی پر تلے بیٹھے تھے۔ مشرق میں افغانوں کا زور تھا۔ ان کی بھاری قوت بہار میں جمع ہوگئی تھی اور وہ جون پور اور اس کے اطراف پر قابض ہو چکے تھے۔ مغرب میں گجرات کا سلطان بہادر شاہ مالوے کو مسخر کر چکا تھا اور چاہتا تھا کہ موقع پاتے ہی آگرے اور دہلی پر چڑھائی کر دے۔ راجپوت اگرچہ کنواہہ میں بُری طرح شکست کھا چکے تھے، لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ جب بابر جیسا کاردان سپہ سالار مغلوں کی سرداری کے لیے موجود نہ رہا تو راجپوتوں میں دوبارہ قسمت آزمائی کا خیال پیدا ہو گیا۔ ہمایوں اگر مشرق کی طرف پیش قدمی کرتا تو مغرب کا خطرہ خوف ناک بن جاتا۔ اگر مغرب کا رخ کرتا تو مشرق کی مخالف قوت کو آگے بڑھ آنے کی مہلت مل جاتی۔ وہ سب سے پہلے کالنجر پر بڑھا اور وہاں کے راجہ کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ پھر اس نے افغانوں کو شکست دے کر جون پور واپس لے لیا۔ اس کی ایک عادت بڑی عجیب تھی۔ جب کسی لڑائی میں فتح پاتا تو اس کے نتائج سے پورا فائدہ اٹھانے اور دشمن کی طاقت کو بالکل ختم کر دینے کی جگہ شادمانیوں کے جشن منانے اور انعام و خلعت دینے میں لگ جاتا۔ چنانچہ جب افغانوں کو شکست دی تو ان کا پیچھا کرنے کے بجائے مجلسِ نشاط جما کر بیٹھ گیا۔

اس موقعہ پر ہمایوں کے ایک رشتہ دار محمد زمان میرزا نے شورش بپا کر دی۔ اسے گرفتار کر کے بیانہ میں نظر بند کر دیا گیا، لیکن وہ قید سے بھاگ نکلا اور سلطان بہادر شاہ والیِ گجرات کے پاس پہنچ گیا۔ اسی زمانہ میں ایک اور رشتہ دار محمد سلطان میرزا نے قنوج پہنچ کر بغاوت کا علم بند کر دیا۔

گجرات پر حملہ: ہمایوں گجرات والوں سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے خط لکھا کہ محمد زمان میرزا کو واپس کر دیا جائے۔ بہادر شاہ نے سختی سے انکار کر دیا تو ہمایوں ۱۵۳۴ء میں فوج لے کر

بڑھا۔ اس زمانے میں بہادر شاہ نے چتوڑ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہمایوں نے محاصرے کے دوران میں بہادر شاہ سے جنگ کو مردانگی کے خلاف سمجھا۔ جب اس نے چتوڑ فتح کر لیا تو پیش قدمی کی اور بہادر شاہ کے لشکر کو گھیر کر اس کی رسد بند کر دی۔ آخر بہادر شاہ پریشان ہو گیا اور پانچ آدمیوں کے ساتھ بھاگ کر نرغے سے نکلا۔ ہمایوں نے تعاقب کیا اور چمپانیر کے قلعہ کو فتح کرتا ہوا کھمبایت پہنچ گیا۔ واپسی میں احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ایک ہی ہلّے میں مالوے اور گجرات کے زرخیز صوبے ہمایوں کے قبضہ میں آ گئے۔ اس نے اپنے بھائی عسکری کو گجرات کا حاکم بنایا۔ مختلف امیروں کو نئے مفتوحہ علاقوں میں جاگیریں دیں اور خود مانڈو (دارالحکومت مالوہ) پہنچ کر جشنوں میں مشغول ہو گیا۔ بہادر شاہ نے پرتگیزوں سے مدد لے کر گجرات پر حملہ کیا۔ جگہ جگہ میرزا عسکری کے خلاف بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ وہ گجرات کو چھوڑ کر آگرے کی طرف چلا آیا۔ بہادر شاہ نے تھوڑی ہی مدت میں مالوہ اور گجرات دونوں واپس لے لیے۔

ہمایوں کا رشتہ دار زمان میرزا مغل فوجوں کے گجرات پہنچنے پر سندھ بھاگ گیا تھا۔ اس اثنا میں ایرانیوں نے قندھار پر ہلّہ بول دیا اور کامران کو اُدھر جانا پڑا۔ زمان میرزا سندھ سے نکل کر پنجاب پہنچا اور لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ جب سنا کہ ہمایوں گجرات چھوڑ کر آگرہ چلا آیا اور بہادر شاہ نے گجرات کو دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لیا تو محاصرہ چھوڑ کر پھر گجرات چلا گیا۔

پورب میں افغانوں کا زور: پورب میں افغانوں کے پاس جنگی قوت کم نہ تھی، لیکن ان میں کوئی ایسا تجربہ کار سپہ سالار نہ تھا جو ساری قوت کو متحد کر دیتا۔ اب انہیں ایک بہادر سپہ سالار مل گیا، جس کا اصل نام فرید خان تھا اور اسے شیر خان کا لقب ملا تھا۔ اس نے افغانوں کی بکھری ہوئی قوت اکٹھی کی اور جنوبی بہار پر قابض ہو گیا۔ جب ہمایوں گجرات کی جنگ میں اُلجھا ہوا تھا تو شیر خان نے حسنِ تدبیر سے اپنی قوت بڑھالی اور اس کے اقتدار کا حلقہ بھی وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ رہتاس کا مستحکم قلعہ بھی لے لیا۔ پھر بنگال کا رُخ کیا اور وہاں کے پائے تخت گور (لکھنوتی) کو چھین کر سارا مال اور ساز و سامان سمیٹ لیا۔ اب ہمایوں کی توجہ پورب کی طرف پلٹی۔ شیر خاں اس بات کے لیے تیار تھا کہ ہمایوں بہار کو اس کے حوالے کر دے تو افغانوں کی پوری قوت ہر معاملہ میں اس کا ساتھ دے گی اور بہار میں خطبہ اسی کے نام کا پڑھا جائے گا۔ ہمایوں ابتدا میں اس پر راضی ہو گیا۔ پھر بنگال کے بادشاہ نصرت شاہ کی طرف سے پیغام پہنچا کہ افغانوں نے صرف بنگال کا

پائے تخت لیا ہے، باقی ملک میرے قبضہ میں ہے۔ اگر آپ ادھر آ جائیں تو افغانوں کے قدم جمنے سے پہلے ہی انہیں ختم کیا جا سکتا ہے۔ شیر خاں کے وعدوں پر بھروسا نہ کریں۔ ہمایوں یہ پیغام پا کر بنگال کی طرف بڑھا۔ شیر خان نے اسے ہمایوں کی عہد شکنی سمجھا اور اپنے آپ کو ہر پابندی سے آزاد قرار دے لیا۔ وہ بڑا دُور اندیش اور مدبّر آدمی تھا، جلد بازی میں ہمایوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا اور ہمایوں راستے یا اس کے آس پاس کے حالات کا اندازہ کیے بغیر سیدھا گور پہنچ گیا۔ وہاں کیا دھرا تھا؟ شیر خاں روپیہ پیسہ اور ساز و سامان نکال چکا تھا۔ ہمایوں نے قلعہ کی مرمّت کرائی اور اپنے افسروں کو بنگال کے مختلف حصّوں میں جاگیریں بانٹ کر بے فکر بیٹھ گیا۔

چوسہ کی جنگ (۲۶ر جون ۱۵۳۹ء): اس اثنا میں شیر خاں نے بنارس پر قبضہ کر لیا اور ایک فوج بہرائچ، دوسری جون پور، تیسری قنوج کی طرف بھیج دی۔ راستے میں جس مغل حاکم نے مقابلہ کیا، مارا گیا۔ اس طرح ہمایوں کے مقبوضات بھی چھنے اور بنگال سے واپسی کا راستہ بھی خطرے میں پڑ گیا۔ یہی زمانہ تھا جب میرزا ہندال ہمایوں کی لشکر گاہ سے نکلا اور آگرے پہنچ کر اس نے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ اب ہمایوں کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے کچھ فوج بنگال میں چھوڑی، باقی کو لے کر آگرے کی جانب روانہ ہوا۔ شیر خاں نے بہار کی پوری افغان فوج کو جمع کر لیا تھا۔ ہمایوں بنگال سے چلا تو شیر خاں کمیں گاہ سے نکل کر مقابلہ پر آ گیا۔ بیچ میں صلح کی بات چیت بھی ہوئی۔ شیر خاں بنگال اور بہار دونوں مانگتا تھا۔ جب کچھ طے نہ ہو سکا تو لڑائی ٹھن گئی۔ شیر خاں نے افغانوں کو جمع کر کے کہا کہ "اب افغانی حمیت و غیرت دکھاؤ۔ ہندوستان کی سلطنت کو واپس لینے کی آخری فرصت تمہیں مل گئی ہے۔"

ہمایوں بہادری و جوانمردی میں کسی سے کم نہ تھا، لیکن شیر خاں جتنا دُور اندیش اور موقع شناس نہ تھا، افغانوں نے صبح کے وقت شاہی لشکر گاہ پر حملہ کیا۔ ہمایوں نماز کے لیے وضو کر رہا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں مغل لشکر تتر بتر ہو گیا۔ یہ لڑائی بکسر کے قریب چوسہ میں ہوئی۔

ہمایوں کا ایک بازو تیر سے زخمی ہو چکا تھا۔ اس نے بچاؤ کے لیے گھوڑا گنگا میں ڈال دیا۔ دریا زوروں پر تھا۔ گھوڑا ڈوب گیا اور ہمایوں کو ایک سقّے نے اپنی مشک کا سہارا دے کر دوسرے کنارے پر پہنچایا۔ اس لڑائی میں بہت سے مغل مارے گئے۔ جو دریا میں ڈوب کر مرے،

ان کی تعداد آٹھ ہزار بتائی جاتی ہے۔

افغانوں نے اس لڑائی کے بعد بادشاہی کا تاج شیر خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ بولا: ''بادشاہی کا منصب اگرچہ بہت اونچا ہے، لیکن اس کے ساتھ مصیبتیں اور تکلیفیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ میرے بہادر رفیقوں نے چوں کہ مجھے بادشاہ بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے، اس لیے میں اس منصب کو قبول کرتا ہوں۔'' اس وقت سے شیر خاں شیر شاہ بن گیا۔

جنگِ بلگرام (اپریل ۱۵۴۰ء): ہمایوں شکست کھا کر آگرہ پہنچا تو کامران اور ہندال وہاں پہلے سے موجود تھے۔ ہندال نے معافی مانگی اور ہمایوں اس کے قصور سے درگزرا۔ بھائی ملے تو سب کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ امید تھی کہ اب سارے یک دل ہو کر باپ کی میراث کو بچانے کے لیے جانیں لڑا دیں گے، لیکن کامران نے اس امید کو بھی پورا نہ کیا۔ وہ اتفاقیہ بیمار ہو گیا۔ کسی مشیر نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ ہمایوں نے تمھیں زہر دے دیا ہے۔ وہ چپ چاپ اُٹھا اور اپنا لشکر لے کر لاہور چلا آیا۔

شیر شاہ نے کالپی اور قنوج کا رُخ کیا۔ گجرات کے بادشاہ کو پیغام دیا کہ میں اپنے بیٹے کو فوج دے کر تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔ ہمایوں قنوج پر پیش قدمی کرے تو آگے بڑھ کر دہلی اور آگرے کے علاقوں کو برباد کر ڈالنا۔ ہمایوں نے گجراتیوں کو روکنے کی غرض سے ہندال اور عسکری کو چندیری کی طرف بھیجا، خود شیر شاہ کے مقابلے کے لیے نکلا۔ قنوج کے قریب بلگرام کے مقام پر جنگ ہوئی۔ شیر شاہ نے لڑائی سے پہلے افغانوں کے سامنے ایک پُر جوش تقریر کرتے ہوئے کہا:

> ''میں نے تمھیں اکٹھا کرنے کے لیے ہر ممکن محنت و مشقت برداشت کی۔ تمھیں تربیت دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آج تمہارا امتحان ہونے والا ہے۔ تم میں سے جو شخص آج بہادری و جوانمردی میں سب پر بازی لے جائے گا، اس کے سر پر میں عزت و ناموری کا طرّہ لگاؤں گا۔''

لڑائی میں مغلوں نے پھر شکست کھائی۔ ہمایوں آگرے پہنچا۔ شیر شاہ نے اب کے تیزی سے تعاقب کا بندوبست کیا۔ جب آگرے میں ٹھہرنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی، تو ہمایوں لاہور چلا آیا۔ شیر شاہ نے اب بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ لاہور میں بھی شیر شاہ کے مقابلے کی تدبیر نہ بن سکی، تو کامران کابل چلا گیا اور ہمایوں نے اپنے ساتھیوں سمیت سندھ کا رخ کیا۔ اس طرح

اپریل ۱۵۴۰ء میں ہمایوں کی پادشاہی ہندوستان میں ختم ہوگئی اور شیر شاہ سوری یہاں کا فرمانروا بنا۔
ہمایوں کے باقی حالات اپنے موقع پر بیان ہوں گے۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱۔ فرغانہ ترکستان میں ہے۔ بابر کے زمانے میں اس کا دارالحکومت اندجان تھا۔ آج کل یہ حکومت شورائیہ روس (سوویت روس) میں شامل ہے اور ازبکستان کا ایک حصہ ہے، تاشقند اس کا مرکزِ حکومت ہے۔

دوسرا باب

سوری افغان اور ہمایوں
(۱۵۴۰ء۔۱۵۵۶ء)

ہمایوں کی مصیبتیں: ہمایوں لاہور سے نکل کر بکھر (سندھ) پہنچا، لیکن اب وہ بادشاہ نہ تھا کہ ساتھیوں کو اس سے نفع کی امید ہوتی، اس لیے آہستہ آہستہ سپاہی اور بڑے بڑے سردار الگ ہونے لگے۔ اسی حالت میں ہمایوں نے ٹھٹھہ (دارالحکومت سندھ) پر حملے کا ارادہ کیا۔ یہ ارادہ پورا نہ ہوا تو سہواں (سیوستان) کو لینا چاہا، لیکن کافی سپاہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ مقصد بھی پورا نہ ہوا۔ بھکر میں بیٹھے بیٹھے جودھ پور کے راجہ مالدیو کے پاس جانے کا خیال آیا، جو برابر خط بھیج بھیج کر وفاداری کا یقین دلا رہا تھا۔ ہمایوں نے جیسلمیر کے راستے اُدھر کا قصد کیا۔ جاتے جاتے جیسلمیر کے راجہ سے جنگ ہوئی۔ اگرچہ راجہ کو شکست ہوئی، لیکن ہمایوں کے بہت سے ساتھی زخمی ہو گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ راجہ مالدیو کی نیت بھی بدل گئی ہے اور اگر ہمایوں وہاں گیا تو امداد کے بجائے وہ خیانت کر کے بادشاہ کو شیر شاہ کے حوالے کر دے گا۔ ہمایوں بال بچوں کے ساتھ پیچھے پلٹا۔ صحرائی علاقے کی خاک چھانتا ہوا عمر کوٹ میں ستانے کی غرض سے ٹھہر گیا تھا کہ ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو اکبر پیدا ہوا۔ جب ہمایوں پر ظاہر ہو گیا کہ سندھ میں بیٹھے رہنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا تو قندھار جانے کی تیاری کی۔ اس کے بھائی عسکری میرزا اور کامران میرزا دل سے چاہتے تھے کہ ہمایوں سندھ ہی میں رہ جائے۔ چنانچہ وہ سندھ کے حاکم شاہ ارغون کو بار بار خط لکھتے رہے کہ اس کا راستہ روک لو۔ ہمایوں کو یہ خبر ملی تو بولا "قندھار و کابل کی حیثیت کیا ہے کہ میں ان کی خاطر اپنے بے وفا بھائیوں سے جنگ کروں گا۔"

غرض وہ خستہ حال قندھار پہنچا۔ بال بچوں کو وہاں چھوڑ کر خود بیرم خان اور بعض دوسرے وفادار ساتھیوں کے ہمراہ ایران چلا گیا تا کہ شاہ طہماسپ صفوی سے کمک لے کر دوبارہ

کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کر لے۔ اس اثنا میں شیر شاہ اپنی سلطنت کی بنیادیں مضبوط کر چکا تھا۔

فرید خاں افغاں: شیر شاہ کا اصل نام فرید خاں تھا۔ بہلول لودھی کے زمانے میں ۱۴۸۶ء کو پیدا ہوا۔ سکندر لودھی کے زمانے میں اس کے باپ حسن خاں کو بہار میں ایک جاگیر (سہسرام، حاجی پورہ ٹانڈہ) مل گئی تھی۔ باپ سے اَن بن ہو گئی۔ فرید خاں گھر سے نکل گیا اور جون پور میں تعلیم پاتا رہا۔ پھر باپ سے صلح ہو گئی تو جاگیر کا انتظام ایسا عمدہ کیا کہ آمدنی بھی بڑھ گئی اور کسان بھی خوشحال ہو گئے۔

ابراہیم لودھی پانی پت کی جنگ میں مارا گیا تو فرید خاں، بہادر خاں لوہانی کے پاس پہنچ گیا جو بہار میں محمد شاہ کے لقب سے بادشاہ بن گیا تھا۔ وہیں ایک شیر کو مار کر شیر خاں کا خطاب حاصل کیا۔

ہندوستان کی بادشاہی: بہار میں افغانوں کا زور تھا۔ شیر خاں اندازہ کر چکا تھا کہ ان کی قوت کو اگر اکٹھا کر کے مغلوں کے خلاف استعمال کیا جائے تو افغان سلطنت بحال ہو سکتی ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی حیثیت بڑھانے اور افغانوں کو اپنے گرد جمع کرنے کی سکیم پر عمل شروع کر دیا۔ سب سے پہلے چنار کا قلعہ لیا جہاں سے بے انتہا دولت ملی، پھر رہتاس پر بڑی چالاکی سے قبضہ جما لیا۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے انہیں ہم پہلے باب میں بتا چکے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ شیر خاں نے افغانوں کو منظم کیا اور ایک زبردست فوج تیار کر کے حسنِ تدبیر سے وہ بادشاہی کے درجہ تک پہنچ گیا۔ بابر نے اپنی زندگی کے آخری چار پانچ برس میں جو محنت کی تھی، وہ سب اکارت گئی۔

ہمایوں بلگرام میں شکست کھا کر آگرے پہنچا تو شیر شاہ نے ایک فوج گوالیار بھیج دی، دوسری کو سنبھل جانے کا حکم دیا، تیسری فوج کو ہمایوں کا پیچھا کرنے کے لیے مقرر کیا لیکن تاکید کر دی کہ ہر ممکن کوشش کر کے جنگ سے بچے رہنا۔ پھر آپ فتح کیے ہوئے علاقے کا انتظام کر کے آگرے پہنچا اور ہمایوں کے پیچھے پیچھے دہلی ہوتا ہوا پنجاب آ گیا۔ یہاں سارے نظم و نسق کو درست کرنے کے علاوہ جہلم کے کنارے ایک مضبوط قلعہ بنایا، جس کا نام رہتاس رکھا۔ اس قلعہ کی غرض یہ تھی کہ مغل درۂ خیبر اور پشاور کے راستے ہندوستان پر حملہ نہ کر سکیں۔ جب ہمایوں سندھ سے چلا گیا تو شیر شاہ نے سندھ اور ملتان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح قندھار کی طرف سے بھی ہندوستان پر ترکتاز کا دروازہ بند کر دیا۔

فتوحات: ہمایوں کی طرف سے مطمئن ہو کر شیر شاہ کی توجہ سب سے پہلے بنگال کی طرف پلٹی،

جہاں کے افغان گورنر نے خود مختار بادشاہی کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ شیر شاہ بنگال پہنچا۔ پورے صوبے کو چھوٹے چھوٹے علاقوں میں بانٹ کر الگ الگ حاکم مقرر کر دیے۔ اس تدبیر کا مقصد یہ تھا کہ کسی کے پاس زیادہ فوج اور قوت جمع نہ ہو سکے تا کہ وہ سرکشی نہ کرنے پائیں۔ اس کے بعد:

۱۔ ۱۵۴۲ء میں اس نے مانڈو، سارنگ پور، اجین اور رنتھمبور پر قبضہ جما لیا۔ اس طرح مالوہ اس کے ماتحت ہو گیا۔

۲۔ ۱۵۴۳ء میں رائے سین کا قلعہ بھی لے لیا۔

۳۔ ۱۵۴۴ء میں چتوڑ و مارواڑ (جودھ پور) اس کے تصرف میں آ گئے۔

کالنجر کا محاصرہ (نومبر ۱۵۴۴ء): مالوے اور راجپوتانے سے فارغ ہو کر شیر شاہ نے کالنجر پر توجہ کی، جہاں کے راجا کرن سنگھ نے ایک باغی کو پناہ دے رکھی تھی۔ کالنجر کا قلعہ بڑا مضبوط تھا۔ وہ ایک پہاڑی پر واقع تھا جو بارہ سو فٹ بلند تھی۔ اردگرد ایک چوڑا نالہ بہتا تھا۔ شیر شاہ نے حکم دے دیا کہ قلعہ کے برابر دمدمے بنائے جائیں۔ دمدمے اتنے اونچے بنائے گئے کہ قلعہ کی دیواریں ان سے نیچی رہ گئیں۔ اب تیر و تفنگ کی لڑائی ہونے لگی اور کالنجر والوں کی حالت خاصی نازک ہو گئی؛ تاہم محاصرہ پر کم و بیش چھ مہینے گزر گئے۔

۹ ربیع الاول ۹۵۲ھ (۲۱ مئی ۱۵۴۵ء) کو جمعہ کے دن شیر شاہ نے چاشت کا کھانا اپنے دستور کے مطابق عالموں اور سرداروں کے ساتھ کھایا۔ پھر پھٹنے والے گولے لانے کا حکم دیا اور خود دمدمے پر چڑھ کر اپنے ہاتھ سے کئی تیر چلائے پھر دمدمے سے اُتر آیا اور اس جگہ ٹھہر گیا جہاں گولوں کا ڈھیر تھا۔ سپاہ لڑائی میں مشغول تھی۔ کسی نے ایک گولہ پھینکا تو وہ قلعہ کے دروازہ سے ٹکرایا۔ اس کا ایک ٹکڑا واپس آ کر اس جگہ گرا جہاں گولے پڑے تھے۔ اس کے ساتھ ہی گولوں نے آگ پکڑ لی اور سب پھٹنے لگے۔ جتنے لوگ شیر شاہ کے پاس کھڑے تھے، ایک کے سوا سب بچ گئے، شیر شاہ بری طرح جل گیا۔

کالنجر کی فتح اور وفات (۱۵۴۵ء): اسے اٹھا کر خیمہ میں پہنچایا گیا۔ اگرچہ سخت تکلیف تھی، لیکن صبر و ضبط کا یہ عالم تھا کہ اُف تک نہ کی۔ بڑے فوجی افسروں کو بلایا اور تاکید کر دی کہ قلعہ جلد سے جلد فتح ہو جانا چاہیے۔ فوج کو اپنے سپہ سالار اور بادشاہ کا یہ حکم ملا تو اس زور سے حملہ کیا کہ شام تک قلعہ سر ہو گیا۔ جب شیر شاہ کو کالنجر کے فتح ہونے کی خوشخبری ملی تو بولا: ''الحمدللہ''، ساتھ ہی

چہرے پر مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

۱۰ ربیع الاول ۹۵۲ھ۔ (۲۲ مئی ۱۵۴۵ء) کو وہ جاں بحق ہو گیا۔ اپنی زندگی میں سہسرام میں عالی شان مقبرہ بنوالیا تھا۔ میت کو وہیں لے جا کر دفن کیا گیا۔ پانچ برس پادشاہی کی۔ صرف انسٹھ برس کی عمر پائی۔

شخصیت: شیر شاہ کی سیرت اس کے کارناموں سے ظاہر ہے۔ وہ بالکل معمولی حالت سے اُٹھ کر بہت بڑی سلطنت کا مالک بن گیا تھا اور ان مغلوں کو شکست دینے میں کامیابی حاصل کی تھی، جن کے بارہ ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں ابراہیم لودھی اور رانا سانگا کی آٹھ آٹھ گنی فوجیں ناکام رہی تھیں۔ صرف یہی ایک کارنامہ اس کی شجاعت، مردانگی، کاردانی، تدبر اور قوتِ تنظیم کی ایک روشن شہادت ہے۔ اس سے پہلے افغانوں کی قوت بکھری ہوئی تھی اور وہ جگہ جگہ شکستیں کھا رہے تھے۔ شیر شاہ نے اس قوت کو ایک رشتے اور ایک نظام میں لا کر اس طریقے پر استعمال کیا کہ صرف دو لڑائیوں میں ملک کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔

بڑی سلطنت کا مالک بن جانے کے بعد بھی اس کی سرگرمی، جفاکشی اور محنت و مشقت میں کوئی فرق نہ آیا

انتظام سلطنت: لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں کو کام کی مہلت بہت کم ملی، اس لیے جو کچھ کرنا چاہتا تھا، نہ کر سکا۔ شیر شاہ اس لحاظ سے بھی پادشاہوں میں یگانہ حیثیت کا مالک ہے۔ اگرچہ صرف پانچ برس کی مہلت ملی لیکن اس مدت میں سلطنت حاصل بھی کی، اس کی حدیں بھی بڑھائیں، پھر اس کا انتظام بھی اعلیٰ پیمانے پر پہنچا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیر شاہ خاص دل و دماغ کا آدمی تھا اور اس جیسے انسان صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے انتظامات کا سرسری خاکہ یہ ہے۔

۱۔ مال گزاری کے انتظام کو نئے سانچے میں ڈھال دیا۔ اسی کی ڈالی ہوئی داغ بیل پر اکبر نے اپنے انتظام کی بنیاد رکھی۔ اسی کا نظام معمولی ترمیمات کے ساتھ انگریزوں کے عہد میں بھی جاری رہا۔

۲۔ ہر فصل پر زمین کی پیمائش ہوتی اور اس کے مطابق مالیہ وصول کیا جاتا۔

۳۔ مالیہ کے قواعد ایسے بنا دیے کہ کوئی سرکاری آدمی کسی کو تنگ نہ کر سکے۔ نقد اور جنس

دونوں میں سے کسی ایک شکل میں مالیہ ادا کرنا کاشتکار کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔

۴۔ کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی امداد کا اسے بڑا خیال تھا۔ کہا کرتا تھا کہ یہ لوگ سلطنت میں وہی حیثیت رکھتے ہیں، جو انسان کے جسم میں ریڑھ کی ہڈی کو حاصل ہے۔

۵۔ فوجی افسروں کو سواروں کی تعداد کے مطابق جاگیریں ملی ہوئی تھیں لیکن چوں کہ دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کا انتظام اچھا نہ تھا، اس لیے افسر جاگیروں کی آمدنی ذاتی خرچ میں لے آتے تھے۔ جب فوجی خدمت کی ضرورت پیش آتی تو اِدھر اُدھر سے عارضی طور پر سوار بھرتی کر کے گنتی پوری کر دیتے۔ شیر شاہ نے اس فریب کا دروازہ بند کر دیا اور داغ کا طریقہ ایجاد کیا۔ داغ کے بغیر کسی گھوڑے یا اس کے سوار کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔

۶۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی خود توجہ رکھتا تھا۔ کہا کرتا تھا کہ ہر سلطنت صرف اس وجہ سے برباد ہوئی کہ بادشاہ عیش و عشرت میں پڑ گئے اور کاروبار امیروں وزیروں کے حوالے کر دیا۔

عدل و امن: شیر شاہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اکثر چھوٹے چھوٹے آدمیوں کی تنخواہیں اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتا تا کہ ان لوگوں سے واقف بھی ہو جائے اور اگر کسی کے دل میں کوئی شکایت ہو تو اسے بھی سُن لے۔ چوں کہ معمولی حیثیت سے بلند درجے پر پہنچا تھا، اس لیے مختلف طبقوں کی شرارتوں سے آگاہ تھا، انہیں فوراً ختم کر دیا۔ سلطنت کا امن بڑی آسانی سے اور بہت ہی جلد بحال کر دیا۔ ہر حلقے کے چودھریوں، مقدموں اور نمبرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ اپنے اپنے علاقوں کے وہ ذمہ دار ہیں۔ چوری، ڈاکے یا خون کی کوئی واردات ہوتی، تو فوراً مقدم اور چودھری پکڑے جاتے اور ان کے ذریعہ سے مجرموں کا سراغ مل جاتا۔ پھر یہ لوگ اپنی نیک نامی کی خاطر خود ہی اتنے چوکس ہو گئے کہ وارداتیں بالکل ختم ہو گئیں۔ راستے پُر امن ہو گئے تو تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ شیر شاہ کو ویسے بھی تاجروں کی حفاظت کا خاص خیال رہتا تھا۔

اس کے عدل کی داستانیں بہت مشہور ہیں۔ مثلاً اس واقعہ کا سب کو علم ہے کہ اس کا بیٹا ہاتھی پر سوار جا رہا تھا، اتفاق سے ایک غریب بنیے کی بیوی کو دیکھ لیا اور اس پر پان کا بیڑا پھینکا۔ بیوی

غیرت مند تھی؛ اس بے عزتی کے بعد جینے سے بیزار ہوگئی۔ شوہر نے یہ معاملہ شیر شاہ تک پہنچایا۔ جب تحقیقات سے شہزادے کا جرم ثابت ہوگیا تو شیر شاہی عدل نے یہ فیصلہ کیا کہ بنیا ہاتھی پر سوار ہو اور شہزادے کی بیوی پر پان کا بیڑا پھینکے۔ امیروں اور درباریوں نے بادشاہ کی منت سماجت کی کہ فیصلہ بدل دیا جائے، لیکن انصاف کے اس پیکر نے جواب دیا کہ میرے بیٹے پر رعایا کی بہو بیٹیوں کی حفاظت سب سے بڑھ کر فرض تھی۔ وہ اس فرض کو بھول گیا تو سزا ضرور ملنی چاہیے۔ آخر بیٹے نے عرض کیا کہ شہنشاہ کے فیصلے نے میری آبرو بحال کر دی۔ اب میں شہزادے کو معاف کرتا ہوں۔

غرض شیر شاہ کے سامنے قانون کے معاملے میں امیر، غریب یا ہندو، مسلمان کی کوئی تمیز نہ تھی۔ فوج کو سخت تاکید کی تھی کہ کوچ کے وقت میں کاشتکاروں کی فصلوں کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ اگر اتفاقیہ کسی کا نقصان ہو جاتا تو سرکاری خزانے سے اسے معاوضہ ملتا۔

رفاہِ عام کے کام: شیر شاہ کو رفاہی کاموں سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے ساری سڑکیں درست کرائیں، ان پر سرائیں بنوائیں، کنوئیں کھدوائے۔ تین بڑی سڑکیں بنوا دیں، اوّل بنگال سے پنجاب کی حد تک جو بعد میں جرنیلی سڑک کے نام سے مشہور ہوئی، دوسری آگرہ سے چتوڑ تک، تیسری لاہور سے ملتان تک۔ اس کے دونوں طرف میوہ دار اور سایہ دار درخت لگوا دیے۔ تمام سراؤں میں ہندوؤں کے لیے مندر اور مسلمانوں کے لیے مسجدیں تعمیر ہوگئیں، نیز ان میں دکان دار بٹھا دیے تاکہ مسافروں کو ضرورت کی چیزیں ہر جگہ ملتی رہیں۔ انہیں سراؤں میں ڈاک کی چوکیاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ علاقوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے اس نے خاص وقائع نگار مقرر کر دیے تھے، جن کے ذریعے سے پوری سلطنت کی خبریں باقاعدہ ملتی رہتی تھیں۔

خود بہت سادہ زندگی بسر کرتا اور معمولی کھانا کھاتا، لیکن اس کے دسترخوان سے ہزاروں ملازموں کو روزانہ کھانا ملتا تھا۔ کم سے کم پانسو اشرفی کا کھانا ہر روز غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ بہر حال بہادری، کاردانی، بے تعصبی، عدل اور حسنِ انتظام کے اعتبار سے وہ ہندوستان کے چند بہت ہی بڑے بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔

سلیم شاہ سوری (۱۵۴۵ء سے ۱۵۵۴ء): شیر شاہ کے کئی بیٹے تھے۔ عام رواج کے مطابق بڑا بیٹا عادل خاں جانشینی کا حق دار تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی جلال خاں چوں کہ پہلے شاہی لشکر گاہ میں پہنچ

گیا اس لیے ۲۵ مئی کو اس کی تخت نشینی کا اعلان ہو گیا۔ جلال خاں نے اسلام شاہ کا لقب اختیار کیا، اس کے سکّوں پر یہی لقب لکھا جاتا تھا اگرچہ وہ عام طور پر سلیم شاہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ عادل خاں نے مقابلے کا ارادہ کیا، مگر کامیاب نہ ہوا اور بیانہ کی جاگیر لے کر بیٹھ گیا۔

سلیم شاہ کے عہد کا قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ اس نے باپ کی پیروی میں رفاہی کاموں پر بہت توجہ کی اور نئی نئی سرائیں بنوا دیں، لیکن انتظامی جوہر اس میں موجود نہ تھے۔ جو لوگ شہزادگی کے زمانے میں اس کے ساتھ تھے، انہیں کو ترقیاں دے کر اونچے رتبے پر پہنچایا اور شیر شاہ کے زمانے کے تجربہ کار آدمی پیچھے پھینکے جانے لگے۔ اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ عام بے چینی پیدا ہوتی، چنانچہ پیدا ہوئی۔ سلیم شاہ نے نو برس کی حکومت کے بعد نومبر ۱۵۵۴ء میں وفات پائی۔

افراتفری: سلیم شاہ کا بیٹا فیروز شاہ بارہ برس کا تھا جب اس کے لیے باپ کا تخت خالی ہوا۔ چنانچہ اس کی بادشاہی کا اعلان ہو گیا اور مبارز خان جو بچے کا حقیقی ماموں تھا، نائب السلطنت بنا۔ اس نے تیسرے ہی دن بھانجے کو سگی بہن کی آغوش سے کھینچ کر قتل کروا دیا اور محمود شاہ عادل کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔ اسے عام طور پر عدلی کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی افراتفری پھیل گئی اور چار آدمی تخت کے دعوے دار بن گئے۔

۱۔ عدلی آگرہ میں۔ یہ شیر شاہ کے بھائی نظام خاں کا بیٹا تھا۔ اس کی ایک بہن سلیم شاہ سے بیاہی ہوئی تھی۔

۲۔ ابراہیم خاں سوری جو شیر شاہ کے دوسرے بھائی غازی خان کا بیٹا تھا۔ اسے بھی عدلی کی ایک بہن بیاہی ہوئی تھی۔

۳۔ احمد خاں سوری جو شیر شاہ کے ایک اور بھائی کا بیٹا تھا۔ اس نے سکندر شاہ کا لقب اختیار کیا اور پنجاب کے مختلف حصّے سنبھال لیے۔

۴۔ محمد شاہ سوری جس نے بنگال میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا۔

خانہ جنگی: ان کی باہمی جنگوں کو تفصیل سے بیان کرنا غیر ضروری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عدلی آگرہ سے اٹھ کر چنار کے قلعہ میں جا بیٹھا اور ریواڑی کے ایک بنیے کو جس کا نام ہیمو تھا، اپنے معاملات کا مختار بنا دیا۔ اس نے ابراہیم شاہ کو شکستیں دے کر اڑیسہ کی طرف بھگا دیا، جہاں وہ اکبر کے عہد میں مارا گیا۔ سکندر شاہ آگرے اور دہلی پر قابض ہو گیا۔ ہمایوں نے اسی کو شکست دے کر دہلی اور آگرہ

لیے تھے۔ عدلی پر محمد شاہ بنگال سے نکل کر حملہ آور ہوا لیکن شکست کھائی اور بندھیل کھنڈ میں پریشاں حال پھرتا ہوا مارا گیا۔ اس کے بیٹے خضر خاں نے باپ کا بدلہ لینے کے لیے عدلی سے جنگ کی اور اسے شکست دی۔ اس جنگ میں عدلی مارا گیا۔ وہ اگرچہ بڑا ظالم آدمی تھا اور بادشاہ بننے کا کوئی وصف اس میں موجود نہ تھا؛ تاہم یہ واقعہ ہے کہ نماز کا بڑا پابند تھا اور موسیقی میں اسے اتنا کمال تھا کہ ہندوستان کا مشہور گویا تان سین اس کی شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔

ہمایوں کی واپسی: ہمایوں ہندوستان سے جانے کے بعد پہلے ایران گیا اور شاہ طہماسپ صفوی سے مدد لے کر پہلے کابل و قندھار کو بھائیوں سے واپس لیا۔ جب ہندوستان میں افغانوں کی خانہ جنگی کے حالات سنے تو نومبر ۱۵۵۴ء میں کابل سے ہندوستان آیا۔ صرف دیپال پور پر ہلکی سی جنگ ہوئی۔ سکندر شاہ کو ہمایوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو تیس ہزار سوار مقابلے پر بھیج دیے۔ دریائے ستلج کے کنارے ماچھی واڑے میں جنگ ہوئی جس میں سکندر شاہ کی فوج نے شکست کھائی اور ہمایوں سرہند پہنچ گیا۔ سکندر شاہ پھر اسی ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ پر آ گیا، لیکن سرہند میں دوسری مرتبہ شکست کھائی اور کوہستان سوالک کی طرف بھاگ گیا۔ مغلوں نے دہلی اور آگرے پر قبضہ کر لیا اور ہمایوں جولائی ۱۵۵۵ء میں دہلی پہنچ گیا۔

دہلی اور آگرہ ہمایوں کو مل گئے تھے، لیکن پندرہ برس پہلے جو سلطنت چھوڑ گیا تھا، وہ پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ مالوہ، گجرات، بنگال اور جون پور الگ ہو چکے تھے۔ وسط ہند میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ پنجاب پر بھی مغلوں کا قبضہ پکا نہیں ہوا تھا۔ سوری خاندان کی خانہ جنگی ہی مختلف علاقوں کو بُری طرح تباہ کر چکی تھی۔ پھر انہیں دنوں میں سخت قحط پڑ گیا، جس نے تمام لوگوں کو ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ تخت کے دعویٰ داروں میں سے عدلی چنار میں بیٹھا تھا اور اس کا پیشکار ہیمو بھاری فوج کے ساتھ حملے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ سکندر شاہ اگرچہ دو مرتبہ شکست کھا چکا تھا، لیکن ہر وقت اندیشہ تھا کہ وہ نئی قوت فراہم کر کے مقابلہ پر آ جائے گا۔ ہمایوں نے اپنے بیٹے اکبر کو ایک فوج دے کر سکندر شاہ کے تعاقب میں بھیج دیا، بیرم خاں کو اکبر کا اتالیق بنا دیا اور خود دہلی میں بیٹھ کر دوسرے فتنوں کو فرو کرنے میں لگ گیا۔

وفات: ابھی وہ کوئی قابل ذکر قدم نہیں اٹھا سکا تھا کہ ۲۷ جنوری ۱۵۵۶ء کی شام کو قلعے میں کتب خانہ کی چھت پر چڑھ گیا۔ پاس ہی مسجد تھی۔ مغرب کی نماز کے خیال سے اترنے لگا۔ دو ہی پایے

اُترا تھا کہ مسجد میں اذان ہوئی۔ وہ اذان کے احترام میں بیٹھ گیا، پھر اُٹھ کر اترنے لگا تو پاؤں پھسلا اور سر کے بل زمین پر آ گرا، بے ہوشی کی حالت میں اسے اٹھا کر محل میں لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کچھ باتیں کیں۔ اگلے روز طبیعت اتنی بگڑی کہ زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ ایک تیز رفتار قاصد کو اکبر کے پاس بھیج دیا گیا جو اس وقت کلانور (ضلع گورداسپور) میں تھا۔ ۲۴ر جنوری ۱۵۵۶ء کو ہمایوں نے وفات پائی۔

سیرت: ہمایوں کی بہادری، عالی حوصلگی، فیاضی اور رحم دلی کا سب اقرار کرتے ہیں، لیکن اسے افیون کی عادت پڑ گئی تھی، جس کے باعث سستی پیدا ہو گئی۔ سلطنت کو بچانے کے لیے جس مستعدی اور جفاکشی کی ضرورت تھی، وہ اس میں نہ رہی۔ پھر تخت نشینی کے ساتھ ہی ناسازگاری کے اتنے اسباب جمع ہو گئے کہ ہمایوں سے کوئی قابلِ ذکر کارنامہ بن نہ آیا۔ اس کی ناکامی کا ایک بڑا سبب بھائیوں کی بے وفائی تھی جو اس کی رحم دلی سے فائدہ اٹھا کر برابر فتنے برپا کرتے رہے۔ ہمایوں کچھ اپنی نیک طبعی کے باعث اور کچھ باپ کی وصیت کا پاس کرتے ہوئے ان پر سختی کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمایوں کا مقابلہ شیر شاہ سے آ پڑا، جو شجاعت، تدبر، دُور اندیشی اور جفاکشی میں بابر، اکبر اور عالمگیر کی ٹکر کا آدمی تھا۔

☆.....☆.....☆

تیسرا باب

جلال الدین اکبر
(۱۵۵۶ء۔۱۶۰۵ء)

ابتدائی حالات: اکبر عمر کوٹ میں اس وقت پیدا ہوا جب ہمایوں ہندوستان کی سلطنت کھو کر پناہ گاہ کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا تھا۔ اس کے پاس ایک نافے کے سوا کوئی قیمتی چیز نہ تھی۔ بیٹے کی پیدائش کا مژدہ سنا تو اسی کو توڑ کر ساتھیوں میں تقسیم کر دیا اور دُعا کی کہ خدا اس بچے کی شہرت مشک کی طرح دنیا میں پھیلائے۔ یہ دُعا منظور ہوئی۔ اکبر کی والدہ حمیدہ بانو بیگم حضرت احمد جام ژندہ پیل کے خاندان سے تھی۔

ہمایوں جب ایران گیا تو اکبر ایک برس کا تھا۔ اس کا بچپن چچاؤں کی نگرانی میں گزرا۔ چار برس اور دو مہینے کا تھا، جب ہمایوں ایران سے واپس آ کر قندھار و غزنی کو فتح کرتا ہوا کابل پہنچا اور باپ نے جگر بند کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ ہمایوں پھر بدخشاں چلا گیا اور کامران کابل پر قابض ہو گیا۔ واپس لوٹا تو کامران قلعہ بند ہو گیا۔ اکبر اسی کے پاس تھا۔ ہمایوں کی فوج قلعے پر گولے برسانے لگی تو کامران نے حکم دیا کہ اکبر کو دیوار پر اس جگہ بٹھا دیا جائے، جہاں گولے گرتے تھے۔ قدرت نے اسے بچا لیا۔ نومبر ۱۵۵۴ء میں وہ باپ کے ساتھ کابل سے ہندوستان آیا۔ ماچھی واڑے کی جنگ میں شریک تھا۔ یہ پڑھ چکے ہو کہ سکندر شاہ سرہند میں شکست کھا کر سوالک کی پہاڑیوں میں چلا گیا تو ہمایوں نے اکبر کو فوج دے کر سکندر کے پیچھے بھیج دیا تھا اور بیرم خاں کو اس کا اتالیق بنا دیا تھا۔

تخت نشینی: اکبر کلانور میں تھا، جب پہلے باپ کی سخت بیماری کی اطلاع ملی۔ دوسرے ہی دن موت کی خبر آ گئی۔ وقت بڑا نازک تھا، اکبر کی عمر تیرہ برس اور نو مہینے کی تھی، ملک کے حالات ابتر تھے اور ہر طرف سے جنگ کے خطرے سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ مغل سردار اگرچہ لڑائی کے لیے

رہتے، لیکن پونے چودہ برس کا لڑکا، ان سے بابر اور ہمایوں کی طرح کام نہیں لے سکتا تھا۔ دہلی و آگرہ اس وقت حقیقت میں سلطنت کے پایۂ تخت نہ تھے، بلکہ وہ فوجی چوکیاں تھیں، جو مغلوں کے ہاتھ آ گئی تھیں۔ ان کے قبضے میں صرف پنجاب تھا، اس کی حالت بھی خاصی مخدوش تھی۔ اس نازک حالت میں اکبر کے لیے بیرم خان کی وفاداری سب سے بڑا سہارا تھی۔ اس نے بیرم خاں کو 'خان بابا'' کا خطاب دے کر تمام کاموں کی ذمہ داری سونپ دی۔

۱۱ر فروری ۱۵۵۶ء کی دہلی میں اکبر کی بادشاہی کا اعلان ہوا۔ اس سے تین روز بعد جمعہ کے دن دوپہر کے وقت کلانور میں تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ پھر ایک دربار ہوا، جس میں اکبر کو سنہری تخت پر بٹھایا گیا اور بیرم نے یہ تقریب دھوم دھام سے منائی۔

ہیمو کی پیش قدمی: ہیمو کو ہمایوں کی وفات کی خبر ملی تو بھاری فوج لے کر نکلا۔ پہلے آگرہ فتح کیا۔ پھر تیزی سے دہلی کی طرف بڑھا، جہاں کی حکومت ہمایوں نے تردی بیگ کو سونپ رکھی تھی۔ وہ بڑا بہادر، وفادار اور ممتاز مغل سردار تھا لیکن ہیمو نے اس شدت سے حملہ کیا کہ تردی بیگ مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھا کر سرہند پہنچ گیا۔ ہیمو نے دہلی پر قابض ہو کر بکرماجیت کا لقب اختیار کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی مستقل حکومت قائم کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

اکبر اور بیرم جالندھر میں تھے، جب انہیں آگرہ و دہلی کے چھننے اور تردی بیگ کے بھاگنے کی اطلاع ملی۔ انہوں نے تمام سرداروں کو جمع کر کے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے؟ اکثر سرداروں کی رائے یہ تھی کہ جو فوج اب پاس ہے، اس سے ہیمو کے مقابلے پر نکلنا اور فتح پانا مشکل ہے۔ بہتر ہے کابل سے تازہ دم فوج لائی جائے، پھر ہندوستان کی تسخیر کے لیے قدم اُٹھایا جائے۔ بیرم کی رائے تھی دشمن کو پاؤں جمانے کی مہلت نہیں دینی چاہیے اور ہر حالت میں آگے بڑھ کر جنگ کرنی چاہیے۔ اکبر نے بیرم کی رائے سے اتفاق کیا اور دہلی پر پیش قدمی کا فیصلہ ہو گیا۔

بیرم نے تردی بیگ کو اس جرم میں قتل کرا دیا کہ دہلی کو کیوں چھوڑا اور اپنی جان شہر کی حفاظت میں کیوں نہ دے دی۔ یہ سزا بلاشبہ سخت تھی، لیکن بیرم جانتا تھا کہ اس نازک موقعہ پر مغل امیروں اور سرداروں کو سلطنت کی خاطر جانیں لڑا دینے کے لیے تیار نہ کر دیا گیا تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔

پانی پت کی دوسری لڑائی (۱۵۵۶ء): اکبر اور بیرم خان سرہند پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہیمو

مقابلے کے لیے آرہا ہے۔ اکبر نے اپنے بہادر سردار علی قلی خاں اوزبک کو دس ہزار فوج دے کر آگے بھیج دیا۔ خان کو جب معلوم ہوا کہ ہیمو کا توپ خانہ پانی پت پہنچ گیا ہے اور اس کے ساتھ فوج زیادہ نہیں تو آگے بڑھ کر توپ خانہ پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح لڑائی سے پہلے ہی ہیمو کی جنگی قوت لنگڑی ہوگئی، تاہم اس کے پاس فوج بھی زیادہ تھی اور جنگی ہاتھی بھی بہت تھے، جن پر اسے بڑا ناز تھا۔ کئی افغان سردار بھی اس کے ساتھ مل گئے تھے۔

۲ محرم ۹۶۴ھ (۵ نومبر ۱۵۵۶ء) کو پانی پت سے قریب ہیمو اور اکبر میں جنگ ہوئی۔ ہیمو نے پہلے ہاتھیوں کو اکبر کے لشکر پر پیلا۔ اس سے تھوڑی ابتری پھیلی، لیکن علی قلی خاں کے جانبازوں نے برچھوں، بھالوں اور تیروں سے ان کا منہ پھیر دیا اور ہیمو کے کئی نامور افسر مارے گئے۔ پھر وہ اپنے بڑے ہاتھی پر سوار ہوا، جس کا نام "ہوائی" تھا اور چار ہزار سواروں کے ساتھ حملہ کیا۔ اس حالت میں ایک تیر اس کی آنکھ میں پیوست ہوا اور وہ درد سے بے تاب ہوکر ہودے میں گر پڑا۔ پھر سنبھلا، اپنے ہاتھ سے تیر کھینچ کر نکالا اور آنکھ پر پٹی باندھ لی۔ اس کے اکثر ساتھی یہ سمجھ کر بھاگ نکلے کہ ہیمو کو کاری زخم لگا ہے۔ وہ خود نرغے میں آگیا۔ پکڑ کر اکبر کے پاس لے گئے جو میدان جنگ سے ایک کوس پر تھا اور وہاں اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس طرح بیس ہزار مغلوں نے ایک لاکھ فوج کے مقابلہ میں اسی میدان میں فتح حاصل کی، جہاں تیس برس پہلے بابر، ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان کا مالک بنا تھا۔ مغل بادشاہی کا جو نقشہ بگڑ چکا تھا، وہ بابر کے کم سن پوتے کے ہاتھوں میں پانی پت ہی کے میدان میں پھر درست ہوگیا۔

یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ سوری افغان باہم لڑتے بھڑتے رہے اور قحط زدہ لوگوں کی امداد کے لیے کچھ نہ کیا۔ ونسنٹ سمتھ نے لکھا ہے کہ ہیمو نے بھی عوام کی مصیبتوں سے بے دردانہ بے پروائی جاری رکھی۔ وہ اپنے ہاتھیوں کو چاول، چینی اور مکھن کھلاتا تھا، عام زن و مرد ایک دوسرے کو کھا رہے تھے۔ وہ جس انجام کو پہنچا، اسی کا مستحق تھا۔

فتوحات کا پہلا دور اور بیرم کی معزولی: پانی پت کی جنگ کے بعد دہلی اور آگرہ پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا۔ ہیمو کے رشتہ دار میوات میں بیٹھے تھے اور خزانہ بھی وہیں تھا۔ ایک لشکر ادھر بھیج دیا گیا۔ پھر اجمیر و گوالیار پر قبضہ ہوگیا۔ مشرق میں جون پور تک کا علاقہ مغلوں کو مل گیا۔ سکندر شاہ سوری کو جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اپنے بیٹے کو اطاعت کا پیغام دے کر بھیجا۔ اس کے ہاتھ

بعض قیمتی اور نادر چیزیں بھی ارسال کیں اور درخواست کی کہ مجھے بنگال جانے کی اجازت دے دی جائے۔ اکبر نے اجازت دے دی۔ سکندر شاہ ۱۵۶۰ء میں بنگال میں فوت ہوا۔ اکبر نے رنتھمبور اور مالوے پر بھی حملے کیے لیکن یہ حملے اس وجہ سے روکنے پڑے کہ بیرم خاں کا معاملہ سامنے آ گیا تھا۔ جب تک سلطنت خطرے میں گھری ہوئی تھی، بیرم خاں سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا۔ جب ذرا اطمینان کی شکل پیدا ہوگئی تو امیر اور سردار اس کی مختاری و مطلق العنانی پر بگڑنے لگے اور دربار میں ایک جتھا بیرم خاں کے خلاف پیدا ہوگیا۔ وہ لوگ جھوٹی سچی باتیں کہہ کہہ کر بادشاہ کے کان بھرنے لگے۔ یہاں تک کہہ دیا کہ بیرم کامران میرزا کے بیٹے ابوالقاسم میرزا کو بادشاہ بنانا چاہتا ہے۔ اکبر اٹھارہویں برس میں داخل ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ سارے معاملات اب خود طے کیا کرے۔ دربار میں گروہ بندی کو روکنے کے لیے بھی صحیح تدبیر یہی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک فرمان بیرم کے نام لکھا کہ مجھے تمہاری دیانت اور وفاداری پر پورا بھروسا تھا، اس لیے سلطنت کے کام تمھیں سونپ دیے تھے۔ اب میں خود تمام چیزوں کو دیکھا کروں گا۔ مناسب یہ ہے کہ تم حج کے لیے چلے جاؤ جس کا ارادہ مدت سے کیے بیٹھے ہو۔ ایک موزوں جاگیر تمہیں دے دی جائے گی، جس کی آمدنی کارندوں کے ذریعے تمہیں پہنچتی رہے گی۔ یہ اختیارات چھین لینے کا اعلان تھا، اس لیے کہ اس زمانے میں جس کے اختیارات چھینے جاتے تھے، اسے حج کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔

بیرم کا انجام: بیرم کیا کر سکتا تھا؟ اس نے مختاری کے تمام نشان (علم اور نوبت وغیرہ) حوالے کر دیے اور خود سورت کی طرف روانہ ہوگیا۔ جن لوگوں کے دل میں بیرم سے عداوت کی کھٹک موجود تھی، اب ان سب کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے بیرم کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ راستے سے پلٹ کر پنجاب پہنچا۔ اکبر نے خود تعاقب کیا۔ بیرم نے ہتھیار ڈال دیے، قصور معاف کرا کے دوبارہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ گجرات پہنچا تو ایک پٹھان نے جس کا باپ ماچھی واڑے میں بیرم کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اسے قتل کر دیا۔ اکبر نے یہ سنا تو اس کے بال بچوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ بیرم کا بیٹا عبدالرحیم خاں اس وقت صرف چار برس کا تھا۔ اکبر نے اپنے سامنے اسے تربیت دلائی۔ بڑا ہوا تو باپ کا خطاب، خان خاناں، دے دیا۔ وہ نہ محض اکبر بلکہ پورے مغلیہ خاندان کے چند اونچے امیروں میں سے تھا۔

اکبر بیرم کے اثر سے آزاد ہوگیا، لیکن اب اس کی انا ماہم انگہ کا رسوخ بہت بڑھ گیا۔

اس کا بیٹا ادہم خان اپنے آپ کو اکبر کے بعد سب سے بڑا آدمی سمجھتا تھا۔

مالوے کی تسخیر: مالوے کو ہمایوں نے فتح کیا تھا، لیکن جب وہ بنگال کے معاملات میں الجھا، تو بہادر شاہ والیِ گجرات نے اس علاقے پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ پھر ملّو خاں وہاں کا خود مختار حکمران بن گیا۔ اسے شیر شاہ نے شکست دے کر اپنے ایک امیر شجاعت خاں کو مالوے کا حاکم بنا دیا تھا۔ سوری خاندان میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو شجاعت خاں خود مختار ہو گیا۔ ۱۵۵۶ء میں فوت ہوا تو اس کے بیٹے باز بہادر نے حکومت سنبھالی۔

اکبر نے ۱۵۶۱ء میں ادہم خان، پیر محمد خاں اور بعض دوسرے امیروں کو فوج دے کر مالوے بھیجا۔ باز بہادر نے مقابلہ کیا، پھر بھاگ گیا۔ سارا مال و اسباب مغلوں کے قبضے میں آیا، جس کا بڑا حصہ ادہم خاں نے خود سمیٹ لیا، صرف چند چیزیں اکبر کے پاس بھیج دیں۔ اکبر کو اصل بات معلوم ہوئی تو اچانک آگرے سے نکل کر مالوے پہنچ گیا۔ چار و ناچار ادہم خان کو ساری چیزیں بادشاہ کی خدمت میں حاضر کرنی پڑیں۔

شمس الدین خاں اتکہ کا قتل: شمس الدین خاں ایک پرانا وفادار امیر تھا۔ اکبر نے نومبر ۱۵۶۱ء میں اسے فوجی، سیاسی اور مالی امور کا مشیرِ خاص بنا لیا۔ ماہم انگہ کو شمس الدین خاں کا اعزاز پسند نہ تھا۔ اس کے بعد اکبر نے ادہم خاں کو مالوے سے بلا لیا اور پیر محمد خاں کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ ادہم نے سمجھا کہ یہ فرمان شمس الدین کے مشورے پر جاری ہوا ہے، اس طرح ماں بیٹا دونوں اتکہ کے دشمن بن گئے۔ وہ ایک روز دیوان میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ادہم خاں وہاں پہنچا۔ اتکہ تعظیم کے لیے اٹھا یا نہ اٹھا، ادہم نے تعظیم نہ کرنے کا عذر رکھ کر تلوار ماری اور اتکہ مارا گیا۔ پھر ادہم خون سے بھری ہوئی تلوار لے کر محل کے دروازے پر پہنچ گیا۔ شور سن کر اکبر باہر نکلا۔ ایک مکّہ ادہم کے منہ پر اس زور سے مارا کہ وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔ پھر اس کی مشکیں بندھوائیں اور بلندی سے تین مرتبہ گرا کر مروا ڈالا۔ ماہم حرفِ شکایت زبان پر نہ لا سکی۔ اس صدمے سے چند روز کے بعد وہ بھی مر گئی۔

عبداللہ خان اوزبک کی بغاوت: اکبر نے ۱۵۶۱ء میں مالوے کی حکومت پیر محمد خاں کے حوالے کی تھی۔ اس نے فوج جمع کر کے برہان پور اور اسیر (خاندیش) پر حملہ کر دیا۔ وہاں سے واپس لوٹ رہا تھا کہ برہان پور و اسیر کے حاکموں اور باز بہادر نے مل کر اس پر یورش کر دی۔ وہ دریائے نربدا پر پہنچا تو گھوڑے سے گر کر دریا میں ڈوب گیا۔ اکبر نے اس کی جگہ عبداللہ خاں

اوزبک کو مالوے کا حاکم بنا دیا۔ اس نے باز بہادر کا فتنہ فرو کر دیا لیکن ۱۵۶۴ء میں خود باغی ہو گیا۔ اکبر آپ فوج لے کر مالوے پہنچا۔ عبداللہ خاں پہلے گجرات کی طرف بھاگا، پھر بچتا بچاتا جون پور پہنچ گیا، جہاں خاں زماں علی قلی خاں حاکم تھا۔ وہاں ۱۵۶۵ء میں مر گیا۔ اکبر نے مالوے کے زمینداروں کو انعامات دیے اور ان کی دلداری کی۔ خاندیش کے حاکم کی طرف سے بھی صلح اور اطاعت کا پیغام آ گیا۔

راجپوتوں سے پہلا رشتہ: اکبر ۱۵۶۲ء میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے روضے کی زیارت کے لیے گیا۔ وہ سانبھر پہنچا تو راجا بہاری مل والیِ آنبیر (جے پور) اپنے بیٹے بھگوان داس کے ساتھ اظہارِ فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوا۔ اکبر بڑے تپاک سے ملا۔ اسی سفر میں راجا بہاری مل نے اپنی لڑکی سے شادی کی تجویز پیش کی۔ بادشاہ نے رشتہ منظور کر لیا۔ راجپوتوں کے ساتھ مغلوں کا یہ پہلا رشتہ تھا۔ یہی بی بی جہانگیر کی والدہ تھی جو بعد میں مریم زمانی کے خطاب سے مشہور ہوئی۔

اس سلسلے میں دو تین باتیں سامنے رکھ لینی چاہئیں: اوّل یہ کہ دُور اندیش راجپوتوں کو یقین ہو چکا تھا کہ نہ مغلوں کی طاقت سے ٹکرانے کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ان سے الگ تھلگ رہنا ممکن ہے۔ دوسرے اکبر نے اپنے دل میں طے کر لیا تھا کہ سلطنت کی حدیں بڑھانی چاہئیں اور ملک کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر ایکا پیدا کرنا چاہیے۔ اگر بعض علاقوں کے حاکم اور فرمانروا لڑائی بھڑائی کے بغیر ملنے کے لیے تیار ہوں تو انؔ کے خلاف تیغ آزمائی ہر لحاظ سے نامناسب ہوگی، بلکہ جبر اور قوت کے استعمال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مفتوحوں کے دلوں میں ملال بیٹھ جائے گا اور وہ ہر وقت اس انتظار میں رہیں گے کہ موقع پائیں تو بدلہ لیں۔ البتہ جہاں کوئی فرمانروا ہتھیار لے کر مقابلے کے لیے کھڑا ہو جائے اور تلوار کھینچے بغیر چارہ نہ رہے، وہاں قوت ضرور استعمال کی جائے۔ اسی زمانہ میں میر تھا (اجمیر سے بیس کوس) اور گونڈوانہ (موجودہ صوبجات متوسط کا شمالی حصہ) فتح ہوئے۔

میرزا حکیم اور خان زمان کی بغاوتیں: اکبر ہندوستان میں اپنی سلطنت بڑھانے اور مستحکم کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس کام میں سب سے بڑی رُکاوٹ اس کے سوتیلے بھائی میرزا حکیم بعض رشتہ داروں اور بڑے امیروں نے پیدا کی۔ عبداللہ خاں اوزبک کی بغاوت کا حال پڑھ چکے ہو۔ کابل میں میرزا حکیم اور بدخشاں کے حاکم میرزا سلیمان نے فتنہ برپا کیا۔ پہلے وہ آپس میں

لڑے اور میرزا حکیم نے اکبر سے مدد مانگی۔ پھر خود غرضوں کے کہنے پر وہ پنجاب کی تسخیر کے لیے نکل آیا۔ اکبر مقابلے کے لیے پہنچا تو میرزا حکیم بھاگ کر کابل چلا گیا۔

خان زماں علی قلی خاں قوم کا اوزبک تھا۔ پانی پت کی دوسری جنگ میں اسی کی شجاعت کے باعث فتح حاصل ہوئی تھی۔ اکبر نے اسے جون پور کی حکومت دے دی تھی۔ ۱۵۶۱ء میں اکبر نے سنا کہ وہ بغاوت کے خواب دیکھ رہا ہے تو شکار کھیلتا ہوا اُدھر نکل گیا۔ خان زماں خاں اور اس کے بھائی بہادر خاں نے حاضر ہو کر تحائف پیش کیے اور اطاعت کا یقین دلایا۔ ۱۵۶۵ء میں دونوں بھائی باغی ہو گئے۔ اکبر خود جون پور کی طرف بڑھا اور بغاوت فرو ہو گئی۔ جب میرزا حکیم نے پنجاب پر حملہ کیا تو خان زماں نے اس کے نام کا خطبہ اپنے علاقہ میں پڑھوایا اور بغاوت کا اعلان کر دیا۔ اس مرتبہ بعض امیر بیچ میں پڑے اور خان زماں کی تقصیر بادشاہ سے معاف کرا دی، لیکن اس کے سر پر موت کھیل رہی تھی۔ اگلے سال وہ پھر بغاوت کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو گیا۔ لڑائی ہوئی جس میں خان زماں اور اُس کا بھائی بہادر خاں دونوں مارے گئے۔ بڑے شجاع سردار تھے، اپنی کوتاہ اندیشی اور حرص کی وجہ سے ناحق جانیں گنوائیں۔

میرزا حکیم نے ۱۵۸۱ء میں پھر پنجاب پر حملہ کیا۔ اکبر اب اس کا پیچھا کرتا ہوا کابل پہنچ گیا۔ میرزا حکیم پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ آخر بھائی سے معافی مانگی۔ اکبر کو اگرچہ پہلی معافیوں کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا لیکن دریا دلی سے کام لے کر معاف کر دیا۔ بھائی کے بار بار تنگ کرنے پر بھی اکبر اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا رہا۔

راجپوتانے کی تسخیر: آنبیر (جے پور) کے راجا نے اطاعت قبول کر لی تھی۔ بیکانیر اور جودھ پور کے راجا بھی لڑے بھڑے بغیر اکبر کے مطیع بن گئے لیکن میواڑ مقابلے پر اڑا رہا۔ بلکہ اس نے باز بہادر کو بھی اپنے ہاں پناہ دے دی۔ آخر اکبر نے ۱۵۶۸ء میں چتوڑ پر حملہ کیا۔ میواڑ کا رانا اودے سنگھ (رانا سانگا کا بیٹا) اپنے اہل و عیال کو لے کر پہاڑوں میں چلا گیا اور اپنے سپہ سالار جے مل کو سات آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ چتوڑ کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا۔ محاصرہ دیر تک جاری رہا۔ اکبر نے قلعہ توڑنے کے لیے سرنگیں تیار کرائیں، کوچے بھی بنوا کر استعمال کیے۔ آخر جے مل خود اکبر کی گولی سے مارا گیا۔ پھر قلعہ پر دھاوا ہوا اور جے مل کے ساتھی بھی مارے گئے۔ چتوڑ کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

چتوڑ کے بعد رنتھمبور اور کالنجر بھی فتح ہو گئے۔ میواڑ کے رانا اودے سنگھ نے اودے پور کے نام سے نیا مرکزِ حکومت بنالیا۔ چار برس بعد وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا رانا پرتاپ گدی پر بیٹھا۔ وہ شاہی فوج کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکتا تھا، شکستیں کھاتا اور پہاڑی علاقوں میں چھپتا پھرتا رہا۔ ۱۵۷۲ء سے ۱۵۹۷ء تک پچیس برس بڑی بے اطمینانی اور تکلیف میں گزارے۔ ۱۵۷۶ء میں ہلدی گھاٹ کے مقام پر شاہی افواج سے فیصلہ کن جنگ ہوئی، جس میں رانا پرتاپ نے فاش شکست کھائی اور اس کی ساری فوج تباہ ہو گئی۔ پھر اسے کہیں جم کر لڑنے کا حوصلہ نہ پڑا۔ شاہی فوجوں نے بھی اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔ وہ ۱۵۹۷ء میں فوت ہوا۔

گجرات پر یورش: گجرات کا آخری بادشاہ مظفر شاہ سوم تھا جو ۱۵۶۱ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے ایک نومسلم غلام اعتماد خاں کو سارے معاملات کا مختار بنا دیا تھا۔ اس اثنا میں ایک اور شخص سلطنت کا دعویٰ دار بن گیا جو مظفر شاہ کو شاہی خاندان ہی سے نہیں مانتا تھا۔ اس پر دونوں میں کھینچ تان شروع ہو گئی اور ملک کی رونق زائل ہونے لگی۔ آخر اعتماد خاں نے خود اکبر کو بلایا کہ آئیے اور ملک پر قبضہ کر کے اس کا انتظام درست کیجیے۔ ۱۵۷۳ء میں اکبر گجرات پہنچا، مظفر شاہ نے تاج و تخت حوالے کر دیا۔ اسے ہندوستان میں ایک جاگیر دے دی گئی۔ اعتماد خاں نے حاضر ہو کر احمد آباد کی کنجیاں پیش کیں جو اس زمانے میں گجرات کا دارالحکومت تھا۔ بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ کئی سردار مختلف علاقوں کو سنبھالے بیٹھے تھے، وہ اطاعت پر راضی نہ ہوئے اور بادشاہ کو ان کی سرکوبی کے لیے کھمبایت جانا پڑا، جہاں پرتگیزوں کا بھی ایک وفد بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اکبر نے شمس الدین خاں اتکہ کے بیٹے میرزا عزیز کوکلتاش کو جسے خان اعظم کا خطاب حاصل تھا، گجرات کا گورنر بنایا۔ اس مہم میں ایک موقع پر بادشاہ نے صرف ایک سو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ سرکشوں کی بھاری فوج پر حملہ کر دیا اور ہر خطرے سے بے پروا ہو کر انہیں شکست دی۔ بادشاہ کے حسنِ سلوک نے راجپوتوں میں جاں نثاری کا اتنا زبردست جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ اس لڑائی میں راجہ بہاری مل کا نوجوان فرزند سب سے آگے بڑھ کر لڑا اور مارا گیا۔ اس بہادر فوج کے ایک ایک فرد کو بادشاہ نے جاگیریں اور منصب عطا کیے۔

اکبر کی یلغار: گجرات میں امن قائم ہونے کے بعد اکبر آگرے آ گیا۔ تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ بعض باغی شہزادوں نے گجرات کے رئیسوں سے مل کر پھر بغاوت کا فتنہ کھڑا کر دیا اور

خانِ اعظم کو کمک کی درخواست کرنی پڑی۔ برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ بڑے لشکر کو بھیجا جاتا تو منزل بہ منزل کوچ میں بہت دیر لگتی۔ باغیوں کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی تھی۔ اکبر نے تین ہزار جانباز ساتھ لیے۔ تیز رفتار سانڈنیوں پر سوار ہو کر ۲۳ راگست ۱۵۷۳ء کو فتح پور سیکری سے نکلا۔ ۲۵ راگست کو ۲۲۸ میل کا فاصلہ طے کر کے اجمیر پہنچ گیا۔ پھر چلا تو ۲۹ راگست کو احمد آباد گجرات کے قریب پہنچ کر دم لیا۔ باغیوں نے تعداد کی زیادتی کے باوجود فاش شکست کھائی۔ ان کے سردار مارے گئے۔ ملک میں امن قائم ہو گیا۔ ۳۰ ستمبر کو اکبر گجرات سے واپس ہوا۔ پائے تخت سے نکل کر گجرات پہنچنے، مہم سر کرنے اور واپس آنے میں پورے تینتالیس دن صرف ہوئے۔ یہ کارنامہ کسی امیر یا سردار نے نہیں بلکہ خود بادشاہ نے انجام دیا۔ دنیا کی فوجی تاریخ میں اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ یہی مستعدی، شجاعت اور جفاکشی تھی، جس کی بدولت مغل سلطنت اقبال مندی کے اوج پر پہنچی۔

بنگال و بہار کا فیصلہ: شمالی ہند مغرب میں سمندر کے کنارے تک مغل سلطنت میں شامل ہو چکا تھا، لیکن مشرقی صوبوں کا انتظام ابھی درست نہیں ہوا تھا۔ بنگال کے بادشاہ داؤد خاں نے ابتدا میں خراج دینے کا اقرار کر لیا، لیکن جب اسے اندرونی خرخشوں سے نجات مل گئی اور اکبر کو گجرات کے قضیے میں الجھا ہوا پایا تو اقرار سے پھر گیا۔ ۱۵۷۵ء میں اکبر نے خود مشرق کا قصد کیا۔ شاہی فوجیں مشرقی بہار پر بڑھیں تو داؤد خاں پیچھے ہٹ گیا۔ مغل سرداروں نے آہستہ آہستہ پورے بنگال کو فتح کر لیا۔ داؤد خاں اڑیسہ کی طرف نکل گیا اور کئی مرتبہ موقع پا کر شاہی فوجوں پر حملے کیے۔ آخر وہ مارا گیا اور بنگال بھی مغلوں کے زیرِ نگین آ گیا۔

گجرات اور سرحد کے فتنے: ہم بتا آئے ہیں کہ مظفر شاہ سوم بادشاہ گجرات نے جب اکبر کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے تو اسے ہندوستان میں جاگیر دے دی گئی تھی۔ وہ سات آٹھ برس اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس اثنا میں گجرات والوں کو نامہ و پیغام بھیج کر ہموار کر لیا اور ۱۵۸۱ء میں بھاگ کر وہاں پہنچ گیا۔ اس پر پھر گجرات میں بدامنی پیدا ہو گئی۔ اکبر نے میرزا عبدالرحیم خانخاناں کو گجرات بھیجا۔ میرزا کے پہنچتے ہی مظفر شاہ ساحلی علاقوں کی طرف بھاگ گیا۔ ۱۵۶۲ء میں اسے گرفتار کر کے اکبر کے پاس بھیجا گیا۔ بعد میں اس نے خودکشی کر لی۔

اکبر کے سوتیلے بھائی میرزا حکیم کی بغاوتوں کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہ عجیب آدمی

تھا۔ عقل و فکر سے اس درجہ عاری تھا کہ مشیر جب چاہتے، اُبھار کر اسے بغاوت پر آمادہ کر دیتے۔ شکست کھاتا تو معافی مانگ لیتا۔ اس نے زندگی بھر برادرانہ طریق اختیار نہ کیا، لیکن اکبر نے اپنی طرف سے حسن سلوک کا دامن نہ چھوڑا اور کابل کی حکومت میرزا حکیم کے پاس رہی۔

۱۵۸۵ء میں حکیم میرزا فوت ہوا۔ اکبر چاہتا تھا کہ حکومت اس کے بیٹوں کو دے دے، امیروں نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ میرزا کے بیٹے کم سن ہیں اور وہ حکومت کا کاروبار نہیں سنبھال سکتے۔ شمال میں اوزبکوں کا زور ہے، ایسا نہ ہو کہ کابل چھن جائے۔ اکبر نے یہ رائے مان لی اور کابل کو دہلی کا ایک صوبہ بنا کر وہاں کی حکومت راجا بہاری مل کے پوتے کنور مان سنگھ کو دے دی۔

اُس زمانے میں سوات و باجوڑ اور آس پاس کے علاقوں میں شورش اٹھی۔ اکبر نے زین خان کوکہ، راجہ بیربل اور حکیم ابوالفتح کو اسے فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ اس مہم میں راجا بیربل ایک غلطی کے باعث پہاڑوں میں مارا گیا۔ زین خان کوکہ شکست کھا کر اٹک پہنچ گیا۔ بادشاہ کے حکم سے راجا ٹوڈرمل نے وہاں پہنچ کر امن قائم کیا۔

متفرق فتوحات: اکبر نے پہلے راجا بھگوان داس اور شاہ قلی خاں محرم کو کشمیر کی تسخیر کے لیے بھیجا تھا۔ وہ کشمیر کے حاکم سے خراج کا وعدہ لے کر چلے آئے۔ بادشاہ اس پر بڑا ناراض ہوا۔ پھر محمد قاسم خاں میر بحر کو بھیجا گیا۔ اس نے کشمیر کو فتح کر لیا اور سری نگر پہنچ کر ہر پرگنے میں شاہی کارکن مقرر کر دیے۔

۱۵۹۰ء میں خانخاناں کو ملتان اور بکھر کا صوبیدار بنا کر حکم دیا گیا کہ سندھ کو فتح کر لے۔ اکبر اس وجہ سے بھی سندھ کو فتح کرنا چاہتا تھا کہ اسے قندھار کو قبضے میں لانے کی بڑی آرزو تھی اور سندھ کو فتح کیے بغیر قندھار پر براہِ راست پیش قدمی کی کوئی صورت نہ تھی۔ خانخاناں نے سیوستان اور ٹھٹہ کو فتح کر لیا۔ وہاں کے حاکم جانی بیگ نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنی بیٹی کی شادی خانخاناں کے فرزند ایرج میرزا سے کر دی۔ مشرق میں اڑیسہ اور مغرب میں بلوچستان و قندھار بھی اکبر کے قبضہ میں آ گئے۔ اب اس کی صرف ایک آرزو باقی رہ گئی کہ بدخشاں اور ماوراالنہر (جیحوں پار کا علاقہ یعنی ترکستان) کو فتح کرے جو اس کے باپ دادا کا اصلی وطن تھا، اس کی کوئی اچھی صورت پیدا نہ ہوئی تو اکبر نے اپنی فوج دکن کی طرف لوٹا دی، اس لیے کہ شمالی ہندوستان میں کوئی علاقہ اس

کی سلطنت سے باہر نہیں رہا تھا۔

احمد نگر کا محاصرہ: جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اکبر کا عام طریقہ یہی تھا کہ اگر کوئی حکمران لڑائی بھڑائی کے بغیر شہنشاہی کا اقرار کر لیتا تو اس کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آتا۔ اگر اس اقرار میں پس و پیش ہوتی تو حملہ کر دیتا۔ اس نے پہلے برہان پور، اسیر (خاندیش) گولکنڈہ، بیجاپور اور احمد نگر کے درباروں میں اپنے ایلچی بھیجے کہ مغلوں کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا جا۔ ۔۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو فوج بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

۱۵۹۴ء میں احمد نگر کا فرمانروا برہان نظام شاہ فوت ہوا تو اس کی سلطنت میں ابتری پھیل گئی۔ تخت کے دعویٰ داروں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ میاں منجھو وزیر نے مغلوں کو اپنی امداد کے لیے بلا لیا۔ اکبر نے اپنے فرزند سلطان مراد کو گجرات سے اور میرزا عبدالرحیم خانخاناں کو مالوے سے دکن بھیج دیا۔ اس اثنا میں احمد نگر کی شورش دب گئی اور میاں منجھو نے مغلوں کے بلانے پر پشیمان ہو کر مقابلے کی تیاری کر لی۔ حسن اتفاق سے میاں منجھو کو چاند سلطانہ (چاند بی بی) کی امداد حاصل ہو گئی۔ چاند سلطانہ نظام شاہی خاندان کی شہزادی تھی اور اس کی شادی بیجاپور میں ہوئی تھی۔ شوہر کے انتقال پر وہ احمد نگر آ گئی تھی۔ چاند سلطانہ نے سارے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور سلطنت کے تمام کارکنوں کو اکٹھا کر دیا۔ مغلوں نے احمد نگر کا محاصرہ کر لیا اور ایک موقع پر سرنگ لگا کر قلعے کی فصیل کا ایک حصہ اُڑا دیا۔ وہ اس شگاف سے اندر داخل ہونا چاہتے تھے کہ چاند سلطانہ خود زرہ بکتر لگا کر، نقاب پہن کر اور ننگی تلوار لے کر شگاف پر کھڑی ہو گئی۔ اپنے سپاہیوں کو مغل فوج پر گولے اور تیر پھینکنے پر لگایا، پھر شگاف کو بند کرا دیا۔

قلعہ فتح نہ ہو سکا، لیکن مصیبت یہ تھی کہ چاند سلطانہ کو باہر سے امداد ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔ یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر محاصرہ لمبا ہو گیا تو اندرونی سازشیں پھر سر نہ اُٹھا لیں، لہٰذا وہ صلح پر تیار ہو گئی۔ ۔۔ار پر مغل قابض ہو چکے تھے اور یہ علاقہ احمد نگر والوں نے کچھ مدت پہلے عماد شاہیوں سے چھینا تھا۔ چاند سلطانہ نے برار پر مغلوں کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ شہزادہ مراد نے محاصرہ اٹھا لیا۔

اسیر گڑھ اور احمد نگر کی تسخیر: چاند سلطانہ نے احمد نگر والوں کے لیے اطمینان سے بیٹھنے اور انتظامات درست کر لینے کا موقع بہم پہنچا دیا تھا، لیکن وہ لوگ کوتاہ اندیش تھے۔ انہوں نے برار پر مغلوں کا قبضہ تسلیم نہ کیا، چاند سلطانہ کو قتل کر دیا اور پچاس ہزار سوار جنگ کے لیے بھیج دیے۔

خانخاناں نے انہیں شکست دی۔ ۱۵۹۸ء میں شہزادہ مراد نے وفات پائی۔ اکبر نے اپنے تیسرے بیٹے شہزادہ دانیال کو دکن بھیجا۔ پھر فوج لے کر پیچھے پیچھے گیا۔ دانیال اور خانخاناں نے دوبارہ احمد نگر کا محاصرہ کر لیا۔ اگست ۱۶۰۰ء میں یہ شہر، جو نظام شاہی سلطنت کا مرکز تھا، فتح ہو گیا۔ اس اثنا میں اکبر خاندیش کے مشہور قلعے اسیر گڑھ کو لے چکا تھا۔ یہ اکبر کی آخری فتوحات تھیں اور اس نے آگرے پہنچ کر اپنے لقب میں شہنشاہِ دکن کا اضافہ کر لیا۔

آخری دور: اکبر کی زندگی کے آخری چند سال بڑے تلخ گزرے۔ اس کے دو جوان بیٹے مراد اور دانیال فوت ہو چکے تھے، تیسرے بیٹے یعنی ولی عہد سلیم سے تعلقات بگڑ گئے تھے۔ باپ بیٹے میں اتنی کشیدگی پیدا ہو گئی کہ سلیم الہ آباد جا بیٹھا اور بادشاہی کے رنگ ڈھنگ اختیار کر لیے، یعنی اپنے ساتھیوں کو خود ہی خطاب اور جاگیریں دینے لگا۔ سلیم کو یقین دلایا گیا تھا کہ باپ بیٹے میں ناچاقی پیدا کرنے کا ذمہ دار ابوالفضل ہے، جس نے مشوروں پر اکبر عمل کرتا تھا۔ ابوالفضل دکن گیا ہوا تھا، اکبر نے اسے آگرے بلایا۔ سلیم نے یہ خبر سنی تو خطرہ پیدا ہوا کہ ابوالفضل کے آگرے پہنچنے پر باپ سے صفائی کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔ اس نے بندھیل کھنڈ کے ایک ہندو رئیس بیر سنگھ دیو بندیلہ کو انعام کا لالچ دے کر ابوالفضل کو قتل کرا دیا۔

سلیم کا بڑا بیٹا خسرو دادا کے پاس رہتا تھا۔ وہ جے پور کے مہاراجہ مان سنگھ کا بھانجا اور میرزا عزیز خان اعظم کا داماد تھا۔ ان دونوں سرداروں کو اکبر کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ ان کی وجہ سے جوڑ توڑ شروع ہو گئے کہ سلیم کو ولی عہدی سے محروم کر کے خسرو کو اکبر کا جانشین بنا دیا جائے۔

باپ بیٹے میں صلح: حالات حد درجہ نازک تھے۔ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اکبر نے نصف صدی کی مشقتوں اور جانفشانیوں سے جو سلطنت پیدا کی ہے وہ اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی۔ آخر سلیمہ سلطان بیگم کی کوششوں سے باپ بیٹے میں صفائی کی شکل پیدا ہوئی۔ سلیمہ سلطان بیگم ہمایوں کی ہمشیر گلبدن بیگم کی بیٹی تھی۔ ہمایوں نے اس کی شادی بیرم خاں سے کر دی تھی۔ اس کی وفات پر اکبر نے بیگم سے خود نکاح کر لیا۔ سلطان مراد اسی کا فرزند تھا۔

اکبر خود الہ آباد جانے کے لیے تیار ہو گیا تاکہ بیٹے کے دل سے ہر وسوسہ دور کر دے۔ اس اثنا میں اس کی والدہ مریم مکانی کا انتقال ہو گیا۔ سلیم کو دادی کے انتقال کی خبر پہنچی تو بے تابانہ

آگرے پہنچ گیا۔ عاجزی کے ساتھ باپ سے تقصیروں کی معافی مانگی۔ اکبر نے آبدیدہ ہو کر بیٹے کو سینے سے لگالیا اور ساری رنجشیں دُور ہو گئیں۔

بیماری اور وفات: اکبر کی عمر اگرچہ زیادہ نہ تھی، لیکن سلطنت کی توسیع اور استحکام میں جو محنت اٹھانی پڑی، اس نے قبل از وقت بوڑھا کر دیا۔ آخری عمر میں اسہال کی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ مان سنگھ اور خانِ اعظم خسرو کو تخت پر بٹھانے کے خیال میں تھے، لیکن مغل سرداروں نے یہ بات منظور نہ کی۔ بدلا ہوا رنگ دیکھ کر مان سنگھ اور خانِ اعظم بھی اپنے ارادہ سے ہٹ گئے تھے۔ اکبر کی حالت غیر ہوئی تو سلیم خدمت میں پہنچا اور باپ کے قدموں پر جھک گیا۔ اکبر نے آنکھیں کھول دیں۔ اشارے سے خلعت اور دستار منگائی، سلیم کو پہنا کر اپنا خنجر اس کی کمر پر بندھوایا۔ جو لوگ موقع پر موجود تھے وہ سب جھک گئے۔ خود اکبر نے بھی اشارہ سے تسلیم کی، پھر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ اکتوبر ۱۶۰۵ء کا واقعہ ہے۔ ترسٹھ برس چند مہینے کی عمر پائی۔ انچاس برس چند مہینے بادشاہی کی۔

حواشی

۱ مضبوط قلعوں پر حملوں کا ایک طریقہ یہ تھا کہ دور سے سرنگیں کھود کر برجوں کے نیچے تک پہنچا دیتے تھے۔ پھر ان میں بارود بھر کر آگ لگا دیتے تھے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ کر دو دیواریں کھڑی کرتے۔ ان کی چھت چمڑے سے منڈھ دیتے۔ اس کے اندر سے ہو کر حملہ آور قلعے سے قریب پہنچ جاتے یا گولی کے فاصلے سے ان کے اندر توپیں لگا کر قلعے کی دیواروں کو توڑتے۔ انہیں "کوچے" کہتے تھے۔

چوتھا باب

اکبر کا عہدِ حکومت

ذاتی اوصاف: اکبر کی زندگی کے پورے حالات سامنے رکھ لیے جائیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہادر، دُور اندیش، سرگرم اور فیاض آدمی تھا۔ جہاں نرمی سے کام نکلتا نظر آیا، سختی کبھی گوارا نہ کی۔ جہاں سختی کے سوا چارہ نہ رہا، جانفشانی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ جس میدانِ جنگ میں گیا، خطروں سے کبھی نہ گھبرایا۔ اپنی قوت تھوڑی بھی ہوتی تو دشمن کو مہلت نہ دیتا اور عام سپاہیوں کے برابر لڑتا۔ جفاکشی کا یہ عالم تھا کہ منزلوں گھوڑے یا اونٹ کی سواری میں نکل جاتا اور تکان محسوس نہ کرتا۔ گجرات میں بغاوت ہوئی تو نو دن میں فتح پور سیکری سے احمد آباد پہنچ گیا اور آٹھ روز میں بغاوت کو ختم کر کے لوٹا۔ خان زماں کی بغاوت کے وقت گنگا سے پار اترنے کے لیے کشتی کا انتظام نہ ہو سکا، تو بے پروائی کے ساتھ ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا اور پار اتر گیا۔

خان زمان خاں اور بہادر خاں اُس زمانے کے نامور بہادر تھے۔ اکبر کے سامنے ان کے بھی اوسان خطا ہوتے تھے۔ بھائی نے کئی مرتبہ تنگ کیا، لیکن جب ہار کر معافی مانگی تو اسے معاف کر دیا۔ صرف ان لوگوں کو سزائیں دیں، جن کے جرم معافی کی حد سے بہت آگے نکل چکے تھے۔

مردانہ کھیلوں سے بڑی رغبت تھی۔ شکار اور جانوروں کی لڑائی کا بہت شوق تھا۔ تعلیم اگرچہ کم پائی تھی، لیکن علم و فضل کا قدردان تھا اور عالموں کی صحبت میں بیٹھ کر اتنا ملکہ پیدا کر لیا تھا کہ کوئی شخص کتاب پڑھتا تو اس کا مطلب بخوبی سمجھ لیتا۔

غیر معمولی قابلیت: اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اکبر غیر معمولی اہلیت کا بادشاہ تھا۔ دادا نے شمالی ہند کا صرف ایک حصہ فتح کیا تھا اور وہ ابتدائی انتظامات ہی درست نہیں کر سکا تھا کہ چل بسا۔ باپ اس میراث کو بھی چھوڑ کر ہندوستان سے باہر نکل جانے پر مجبور ہو گیا۔ پندرہ برس کے بعد واپس لوٹا تو صرف ایک حصے ہی کو از سرِ نو قبضے میں لا سکا تھا کہ جاں بحق ہو گیا۔ اکبر تخت نشین ہوا تو پونے چودہ برس کی عمر تھی اور ہر سمت سے خطرے آندھی کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے۔ چار برس

تک انتظامِ سلطنت بیرم کے ہاتھ میں رہا اور حالت کسی قدر بہتر ہوئی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں اکبر نے سارے معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ پھر صوبوں پر صوبے اور علاقوں پر علاقے فتح ہونے لگے۔ سارا شمالی ہندوستان زیرِ نگین آ گیا بلکہ دکن بھی احمد نگر تک فتح ہو گیا۔ اس وسیع سلطنت پر اکبر نے انتہائی خوش اسلوبی سے حکومت کی۔ شورشیں اٹھیں تو مستعدی سے دبا دیں۔ رعایا کے لیے امن و خوش حالی کی ایسی فضا پیدا کر دی جو قرنوں سے اسے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہ تمام باتیں غیر معمولی قابلیت کا روشن ثبوت ہیں۔

سلطنت کی استواری: ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد اگرچہ بابر نے رکھی تھی لیکن اس بنیاد پر عظیم الشان عمارت اکبر ہی نے تعمیر کی اور اسے اتنا مضبوط و مستحکم بنا دیا کہ جانشین کم و بیش ڈیڑھ سو برس تک بے خلش حکومت کرتے رہے۔ زوال کا دور بھی اس طرح گزرا کہ تیموریوں کے بغیر پادشاہی اور پادشاہی کے بغیر تیموریوں کا تصور بھی کسی کے دماغ میں نہیں آ سکتا تھا۔ مرہٹے جب مغل پادشاہوں کی کمزوری کے باعث پائے تخت پر قابض ہو گئے تو اس حالت میں بھی مغلوں کے محض وکیل اور کاردار کی حیثیت میں کام کرتے رہے۔ اپنے نام پر پادشاہی کرنے کا انہیں حوصلہ نہ ہوا۔ انگریزوں نے بھی دہلی پر اقتدار حاصل کر چکنے کے بعد کم و بیش پچپن برس تک مغل پادشاہی کا پردہ قائم رکھا۔

رواداری اور رعیت پروری: غیر مسلموں کے ساتھ رواداری مسلمانوں کی حکمرانی کا نمایاں وصف رہی اور رعیت کی بھلائی کے لیے بندوبست کرتے وقت انہوں نے اپنے پرائے کا امتیاز کبھی گوارا نہیں کیا۔ اکبر کو اس معاملے میں خاص شہرت حاصل ہے۔ اس نے وہ تمام محصول معاف کر دیے جو ہندو یاتریوں کی یاترا کے لیے پہلے سے چلے آتے تھے، جزیہ اُڑا دیا، ہندو راجاؤں کے ساتھ رشتے ناطے کیے۔ اس برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر ہندو امرا اور راجا سلطنت کے سچے خیر خواہ بن گئے اور ان کے دلوں میں اجنبیت کا کوئی احساس باقی نہ رہا۔

سلطنت کی خیر خواہی: مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے ساتھ صلح و جنگ کی بنیاد صرف سلطنت کی خیر خواہی یا بدخواہی تھی۔ جن مسلمانوں یا غیر مسلموں نے سلطنت کی خیر خواہی میں ساتھ دیا، وہ اکبر کی نظروں میں ہمیشہ اونچے رہے، لیکن جن لوگوں نے اس مقصد سے منہ موڑا، ان سے لڑنے میں کبھی دریغ نہ کیا۔ بھگوان داس، مان سنگھ، ٹوڈرمل اور بیربل آخری دم تک وفادار

رہے۔ انہوں نے بڑے بڑے رتبے پائے۔ ٹوڈرمل کو مالگزاری کے نظام کی تکمیل پر لگایا گیا۔ بیربل کو اس فوج کا سالار بنا کر بھیجا گیا جو یوسف زئی علاقوں میں فتنوں کو مٹانے کے لئے گئی تھی۔ مان سنگھ کو کابل اور بھگوان داس کو پنجاب کا صوبیدار بنا دیا۔ میواڑ کے رانا پرتاپ نے جنگ جاری رکھی، اس کے ساتھ لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اسی طرح خان زماں یا اس کے بھائی بہادر خاں جب تک وفادار رہے، عزت کے منصب پر بیٹھے رہے۔ جب بے وفائی کی راہ اختیار کی تو انہیں سزا دینے میں تأمل نہ ہوا۔

مذہبی خیالات: مذہبی خیالات کے اعتبار سے اکبر کی زندگی کے تین الگ الگ دور قرار دیے جا سکتے ہیں: پہلے دور میں وہ عام مسلمانوں کی طرح عقائد میں بڑا پکا تھا۔ علماء سے جو کچھ سن لیتا، اس پر نیک نیتی کے ساتھ کاربند ہوتا۔ بزرگانِ دین کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے روضے پر کئی مرتبہ حاضر ہوا۔ تاج و تخت کے وارث کے لیے شیخ سلیم چشتی سے دعا کرائی۔ بڑے بیٹے کی پیدائش سے پہلے اس کی والدہ کو شیخ سلیم کی خانقاہ کے پاس ٹھہرایا۔ بیٹے کا نام بھی شیخ ہی کے نام پر سلیم رکھا۔ دانیال کی پیدائش سے پہلے اس کی والدہ کو اجمیر بھیج دیا تھا۔ چوں کہ وہ درگاہ کے ایک خادم دانیال کے مکان پر ٹھہری تھی، اس وجہ سے بیٹے کا نام دانیال رکھا۔

دینِ الٰہی: دوسرے دَور میں خیالات بہت بدل گئے۔ اس نے صاحبِ تحقیق بننے کی کوشش کی، حالاں کہ کم علم آدمی تھا اس وجہ سے خاصا گمراہ ہو گیا۔ اس حالت کے کئی سبب تھے۔

۱۔ جن عالموں پر ابتدا میں اسے بہت بھروسا تھا، وہ عمل میں نکمے ثابت ہوئے۔ جب ظاہر ہو گیا کہ ان کی دینداری محض دنیا طلبی کا ایک ذریعہ تھی تو علماء پر اکبر کے اعتبار کو بڑا صدمہ پہنچا۔

۲۔ وہ مختلف مذاہب کے عالموں سے ملنے لگا تھا اور اس غرض کے لیے ایک عمارت مخصوص کر دی تھی جسے "عبادت خانہ" کہتے تھے، ان کے خیالات کا اثر بھی ہوتا رہا۔

۳۔ اس نے راجپوت عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ ان کی صحبت کا اثر بھی پڑا۔

اس دور میں اُس نے "دینِ الٰہی" نکالا، جس کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ خدا ایک ہے اور بادشاہ اس کا نائب ہے۔ آزاد خیالی یا 'دینِ الٰہی' کی ایجاد میں ابوالفضل اور فیضی اس کے خاص مشیر اور رفیق تھے۔ یہ طریقہ ۱۵۸۲ء میں جاری ہوا تھا اور اس میں مختلف مذہبوں سے مختلف رسمیں

لے کر شامل کر دی گئی تھیں، لیکن یہ درباریوں کے ایک خاص حلقے سے باہر نہ نکلا اور کسی نے بھی اسے قبول نہ کیا۔

تیسرے اور آخری دور میں اکبر پہلی اور دوسری حالت کے درمیان آ گیا تھا، یعنی نہ آنکھیں بند کر کے علماء کے ہر حکم کو مانتا تھا اور نہ زیادہ آزاد خیال رہا تھا۔ اگرچہ بعض غیر اسلامی رسموں کی پابندی اس زمانے میں بھی جاری رہی، جیسے ہمارے زمانے میں شادی غمی کی کئی غیر اسلامی رسمیں جا بجا جاری ہیں۔

انتظام سلطنت: اکبر کے عہد میں سارا ملک صوبوں، سرکاروں اور تعلقوں میں بٹا ہوا تھا۔ سرکاروں کو ہمارے زمانے کے ضلعے یا ڈویژن، پرگنوں اور تعلقوں کو تحصیلیں سمجھنا چاہیے۔ صوبے کے اعلیٰ حاکم کو صوبے دار یا سپہ سالار کہتے تھے۔ بادشاہ کے بعد اپنے علاقے کے تمام ملکی اور جنگی اختیارات صوبیدار ہی کے قبضے میں ہوتے تھے۔ ضلعوں کے حاکم دو قسم کے ہوتے۔ جو مالیہ وصول کرتے، انہیں مالگزار کہتے، جن کے قبضہ میں فوجی انتظام ہوتا وہ فوجدار کہلاتے۔

مقدمے ابتدا میں قاضیوں (ججوں) کے پاس پیش ہوتے، ان کی اپیلیں میر عدل (چیف جج) سنتا۔ ہندو فریقین کے مقدموں کا فیصلہ پنڈت کرتے۔ شہروں اور بڑے بڑے قصبوں میں جرموں کی تفتیش یا امن کی بحالی اور نگرانی کا کام کوتوال انجام دیتے۔ دیہات میں یہ فرض مالگزار پورا کرتے۔

اکبر نے جاگیروں کا سلسلہ توڑ کر "منصبداری" کا طریقہ جاری کیا۔ منصب دار کم سے کم دس سپاہیوں کا افسر ہوتا۔ سب سے بڑا منصب دہ ہزاری تھا، لیکن اکبر کے عہد میں پنج ہزاری سے اوپر کے منصب شہزادوں کے سوا کسی کو نہ دیے گئے۔ منصبداروں کو درجے اور حیثیت کے مطابق نقد تنخواہیں ملتی تھیں۔ داغ کا طریقہ وہی تھا جو شیر شاہ نے جاری کیا تھا۔

لگزاری کا بندوبست: مالگزاری کا نظام بھی وہی تھا جس کی داغ بیل شیر شاہ نے ڈالی تھی، لیکن اکبر کے عہد میں یہ نظام بالکل مکمل ہو گیا۔ اس نظام کی نمایاں باتیں یہ تھیں:

- ساری زمین کی پیمائش کے لیے ایک طریقہ جاری ہوا جس میں گز اور بیگھے یکساں تھے۔ یعنی مختلف حصوں کے پیمانے الگ الگ نہ رہے۔
- زمین کی تین قسمیں قرار دی گئیں: سب سے اچھی، درمیانہ اور گھٹیا۔

۳۔ زمین کی قسم اور آبپاشی کے انتظامات کو پیشِ نظر رکھ کر لگان تجویز کیا جاتا تھا۔

۴۔ عام طریقہ یہ تھا کہ تینوں قسموں کی زمین کی پیداوار کا اوسط نکال کر تیسرا حصہ سرکار کے لیے تجویز ہو جاتا، لیکن لگان کے وصول کرنے میں بڑی رعایت برتی جاتی تھی۔ اس لیے بعض حالتوں میں پیداوار کا چوتھا حصہ اور بعض میں ساتواں یا آٹھواں حصہ سرکار کو ملتا تھا۔

۵۔ پہلے سالانہ جمع بندی ہوتی تھی۔ پھر ہر دس برس کے بعد نئے بندوبست کا طریقہ جاری ہوا۔

۶۔ کاشتکاروں کو حق حاصل تھا کہ وہ چاہیں تو لگان نقد ادا کریں، چاہیں نقد کی جگہ جنس دے دیں۔

۷۔ لگان وصول کرنے والوں کو تاکید تھی کہ وہ کاشتکاروں کی سہولت کا پورا خیال رکھیں۔

یہ تمام قاعدے پہلے آصف خاں نے ترتیب دیے تھے، پھر مظفر خاں اور اس کے نائب ٹوڈرمل نے انہیں مکمل کیا۔

ملک کی حالت: ملک میں عام حالت بہت اچھی ہوگئی۔ شیر شاہ کے بعد ایسا امن ہندوستان میں قائم نہیں ہوا تھا جیسا اکبر کے زمانے میں قائم ہو گیا۔ جیسے جیسے مختلف علاقے مغل تخت گاہ سے وابستہ ہوتے گئے، عوام کے لیے اطمینان سے اپنا کاروبار کرنے اور محفوظ زندگیاں گزارنے کی صورت نکلتی آئی۔ اگر کہیں بغاوت اٹھی تو اسے تیزی سے دبا دیا گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں خاصا میل جول پیدا ہو گیا۔ شیر شاہ نے ہندوؤں کو ذمہ داری کے عہدے دینے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، اکبر نے اس سلسلے کو خاصے اونچے پیمانے پر پہنچا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں ہندو شاہی جھنڈے تلے جمع ہو کر مردانگی سے ہندوؤں کے خلاف بھی لڑتے رہے۔ عام امن، رعایا کے مختلف طبقوں کا میل جول، تجارت، زراعت، صنعت و حرفت کی ترقی اور علوم کی اشاعت ہر حکومت کی اچھائی کے بنیادی اصول ہیں۔ ان اصول کی بنا پر اکبر کے عہدِ حکومت کو ہر اعتبار سے کامیاب تسلیم کرنا چاہیے۔

صوبے: بنگال کی فتح کے بعد اکبر کی سلطنت بارہ صوبوں میں بٹی ہوئی تھی، جن کی آمدنی چار ارب سوا اکسٹھ کروڑ دام تھی۔ پھر اور علاقے شامل ہو گئے۔ اس کی وفات پر کُل اٹھارہ صوبے بن

گئے تھے، جن میں سے بعض بڑے تھے اور بعض ذرا چھوٹے تھے۔ نئے علاقوں کے شامل ہونے سے آمدنی میں ایک ارب دام سے زیادہ کا اضافہ ہو گیا۔ صوبوں کے نام ذیل میں درج ہیں:

۱۔	کابل	۲۔	لاہور	۳۔	ملتان	۴۔	دہلی
۵۔	آگرہ	۶۔	اودھ	۷۔	الٰہ آباد	۸۔	بہار
۹۔	بنگال	۱۰۔	اڑیسہ	۱۱۔	اجمیر	۱۲۔	مالوہ
۱۳۔	گجرات	۱۴۔	خاندیش	۱۵۔	برار	۱۶۔	احمد نگر
۱۷۔	کشمیر	۱۸۔	سندھ				

سنہری دور: اکبر کو خوش قسمتی سے ہر دور میں اونچے درجے کے مشیر اور ساتھی ملتے رہے۔ ابتدا میں بیرم خاں تھا، جس نے مغل سلطنت کی کشتی کو بھنور سے نکال کر صاف پانیوں میں پہنچایا۔ پھر بھگوان داس، مان سنگھ، عبدالرحیم خانخاناں، خانِ اعظم عزیز مرزا، ابوالفضل، فیضی، ٹوڈرمل، بیربل، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم فتح اللہ شیرازی ان لوگوں میں سے تھے، جو ہر شاہی دربار کے لیے باعثِ زینت بن سکتے تھے۔ اکبر کی ہنر شناسی کا یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ اس نے وقت کے بہترین آدمی چن لیے اور عمر بھر ان کی عزت کرتا رہا۔

ان کے علاوہ اکبر کے زمانے میں اعلیٰ درجے کے بزرگانِ دین، شاعر، ادیب، طبیب اور عالم جمع ہو گئے تھے اور یہ دَور علم و فضل کے اعتبار سے ہندوستان کا سنہری دَور بن گیا۔ بزرگانِ دین میں سے شیخ سلیم چشتی، خواجہ باقی باللہ، شیخ احمد سرہندی، علمائے کرام میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اطبا میں سے حکیم علی گیلانی اور حکیم ہمام، شعرا میں سے عرفی، فیضی، نظیری، ظہوری، ملک قمی، مؤرخوں میں سے شیخ ابوالفضل، ملا نظام الدین اور ملا عبدالقادر بدایونی۔ یہ صرف چند نام ہیں جو ہر طبقے کے سیکڑوں آدمیوں میں سے پیش کر دیے گئے۔ فیضی نے اپنے شوق سے سنسکرت پڑھی اور ہندو دھرم کی بعض کتابوں کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اسی زمانے میں تلسی داس نے ہندی رامائن لکھی اور اس پرانی کتاب کو عام فہم بنایا۔

تعمیرات: اکبر کے عہد کی تعمیرات کو شاہجہاں کی عمارتوں کا درجہ تو نہیں دیا جا سکتا، لیکن اس نے آگرے، دہلی اور لاہور میں اچھی عمارتیں بنوائیں۔ سلیم کی پیدائش کے بعد اکبر شیخ سلیم چشتی کی نزدیکی کو بہت بابرکت سمجھنے لگا تھا۔ چنانچہ اس نے سیکری کے قریب ایک عالی شان مسجد اور اس

کے ساتھ محل بنوایا۔ پھر دوسرے امیروں نے عمارتیں بنوالیں۔ اس طرح ایک شہر بس گیا جس کا نام "فتح آباد" رکھا گیا لیکن وہ فتح پور سیکری کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مقام پندرہ برس تک اکبر کا پائے تخت رہا۔ پھر اس کی توجہ شمالی ہندوستان پر ہوگئی تو فتح پور سیکری کی رونق بھی گھٹ گئی۔ اس کی مختلف عمارتیں اب تک موجود ہیں۔ دہلی میں ہمایوں کے مقبرے کو اکبر کی بنوائی ہوئی عمارتوں میں پہلا درجہ حاصل ہے۔ تقریباً چار سو برس گزر گئے، لیکن اس مقبرے کی شان اور آب و تاب میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اولاد: اکبر نے کئی شادیاں کیں۔ خدا نے اسے بیٹے بھی دیے اور بیٹیاں بھی۔ بیٹوں میں سلیم سب سے بڑا تھا اور یہ راجا بہاری مل والیِ آنبیر (جے پور) کی صاحبزادی کے بطن سے ہوا، جسے بعد میں مریم زمانی کا خطاب دے دیا گیا۔ دوسرا بیٹا مراد، سلیمہ سلطان بیگم کے بطن سے تھا۔ اس نے تیس برس کی عمر میں ۱۵۹۸ء میں وفات پائی اور صرف ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ تیسرا بیٹا دانیال دولت شاہ بیگم کے بطن سے تھا۔ وہ بھی ۳۳ برس کی عمر میں اکبر کے سامنے ہی فوت ہوگیا اور تین بیٹے چھوڑے: طہمورث، ہوشنگ، اور بایسنقر۔ سلیم اکبر کے بعد ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ اس کی اولاد کا ذکر آگے آئے گا۔

☆.....☆.....☆

پانچواں باب

نورالدین محمد جہانگیر

(۱۶۰۵ء۔۱۶۲۷ء)

جہانگیری احکام: شہزادہ سلیم ۳۰ راگست ۱۵۶۹ء کو پیدا ہوا اور ۲۴ راکتوبر ۱۶۰۵ء کو نورالدین محمد جہانگیر کے لقب سے آگرے میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زنجیرِ عدل لٹکائی کہ فریادی جب چاہے ہلا دے، بادشاہ کو خبر ہو جائے۔ اس کے بعد بارہ حکم جاری کیے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ راہوں اور دریاوں، شہروں اور قصبوں، گھاٹوں اور بندرگاہوں پر کوئی محصول نہ لیا جائے۔

۲۔ جو شخص فوت ہو جائے، وہ ہندو ہو یا مسلمان، اس کا مال جائز وارثوں کو ملے۔ سرکاری کارکن اس میں کوئی دخل نہ دیں۔

۳۔ نشہ پیدا کرنے والی چیزوں کا بنانا اور بیچنا بند کر دیا جائے۔

۴۔ سرکاری افسر دورہ کرتے ہوئے کبھی رعایا کے مکان میں نہ اتریں۔

۵۔ کسی جرم کی سزا میں ناک کان نہ کاٹے جائیں۔

۶۔ جن مقامات میں چوری ہوتی ہو یا ڈاکہ پڑتا ہو اور وہ آبادی سے دور ہوں، وہاں سرائیں اور مسجدیں بنائی جائیں، کنوئیں کھودے جائیں اور لوگوں کی ایک جماعت آباد کی جائے۔ جہاں کوئی واردات ہو، آس پاس کے باشندوں کو نقصان پورا کرنے پر مجبور کیا جائے۔

۷۔ کوئی جاگیردار یا سرکاری ملازم کسی حالت میں بھی رعایا کی زمین نہ چھینے۔

۸۔ سرکاری کارکن شاہی اجازت نامے کے بغیر اپنی ملازمت کے حلقے میں رشتے نہ

کریں۔

۹۔ بڑے شہروں میں شفاخانے بنائے جائیں جن میں بیماروں کو دوا اور غذا سرکار کی طرف سے ملے۔

علاوہ بریں جہانگیر نے تمام نوکروں اور منصب داروں کی جاگیریں اور منصب بحال رکھے۔ جو ترقی کے مستحق تھے، ترقی دی، عام لوگوں کو انعام دیا اور پرانے قیدی چھوڑنے کا حکم دے دیا۔

خسرو کی بغاوت: ہم بتا چکے ہیں کہ بعض امیروں نے اکبر کے بعد سلیم کی جگہ اس کے بیٹے خسرو کو بادشاہ بنانے کی تجویز کی تھی۔ سلیم نے تخت نشینی کے بعد بیٹے کی دلداری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، لیکن اس کا دل صاف نہ ہوا۔ اپریل ۱۶۰۶ء میں وہ دادا کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بہانے سکندرہ گیا، وہاں سے دہلی کی طرف بھاگ نکلا۔ یہ گویا بغاوت کا اعلان تھا۔ اگر اس فتنے کو جلد سے جلد دبایا نہ جاتا تو ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔

جہانگیر نے فوراً شیخ فرید بخاری کو پیچھے بھیجا، پھر خود فوج لے کر نکلا۔ شروع میں خیال تھا کہ شاید خسرو بنگال کی طرف جائے جہاں اس کا ماموں راجا مان سنگھ گورنر تھا، لیکن خسرو نے پنجاب کا رخ کیا۔ راستے میں سکھوں کے پانچویں گرو سے بھی اس کی ملاقات ہوئی۔ گرو نے شہزادے کی فتح کے لیے دعا کی اور پانچ ہزار روپے نقد پیش کیے۔ ظاہر ہے کہ سلطنت کے باغی کے ساتھ خوشامد یا خوش آمدید کا یہ برتاؤ بالکل نامناسب تھا۔

خسرو لاہور پہنچا تو شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شاہی فوج یلغار کرتی ہوئی آئی تو خسرو نے کچھ فوج محاصرہ کے لیے چھوڑی، باقی لشکر کو لے کر مقابلے کے لیے واپس لوٹا۔ جنگ ہوئی، شکست کھائی اور شمال کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ کابل پہنچ کر نئی فوج بھرتی کرے، پھر پوری قوت سے ہندوستان پر بڑھے۔ لیکن ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر جہانگیر نے تمام گھاٹوں کو روک دیا۔ خسرو سوہدرہ میں گرفتار ہوا۔ کامران کی بارہ دری میں دریائے راوی کے کنارے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پابہ زنجیر جہانگیر کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ سب کو سخت سزائیں دی گئیں۔ خسرو کی آنکھوں میں سلائی پھروائی گئی۔ چند برس کے بعد پدری محبت نے جوش مارا۔ ایران کے ایک ماہر طبیب سے علاج کرایا۔ بینائی ایک حد تک بحال ہو گئی۔ ۱۶۲۱ء کے آخر یا

۱۶۲۲ء کے شروع میں خسرو برہان پور میں فوت ہوا یا ایک روایت کے مطابق شاہجہاں نے اُسے مروا دیا۔

سکھ دھرم اور اس کے گرو: سکھ دھرم کا آغاز گرو نانک سے ہوا، جو لودھیوں کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ گرو جی ذات کے کھتری تھے۔ شروع ہی سے طبیعت نیکی اور خدا پرستی پر مائل تھی۔ خدا کو ایک مانتے تھے۔ ذات پات اور فرقہ بندیوں سے سخت نفرت تھی۔ اچھے کام کرنے اور تمام انسانوں کے ساتھ پیار، محبت سے رہنے سہنے پر بہت زور دیتے تھے۔ بُت پرستی کو بہت بُرا جانتے تھے۔ گرو نانک کی وفات کے بعد اس نئے دھرم کی اشاعت کے لیے ایک گدی بن گئی جس پر بیٹھنے والے کا لقب ''گرو'' ہوتا تھا۔ ابتدا میں ان لوگوں کو درویشوں کا گروہ سمجھا جاتا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ وہ گرو نانک کی پیروی میں درویشی پر کاربند تھے۔ اکبر نے انہیں پانسو بیگھہ زمین دے دی تھی جہاں ایک گوردوارہ بنا۔ وہی آج کل دربار صاحب کہلاتا ہے۔ اس کے اردگرد آبادی ہوگئی جس کا نام امرتسر رکھا گیا۔

گرو ارجن کا انجام: جیسے جیسے مریدوں کا حلقہ بڑھتا گیا، درویشی کی جگہ امیری کا رنگ آتا گیا گرو نانک کے پانچویں جانشین گرو ارجن تھے، جنہوں نے خسرو کی آؤ بھگت کی۔ خسرو گرفتار ہو گیا تھا تو اس کے دوسرے حامیوں کے علاوہ گرو ارجن سے بھی باز پرس ہوئی۔ گرو جی نے نہایت عجیب جواب دیا، یعنی یہ کہ شہزادے کے دادا نے سکھوں کی گدی کو پانسو بیگھہ زمین دے کر بڑا احسان کیا تھا، اس احسان کا تقاضا یہی تھا کہ شہزادے کو مدد دی جاتی۔ لیکن اکبر کے احسان کا بدلہ پانے کا پہلا حق دار اس کا بیٹا جہانگیر تھا، جو ہندوستان کا بادشاہ تھا اور خود اکبر نے اسے بادشاہ بنایا تھا۔ باغی پوتا جہانگیر سے پہلے نہیں آسکتا تھا۔ جہانگیر نے گرو جی پر دو لاکھ روپے جرمانے کا حکم دے دیا۔ گرو جی نے جواب دیا: ویسے جو چاہو لے لو، جرمانے میں ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔ جہانگیر چلا گیا تو لاہور کے ہندو دیوان نے جرمانہ وصول کرنے میں اتنی سختی کی کہ گرو جی اسے برداشت نہ کر سکے۔ ایک روز دریا میں غسل کی اجازت لی، پھر زندہ نہ نکلے۔ ہندو دیوان، ملا سے ان کا دشمن چلا آتا تھا۔ اس معاملے میں چند باتیں خاص توجہ کی محتاج ہیں:

۱۔ اصلی معاملہ سیاسی تھا، مذہبی نہ تھا۔ سکھوں نے بعد میں بلاوجہ اسے مذہبی رنگ دے دیا۔ اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ گرو ارجن کے سوا ایک سکھ کو بھی نہ کوئی آزار پہنچا، نہ اس

سے پوچھ گچھ ہوئی۔

۲۔ گروارجن کے فرزند اور جانشین گروہرگوبند جہانگیر کے درباریوں میں شریک ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ کے ساتھ کشمیر گئے۔ انہیں کی وجہ سے لاہور کے ہندو دیوان کا ظلم ظاہر ہوا اور اسے سخت سزا دی گئی۔

۳۔ گروارجن پر جو سختیاں ہوئیں، ان کا ذمہ دار جہانگیر نہ تھا۔

۴۔ اگر گروجی خسرو کی آؤ بھگت نہ کرتے تو ان سے کوئی باز پرس نہ ہوتی۔

بنگال میں فتنہ وفساد: بنگال اگرچہ ۱۵۷۶ء میں فتح ہو چکا تھا لیکن وہاں پورا امن قائم نہیں ہوا تھا۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فتنوں کا بڑا سبب یہ تھا کہ پانی پت کی پہلی جنگ کے بعد افغان سردار سمٹ کر اسی علاقے میں جمع ہو گئے تھے۔ جہانگیر نے قطب الدین خاں کو کہ کو بنگال کا گورنر بنا کر بھیجا اور تاکید کر دی کہ تمام فتنہ انگیزوں کو سختی سے دبا دیا جائے۔ وہاں کے جاگیرداروں میں ایک علی قلی استاد بھی تھا۔ اکبر کے عہد میں ایران سے ہندوستان آیا۔ اچھی ملازمت مل گئی اور میرزا غیاث بیگ کی بیٹی مہرالنسا سے شادی ہو گئی۔ شہزادگی کے زمانے میں علی قلی کچھ مدت جہانگیر کے پاس بھی رہا تھا۔ ایک شیر کو مار کر شیر افگن خان کا خطاب پایا تھا۔ جہانگیر نے اسے بردوان میں جاگیر دے دی۔ وہ بے چین طبیعت کا آدمی تھا، بنگال کی فضا سرکشی سے بھری ہوئی دیکھی تو خود بھی سرکشی کے خواب دیکھنے لگا۔ اس کے رنگ ڈھنگ کی اطلاعیں دربار میں پہنچ چکی تھیں۔ قطب الدین خان کو بنگال میں بھیجتے وقت جہانگیر نے تاکید کر دی تھی کہ شیر افگن کے خلاف جو شکایتیں ہیں، ان کی چھان بین کی جائے اور درست ثابت ہوں تو اسے دربار میں بھیج دیا جائے۔

قطب الدین خاں چند آدمیوں کو لے کر بردوان گیا تو شیر افگن بڑا پریشان ہوا۔ غالباً اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب سارے بھید کھل جائیں گے۔ قطب الدین خاں نے کوئی سختی نہیں کی تھی، اسے الگ لے جا کر باتیں کر رہا تھا۔ شیر افگن نے پہلے سے اپنے دل میں ایک منصوبہ بٹھا رکھا تھا۔ باتیں کرتے کرتے تلوار کھینچ کر قطب الدین خاں کے کاری زخم لگایا۔ خان کے آدمی دور کھڑے تھے، دوڑ کر شیر افگن پر حملہ آور ہوئے۔ ان میں سے بھی ایک مارا گیا اور شیر افگن بھی قتل ہو گیا۔ قطب الدین خاں نے چند گھنٹے بعد وفات پائی۔ جہانگیر کو بے حد قلق ہوا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ اکبر کی وفات کے بعد مجھے سب سے بڑھ کر رنج قطب الدین خاں اور اس کی والدہ کی وفات

پر ہوا۔ شیر افگن کی بیوی مہر النسا کو لڑکی سمیت آگرے بھیج دیا گیا۔

قطب الدین خاں کے بعد جہانگیر نے اسلام خاں کو بنگال کا گورنر بنایا۔ وہ مرکزِ حکومت کو راج محل سے اٹھا کر ڈھاکہ لے گیا، جس کا نام جہانگیر نگر رکھا گیا۔ ۱۶۱۲ء تک اسلام خاں نے پورے صوبے کو باغیوں اور فتنہ انگیزوں سے پاک کر دیا۔

مہر النسا کے ساتھ شادی: شیر افگن کی بیوی مہر النسا آگرے پہنچی تو جہانگیر کی والدہ نے اسے اپنے پاس ملازمت دے دی۔ اس واقعہ پر پانچ برس گزر گئے۔ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے جشن کے موقع پر اُسے دیکھا تو شادی کا فیصلہ کر لیا۔ شادی کے بعد پہلے نور محل پھر نور جہاں خطاب دیا اور وہ اسی وقت سے جہانگیر کے عہد کی سب سے ممتاز شخصیت بن گئی، یہاں تک کہ آج جہانگیر کے بغیر نور جہاں اور نور جہاں کے بغیر جہانگیر کا تصور بھی مشکل ہے۔ شادی کے وقت نور جہاں کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ جہانگیر اس سے آٹھ برس بڑا تھا۔ اس سلسلے میں عجیب و غریب افسانے مشہور ہو گئے لیکن جن مؤرخوں نے سارے حالات کی چھان بین کی ہے، ان کا فیصلہ یہ ہے کہ ۱۶۱۱ء سے پہلے جہانگیر نے نور جہاں کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ اگر وہ شہزادگی کے زمانے میں اس سے شادی کرنا چاہتا تو اکبر خوشی سے اجازت دے دیتا، اس لیے کہ نور جہاں کا باپ میرزا غیاث بیگ ایران کے اونچے گھرانے کا آدمی تھا اور ایرانیوں کو ویسے بھی تہذیب میں بہت بلند سمجھا جاتا تھا۔ شیر افگن شادی کے بعد تقریباً تین برس جہانگیر کے پاس رہا، بلکہ اسے شیر افگن کا خطاب بھی جہانگیر ہی نے دیا تھا۔ اگر شہزادگی کے زمانے میں نور جہاں سے جہانگیر کی محبت میں کچھ اصلیت ہوتی تو شیر افگن کو ہرگز جہانگیر کے پاس نہ رکھا جاتا۔

مہر النسا کے نور جہاں بنتے ہی اس کے خاندان پر ترقی کے دروازے کھل گئے اور چند برس میں یہ خاندان سلطنت کے کاموں میں مختار بن گیا۔

مختلف فتوحات: جہانگیر کے عہد میں جو فتوحات ہوئیں، ان کی سرسری کیفیت یہ ہے۔

۱۔ میواڑ کا رانا پرتاپ ۱۵۹۷ء میں مرا اور اس کا بیٹا امر سنگھ مسند نشین ہوا۔ جہانگیر نے میواڑ کی تسخیر کے لیے کئی مہمیں بھیجیں۔

آخر ۱۶۱۳ء میں خود اجمیر جا بیٹھا۔ اپنے تیسرے بیٹے خرم کو فوج دے کر بھیجا۔ ۱۶۱۴ء میں رانا امر سنگھ نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ خود بڑھاپے کے باعث دربار میں

حاضر نہ ہو سکا۔ اپنے بیٹے کرن سنگھ کو بھیج دیا، جسے جہانگیر نے پنج ہزاری منصب کے علاوہ بیش بہا انعام دیے۔ کرن سنگھ دکن کی مہموں میں شہزادہ خرم کے ساتھ رہا۔

۲۔ پر تگیز پندرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان پہنچے تھے اور بحری تجارت عربوں سے چھین کر سمندروں کے مالک بن گئے تھے۔ اکبر نے انہیں نہ چھیڑا۔ جہانگیر نے بھی ان کے معاملوں میں دخل نہ دیا۔ وہ آہستہ آہستہ اتنے خودسر ہو گئے کہ ۱۶۱۳ء میں چار شاہی جہاز پکڑ لیے۔ جہانگیر نے ان کی سرکوبی کا حکم دے دیا۔ بہت سے پکڑے گئے۔ ان سے ساری تجارتی رعایتیں چھین لی گئیں۔ ۱۶۱۵ء میں انہوں نے گڑگڑ کر معافی مانگی تو رعایتیں بحال کر دی گئیں، لیکن جو چیزیں شاہی فوجوں کے قبضہ میں آئی تھیں، وہ تاوان میں شمار ہوئیں۔

۳۔ احمد نگر اکبر کے زمانے میں مغلوں کا صوبہ بن چکا تھا، لیکن وہاں کی ریاست باقی تھی جس کا مرکز دولت آباد بن گیا تھا۔ پھر وہاں کے معاملات ملک عنبر کے ہاتھ آ گئے جو قابل، مدبر اور دان سپہ سالار تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ کئی علاقے مغلوں سے چھین لیے۔ جہانگیر نے ۱۶۱۶ء میں شہزادہ خرم کو بھیجا جس نے علاقے بھی واپس لیے اور تاوان بھی لیا۔ ملک عنبر نے پھر پہلے کی طرح پیش قدمی شروع کر دی۔ ۱۶۲۱ء میں خرم دوبارہ دکن گیا اور مزید علاقہ حاصل کیا نیز پچاس لاکھ روپے نقد لیے۔

۴۔ نومبر ۱۶۲۰ء میں خرم اور راجا بکرماجیت نے کانگڑے کو فتح کیا۔

۵۔ ۱۶۲۱ء ہی میں کشتواڑ فتح ہوا۔

قندھار چھن گیا: اکبر نے ۱۵۹۴ء میں قندھار لیا تھا۔ اس وقت سے ایرانیوں کی نظر اس پر جمی ہوئی تھی اور وہ مناسب موقع کے انتظار میں تھے۔ جب خسرو نے بغاوت کی تو ایک ایرانی فوج قندھار پر بڑھی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ خسرو کی بغاوت جلد ختم ہو گئی۔ ایرانیوں کو محاصرے میں کامیابی نہ ہوئی تو شاہ ایران نے جہانگیر کے سامنے سرخرو ہونے کے خیال سے لکھ بھیجا کہ یہ حملہ میرے حکم کے بغیر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی دکھاوے کے لیے اپنے فوجی افسروں کو سخت سست کہا۔ جہانگیر اس پر مطمئن ہو گیا۔ پھر کابل پہنچا۔ غزنی اور قندھار کے درمیان کی سڑک درست کرائی تا کہ فوجوں کی آمد و رفت میں سہولت رہے۔ کئی محصول معاف کر دیے تا کہ لوگ خوش ہو جائیں اور ایرانیوں کو پھر

شرارت کا موقع نہ دیں، لیکن شاہِ ایران کے دل میں یہ بات جمی رہی کہ اکبر نے اچانک حملہ کر کے قندھار چھینا تھا، بدلے کی صحیح صورت یہی ہے کہ اچانک حملہ کر کے اسے واپس لیا جائے۔ چنانچہ پوری تیاری کر کے ۱۶۲۱ء میں ایک ہلّہ بولا اور قندھار مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ جہانگیر کو اتنا غصہ آیا کہ ایک بڑی فوج تیار کر کے ایران کو فتح کر لینے کی ٹھان لی۔ اس اثنا میں نور جہاں کے جوڑ توڑ نے شہزادہ خرم کو بغاوت پر آمادہ کر دیا اور یہاں ایسی حالت پیدا ہو گئی کہ ایران سے بدلہ لینے کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔

نور جہاں کے جوڑ توڑ: نور جہاں کے باپ میرزا غیاث بیگ کو اعتماد الدولہ کا خطاب ملا اور وہ جہانگیر کا مشیرِ خاص بن گیا۔ بیگم کے بھائی ابوالحسن نے آصف خاں کا خطاب پایا۔ اس کی بیٹی ارجمند بانو بیگم کی شادی شہزادہ خرم سے ہو گئی، جو اگرچہ جہانگیر کا تیسرا بیٹا تھا، لیکن ان سب میں قابل سمجھا جاتا تھا اور اسی کے ولی عہد بننے کی امید تھی۔ جہانگیر نے پہلے اسے شاہ کا خطاب دے کر دکن کی مہم پر بھیجا تو ایک لاکھ روپے کی تلوار اور چالیس ہزار کا خنجر عطا کیا۔ دکن سے وہ کامیاب واپس آیا تو شاہ جہاں کا خطاب اور تیس ہزاری منصب دیا۔ میرزا غیاث بیگ کی زندگی تک نور جہاں اور آصف خاں میں یک جہتی تھی۔ نور جہاں شہزادہ خرم کی طرف دار تھی۔ آصف خاں اس پر بہت خوش تھا، اس لیے کہ جہانگیر کے بعد تخت کا وارث خرم ہی بننے والا تھا اور آصف خاں کی بیٹی ہندوستان کی ملکہ بنتی۔ میرزا غیاث بیگ فوت ہوا تو بہن بھائی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ نور جہاں نے اپنی بیٹی لاڈلی بیگم (جو شیر افگن کی بیٹی تھی) کی شادی جہانگیر کے سب سے چھوٹے فرزند شہریار سے کرا دی۔ اب بہن بھائی اپنی اپنی بیٹیوں کو تخت دلانے کی کوششیں کرنے لگے۔ نور جہاں نے خرم کا ساتھ چھوڑ کر شہریار کو ولی عہد بنانے کی سکیم تیار کر لی۔ آصف خاں، جہانگیر کی زندگی میں نور جہاں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، اس لیے اس نے دورُخی پالیسی اختیار کر لی۔ ظاہر میں بیگم کی حمایت کا دم بھرتا، خفیہ خفیہ خرم کو کامیاب بنانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا۔

خرم کی سرکشی: نور جہاں نے اب خرم کو پیچھے ہٹا کر شہریار کو آگے بڑھانے کی کوشش اس تیزی سے شروع کر دی کہ خرم کے لیے دو راستے رہ گئے: یا تو تخت و تاج سے محرومی قبول کر لے یا میدانِ جنگ میں کُل کر نور جہاں کے اثر و رسوخ کو توڑے اور اپنی ولی عہدی کا فیصلہ تلوار کے زور سے کرے۔ اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ اس نے بغاوت کی لیکن شکست کھائی اور مالوے

ہوتا ہوا دکن کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں ملک عنبر سے امداد لینی چاہی۔ اس میں کامیاب نہ ہوا تو تلنگانہ کے راستے بہار پہنچا اور رہتاس کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ الہ آباد کے شاہی افسروں کا دباؤ پڑا تو پھر دکن کی جانب پلٹا۔ وہاں پہنچ کر بیمار ہو گیا۔ دل ٹوٹ چکا تھا، امیدیں ختم ہو چکی تھیں، لہٰذا باپ سے معافی مانگی۔ معافی اس شرط پر ملی کہ رہتاس اور اسیر کے قلعے بادشاہ کے حوالے کر دے اور اپنے دو بیٹوں دارا شکوہ اور اورنگ زیب کو دربار میں بطور یرغمال بھیج دے۔ تیسرا بیٹا شجاع پہلے سے جہانگیر کے پاس تھا۔ خرم نے یہ شرطیں مان لیں اور خود ناسک میں جا بیٹھا۔

مہابت خاں کا ہنگامہ: اب ظاہر میں نور جہاں کی سکیم کامیاب ہو چکی تھی۔ خسرو مر چکا تھا۔ جہانگیر کا دوسرا بیٹا پرویز عیش و عشرت کا عادی تھا اور اس میں کسی قسم کی قابلیت نہیں تھی، نیز بادشاہ بننے کے ولولے اس میں موجود نہ تھے۔ خرم جو ولی عہد کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا، معتوب ہو چکا تھا۔ شہریار کی ولی عہدی اب صرف ایک اشارے کی محتاج رہ گئی تھی۔ البتہ احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ پرویز کا کانٹا بھی راستہ سے ہٹا دیا جائے، جو اس وقت برہان پور میں بیٹھا تھا اور جہانگیری عہد کا مشہور سپہ سالار مہابت خاں اس کے پاس تھا۔

مہابت خاں صاف دل سپاہی تھا۔ وہ پہلے سے نور جہاں کے اقتدار کا مخالف چلا آتا تھا بلکہ ایک موقع پر جہانگیر سے اپنے دل کی بات کہہ بھی چکا تھا۔ نور جہاں نے اب پرویز اور مہابت خاں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے لیے قدم اٹھایا اور حکم بھیج دیا کہ مہابت خان یا تو بنگال چلا جائے یا دربار میں حاضر ہو جائے۔ اس کے خلاف کچھ الزام بھی تراش لیے گئے۔ مہابت خاں کو فرمان ملا تو چار ہزار وفادار راجپوتوں کو ساتھ لے کر جہانگیر کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے برہان پور سے چلا۔ بادشاہ اس زمانے میں کشمیر سے واپس ہو کر کابل جا رہا تھا اور دریائے جہلم پر پہنچا ہوا تھا۔ سارا ساز و سامان، فوج اور افسر دوسرے کنارے پر جا چکے تھے۔ خود بادشاہ جانے والا تھا کہ مہابت خاں پہنچا۔ اس نے دو ہزار راجپوتوں کو پل پر کھڑا کر کے حکم دیا کہ کسی کو جانے آنے نہ دیں۔ بادشاہ کے خیمہ کو گھیر لیا اور خود حاضر ہو کر عرض کیا کہ آصف خاں کی کینہ وری سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں رہی۔ میں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اگر موت کی سزا دینا چاہتے ہیں تو اپنے سامنے دیجیے۔

جہانگیر نے غصے کی حالت میں دو مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا، لیکن مشیروں نے

روک دیا۔ اس وقت سے بادشاہ مہابت کے قبضے میں آ گیا۔ نور جہاں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے اور لڑائی بھی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ آصف خاں ڈر کے مارے بھاگ کر اٹک کے قلعہ میں جا بیٹھا۔ نور جہاں بادشاہ کے پاس چلی آئی۔ پھر ایک تدبیر سے بادشاہ مہابت خاں کے حلقے سے آزاد ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مہابت خاں نے اس ساری مدت میں بادشاہ کے آداب کے خلاف کوئی بات نہ کی۔ اس نے جو کچھ کیا تھا، صرف اس غرض سے کیا تھا کہ خود اس کی عزت کو نقصان نہ پہنچے۔

جہانگیر کی وفات: اس اثنا میں پرویز نے بھی ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۶ء کو وفات پائی۔ شہزادہ خرم ناسک سے اُٹھ کر ٹھٹھہ چلا گیا تا کہ ممکن ہو تو پھر اپنی کامیابی کے لیے راستہ پیدا کر دے۔ یہ ممکن نہ ہو تو ایران چلا جائے اور شاہ عباس صفوی سے مدد لے کر ہندوستان کی حکومت حاصل کرے۔ جہانگیر نے مہابت خان کو حکم دیا کہ خرم کے تعاقب میں ٹھٹھہ جائے۔ وہ نکلا تو یہ خیال لے کر نکلا کہ خرم سے مل کر کام کرے۔ خرم ٹھٹھہ سے ناکام ہو کر پیچھے لوٹا۔ مہابت خاں پہلے میواڑ کے پہاڑوں میں رہا، پھر خرم سے جا ملا۔

یہ خبر نور جہاں کو ملی تو وہ بہت پریشان ہوئی۔ خرم اور مہابت خان کے اتحاد نے اس کی ساری سکیم کو خطرے میں ڈال دیا۔ وہ نیا قدم اٹھانے کی تیاریاں ہی کر رہی تھی کہ بادشاہ کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ کشمیر میں تھا۔ پالکی میں لاہور روانہ ہوا۔ ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو راستے میں راجوری کے مقام پر وفات پائی۔ میت کو اس کی وصیت کے مطابق راوی کے کنارے نور جہاں کے باغ میں دفن کیا گیا۔ بعد میں بیگم ہی نے اس کا مقبرہ بنوایا، جو لاہور میں مغل سلطنت کی ایک قیمتی یادگار ہے۔

سیرت: خوش ذوقی کے اعتبار سے جہانگیر کا پایہ مغل بادشاہوں میں سب سے بلند ہے۔ وہ رحم دل، شفیق، فراخ حوصلہ اور عادل بادشاہ تھا، اگرچہ بعض اوقات حالات کی مجبوری کے باعث اس سے سختیاں بھی سرزد ہوئیں۔ علوم و فنون کی سرپرستی میں کمی نہ کی۔ تہذیب و تمدن نے اس کے عہد میں فروغ پایا۔ اکبر کی طرح جہانگیر کے دربار میں اعلیٰ درجے کے عالم، ادیب، شاعر اور طبیب موجود تھے۔ وہ خود اچھا ادیب اور شاعر تھا۔ شعر کہنے کے بجائے شعر سمجھنے میں اس کا درجہ بہت اونچا تھا۔ بابر کے بعد اس نے بھی اپنے حالات لکھے، جو بعد میں تزکِ جہانگیری کے نام سے چھپ گئے۔ اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کی طرح جہانگیر کی نظر بھی بڑی دُور رس تھی۔ ہر بات کو

کرید کر اس کی تہہ تک پہنچنے کا اسے بڑا شوق تھا۔ بزرگانِ دین میں سے شیخ احمد سرہندی اگرچہ اکبر کے عہد میں پیدا ہوئے، لیکن ان کی عام شہرت جہانگیر ہی کے زمانے میں ہوئی۔ فوج و دربار کے بڑے بڑے رکن اور مختلف صوبوں کے اکثر کارکن شیخ موصوف کے دامن سے وابستہ تھے۔ جہانگیر نے ایک مرتبہ غلط فہمیوں کی بنا پر شیخ کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا تھا۔ پھر حقیقت اس پر کھل گئی تو عزت کے ساتھ رہا کیا۔ کچھ مدت تک اپنے ساتھ رکھا اور بڑی عقیدت سے پیش آتا رہا۔

جہانگیر ہی کے زمانہ میں انگریز نمائندہ پہلے پہل مغل دربار میں پہنچا۔ اس کا نام ولیم ہاکنز تھا۔ ۱۶۰۸ء میں وہ آگرے آیا اور جیمس اوّل شاہِ انگلستان کی طرف سے پچیس ہزار اشرفیوں کی نذر پیش کی۔ وہ ترکی اور فارسی بے تکلف بولتا تھا۔ ۱۶۱۵ء میں سر ٹامس رو سفیر بن کر آیا۔

اولاد: جہانگیر کے چار بیٹے تھے۔ دو بیٹے خسرو اور پرویز اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ تیسرا خرم تھا جو شاہجہاں کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ چوتھے کا نام شہریار تھا، جسے نور جہاں نے بادشاہ بنانے کی کوشش کی، اسی وجہ سے وہ مارا گیا۔

☆.....☆.....☆

چھٹا باب

شہاب الدین محمد شاہجہان

(۱۶۲۸ء۔۱۶۵۸ء)

تخت کے لیے کشمکش: ہم بتا چکے ہیں کہ جہانگیر کی وفات کشمیر سے لاہور آتے ہوئے راستے میں ہوئی تھی۔ اس وقت شاہجہاں دکن میں تھا۔ اس کے تین بیٹے اور شاہی خاندان کے دوسرے شہزادے نور جہاں بیگم کے ساتھ تھے۔ شہریار لاہور میں تھا۔ بیگم نے شہزادوں پر کڑی نگرانی کا بندوبست کر دیا۔ شہریار کو لکھا کہ فوج تیار کر لو۔ آصف خاں نے ایک تیز رفتار قاصد شاہجہاں کے پاس دکن میں بھیج دیا کہ جلد سے جلد آگرے پہنچ جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی شہزادوں کو بیگم کی نگرانی سے نکال دیا اور عارضی طور پر خسرو کے بیٹے داور بخش کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔

شہریار نے مقابلہ کیا، شکست کھائی اور پکڑا گیا۔ شاہجہاں باپ کی وفات سے چار ماہ بعد آگرے پہنچ کر بادشاہ بن گیا۔ ''شہاب الدین محمد شاہ جہاں صاحب قران ثانی'' لقب اختیار کیا۔ پھر داور بخش، شہریار اور دوسرے شہزادے اس کے حکم سے لاہور میں قتل کر دیے گئے۔

نور جہاں کا آخری دَور: نور جہاں بازی ہار چکی تو دنیا کے دھندوں سے الگ ہو گئی۔ پھر زندگی کے آخری سانس تک کسی سیاسی معاملے سے سروکار نہ رکھا۔ ۱۶۱۱ء میں اس کا عروج شروع ہوا تھا۔ سولہ برس تک مغل سلطنت کے ہر فرد کی گردن اس کے سامنے جھکی رہی۔ جب اس اقتدار کو قائم رکھنے کی ساری چالیں ناکام ہو گئیں تو صبر کر کے بیٹھی رہی۔ پھر کبھی رنگین لباس نہ پہنا۔ اپنی خوشی سے شادمانی کی کسی مجلس میں شریک نہ ہوئی۔ لاہور ہی میں رہنے سہنے لگی تھی۔ دن میں ایک مرتبہ ضرور جہانگیر کی قبر پر جاتی۔ اپنے لیے پاس ہی ایک الگ مقبرہ بنوا لیا تھا۔ ۱۶۴۲ء میں یعنی جہانگیر سے پندرہ برس بعد فوت ہوئی۔ اپنے دورِ عروج میں عورتوں کے لیے نئے نئے لباس، نئے نئے زیورات اور خانہ آرائی کی کئی نئی چیزیں ایجاد کیں۔

شاہجہاں کی تخت نشینی: شاہجہاں ۱۱ فروری ۱۶۲۸ء کو تخت نشین ہوا اور بڑی فراخ دلی سے انعامات دیے۔ اپنی بیگم ارجمند بانو کو ممتاز محل کا خطاب، دو لاکھ اشرفی اور چھ لاکھ روپے انعام، دس لاکھ کی جاگیر، بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم کو ایک لاکھ اشرفی اور چار لاکھ روپے انعام، چھ لاکھ کی جاگیر دی۔ آصف خاں نے یمین الدولہ خطاب، ہشت ہزاری ذات وسوار کا منصب، مہابت خاں نے خانخاں خطاب اور ہفت ہزاری ذات وسوار کا منصب پایا۔

بغاوتیں: شاہجہاں نے کوئی شہزادہ تو باقی ہی نہیں چھوڑا تھا جو تخت کا دعویٰ دار بن سکتا، البتہ دو بغاوتیں اٹھیں، جنہیں فرو کر دیا گیا۔ نیز پرتگیزوں کو شرارتوں کی سخت سزا ملی۔ ان واقعات کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

۱۔ پہلی بغاوت جھار سنگھ بندھیلے کی تھی، جس کے باپ نرسنگھ دیو بندھیلہ نے جہانگیر کے ایما پر ابوالفضل کو قتل کر کے بڑا انعام پایا تھا اور متھرا میں ایک مندر بنا دیا تھا، جو بعد میں ہندوؤں کے سیاسی جوڑ توڑ کا مرکز بنا۔ جھار سنگھ کے دل میں جہانگیر کی وفات اور شاہجہاں کی تخت نشینی کے درمیانی وقفے میں سرکشی کا خیال پیدا ہوا۔ جب شاہجہاں نے سارے انتظامات سنبھال لیے تو جھار سنگھ نے ظاہر میں فرمانبرداری قبول کر لی۔ آگرہ بھی آیا، لیکن بادشاہ سے اجازت لیے بغیر دکن چلا گیا۔ وہاں سے آ کے بکرماجیت کو بندھیل کھنڈ بھیج دیا۔ بکرماجیت نے ایک پڑوسی ریاست کے راجا کو مار کر اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ نیز خان جہاں لودھی نے بغاوت کی تو اُسے اپنے علاقے سے گزار کر دکن پہنچا دیا۔ شاہجہاں نے تین بڑے سردار بندھیلے کی سرکوبی کے لیے بھیجے۔ شہزادہ اورنگ زیب اس مہم کا سپہ سالار تھا۔ بندھیلوں نے شکست کھائی۔ جھار اور بکرماجیت دونوں مارے گئے۔

۲۔ خان جہاں لودھی اکبر کے امیر دولت خاں لودھی کا فرزند اور پنج ہزاری امیر تھا۔ جہانگیر کے زمانہ میں گجرات اور دکن کا گورنر رہا۔ دکن کی گورنری کے زمانہ میں نظام شاہیوں سے تین لاکھ روپے لے کر بالا گھاٹ کے مغل علاقے انہیں دے دیے تھے۔ شاہجہاں نے تخت نشینی کے بعد اسے حسنِ سلوک سے رام کرنا چاہا لیکن اس کا دل صاف نہ ہوا۔ آگرے سے بھاگا، شاہی فوج نے پیچھا کیا۔ دھول پور میں شکست کھا کر خان جہاں

بندھیلوں کے علاقہ سے گزرتا ہوا نظام شاہی سلطنت میں پہنچ گیا۔ تعاقب جاری رہا۔ اس کے سپاہی بکھرتے گئے، آخر وہ خود اور اس کا بیٹا بھی مارے گئے۔

۳۔ پرتگیزوں کو ایک مرتبہ جہانگیر کے عہد میں سخت سزا مل چکی تھی۔ شاہ جہاں کے عہد میں انہوں نے بنگال میں اودھم مچا دیا۔ انہیں تجارت کی اجازت تھی۔ سامان بیچنے اور خریدنے کے سلسلے میں وہ دریا کے راستے ملک کے اندر دُور دُور تک جا سکتے تھے۔ پھر وہ غریب لوگوں کو زبردستی پکڑ کر عیسائی بنانے یا غلام بنا کر فروخت کرنے لگے۔ ۱۶۳۲ء میں شاہجہاں نے حکم دے دیا کہ ان کو سخت سزا دی جائے۔ ہگلی میں ان کے قلعے کا محاصرہ ہوا، دس ہزار پرتگیز مارے گئے، چار ہزار چار سو گرفتار ہوئے۔ دس ہزار ہندوستانیوں کو ان کی قید سے نجات دلائی گئی۔

بلخ و بدخشاں کی جنگ: مغل ہندوستان کے مالک بن چکے تھے۔ لیکن ان کے دل سے اپنے وطن کی یاد کبھی نہ مٹی۔ برابر یہ آرزو رہی کہ موقع ملے تو اسے بھی سلطنت میں شامل کر لیں۔ شاہجہاں کے عہد میں ایک موقع پیدا ہوا تو اس سے فائدہ اُٹھانے میں تأمل نہ کیا گیا۔

بخارا کے نیک دل بادشاہ امام قلی نے لمبی حکمرانی کے بعد تخت و تاج چھوڑ کر زندگی کے باقی دن مدینے شریف میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا اور حکومت کا کاروبار اپنے بھائی نذر محمد خاں کے حوالے کر دیا جو بلخ کا گورنر تھا۔ نذر محمد خاں کے طور طریقے امام قلی سے بالکل مختلف تھے۔ بخارا والے اس سے بیزار ہونے لگے تو نذر محمد خاں نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو بادشاہ بنا کر خود پہلے کی طرح بلخ کی گورنری سنبھال لی۔ اس ردّ و بدل میں ملکی انتظام بگڑ گیا۔ شاہجہاں نے جون ۱۶۴۲ء میں اپنے بیٹے مراد بخش کو پچاس ہزار سوار اور دس ہزار پیادے دے کر بلخ بھیج دیا۔ نذر محمد خاں ایران کی طرف بھاگ گیا اور بلخ مغلوں کے قبضے میں آ گیا۔ مراد نے وہاں بیٹھ کر انتظام کو درست کرنے کے بجائے واپسی کی ٹھان لی۔ اُسے ہندوستان کی رنگین محفلیں یاد آنے لگیں، جیسی کوئی محفل بلخ میں موجود نہ تھی۔ لاڈلا بیٹا تھا، جی اکتایا تو باپ سے اجازت لیے بغیر واپس آ گیا۔

اورنگ زیب کی سالاری: شاہجہاں نے مراد کی جگہ اورنگ زیب کو بلخ بھیج دیا۔ اس اثنا میں نذر محمد خاں واپس بلخ آ چکا تھا اور بخارا سے عبدالعزیز خاں ترکمانوں کے بھاری جتھے لے کر باپ کی امداد کے لیے پہنچ گیا تھا۔ اس طرح اورنگ زیب کے لیے خاصی مشکلات پیدا ہو چکی تھیں،

لیکن وہ پریشان نہ ہوا۔ تین روز بلخ میں رہ کر اردگرد کے انتظامات درست کیے۔ پھر فوج لے کر ازبکوں کے مقابلے کے لیے شمال کی طرف روانہ ہو گیا۔ غنیم شہزادے کے رستے سے ہٹ گیا۔ پھر اپنی ایک فوج کو دوسرے راستے شہزادے کے عقب میں بھیج کر اسے نرغے میں لے لیا۔ اورنگ زیب اگر آگے بڑھتا تو غنیم بلخ پر حملہ کر دیتا، اس لیے وہ پلٹا۔ عبدالعزیز خاں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ راستہ چھوڑ کر دونوں جانب کی پہاڑیوں پر چڑھ جائیں اور مغل فوج پر تیروں کا مینہ برساتے رہیں۔ اس طرح بڑی مشکل پیدا ہو گئی، لیکن اورنگ زیب اپنی فوج کے ساتھ تمام سختیاں جھیلتا ہوا پیش قدمی کرتا رہا۔ نماز کا وقت آیا تو خطرے سے بے پروا ہو کر ہاتھی سے اترا، مصلے بچھا کر اطمینان کے ساتھ نماز میں مشغول ہو گیا۔ عبدالعزیز خاں نے یہ نظارہ دیکھا تو اپنے آدمیوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دے دیا۔ ساتھ ہی کہا کہ ایسے شخص سے جنگ تقدیر کے خلاف لڑائی ہے۔ چنانچہ صلح ہو گئی اور بلخ نذر محمد خاں کو دے دیا گیا۔

قندھار کا قضیہ: قندھار آخری مرتبہ جہانگیر کے زمانے میں چھنا تھا اور شاہجہاں کی بغاوت کے باعث اس کی بازیافت کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا۔ شاہجہاں نے بادشاہ بن کر اسے بھی واپس لینے کی کوشش جاری رکھی۔ ۱۶۳۸ء میں قندھار کے ایرانی گورنر علی مردان خاں نے اپنے بادشاہ سے ناراض ہو کر خفیہ خفیہ شاہجہاں سے نامہ و پیغام شروع کر دیا اور قندھار کو مغلوں کے حوالے کر کے خود ہندوستان چلا آیا۔ دس برس کے بعد ایرانیوں کو موقع ملا تو وہ پھر قندھار پر قابض ہو گئے۔ شاہ جہاں نے یکے بعد دیگرے تین مرتبہ مہمیں بھیجیں۔ دو مہموں کے سردار سعد اللہ خاں وزیر اعظم اور شہزادہ اورنگ زیب تھے، تیسری مہم کی سالاری شہزادہ دارا شکوہ کے حوالے کی گئی تھی۔ لیکن تینوں مہمیں ناکام رہیں اور قندھار پر ایرانیوں کا قبضہ پکا ہو گیا۔

دکن کے حالات: ہم جہانگیر کے حالات میں بتا چکے ہیں کہ مغل احمد نگر لے چکے تھے اور نظام شاہیوں نے دولت آباد کو مرکزِ حکومت بنا لیا تھا۔ ۱۶۲۶ء میں ملک عنبر فوت ہوا تو نظام شاہی سلطنت میں دوبارہ ابتری شروع ہو گئی۔ پھر عادل شاہیوں اور نظام شاہیوں میں جنگ چھڑی تو ملک عنبر کے بیٹے فتح خاں نے مغلوں سے امداد مانگی۔ بعد میں عادل شاہیوں کے ساتھ صلح کر کے مغلوں کی مخالفت کے لیے تیار ہو گیا۔ مغل فوج نے دولت آباد کو محاصرے کے بعد لے لیا اور نظام شاہی ریاست مغل سلطنت میں شامل ہو گئی۔ بیجاپور اور گولکنڈے نے بھی خراج دینا منظور کر لیا اور

خطبے میں شاہجہاں کا نام شامل ہو گیا۔

اس کے بعد دکن میں مغلوں کے چار صوبے بن گئے۔

۱۔ صوبہ دکن جس کا مرکز دولت آباد تھا اور یہی شہر مغلوں کے سارے دکنی مقبوضات کا مرکز تھا۔

۲۔ تلنگانہ۔

۳۔ خاندیش جس کا مرکز برہان پور تھا۔

۴۔ برار جس کا مرکز الیچ پور تھا۔

ان کی آمدنی دو ارب دام یا پانچ کروڑ روپے تھی۔ ۱۶۳۶ء میں شاہجہاں نے شہزادہ اورنگ زیب کو دکن کا ناظم بنایا۔

اورنگ زیب کی نظامت دکن: اورنگ زیب شہزادگی کے زمانہ میں دو مرتبہ دکن کا ناظم بنا۔ پہلی مرتبہ ۱۶۳۶ء سے ۱۶۴۴ء تک، دوسری مرتبہ ۱۶۵۳ء سے ۱۶۵۸ء تک۔ پہلی مرتبہ اس نے سارے ملک کا انتظام درست کیا، تمام خرخشے مٹا دیے اور مغلوں کے پاؤں خوب جم گئے۔ پھر وہ آگرے پہنچا تو ملازمت سے استعفےٰ دے کر خانہ نشین تھا۔ یہ استعفےٰ اصل میں دارا شکوہ کی غلط شکایتوں کا نتیجہ تھا جنہیں شاہجہاں چھان بین کیے بغیر صحیح سمجھتا رہا۔ پھر جہاں آرا بیگم کی سفارش پر اورنگ زیب کو گجرات کی حکومت ملی۔ بعد میں وہ بلخ کی مہم پر گیا، ملتان کا حاکم رہا، قندھار پر دو مرتبہ حملہ آور ہوا۔ ۱۶۵۲ء میں اسے دوبارہ دکن کی حکومت ملی۔ اس وقت گولکنڈے کے فرمانروا کے ذمے خراج کی رقم باقی تھی۔ اس کے وصول ہونے میں دیر لگی، تو اورنگ زیب نے اپنے بیٹے محمد سلطان کو فوج دے کر گولکنڈے بھیج دیا۔ ۱۶۵۶ء میں بیجاپور کا پادشاہ فوت ہوا تو وہاں افراتفری پھیل گئی۔ اورنگ زیب نے انتظام کی درستی کے لیے قدم اٹھایا تو لڑائی شروع ہو گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ گولکنڈے اور بیجاپور کی سلطنتیں کمزور ہو چکی تھیں۔ ان کا انتظام بگڑا ہوا تھا۔ مرہٹے سر اٹھا کر تاخت و تاراج کر رہے تھے۔ اورنگ زیب پر روشن ہو چکا تھا کہ ان سلطنتوں کا انتظام درست نہ ہوا تو مرہٹے قوت حاصل کر لیں گے اور جنگوں کا نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس لیے وہ چاہتا تھا یا تو ان سلطنتوں کا انتظام درست ہو جائے یا انہیں مغل سلطنت میں شامل کر جائے۔ بہ ہر حال اس نے بیجاپور کے کئی قلعے فتح کر کے مرکزِ حکومت کا محاصرہ کر لیا۔ بیجاپور والوں

نے دارا شکوہ کے ذریعے شاہی دربار سے بات چیت شروع کر دی۔ مجبور ہو کر اورنگ زیب نے سوا کروڑ کی رقم تاوان لے کر صلح کر لی۔ بیدر، کلیانی اور پرنیدہ کے قلعے اپنے قبضہ میں رکھے۔

شاہجہاں کی بیماری: یہ حالات تھے جب شاہجہاں اچانک دہلی میں بیمار ہوا اور بیماری نے اتنی نازک صورت اختیار کر لی کہ مشہور ہو گیا بادشاہ مر چکا ہے اور دارا شکوہ نے تمام معاملات پر قابو پا لینے کی غرض سے اس واقعہ کو چھپا رکھا ہے۔ اس پر بھائیوں میں تخت نشینی کے لیے جنگ شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہجہاں کو زندگی کے باقی دن نظر بندی میں گزارنے پڑے اور اورنگ زیب بھائیوں کو شکست دے کر ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

ممتاز محل سے شاہجہاں کے چودہ بچے ہوئے۔ ان میں سے سات بڑے ہوئے، چار بیٹے اور تین بیٹیاں۔ بیٹیوں میں سے دو نے شہرت پائی: اول جہاں آرا بیگم جو سب سے بڑی تھی۔ شاہجہاں نے ممتاز محل کی وفات کے بعد اسی کو محل کی مختار بنا دیا تھا۔ اس نے بھی باپ کی زندگی کے آخری سانس تک اس کا دامن نہ چھوڑا۔ دوسری بیٹی روشن آرا بیگم تھی، جسے اورنگ زیب کی طرف دار سمجھا جاتا تھا۔ تیسری بیٹی نے گمنامی میں زندگی بسر کی۔ بیٹوں کی کیفیت یہ تھی۔

۱۔ دارا شکوہ سب سے بڑا تھا۔ تعلیم اچھی پائی تھی۔ جنگ اور ملک داری کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ شان و شوکت اور خوشامد کو بہت پسند کرتا تھا۔ تصوف اور ویدانت کی کتابیں پڑھ کر معرفت کا دم بھرنے لگا۔ شاہجہاں کی رائے اس کے متعلق یہ تھی کہ وہ نیکوں کا دشمن اور بُروں کا دوست ہے۔

۲۔ دوسرے بیٹے شجاع کی ابتدائی زندگی جہانگیر کے پاس گزری۔ دادا سے عیش و راحت کی لت پڑی۔ اسے بنگال کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اس عہدے پر بیس برس گزار دیے۔ شاہجہاں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ اس میں سیر چشمی کے سوا کوئی وصف نہیں۔

۳۔ سب سے چھوٹا مراد، تہور میں تمام بھائیوں سے بڑھا ہوا تھا لیکن سخت کوتاہ اندیش اور خود رائے تھا۔ سمجھ کا یہ حال تھا کہ خوشامدی جو کچھ کہہ دیتے، اس کو صحیح مان لیتا۔ عیش و عشرت کا اتنا عادی تھا کہ رات دن نشے میں مست رہتا۔

اورنگ زیب: تیسرا بیٹا اورنگ زیب بے مثال بہادر، اس کے ساتھ دور اندیش، بردبار اور انکسار پسند تھا۔ چودہ برس کی عمر میں مست ہاتھی سے جنگ کر کے تیموری خاندان کی شانِ بہادری

کو چار چاند لگا دیے۔ پندرہ برس کی عمر سے ملکی کاموں میں حصہ لینے لگا۔ پھر سارا وقت جنگ اور ملک داری کے مشغلوں میں بسر کیا۔ جہاں جہاں حکومت کی، تھوڑی ہی مدت میں ملک کی رونق اور آبادی بڑھا دی۔ تمام علوم شوق سے پڑھے۔ طبیعت لڑکپن سے پرہیز گاری کی طرف مائل تھی۔ ہر عیب سے عمر بھر پاک رہا۔ مردم شناس ایسا تھا کہ ایک ہی نظر میں ہر شخص کے جوہروں کا اندازہ کر لیتا۔ شہزادہ ہونے کے باوجود زندگی بڑی سادی تھی۔ میدانِ جنگ میں عام سپاہیوں کے برابر مشقت اُٹھاتا اور سب کو فراخ دلی سے خدمات کے صلے دیتا، اس لیے سپاہی اور افسر اس کے گرویدہ بن گئے۔ خود شاہجہاں نے ایک موقع پر رائے ظاہر کی تھی کہ سلطنت کا کاروبار سنبھالنے کی قابلیت صرف اس میں نظر آتی ہے۔ اورنگ زیب کے انہیں یگانہ اوصاف کے باعث دارا شکوہ کے دل میں اس کے متعلق نفرت بیٹھ گئی، جو عمر بھر نہ نکلی۔

دارا شکوہ سے صرف اورنگ زیب ہی کو خطرہ نہ تھا بلکہ مراد اور شجاع بھی پریشان تھے۔ اسی لیے ۱۶۵۳ء میں تینوں نے باہم عہد و پیمان کر لیا تھا کہ اگر دارا شکوہ کسی ایک کے حقوق پر چھاپا مارنا چاہے تو تینوں اکٹھے ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

شہزادوں کی کارروائیاں: شاہجہاں کی بیماری کے وقت دارا شکوہ دربار میں تھا، اورنگ زیب دکن میں، شجاع بنگال میں اور مراد گجرات میں۔ بادشاہ کے بیمار ہوتے ہی دارا شکوہ نے شجاع، اورنگ زیب اور مراد کے وکیلوں کو، جو دربار میں رہتے تھے، قید کر دیا اور ہرکاروں کی آمد و رفت روک دی۔ اس طرح اپنے خیال کے مطابق اس نے یہ بندوبست کیا کہ کوئی خبر باہر نہ جانے پائے، لیکن روک تھام کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی۔ نیز اورنگ زیب اور مراد کو لڑانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ دکن کی نظامت سے ایک علاقے کا پروانہ مراد کے پاس بھجوا دیا۔ آخر میں ایک فوج شجاع کے مقابلے کے لیے بنارس بھیج دی، دوسری فوج کو اورنگ زیب اور مراد کی راہ روکنے کے لیے مالوے کی جانب روانہ کر دیا۔

شجاع اور مراد نے باپ کی وفات کا سانحہ سنا تو اس کی تصدیق کا انتظار بھی نہ کیا اور اپنے اپنے علاقوں میں بادشاہی کے اعلان کر دیے۔ اورنگ زیب نے ایسا کوئی قدم نہ اٹھایا، البتہ وہ دہلی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ مراد کا خط پہنچا تو اسے بھی دہلی چلنے کا مشورہ دیا۔

شاہجہاں کی طبیعت ذرا سنبھلی تو دارا شکوہ اسے اس غرض سے آگرے لے گیا کہ شاید

آب و ہوا کی تبدیلی سے صحت کو فائدہ پہنچے۔ اس اثنا میں شجاع، اورنگ زیب اور مراد اپنے مرکزوں سے دہلی کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ سب کے ساتھ فوجیں تھیں، اس لیے کہ کسی کو معلوم نہ تھا آگے کیا پیش آنے والا ہے۔ شاہجہاں کو غالباً ان حالات سے بے خبر رکھا گیا اور آگرے پہنچنے تک معلوم نہ ہوا کہ بیٹے کیا کیا قدم اٹھا چکے ہیں۔

جنگ کا آغاز: شجاع کے مقابلے کے لیے دارا نے جو فوج بھیجی تھی، اس کا سپہ سالار اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کو بنایا تھا۔ نیز راجا جے سنگھ کو اس کے ساتھ کر دیا تھا۔ بنارس کے قریب بہادر پور میں شجاع شکست کھا کر پیچھے کی طرف بھاگ گیا۔ دارا کی دوسری فوج کے کماندار راجا جسونت سنگھ اور قاسم خاں تھے، جو اجین پہنچ گئے۔ اورنگ زیب اور مراد اپنے اپنے صوبوں سے نکل کر اکٹھے ہو گئے۔ آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ دارا کی فوج راستہ روکے کھڑی ہے۔ شہزادوں نے ہر چند کہا کہ ہم باپ کی مزاج پرسی کے لیے جا رہے ہیں اور لڑائی مقصود نہیں۔ جسونت سنگھ نہ مانا۔ آخر جنگ ہوئی جو جنگ دھرمات کہلاتی ہے۔ جسونت سنگھ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اورنگ زیب نے اس جگہ ایک سرائے بنوادی تھی۔ بعد میں ایک قصبہ آباد ہو گیا، جس کا نام فتح آباد رکھا گیا۔ یہ مقام اجین سے چودہ میل پر ہے۔

سموگڑھ کی لڑائی: شہزادے دھرمات سے چل کر گوالیار پہنچے تو معلوم ہوا کہ دارا کی فوج چنبل ندی کا گھاٹ روکے بیٹھی ہے۔ اورنگ زیب نے دوسرے گھاٹ کا پتہ لگا لیا اور اس سے گزر کر اطمینان کے ساتھ آگرے پر پیش قدمی شروع کر دی۔ اس وقت تک شاہجہاں کو سارے حالات معلوم ہو چکے تھے۔ اس نے چاہا کہ لڑائیاں بند کر دے لیکن دارا نہ مانا۔ شاہجہاں اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ دارا کی رائے کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی ہمت نہ کر سکا اور بیٹوں کی خوفناک خوں ریزی کا تماشائی بننے پر مجبور ہو گیا۔ دارا کے انکار کے وجوہ یہ معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ اس کے پاس ساز و سامان بہت زیادہ تھا اور وہ مرکز کے خزانے پر قابض تھا، لہٰذا چاہتا تھا کہ بھائیوں کو مہلت دیے بغیر ان کا فیصلہ کر دے۔

۲۔ بڑے بڑے راجپوت سردار اس کا ساتھ دینے کا عہد کر چکے تھے۔

۳۔ سلیمان شکوہ کی فوج شجاع کو شکست دے کر فارغ ہو چکی تھی۔ دارا کہ یقین تھا کہ اورنگ زیب اور مراد بھی مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔

اورنگ زیب چنبل کو عبور کر آگرے پر بڑھا تو دارا مقابلہ پر نکلا۔ آگرے کے قریب سموگڑھ کے میدان میں، جہاں سرکاری شکارگاہ تھی، جنگ ہوئی۔ دارا نے شکست کھائی۔ اس لڑائی نے تاج و تخت کا فیصلہ کر دیا۔

شاہجہاں کی نظر بندی: دارا شکست کے بعد باپ سے ملے بغیر دہلی چلا گیا اور وہاں سے پنجاب پہنچ گیا تا کہ دوبارہ فوج جمع کر کے قسمت آزمائی کرے۔ اورنگ زیب آگرہ پہنچا تو شاہ جہاں نے ملاقات کے لیے قلعہ میں بلایا۔ شہزادہ جانے کے لیے تیار ہو گیا، لیکن اس کے مشیروں کو اطلاع مل چکی تھی کہ قلعے میں اس کی گرفتاری کے سامان مکمل ہو چکے ہیں۔ اورنگ زیب رُک گیا۔ پھر ایک ہرکارہ پکڑا آیا جس کے پاس سے ایک خط برآمد ہوا۔

شاہجہاں نے دارا کو لکھا تھا کہ دہلی میں ٹھہرے رہو، یہاں (آگرہ میں) سارا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ بعد میں ایک اور خط پکڑا گیا جس میں شاہجہاں نے حاکمِ پنجاب کو لکھا تھا کہ وہ دارا کی مدد میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے۔

خطوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ باپ کا دل صاف نہیں، اس وجہ سے ملاقات رُک گئی۔ آگے بڑھنے سے پیشتر ضروری تھا کہ شاہجہاں کے لیے کسی حرکت کا موقع نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اپنے بیٹے محمد سلطان کو بھیجا کہ قلعے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ساتھ ہی تاکید کر دی کہ شاہجہاں کے ادب میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اس طرح شاہجہاں نظر بند ہو گیا۔ بوڑھا ہو چکا تھا۔ بیماری نے کمزور کر دیا تھا۔ نظر بندی پر اتنا غصہ آیا کہ تدبر اور دُور اندیشی کھو بیٹھا۔ غصے میں پہلے مراد کو ہندوستان کی سلطنت کا لالچ دیا تا کہ وہ اورنگ زیب سے لڑ پڑے۔ پھر شجاع کو لکھا کہ اصل مالک تاج و تخت تم ہو۔ آخر میں اپنے پوتے محمد سلطان کو باپ (اورنگ زیب) کے خلاف اُبھارنے کی کوشش کی۔ ان حرکتوں کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ لڑائی جاری رہتی۔ یہی ہوا اور شاہجہاں کی خاندان پر بڑی تباہی آئی۔ اگر شاہجہاں ذرا بردباری سے کام لیتا تو جنگ بھی رُک جاتی، بہت سی جانیں بھی نہ جاتیں اور غالباً خود اسے بھی نظر بندی سے سابقہ نہ پڑتا۔

بعد کے واقعات: بعد کے واقعات کی مختصر کیفیت یہ ہے:

۱۔ مراد کو خوشامدیوں نے گمراہ کر کے اورنگ زیب کا مخالف بنا دیا۔ اسے گرفتار کرنے کے سوا چارہ نہ رہا، چنانچہ وہ گوالیار میں نظر بند ہوا۔

۲۔ شجاع نے دوبارہ فوج جمع کر کے اورنگ زیب سے لڑائی کی۔ کجوے کے میدان میں شکست کھائی۔ جب پیچھا کیا گیا تو اراکان کی طرف بھاگ گیا۔ پھر اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ خیال ہے کہ ساتھیوں سمیت اراکان میں مارا گیا۔

۳۔ دارا پنجاب سے سندھ اور وہاں سے گجرات پہنچا۔ گجرات کے گورنر نے مشورہ دیا کہ دکن کی طرف جانا چاہیے، لیکن دارا کو جسونت سنگھ کے وعدوں پر بڑا بھروسا تھا۔ نیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ شجاع سے بھی کوئی سلسلہ قائم کر چکا تھا۔ غرض فوج تیار کر کے دوبارہ لڑائی کے لیے نکلا۔ اجمیر میں جنگ ہوئی، نہ جسونت سنگھ نے مدد کی، نہ شجاع سے امداد ملی۔ شکست کھائی اور سندھ بھاگ گیا۔ وہاں سے ایران جانا چاہتا تھا۔ درۂ بولان کے جنوبی دہانے ڈھاڈر پہنچا ہوا تھا کہ وہاں کے رئیس نے اسے گرفتار کر کے اورنگ زیب کے حوالے کر دیا۔ دہلی میں اسے موت کی سزا ملی۔

۴۔ مراد تین برس نظر بند رہا۔ پھر ایک شخص نے اس کے خلاف خون کا دعویٰ کر دیا۔ عدالت نے موت کی سزا دی۔ دعویٰ دار نے خون بہا قبول نہ کیا اور مراد نے موت کی سزا بھگتی۔

۵۔ اورنگ زیب پہلے دہلی میں ۱۶۵۸ء میں پادشاہ بنا تھا۔ اس وقت شجاع اور داراشکوہ کے ساتھ آخری فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ جب سارے جھگڑے ختم ہو گئے تو ۱۳ مئی ۱۶۵۹ء کو باقاعدہ جلوس کی رسم ادا ہوئی۔ سموگڑھ کی لڑائی کے بعد شاہجہاں نے ایک تلوار تحفے کے طور پر بھیجی تھی جس کا نام "عالمگیر" تھا۔ اورنگ زیب نے اسی نام کو فال نیک سمجھتے ہوئے محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر کا لقب اختیار کیا۔

شاہجہاں کے آخری دن: شاہجہاں کی زندگی کا آخری دور بڑی تلخی میں گزرا۔ تین بیٹے کش مکشوں میں مرے۔ خود تخت کو چھوڑ کر نظر بندی قبول کرنی پڑی۔ اس زمانے میں جہاں آرا بیگم کے سوا اس کی تسکین کا سہارا کوئی نہ تھا۔ شہزادی اپنی خوشی سے باپ کے ساتھ ہو گئی اور زندگی کی ہر راحت کو اس کے لیے ٹھکرا دیا۔ اس نے عالمگیر اور شاہجہاں کے تعلقات نئے سرے سے درست کیے۔ اگرچہ دونوں میں ملاقات نہ ہوئی لیکن عالمگیر خطوں کے ذریعہ سے ضروری معاملات کے متعلق مشورے لیتا رہا۔ آٹھ برس کی نظر بندی کے بعد ۱۶۶۶ء میں شاہجہاں فوت ہوا اور اس کو

ممتاز محل کے پہلو میں روضۂ تاج میں دفن کیا گیا۔ وفات کی اطلاع پاتے ہی عالمگیر آگرے پہنچا۔ ماتم کی رسمیں ادا کیں۔ تمام درباریوں کو حکم دیا کہ جہاں آرا بیگم کی خدمت میں نذریں پیش کریں۔ پھر بہن کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔

سلطنت کا انتظام: شاہجہاں کے عہد میں انتظام کا عام ڈھانچا وہی رہا جو اکبر کے زمانے میں تھا۔ دکن کے صوبے پہلے تین تھے۔ پھر مزید علاقہ مل جانے پر چار صوبے بن گئے لیکن شاہجہاں کے ماتحت عوام کی خوشحالی میں بہت اضافہ ہو گیا اور سلطنت کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔ اس کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ شروع میں شاہجہاں نے اپنے خرچ کے لیے جو علاقے الگ کیے تھے، ان کی آمدنی ڈیڑھ کروڑ تھی۔ بیس برس بعد ان علاقوں کی آمدنی چار کروڑ ہو گئی۔

حکمرانی کے آغاز میں برہان پور، احمد آباد اور سورت میں قحط پڑ گیا۔ شاہجہاں نے ہر جگہ اپنے خرچ پر لنگر کھول دیے۔ احمد آباد میں قحط کا زور زیادہ تھا۔ وہاں پچاس ہزار روپے الگ ضرورت مندوں میں تقسیم کرائے۔ چند ہفتے برہان پور میں ٹھہرا۔ ہر ہفتے پیر کے دن پانچ ہزار روپے تقسیم کراتا۔ کشمیر میں ایک مرتبہ خشک سالی کے باعث جنسیں بہت گراں ہو گئیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اپنے بچے فروخت کر دیے۔ شاہجہاں نے فوراً امدادی تدبیریں اختیار کیں، دل کھول کر روپیہ بانٹا، تمام فروخت شدہ بچوں کی رقمیں اپنے پاس سے ادا کر کے انہیں والدین کے حوالے کر دیا۔ غریب کاشتکاروں کو بیلوں، بیج یا دوسری چیزوں کے لیے خزانے سے تقاوی دی جاتی تھی اور یہ روپیہ ہلکی قسطوں میں وصول کیا جاتا تھا۔

شاہجہاں کے زمانے میں سلطنت کا شکوہ و جلال کمال پر پہنچ گیا۔ اگرچہ عمارتوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا، قندھار کی مہمیں بھی بڑی رقم کھا گئیں، رعایا کی امداد میں بھی کوتاہی نہ ہوئی پھر بھی اس کے خزانے میں بائیس کروڑ روپے جمع ہو گئے۔ پندرہ سولہ کروڑ روپے کا سونا چاندی اور جواہرات تھے۔

تاج: شاہجہاں کو عمارتوں کا بڑا شوق تھا۔ مغلوں کے جن تعمیری کارناموں کو دیکھنے کے لیے مشرق و مغرب سے سیاح ہندوستان آتے ہیں، وہ اصل میں شاہجہاں ہی کے ہاتھوں انجام پائے۔ ان میں سب سے پہلا نمبر تاج کا ہے جو دنیا بھر کی عمارتوں میں بے مثال ہے۔ یہ شاہجہاں کی محبوب بیگم ممتاز محل کا مقبرہ ہے۔ بیگم نے شاہجہاں کی تخت نشینی سے سوا تین برس بعد جون

۱۶۳۱ء میں برہان پور میں وفات پائی۔ شاہجہاں کو اتنا قلق ہوا کہ ایک برس میں اس کے بالوں میں سفیدی آ گئی۔ ۱۶۳۲ء میں آگرے میں مقبرے کی تعمیر شروع ہوئی۔ گیارہ برس میں عمارت مکمل ہوئی۔ اس پر نو کروڑ ستر لاکھ روپے خرچ آئے۔ جن لوگوں نے خرچ کی مقدار کم لکھی ہے، انہوں نے صرف مزدوری کی رقم سامنے رکھی ہے۔ سنگِ مرمر یا دوسری بیش بہا چیزوں کی قیمتیں یا ان منصب داروں کی تنخواہیں خرچ میں شامل نہیں کیں جو گیارہ برس تک روضے کی تعمیر میں لگے رہے اور دوسرا کوئی کام نہ کیا۔

لال قلعہ اور دوسری چیزیں: ۱۶۳۹ء میں شاہجہاں نے آگرے کی جگہ دہلی کو پائے تخت بنانے کا فیصلہ کیا اور نئی دہلی کی بنیاد رکھی جس کا نام شاہجہاں آباد قرار پایا۔ سوا نو برس میں لال قلعہ اور اس کے اندر کی عمارتیں یعنی دیوانِ خاص، دیوانِ عام، مختلف محل اور تفریح گاہیں بنیں۔ قلعے سے ذرا فاصلے پر جامع مسجد تعمیر ہوئی۔ پھر بیگمات نے مسجدیں تعمیر کرائیں۔ مثلاً اکبر آبادی مسجد، فتح پوری مسجد۔ قلعے سے فتح پوری مسجد تک ایک کشادہ بازار بنا، جس کا نام چاندنی چوک رکھا گیا۔ اس کے بیچ میں سے نہر گزرتی تھی۔ دونوں طرف درخت لگا دیے گئے۔ اب اس کی پہلی سج دھج باقی نہیں رہی، صرف اس کا تذکرہ باقی رہ گیا لیکن پادشاہی کی اقبال مندی کے زمانے میں دنیا کا کوئی شہر اس جیسا پُر رونق بازار پیش نہیں کر سکتا تھا۔

آگرے کے قلعے میں موتی مسجد بنوائی، جس سے زیادہ خوبصورت عبادت گاہ روئے زمین پر موجود نہیں۔ لاہور میں شالامار باغ بنوایا، جو سکھوں کی دستبرد کے زمانے میں تباہ ہو گیا تاہم آج بھی ویسا باغ کہیں نہیں ملے گا۔ اس کے لیے دریائے راوی سے نہر نکال کر لاہور لائی گئی جو شالامار باغ کی سیرابی کے علاوہ آس پاس کے دوسرے باغوں اور دور دور تک کھیتوں کو سیراب کرتی تھی۔

شاہجہاں نے ایک نادر تخت بنوایا تھا جس کا نام تختِ طاؤس رکھا۔ ویسا تخت بھی آج تک کسی پادشاہ کو نصیب نہ ہوا۔ ایک کروڑ کی لاگت سے یہ تخت سات برس میں تیار ہوا تھا۔

شاہجہاں کے وزیر اور مشیر: شاہجہاں بھی اکبر کی طرح بڑا خوش نصیب تھا کہ اسے اعلیٰ درجے کے مدبّر ملک کا انتظام سنبھالنے کے لیے مل گئے۔ ابتدا میں آصف خاں مختار رہا۔ ۱۶۳۹ء میں علی مردان خاں قندھار سے آ گیا اور اوّل درجے کے مشیروں میں شامل ہو گیا، لیکن حسن انتظام میں

جس شخص کا حصہ سب سے بڑھ کر تعریف کے قابل ہے، وہ سعد اللہ خاں تھا۔ یہ چنیوٹ (ضلع جھنگ) کے ایک غریب گھرانے کا فرد تھا۔ لاہور میں تعلیم پائی۔ معمولی حیثیت میں شاہجہاں کے پاس ملازم ہوا۔ اپنی قابلیت کی بدولت چار برس میں وزیر اعظم بن گیا۔ پھر مرتے دم تک اسی عہدے پر قائم رہا۔ شاہجہاں کو اس سے اتنی محبت تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے بھی جدائی گوارا نہ کرتا۔ آصف خاں پہلے فوت ہو چکا تھا۔ علی مردان خاں اور سعد اللہ خاں ۱۶۵۶ء میں فوت ہوئے۔ اگر سعد اللہ خاں زندہ رہتا تو شاہجہاں کے بیٹوں میں کبھی جنگ نہ ہوتی۔

شاہجہاں نے علم و فن کی سرپرستی میں بھی شاہانہ نوازشوں سے کام لیا۔ ہر ملک سے اہلِ علم و فن ہندوستان کھنچے چلے آئے۔ اس کے ماتحت فارسی اور ہندی نظم و نثر، موسیقی، مصوری، طب، نجوم اور ہیئت کو خوب فروغ ہوا۔ کئی کتابیں تاریخ میں لکھی گئیں۔ سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں ہوا۔ الجبرا، مساحت اور ہندسے پر تصنیفات ہوئیں۔

سیرت: شاہجہاں نیک اور خدا پرست بادشاہ تھا۔ اکبر کے عہد میں کئی غیر اسلامی رسمیں دربار میں جاری ہو گئی تھیں، شاہجہاں نے وہ سب بند کر دیں۔ ان میں سب سے بُری رسم سجدے کی تھی۔ یعنی جو شخص دربار میں آتا، وہ بادشاہ کے سامنے سجدے میں گر جاتا۔ ہندو اپنے راجاؤں کو سجدہ کرنے کے عادی تھے۔ اسی رسم پر مسلمان بادشاہوں کے سامنے عمل شروع کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی سجدے کرنے لگ گئے۔ شاہجہاں نے اسے بالکل روک دیا۔ رعایا کے ساتھ اسے دلی ہمدردی تھی۔ ان کی تکلیف کا سن کر تڑپ اُٹھتا۔ بڑا فیاض اور عدل پرور حکمران تھا۔ جن دو طبیبوں نے اس کی بیٹی جہاں آرا کا علاج کیا تھا، انہیں سونے میں تلوایا۔ شہزادگی اور بادشاہی کی زندگی شریعت کی پابندی میں گزاری۔ جمعہ کی نماز شاہی مسجد میں عام مسلمانوں کے ساتھ ادا کرتا۔ ہوا خوری کے لیے نکلتا تو جہاں اذان سنتا، پاس کی مسجد میں جا کر شاملِ نماز ہو جاتا۔

اس کے دامن پر دو دھبے ہیں۔ اوّل، تخت پر بیٹھتے ہی خاندان کے مختلف لوگوں کو بے سبب قتل کرایا۔ دوم، دارا شکوہ کی طرف داری میں اس حد تک آگے نکل گیا کہ بیٹوں میں جنگ چھڑ گئی اور وہ آپس میں کٹ مرے۔ خصوصاً عالمگیر کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا رہا گویا دارا شکوہ کی طرح شاہجہاں بھی اسے اپنا رقیب سمجھتا تھا۔

☆.....☆.....☆

ساتواں باب

محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر

(۱۶۵۸ء۔۱۷۰۷ء)

عہدِ حکومت: عالمگیر مغل خاندان کا آخری بڑا بادشاہ تھا۔ علم، اخلاق اور عمل کی خوبیوں کے اعتبار سے نہ محض مغلوں، بلکہ ہندوستان کے تمام بادشاہوں اور فرمانرواؤں سے آگے نکل گیا۔ اس کا عہدِ حکومت ٹھیک دو حصّوں میں بٹا ہوا ہے۔ ابتدائی پچیس برس میں شمالی ہند اس کی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ آخری پچیس برس اس نے دکن میں بسر کیے۔ پہلے دور میں اس کی توجہ زیادہ تر شمالی ہند کے معاملات کی درستی پر جمی رہی، اگرچہ دکن میں بھی مہمیں پیش آئیں۔ دوسرے دور میں وہ دکن کے حالات سلجھاتا رہا، اگرچہ شمالی ہند میں بھی متفرق کش مکشیں پیدا ہوئیں۔ ہم نے ہر قضیہ کے حالات اکٹھے کر دیے ہیں تاکہ ان کو ذہن نشین کرنے میں آسانی رہے اگرچہ ان میں سے بعض حالات پہلے دَور میں پیش آئے اور بعض پچھلے دَور میں۔

عالمگیری احکام: ابتدا میں جو حکم جاری کیے ان کی سرسری کیفیت یہ ہے۔

۱۔ جنسوں پر جگہ جگہ محصول لیے جاتے تھے۔ مثلاً دریاؤں اور ندیوں کے گھاٹوں پر یا شہروں کے ناکوں اور صوبوں کی حدوں پر، عالمگیر نے کھانے کی جنسوں پر سے یہ محصول اُڑا دیے۔

۲۔ سکّوں پر کلمہ لکھنے کی ممانعت کر دی تاکہ کلمہ کی بے حرمتی نہ ہو۔

۳۔ تمام پرانی مسجدوں اور خانقاہوں کی مرمت کرا کے ان میں امام اور خطیب مقرر کر دیے۔

۴۔ شمسی اور قمری سالگرہ پر بادشاہ سونے اور چاندی میں تلتے تھے، عالمگیر نے یہ طریقہ بند کر دیا نیز جشن کی فضول رسمیں روک دیں۔

۵۔ شاہجہاں نے سجدے کو روکا تو ہاتھ اٹھا کر سلام کرنے کا طریقہ جاری ہو گیا۔ عالمگیر نے اسے روک کر سلام کا اسلامی طریقہ جاری کیا۔

۶۔ بادشاہ راجاؤں کو خطاب دیتے تو ان کی پیشانیوں پر اپنے ہاتھ سے تلک لگاتے، عالمگیر نے یہ رسم موقوف کر دی۔

۷۔ بادشاہ ہر روز جھروکے میں بیٹھتا اور لوگ اس کے درشن کرتے، عالمگیر نے اسے بھی بند کر دیا۔

۸۔ شراب کی بندش کے لیے سخت قوانین جاری کیے۔ افیون اور بھنگ کی فروخت بھی روک دی۔

۹۔ قوالی بند کی، نجومی اور شاعر موقوف کر دیے، کوتوال کو حکم دے دیا کہ جہاں سے ساز کی آواز آئے سب کو گرفتار کر لو۔

۱۰۔ مقبروں پر چھتیں ڈالنے یا ان پر سفیدی پھیرنے یا عورتوں کے مزاروں پر جانے کی بندش کر دی۔

۱۱۔ ہولی کی وہ تمام رسمیں روک دیں جن سے عوام کے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا تھا، نیز تعزیوں کے جلوس بند کر دیے۔

۱۲۔ قمار بازی بند کر دی۔ بازاری عورتوں کو حکم دے دیا کہ وہ شادیاں کر لیں یا سلطنت سے باہر نکل جائیں۔ عام لوگوں کے اخلاق کی نگرانی کے لیے محتسب مقرر کیے۔

ابتدائی فتوحات اور شورشیں: شجاع کھجوے میں شکست کھا کر اراکان کی طرف بھاگا تو عالمگیر نے اپنے مشہور جرنیل میر جملہ کو بنگال کا گورنر بنا دیا تھا۔ اس نے آسام اور کوچ بہار کو فتح کیا۔ پھر شایستہ خان گورنر بنا، جس کے زمانے میں چاٹگام بھی فتح ہو گیا۔ اس مقام پر پرتگیزوں اور فرنگیوں نے قزاقی کا مرکز بنا لیا تھا۔ عالمگیر کے عہد میں یہ مرکز ختم ہو گیا۔

میر جملہ ایران کا باشندہ تھا۔ تجارت کے سلسلے میں ہندوستان آیا، گولکنڈے کی حکومت میں ملازمت اختیار کر لی اور اعلیٰ درجہ کا مدبّر اور جرنیل ثابت ہوا۔ عالمگیر کو نظامتِ دکن کے زمانے میں اس کے جوہروں کا اندازہ ہوا تھا۔ اس نے سعد اللہ خاں کی وفات پر میر جملہ کو شاہجہاں کے دربار میں پہنچایا۔ عالمگیر کا خاص رفیق تھا۔ ۱۶۶۳ء میں ڈھاکہ میں فوت ہوا۔

متفرق شورشوں کی کیفیت یہ ہے۔

۱۔ صوبہ سرحد کے بعض پٹھان قبیلوں میں شورش اٹھی، جس میں پشتو زبان کے مشہور شاعر خوشحال خاں خٹک نے نمایاں حصہ لیا۔ عالمگیر خود اسے دبانے کے لیے حسن ابدال تک گیا۔ آخر جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم کر دیں اور یہ شورش بے اثر ہو گئی۔

۲۔ جاٹ زیادہ تر متھرا اور علی گڑھ کے آس پاس رہتے تھے۔ ان میں گوکل نام ایک شخص نے غارت گری شروع کر دی اور آگرے کی فصیل تک چھاپے مارنے لگا۔ شاہی فوج نے ان کا پیچھا کیا۔ پانچ ہزار جاٹ مارے گئے۔ اُن میں گوکل بھی تھا۔ اس طرح یہ فتنہ فرو ہوا۔

۳۔ ست نامی ہندوؤں کا ایک فرقہ تھا۔ یہ لوگ سروں کے علاوہ بھوؤں کے بال بھی منڈوا دیتے تھے اور ہر چیز کھا لیتے تھے۔ نارنول میں ان کی بڑی جماعت رہتی تھی۔ ایک سپاہی اور ایک ست نامی میں معمولی جھگڑا ہوا۔ ست نامیوں نے جمع ہو کر ہنگامہ بپا کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم پر تلوار یا گولی کا اثر نہیں ہوتا۔ اتفاق سے فوج کی بعض چھوٹی ٹولیوں کو انہوں نے شکست دے دی اور عام لوگوں کے دل میں یہ وہم بیٹھ گیا کہ واقعی ست نامیوں کے پاس کوئی منتر ہوگا۔ عالمگیر نے جو فوج ان کے خلاف بھیجی اسے اپنے ہاتھ سے تعویذ لکھ کر دیے۔ اس فوج نے ست نامی مفسدوں کا قلع قمع کر ڈالا۔

سکھ: سکھوں کا مختصر حال ہم نے جہانگیر والے باب میں بیان کیا تھا۔ گرو ارجن کی وفات پر ان کے فرزند ہرگوبند جہانگیر سے وابستہ رہے۔ شاہجہاں کے زمانہ میں ان کی مڈبھیڑ شاہی فوجوں سے ہوگئی اور وہ شکست کھا کر پہاڑوں میں جا بیٹھے۔ وہیں ۱۶۴۵ء میں فوت ہوئے۔ پھر گدی کے متعلق اختلافات شروع ہو گئے۔ گرو ہرگوبند کے ایک پوتے ہر رائے نے دعویٰ کیا کہ گرو میں ہوں۔ دوسرے پوتے نے اپنی الگ گدی قائم کر لی۔ عالمگیر نے تخت نشینی کے بعد گرو ہر رائے کو دہلی بلایا۔ وہ خود تو نہ آئے، اپنے فرزند رام رائے کو بھیج دیا۔ رام رائے دہلی ہی میں تھا کہ گرو ہر رائے نے ۱۶۶۱ء میں وفات پائی اور ان کا چھوٹا بیٹا ہر کشن گرو بنا۔ اس کے ساتھ ہی رام رائے اور ہر کشن میں کھینچ تان شروع ہوگئی اور سکھ پارٹیوں میں بٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہر کشن بھی فوت ہو گیا تو اکٹھے اکیس آدمی مسند کے دعویٰ دار بن گئے۔

آخر ہر گوبند کے چھوٹے فرزند تیغ بہادر گرو بنے۔ رام رائے بدستور مخالفت کرتا رہا۔ گرو تیغ بہادر کچھ مدت کے لیے راجا رام سنگھ کے لشکر کے ساتھ آسام کی طرف چلے گئے اور وہاں شاہی فوجوں میں شامل ہو کر جنگ کرتے رہے۔ واپس آئے تو رام رائے کی شکایت کی بنا پر انہیں دہلی بلایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں رام رائے کے رویہ پر بڑا رنج پیدا ہو گیا تھا۔ غالباً یہ بات پسند نہ ہوگی کہ خاندانی معاملات میں باہر سے عمل و دخل کا دروازہ کھلے۔ ممکن ہے کہ یہ خیال بھی ہو کہ اگر فیصلہ رام رائے کے حق میں ہوا تو گدی چھوڑنی پڑے گی۔ چنانچہ وہ دہلی گئے تو اپنے دل میں پکا فیصلہ کر کے گئے تھے کہ رام رائے کا داؤ نہ چلنے دیں گے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ میرے پاس ایک ایسا تعویذ ہے کہ تلوار کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تجربہ کیا گیا تو گرو جی کی گردن کٹ گئی۔ تعویذ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں لکھا تھا "سر دیا، سر نہ دیا" یعنی جان دے دی، مگر اپنا بھید کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

گرو گوبند سنگھ: گرو تیغ بہادر کی وفات پر ان کے فرزند گرو گوبند سنگھ مسند پر بیٹھے۔ وہ سکھوں کے دسویں اور آخری گرو تھے۔ گرو نانک جی کے درویشی سلسلے میں جو تبدیلی گرو ارجن کے وقت سے شروع ہوئی تھی وہ گرو گوبند سنگھ کے وقت میں آخری منزل پر پہنچ گئی اور سکھ درویشی کا بھیدا تار کر سپاہیوں کا فرقہ بن گئے۔

گرو گوبند سنگھ انند پور میں رہتے تھے۔ پہلے وہ چھوٹے چھوٹے پہاڑی راجاؤں کو زیر کرنے لگے۔ ان کی فریاد دربار میں پہنچی تو ایک فوج بھیجی گئی۔ گرو جی نے شکستیں کھائیں۔ ان کے دو فرزند میدانِ جنگ میں مارے گئے۔ خود گرو جی نے بھیس بدلا، اپنے ایک مسلمان استاد اور بعض مسلمان دوستوں کی مدد سے ایک پالکی میں بیٹھ کر چھپتے چھپاتے فیروز پور کے ایک صحرائی علاقے میں پہنچے، جہاں بعد میں مکتسر آباد ہوا۔

عالمگیر اس زمانے میں دکن میں تھا۔ گرو جی نے اسے ایک خط بھیجا جس میں سرکاری کارندوں کی بدسلوکیوں کی شکایتیں درج تھیں۔ عالمگیر نے انہیں دکن بلا لیا۔ وہ راستے ہی میں تھے کہ عالمگیر کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹوں میں تخت کے لیے لڑائی چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں گرو جی نے بڑے شہزادے محمد معظم کا ساتھ دیا جو کامیابی کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے پادشاہ بنا۔ اس کے ساتھ گرو جی دکن گئے اور ناندیڑ (ریاست حیدر آباد) میں رہنے لگے۔ انہوں نے

ایک پٹھان سے گھوڑے خریدے تھے، جن کی قیمت ادا کرنے میں دیر ہوگئی۔ پٹھان نے روپے کا تقاضا کیا۔ اس پر سخت کلامی کی نوبت آگئی۔ پٹھان نے غصے میں جمدھر مارا اور گرو جی زخمی ہوگئے۔ بہادر شاہ نے علاج کے لیے اپنا خاص طبیب بھیج دیا۔ زخم اچھا ہوگیا، لیکن ابھی کچا ہی تھا کہ گرو جی نے ایک روز کمان زور سے کھینچی اور ٹانکے کھل گئے۔ اسی حالت میں ۱۷۰۸ء میں وفات پائی۔ ناندیر کا گردوارہ انہیں کی یادگار ہے۔

راجپوتوں سے لڑائیاں: مارواڑ (جودھ پور) کا راجا جسونت سنگھ سرحد خیبر کی نگرانی پر مامور تھا۔ دسمبر ۱۶۷۸ء میں وہ فوت ہوا۔ اس کے بیٹے پہلے مر چکے تھے۔ عالمگیر نے جسونت کے بھتیجے اندر سنگھ کو گدی پر بٹھانا چاہا اور ریاست کے انتظام کے لیے فوج بھیج دی۔ جسونت کی دو رانیاں لاہور پہنچیں تو اعلان ہوا کہ ان کے لڑکے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک فوت ہوگیا، دوسرے کا نام اجیت سنگھ رکھا گیا۔ اسے رانیوں سمیت دہلی بلا لیا گیا۔ عام رائے یہ تھی کہ اجیت سنگھ جسونت سنگھ کا لڑکا نہیں ہے، بلکہ رانیوں نے گدی پر قبضہ رکھنے کی غرض سے کسی کا بچہ لے کر اپنا لیا ہے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ جودھ پور کا ایک سردار درگا داس ایک روز رانیوں اور بچے کو خفیہ خفیہ نکال کر جودھ پور لے گیا اور اجیت سنگھ کی راجائی کا اعلان کر کے خود سارے معاملات کا مختار بن گیا۔ میواڑ کے رانا سے بھی مدد مانگی۔ اس طرح راجپوتانے میں شورش کا سامان ہوگیا۔ عالمگیر خود اجمیر پہنچ گیا۔ اپنے بیٹے محمد اکبر کو فوج دے کر میواڑ بھیجا۔ گجرات کے صوبے دار سید محمد امین اور دکن کے صوبیدار شہزادہ معظم کو بھی میواڑ پر بڑھنے کا حکم دیا۔ رانا نے ہر طرف سے فوجیں آتی دیکھیں تو شہر چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔

شہزادہ اکبر کی سادہ لوحی: شورشیوں کو نجات کی اور کوئی راہ نہ سوجھی تو شہزادہ محمد اکبر پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ وہ ناتجربہ کار لڑکا تھا، شورشیوں کے فریب میں آگیا اور باپ سے بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ مغل فوج کا بڑا حصہ اکبر کے ساتھ تھا۔ ہزاروں راجپوت اس کے گرد جمع ہوگئے۔ عالمگیر کے پاس اس وقت بہ مشکل سات آٹھ سو آدمی ہوں گے اور وہ راجپوتانہ کے قلب میں بیٹھا تھا، لیکن نہ خطرے کی پروا کی، نہ اپنی جگہ چھوڑی۔

راجپوتوں نے یہ سکیم سوچی کہ شہزادہ اکبر سے عالمگیر کے نام اطاعت کا خط لکھوائیں جس میں درج ہو کہ راجپوت فرماں بردار بن کر حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ اجازت دیں تو آئیں

اس طرح ہجوم کر کے عالمگیر کے پاس پہنچ جائیں اور اسے ختم کر دیں۔ عالمگیر ایک ہی نظر میں ساری چال بھانپ گیا۔ فوراً بیٹے کو لکھا کہ "میں یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوا کہ تم نے طے شدہ تجویز کو کامیاب بنالیا"۔ یہ خط اس طریقے پر بھیجا کہ راجپوتوں کے ہاتھ پڑ جائے۔

راجپوت خط پڑھتے ہی وسوسوں میں پڑ گئے۔ سب کے دل میں شبہ پیدا ہو گیا کہ جس شہزادے کو وہ اپنا آلہ کار سمجھ رہے تھے، اس نے خود عالمگیر کی بتائی ہوئی تدبیر کے مطابق ہم سب کو ختم کر دینے کا بندوبست کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہزادے کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ جب جمعیت بکھر گئی تو شہزادہ بھی بھاگا۔ ایک جہاز پر سوار ہو کر مسقط کے جزیرہ میں جا اترا، پھر ایران پہنچ گیا۔ شاہ ایران سے فوجی مدد لے کر ہندوستان پر حملے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا کہ ۱۷۰۴ء میں وہیں فوت ہو گیا۔

شورش کا خاتمہ: بعد کے واقعات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ میواڑ کے رانا نے شہزادہ معظم کو سفارشی بنا کر معافی مانگی اور تین پرگنے دے کر صلح کر لی۔ رانا فوت ہوا تو عالمگیر نے اس کے بیٹے راج سنگھ کو پنج ہزاری منصب عطا کیا۔ وہ اور اس کے بھائی دکن کی لڑائیوں میں شاہی فوج کے ساتھ رہے۔

۲۔ اجیت سنگھ جودھ پور میں تین پرگنوں کی جاگیر لے کر بیٹھ گیا۔

۳۔ درگا داس نے بھی معافی مانگ لی۔ اسے سہ ہزاری منصب دے کر پٹن کا فوجدار بنا دیا گیا۔

مرہٹے اور ان کا وطن: یہاں پہنچ کر عالمگیر کی حکومت کا پہلا دور ختم ہو گیا اور وہ راجپوتانہ سے سیدھا دکن چلا گیا، پھر شمالی ہند میں واپس نہ آیا۔

دریائے نربدا کے جنوب میں مغربی گھاٹ کی جانب کے پہاڑی علاقے کو مہاراشٹر کہتے ہیں۔ یہی مرہٹوں کا وطن ہے۔ آب و ہوا اچھی ہے لیکن زمین زیادہ تر پتھریلی ہے اور پیداوار کم ہوتی ہے۔ مرہٹے شروع میں معمولی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ جب شمالی ہند سے دکن پر حملے شروع ہوئے تو وہ بھی دکنی ریاستوں کی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ نظام شاہی سلطنت کے مختار، ملک عنبر نے انہیں چھاپے مارنے (گوریلا جنگ) کے طریقے سکھائے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں پھرتے رہتے۔ فوج ان کی سرکوبی کے لیے نکلتی تو دو دو چار چار روز دس دس آدمی بکھر بکھر کر پہاڑوں

یا جنگلوں میں جا چھپتے۔ اس طرح مرہٹوں کو لوٹ مار کر چاٹ پڑی۔ پھر مختلف لوگوں نے اپنے اردگرد بہت سے آدمی جمع کر کے سرداریوں کے منصب سنبھال لیے۔ ان میں ایک ساہو بھونسلہ بھی تھا، جسے شاہ جی کہتے تھے۔

مرہٹوں کو دولت اور قوت فراہم کرنے کا موقع اس وجہ سے بھی مل گیا کہ مغلوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ دکن کا کوئی سردار جب ان کی پناہ میں آنا چاہتا تو بڑی آؤ بھگت کرتے۔ اس طرح سمجھتے کہ دکن میں وہ اپنے حامی پیدا کر رہے ہیں۔ مرہٹوں کی روش یہ ہو گئی تھی کہ جب مغل علاقوں میں تاخت و تاراج کرتے تو دکنیوں کی پناہ کے امیدوار رہتے۔ جب ادھر سے سختی ہوتی تو مغلوں کی سرپرستی میں آجاتے۔

شاہ جی بھونسلہ: شاہ جی بھونسلہ ۱۵۹۴ء میں پیدا ہوا۔ پہلے ملک عنبر کے ماتحت رہا، جب نظام شاہی سلطنت ختم ہو گئی تو شاہ جی مغل دربار سے وابستہ ہو گیا۔ شاہجہاں نے اسے پنج ہزاری منصب دیا، جو جاگیر دی اس میں کچھ پرگنے ملک عنبر کے بیٹے فتح خاں کی جاگیر سے بھی دے دیے۔ پھر فتح خاں نے اطاعت قبول کر لی اور اس کی جاگیر بحال ہو گئی تو شاہ جی سے پرگنے چھن گئے۔ وہ اُٹھا تو مغلوں کو چھوڑ کر بیجاپور والوں سے جا ملا۔ جب بیجاپور نے ادائے خراج کا عہد کر کے مغلوں سے صلح کر لی تو شاہ جی کو بھی معافی مل گئی اور کرناٹک میں اسے ایک جاگیر دے دی گئی۔ اسی شاہ جی کا بیٹا سیواجی تھا، جسے مرہٹہ سلطنت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ باپ بیٹا ابتدا ہی سے بے تعلق ہو گئے تھے، اس لیے کہ شاہ جی نے دوسری شادی کر لی تھی اور سیواجی کی والدہ سے میل جول ختم ہو گیا تھا۔

سیواجی: سیواجی ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا۔ باپ الگ ہو چکا تھا۔ ماں کی نگرانی میں پرورش پائی۔ بیجاپور کی سلطنت کا انتظام بگڑا ہوا تھا، ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ سیواجی بھی چند آدمی فراہم کر کے ڈاکے مارنے لگا۔ اس طرح ایک پہاڑی قلعہ بھی لے لیا۔ آہستہ آہستہ اس کے پاس خاصے آدمی جمع ہو گئے۔ بیجاپور والوں نے سمجھا کہ سیواجی سب کچھ اپنے باپ کے مشورے اور اشارے سے کر رہا ہے۔ انہوں نے بیٹے کا پیچھا کرنے کے بجائے باپ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ سیواجی کو اگرچہ باپ سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن اپنے آپ کو آگے بڑھانے کی کوشش میں باپ کی سرداری چھنوا دینے پر لوگوں نے ملامت شروع کر دی ہو گی۔ اس پر سیواجی نے شاہجہاں کے

دربار میں فریاد پہنچائی۔ مغلوں کی پالیسی ہی یہ تھی کہ دکن سے جو بھی ان کی طرف رجوع کرتا، اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاتے۔ چنانچہ سیواجی کو مغل دربار کا منصب دار بنالیا گیا اور شاہجہاں نے شاہ بیجاپور سے کہہ کر شاہ جی کو قید سے رہائی دلا دی۔ اس کے بعد سیواجی تھوڑی دیر تک تو چپ بیٹھا رہا، لیکن طبیعت کی بے چینی پھر رنگ لائی اور پہلے کی طرح بیجاپور کے علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی بلکہ ایک راجا کو بھی مار ڈالا جو اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔

افضل خاں کے ساتھ فریب: شاہجہاں کے بیٹوں میں تخت کے لیے لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ وہ شمالی ہند میں اپنی قسمتوں کا فیصلہ کرنے میں مشغول تھے۔ دکن والے ہر باز پرس سے بے خوف ہو چکے تھے۔ اس موقع پر دربار بیجاپور نے دس ہزار فوج تیار کر کے افضل خاں کو اس کا سپہ سالار بنایا، جو بہادر اور تجربہ کار جرنیل تھا اور سیواجی کو ختم کرنے کے کام پر لگا دیا۔ اب سیواجی کی سٹی بھولی۔ ایک برہمن کے ذریعہ سے خاں کے ساتھ صلح کی گفتگو کی۔ وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ دو افسروں کو لے کر سیواجی سے تنہائی میں ملاقات کرے۔ سیواجی نے معمولی لباس کے نیچے فولادی زرہ پہنی، بچھوا آستین میں چھپا لیا اور سہما سہما خاں کی ملاقات کے لیے گیا۔ سامنے پہنچا تو دوڑ کر خاں کے قدموں پر گر گیا۔ اس نے شفقت سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اسی حالت میں سیواجی نے خان کو بچھوے سے کاری زخم لگایا۔ ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر خاں کا سر قلم کر دیا۔ یہ سب کچھ اس طرح آناً فاناً ہو گیا کہ خان کی سپاہ کے حواس بجا نہ رہے۔ گھات میں چھپے ہوئے مرہٹوں نے اس پر ہر طرف سے حملے شروع کر دیے۔ چنانچہ بیجاپوری فوج کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔ جو مالِ غنیمت سیواجی کے ہاتھ لگا اس میں چار ہزار گھوڑے بھی تھے۔ بیجاپور والوں نے دوسری فوج تیار کر لی۔ اس اثنا میں ان کا ایک سردار باغی ہو گیا اور وہ اس کی گوشمالی میں لگ گئے۔ سیواجی کو اطمینان کے ساتھ اپنی کارروائیاں جاری رکھنے کا موقع مل گیا تاہم پرسش کا خوف باقی تھا۔

باپ پر مصیبت آئی تھی تو بیٹے نے شاہجہاں کے پاس فریادی بن کر اسے رہائی دلائی تھی۔ اب باپ، بیٹے کا سفارشی بن گیا۔ اس نے بیچ میں پڑ کر دربار بیجاپور سے سیواجی کی خطائیں معاف کرا دیں۔ سیواجی نے عہد کر لیا کہ وہ بیجاپور کے علاقوں میں کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔

شایستہ خاں کی یورش: اس اثنا میں عالمگیر بادشاہ بن چکا تھا۔ جب اسے دکن میں سیواجی کے

فتنوں کا علم ہوا تو اپنے ماموں شایستہ خاں کو دکن کا ناظم بنا کر بھیجا اور تاکید کر دی کہ تمام شورشوں کو جلد سے جلد مٹا دیا جائے۔ شایستہ خاں نے پہنچتے ہی ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ جب برسات کا موسم آیا تو وہ پونا جا کر ٹھہر گیا۔ اپنے خیال کے مطابق حفاظت کے پورے انتظامات کر لیے۔ شایستہ خاں پونا میں شاہ جی کی حویلی میں اترا جہاں سیواجی کی زندگی کے ابتدائی ایام گزرے تھے اور وہ اس حلقے کے چپے چپے سے واقف تھا۔

سیواجی کو میدان میں لڑنے کی ہمت نہ تھی، لہٰذا اس نے داؤ پیچ کی نئی سکیم تیار کر لی۔ شایستہ خاں کے متعلق سارے حالات معلوم کر لیے۔ پھر ایک برات بنا کر اندھیری رات میں پونا پہنچا اور ایک کھڑکی توڑ کر شایستہ خاں کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا تاکہ اس کا کام تمام کر ڈالے، لیکن خاں بچ گیا۔ اس کی صرف دو انگلیاں کٹیں، ایک بیٹا اور چند ساتھی مارے گئے۔ سیواجی جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس چلا گیا۔

یہ حالات عالمگیر کو معلوم ہوئے تو شایستہ خاں کو دکن سے بدل کر بنگال بھیج دیا اور اپنے بڑے بیٹے محمد معظم کو دکن کا ناظم بنا دیا۔ ناظموں کی تبدیلی میں سیواجی کو مزید مہلت مل گئی۔ اس نے راجائی کا اعلان کیا، اپنے نام کا سکہ ڈھلوایا، سورت پر حملہ کیا اور عام لوٹ مار کے علاوہ حاجیوں کے جہاز بھی لوٹے۔ اس وقت عالمگیر کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس فتنے کو پوری قوت سے دبانا چاہیے۔

میرزا راجا جے سنگھ اور دلیر خاں: چنانچہ میرزا راجا جے سنگھ اور دلیر خاں کو فوج دے کر دکن بھیجا گیا۔ یہ عالمگیری عہد کے دو بڑے جرنیل تھے۔ سیواجی نے راجہ جے سنگھ کو منت سماجت کے خط لکھے، فرمانبرداری کا یقین دلایا، مذہب کا واسطہ بھی دیا لیکن جے سنگھ تجربہ کار اور وفادار جرنیل تھا، اس نے ایک نہ سنی۔ قلعوں پر قلعے فتح ہونے لگے۔ یہاں تک کہ آخر کار صرف دو قلعے سیواجی کے پاس رہ گئے۔ ان میں سے راج گڑھ میں وہ محصور ہو گیا۔ چند روز کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور میرزا اور راجا کے پاس پونا پہنچ گیا۔ پینتیس قلعوں میں سے تیئس عمدہ اور مستحکم قلعے شاہی فوج نے سنبھال لیے۔ بارہ معمولی قلعے سیواجی کے پاس چھوڑے۔ پھر وہ اور اس کا بیٹا ۱۶۶۶ء میں آگرے پہنچے، جہاں اسے میرزا راجا کی سفارش کے مطابق پنج ہزاری منصب عطا ہوا، لیکن وہ چند روز کے بعد آگرے سے چپ چاپ نکلا اور مہاراشٹر پہنچ گیا۔ گولکنڈے کے بادشاہ نے اس کے لیے فوج

اور ساز و سامان کا انتظام کر دیا۔ وہ پہلے کی طرح پھر لوٹ مار میں لگ گیا۔

میر زا راجا نے ۱۶۶۷ء میں وفات پائی اور اس کی جگہ جسونت سنگھ راٹھور کو بھیجا گیا۔ شہزادہ معظم اُس زمانہ میں بھی دکن کا ناظم تھا۔ وہ جنگی آدمی نہ تھا اور جسونت سنگھ کی نیت میں کھوٹ تھا۔ اس نے عالمگیر کے پاس سفارش کر کے سیواجی کے لیے راجا کا خطاب حاصل کیا۔

آخری دَور: بعد کے واقعات چنداں اہم نہیں ہیں۔ جسونت سنگھ سیواجی کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ عالمگیر کو شمالی ہند کے معاملات سے اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ خود دکن کے حالات پر توجہ کر سکتا۔ اس دَور میں سیواجی نے پھر ایک مرتبہ سورت پر حملہ کیا۔ ۱۶۸۰ء میں وہ فوت ہوا اور اس کا بیٹا سنبھاجی جانشین بنا۔ وہ بڑا ظالم اور عیاش آدمی تھا۔ ۱۶۷۸ء میں وہ باپ کو چھوڑ کر مغلوں سے مل گیا تھا۔ سیواجی کی گدّی مل تو آس پاس کے علاقوں میں قتل و غارت کا طوفان برپا کر دیا، یہاں تک کہ مسلمان عالموں کو فتویٰ جاری کرنا پڑا کہ دکن امن کی جگہ نہیں رہا بلکہ جنگ گاہ بن گیا ہے۔ یہ فتویٰ دیکھ کر عالمگیر راجپوتانے سے سیدھا دکن پہنچا، ہر طرف فوجیں پھیلا دیں، اس طرح مرہٹوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ آخر سنبھاجی پکڑا گیا۔ خوف ناک جرموں کی پاداش میں اسے موت کی سزا ملی، اس کے بیٹے ساہو کو دستور کے مطابق پرورش کے لیے دہلی بھیج دیا گیا۔ سیواجی کے دوسرے بیٹے راجا رام نے گدّی کا دعویٰ کیا۔ اس نے ۱۷۰۰ء میں وفات پائی۔ ساہو بڑا ہوا تو اسے راجائی کے اختیارات مل گئے۔ اس نے سارے انتظامات پیشوا کے حوالے کر دیے اور خود عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ ۱۷۴۷ء میں فوت ہوا۔ کولھاپور کا راج اسی کی یادگار ہے۔ پیشوا نے ایک مستقل گدّی کی بنیاد رکھ دی جس کے حالات آگے چل کر بیان ہوں گے۔

سیواجی کی شخصیت: سیواجی کی شخصیت کے تمام پہلو ان حالات سے ظاہر ہیں، جو ہم نے اوپر بیان کیے۔ اس بات میں شبہ نہیں کہ اس میں خاصی فوجی اور انتظامی قابلیت تھی۔ دکنی حکومتوں کی بدنظمیوں سے فائدہ اٹھا کر ریاست پیدا کر لی۔ چوں کہ بڑی فوجی قوت سے ٹکرانے کی ہمت نہ تھی، اس لیے داؤ پیچ اور فریب سے کام لیتا رہا۔ شکستیں کھا کر بھی کبھی مایوس نہ ہوا۔ اس کی اولاد میں سے کوئی بھی صاحب جوہر نہ نکلا۔ سنبھاجی عیاش اور ظالم تھا۔ راجہ رام کی حیثیت بالکل معمولی تھی۔ ساہو میں آرام طلبی کے سوا کوئی خصوصیت نہ تھی۔

سیواجی کا فوجی نظام وہی تھا جو اس زمانہ میں دکن میں رائج تھا۔ بلکہ اکثر اصطلاحات

بھی فارسی ہی کی اختیار کرلی تھیں۔ مثلاً سارجنٹ کو "حویلدار" کپتان کو "جملہ دار" جس سوار کا گھوڑا سرکاری ہوتا تھا، اسے "بارگیر" اور جس کا گھوڑا اپنا ہوتا تھا اسے "سلحدار" کہتے تھے۔ ملکی انتظام کا ڈھانچا بھی پرانا ہی تھا۔ البتہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سیواجی نے جاگیروں کا نظام جاری نہ کیا۔ سب کو نقد تنخواہیں دیتا تھا۔

بیجاپور اور گولکنڈے کا خاتمہ: مرہٹوں نے جو قوت حاصل کی تھی، اس کا اصل سرچشمہ بیجاپور اور گولکنڈے کی سلطنتیں تھیں جن کی بدنظمی نے مرہٹوں کو آگے بڑھنے کا موقع دے دیا اور وہ وقتاً فوقتاً مغلوں کو تکلیف دینے کی نیت سے مرہٹہ سرداروں کو مالی امداد بھی دیتی رہیں۔ عالمگیر نے انہیں ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ بیجاپور پر شہزادہ محمد اعظم اور غازی الدین خاں فیروز کو حملے کا حکم دیا۔ عادل شاہی خاندان کے آخری بادشاہ سکندر نے ہتھیار ڈال دیے۔ ۱۶۸۶ء میں بیجاپور، سلطنت مغلیہ کا جزو بن گیا۔ سکندر ۱۷۰۰ء میں فوت ہوا۔

گولکنڈے کے آخری بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ نے سارا کاروبار اپنے وزیر مادنا پنڈت کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ خود وزیر اعظم تھا۔ اپنے بھائی اکنا پنڈت کو فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ مادنا بڑا ظالم آدمی تھا، نیز ہر وقت مرہٹوں کو امداد دیتا رہتا تھا۔ جب بیجاپور کا محاصرہ جاری تھا تو اس نے سنبھاجی کو چالیس ہزار فوج دے کر مغل علاقوں میں تاخت و تاراج کے لیے بھیج دیا تھا تاکہ مغل فوج بیجاپور کا محاصرہ چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔

عالمگیر نے تانا شاہ کے سامنے تین شرطیں پیش کیں: اوّل، مادنا اور اکنا کو قید کر دیا جائے۔ دوم، جن شاہی پرگنوں کو دبا لیا گیا تھا، انہیں چھوڑ دیا جائے۔ سوم، خراج باقاعدہ ادا ہوتا رہے۔ یہ شرطیں تانا شاہ نے نہ مانیں تو گولکنڈے کا محاصرہ کرلیا گیا۔ ۱۶۸۷ء میں قلعہ فتح ہو گیا۔ مادنا اور اکنا مارے گئے۔

ہندوستان کی وحدت: دکنی سلطنتوں کے خاتمے کے بعد مرہٹوں کے قزاق دستے جنوب کی طرف چلے گئے۔ شاہی فوجوں نے تعاقب کر کے جنوبی علاقے بھی فتح کر لیے اور دکن میں کوئی قابلِ ذکر قوت مقابلے کے لیے باقی نہ رہی۔ اسی زمانے میں مغل سلطنت عروج کی آخری حد پر پہنچی، جو نہ اس سے پہلے کسی کو حاصل ہوئی تھی اور نہ بعد میں حاصل ہو سکی۔ سارا ہندوستان ایک جھنڈے تلے آ گیا اور پورے ملک میں ایک سکہ اور ایک نظامِ حکومت جاری ہو گیا۔ یہ آخری بڑا

کام تھا جسے قدرت نے عالمگیر کے ہاتھ سے پورا کرایا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد پورا ہو گیا۔

وفات: عالمگیر کی عمر اگرچہ ۱۷۰۷ء میں نوے برس کی ہو چکی تھی (قمری حساب سے اکانوے برس اور چودہ دن) لیکن تمام قویٰ سلامت تھے۔ صرف قد ذرا جھک گیا تھا۔ وہ جوانوں کے عزم و ہمت کے ساتھ فرمانروائی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ احمد نگر میں ٹھہرا ہوا تھا جب اسے بخار آیا، لیکن چار روز تک باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا رہا۔ جب صحت زیادہ بگڑی تو وصیت کی کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں سی کر جو روپے جمع کیے ہیں، ان میں سے ساڑھے چار روپے موجود ہیں، یہ رقم میرے کفن کے لیے استعمال کی جائے اور کفن گاڑھے کا ہو۔ چند سو کی رقم قرآن نویسی کی اجرت کی ہے، اسے مساکین میں بانٹا جائے۔ ۲۱ر فروری ۱۷۰۷ء کو صبح کی نماز کے بعد کلمۂ توحید کا ذکر شروع کیا۔ پھر دن چڑھے ہندوستان کا یہ سب سے بڑا پادشاہ مالکِ حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ وصیت کے مطابق اسے خلد آباد (اورنگ آباد) میں دفن کیا گیا۔

ذی قعدہ کے مہینے کو عالمگیر کی زندگی میں عجیب خصوصیت حاصل ہے: اسی مہینے میں وہ پیدا ہوا (۱۵ر ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ) اسی مہینے میں پادشاہ بنا (یکم ر ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ)، اسی مہینے میں وفات پائی (۲۸ر ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ)

سیرت: پرہیز گاری، شجاعت، عزم اور دُور اندیشی میں ہندوستان کے آسمان نے عالمگیر جیسا فرمانروا کوئی نہ دیکھا۔ رعیت کی بھلائی اور آسایش کے لیے بھی اس کے برابر کسی نے کوششیں نہ کیں۔ پوری زندگی نیکی اور خدا پرستی میں گزاری۔ اگر تخت پر نہ بیٹھتا تو اولیاء اللہ میں شمار ہوتا۔ اگر علم کی خدمت میں لگ جاتا تو نامور علماء میں گنا جاتا۔ اس کے دو ہزار خطوط میں سے سہل خط الگ کر کے ایک مجموعہ "رقعاتِ عالمگیری" کے نام سے مرتب کیا گیا تھا جو آج بھی چھپا ہوا ملتا ہے۔ فارسی نثر میں گلستان کے بعد اس سے بہتر کتاب شاید ہی مل سکے۔ کوئی پادشاہ پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے عالمگیر کے برابر سلطنت پائی، اس کے برابر عیش و راحت کو اپنے اوپر حرام سمجھا اور زندگی کا آخری سانس صرف خلقِ خدا کے آرام کی خاطر محنت و مشقت میں پورا کیا۔ وہ ہندوستان کا آخری بڑا پادشاہ تھا اور بلاشبہ سب سے بڑا پادشاہ تھا۔ ذرا سی فرصت بھی ملتی تو قرآن مجید کی کتابت کرتا یا ٹوپیاں سیتا۔ اس محنت سے جو کچھ حاصل ہوتا، اسے اپنے صرف میں لاتا۔ فرنگی سیاحوں نے بھی شہادت دی

ہے کہ وہ انصاف کا پیکر تھا۔ سارے مقدمے خود سنتا اور غریب سے غریب فریادی بھی بے تکلف اپنا معاملہ اس کے پاس پہنچا دیتا۔ دن میں دو یا تین مرتبہ دربارِ عام میں آتا۔ چہرے پر مسکراہٹ ہوتی اور آنکھوں سے نرمی، حلم اور شفقت ٹپکتی۔ فریادیوں کے لب و لہجہ میں بعض وقت تیزی بھی آجاتی، لیکن عالمگیر کی پیشانی پر کبھی شکن نہ پڑتی۔ ایک ایک عرضی پر اپنے ہاتھ سے حکم لکھتا۔

اس کا عام طریقہ یہ تھا کہ تہجد کی نماز پڑھ کر وظیفے شروع کر دیتا۔ صبح کی نماز کے بعد سلطنت کے کاموں میں لگ جاتا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتا۔ ظہر کے بعد پھر سرکاری کام شروع کر دیتا جو نمازوں کے اوقات کے سوا عشا تک جاری رہتا۔ رات میں تین گھنٹے سے زیادہ کبھی نہ سویا۔

حکمرانی کا نصب العین: اس کے عہد میں سلطنت بہت پھیل گئی تھی۔ اس کا مالیہ شاہجہاں کے زمانے سے ڈیڑھ گنا زیادہ اور اکبر کے عہد سے تین گنا زیادہ ہو گیا تھا، لیکن اس شانِ برتری میں بھی اس کی زاہدانہ زندگی کا ڈھنگ وہی رہا جو پہلے سے اختیار کر لیا تھا۔ سرگرمی و جفاکشی میں کوئی کمی نہ آئی۔ عالمگیر کے نزدیک بادشاہی کا نصب العین یہ تھا کہ بادشاہ اپنی ہر راحت کو رعایا کے امن و بہبود کے لیے بے دریغ قربان کرتا رہے۔ اس نے خود ایک موقع پر کہا تھا کہ میرے لیے صرف اسی قدر آرام جائز ہے، جو رعایا کی بھلائی کی خاطر مشقت جاری رکھنے کے لیے ضروری ہو۔ اسی نصب العین کی روشنی میں اس کے سارے کاموں کا اندازہ کرنا چاہیے۔

حسنِ انتظام: ہم اس کے اخلاقی اور اصلاحی قوانین کا ایک نقشہ پہلے پیش کر چکے ہیں۔ کاشتکاروں کے لیے اس نے کئی ضابطے جاری کیے تھے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ کاشتکاروں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے تاکہ وہ خوش دل رہیں اور کھیتی باڑی کو ترقی دیں، اس طرح بنجر زمینوں کی آبادی کا بندوبست ہو جائے۔

۲۔ جس دہقان کے پاس کھیتی باڑی کا سامان نہ ہو، اسے سرکاری خزانہ سے تقاوی پر روپیہ دیا جائے۔

۳۔ مالیہ ادا کرتے وقت کاشتکار کو حق حاصل ہوگا کہ وہ نقد روپے دے یا اس کی جگہ جنس دے دے۔

۴۔ اگر کسی کی فصل پر آفت نازل ہو تو اس کے مالیہ میں نقصان کے برابر کمی کر دی جائے۔

حکم دے دیا تھا کہ جو سرکاری کارکن نیک، دیانت دار اور پاکباز ہوں، ان کے نام خاص طور پر ظاہر کیے جائیں، تاکہ ان کی خوبیوں کا ثمرہ انہیں دیا جا سکے۔ اس زمانے میں عام نظامِ حکومت وہی رہا جو اکبر کے زمانے سے چلا آتا تھا لیکن بعض اصلاحات قابلِ ذکر ہیں، مثلاً مالیہ کی شرح گھٹا دی گئی۔ بے شمار نئی سرائیں بن گئیں۔ بہت سے پل تعمیر ہو گئے۔ چوکیداری، خبر رسانی اور ڈاک کے انتظامات بہت اچھے ہو گئے۔ بہت سے نئے شفاخانے بن گئے۔ تعلیم کا انتظام بہتر ہو گیا۔

عالمگیر کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عالموں کی ایک جماعت کو اسلامی فقہ کی ترتیب پر لگا دیا۔ اس طرح ''فتاوائے عالمگیری'' مرتب ہوئی۔ وہ خود بلند پایہ عالمِ دین تھا۔ فتاویٰ کے جو حصے مرتب ہوتے، ان کا ایک ایک لفظ وہ خود دیکھتا اور علماء کے ساتھ بخشیں کرتا۔

الزامات: بعض لوگوں نے اس پر الزام لگائے ہیں، مثلاً یہ کہ ہندوؤں کے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا نہیں تھا۔ جزیہ لگایا اور مندر گرا دیے۔ جزیہ کا معاملہ صرف اتنا تھا کہ جن ہندوؤں سے جبراً فوجی خدمت نہیں لی جاتی تھی، وہ ایک ٹیکس دیتے تھے جو ہر آدمی کی آمدنی کو سامنے رکھ کر لگایا جاتا تھا۔ عورتیں، بچے اور معذور اس ٹیکس سے آزاد تھے۔ وہ تمام غیر مسلم آزاد تھے جو فوجی خدمت انجام دیتے تھے۔ یہ ٹیکس لگانے سے پہلے عالمگیر نے بے شمار محصول معاف کر دیے تھے جو پہلے بادشاہ بے تکلف لیتے تھے، مثلاً مندروں اور تیرتھوں کی یاترا کا محصول۔

مندروں کو ڈھانے کا قضیہ بھی فضول ہے۔ پرانے مندروں کو کسی نے نہ چھیڑا۔ جو مندر خلافِ قاعدہ بنا لیے گئے تھے، وہ ڈھا دیے گئے یا ان مندروں کو ختم کیا گیا جہاں حکومت کے خلاف سیاسی سازباز کے اڈے بن چکے تھے۔

ہندوؤں کے ساتھ سلوک کا معاملہ اس نقشے سے ظاہر ہو سکتا ہے، جس میں اکبر سے لے کر عالمگیر تک غیر مسلم امیروں کی تعداد درج ہے۔

عہد	کل اُمرا	ہندو اُمرا
اکبر	۲۱۷	۳۲
جہانگیر	۴۳۹	۵۶
شاہجہاں	۵۶۳	۱۱۰
عالمگیر	۵۳۹	۱۰۴

گویا اکبر کے زمانہ میں ہندو امیروں کا تناسب ۱۵ فی صدی تھا، جہانگیر کے عہد میں ۱۳ فی صدی۔ شاہجہاں اور عالمگیر کے عہد میں یہ تناسب ۱۹ اور ۲۰ فی صدی کے درمیان رہا۔ اس سے اتنا ضرور ثابت ہوسکتا ہے کہ پچاس برس کی حکومت میں عالمگیر نے ایک فی صدی کی بھی کمی نہ کی۔ پھر میرزا راجے سنگھ اس کا قابل جرنیل تھا۔ عالمگیر نے اسے ہمیشہ اوّل درجے پر رکھا، یہاں تک کہ سیواجی کے مقابلے میں اس کو سپہ سالار بنایا اور دلیر خاں اس کے ماتحت تھا۔ جسونت سنگھ نے دو مرتبہ غداری کی، لیکن عالمگیر نے دونوں مرتبہ معاف کر دیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی وہ اپنے ہتھکنڈوں سے باز نہ آیا۔ بنارس میں بعض مسلمانوں نے برہمنوں کی پوجا پاٹ میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہی تو عالمگیر نے انہیں سختی سے روک دیا۔

سلطنت کی تباہی کے الزام: بعض مؤرخوں نے خدا جانے کس بنا پر رائے قائم کر لی کہ عالمگیر کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کی بنیاد کھوکھلی ہوگئی۔ جب اکبر مرا تو سلطنت اگرچہ دکن تک پہنچی ہوئی تھی، لیکن ہندوستان میں زبردست مخالف قوتیں موجود تھیں۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے میں بھی یہی حالت تھی۔ عالمگیر نے ساری مخالف قوتوں کو مٹا دیا بلکہ ان کے لیے کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ چھوڑی۔ اگر بعد کی خانہ جنگیوں یا جانشینوں کی نالائقیوں کے باعث سلطنت کا نظام بگڑتا گیا اور اس کی قوت گھٹتی گئی تو اس کی ذمہ داری عالمگیر پر کیوں کر ڈالی جا سکتی ہے؟ جیسے جانشین عالمگیر کو ملے، ویسے اگر اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کو ملتے تو ان کی سلطنتوں کا بھی وہی حال ہوتا، جو عالمگیر کی سلطنت کا ہوا۔ کیا اس کے بعد یہ کہا جاتا کہ اکبر، جہانگیر یا شاہجہاں سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے ذمہ دار تھے؟

ایبک کی سلطنت آرام شاہ نے گنوائی۔ التتمش کی سلطنت اس کے فرزندوں نے ضائع کی، بلبن کی کمائی کیقباد برباد کر گیا، علاؤالدین خلجی نے حکمرانی کی جس بساط کو بیس برس میں ہندوستان کے بڑے حصے میں بچھا دیا تھا، اسے مبارک شاہ خلجی نے صرف پانچ برس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، لیکن ان سلطنتوں کی تباہی کا الزام ایبک یا التتمش یا بلبن یا علاؤالدین پر آج تک کسی نے نہیں لگایا۔ عام قاعدہ یہی ہے کہ لائق بادشاہ سلطنت بناتے ہیں، نالائق بگاڑ دیتے ہیں۔ یہی حالت عالمگیر کی سلطنت پر بھی طاری ہوئی۔ نہ عالمگیر نے کسی طبقے پر غیر مسلم ہونے کی وجہ سے سختی روا رکھی، نہ اس کے جانشینوں نے غیر مسلموں کے ساتھ میل جول میں تکلف کیا۔ عالمگیر قابل

تھا، اس لیے ہر خطرے کو دباتا رہا۔ جانشین نالائق تھے، اس لیے نئے نئے خطرے اُٹھ کر سلطنت کی بنیادوں پر کلہاڑے چلاتے رہے، یہاں تک کہ عالمگیر اور اس کے پیشروؤں کی دو صدی کی محنت ضائع ہوگئی۔

دکن کی مسلم سلطنتوں کا معاملہ: ایک الزام یہ ہے کہ عالمگیر نے دکن کی مسلم سلطنتوں کو مٹا کر مرہٹوں کے لیے عروج کا راستہ صاف کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مرہٹوں نے جو قوت حاصل کی، دکن کی سلطنتوں کی بدنظمی کے باعث حاصل کی یا کہنا چاہیے کہ وہ سلطنتیں خود مرہٹوں کو روپے اور آدمی دے دے کر اُبھارتی رہیں۔ عالمگیر کے لیے دکن میں امن قائم کرنے کا اور کوئی طریقہ ہی باقی نہیں رہا تھا کہ ان سلطنتوں کو مٹا دیتا۔ نیز بہمنی سلطنت کی پانچ شاخوں میں سے تین کو اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں مٹا چکے تھے۔ عالمگیر کے عہد میں صرف دو باقی رہ گئی تھیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ عالمگیر نے دکن کے معاملہ میں اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کی پالیسی پر عمل جاری رکھا۔

اولاد: عالمگیر کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ بیٹیوں میں سے ایک زیب النسا زیادہ مشہور ہے۔ وہ عالمگیر کی زندگی میں فوت ہوگئی۔ سب سے بڑا بیٹا محمد سلطان تاج و تخت کی جنگ میں شجاع سے جا ملا تھا۔ عالمگیر نے اسے نظر بند کر دیا۔ وہ اسی حالت میں ۱۶۷۶ء میں فوت ہوا۔ اکبر راجپوتوں کے فریب میں آ گیا تھا۔ اس نے ۱۷۰۴ء میں ایران میں وفات پائی۔ باقی تین بیٹوں محمد معظم، محمد اعظم اور محمد کام بخش کا حال اگلے باب میں بیان ہوگا۔

☆.....☆.....☆

آٹھواں باب

مغل سلطنت کی شامِ زوال

(۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء)

شاہ عالم بہادر شاہ اوّل (۱۷۰۷ء سے ۱۷۱۲ء): عالمگیر پر مغل سلطنت کی عظمت کا دَور ختم ہو گیا۔ بعد کے حالات کو تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ ساری مدّت شہزادوں اور امیروں کی لڑائیوں، صوبیداروں کی خود سریوں یا مخالف قوتوں کی ہنگامہ آرائیوں میں گزر گئی۔ عالمگیر نے سلطنت تینوں بیٹوں میں بانٹ دی تھی۔ کام بخش کو جنوبی دکن، اعظم کو مالوہ، گجرات اور شمالی دکن دے دیا تھا۔ محمد معظم کو باقی سلطنت کا مالک بنایا تھا، لیکن اعظم اس تقسیم پر راضی نہ ہوا۔ وہ لڑائی کے ارادے سے شمالی ہند پہنچا۔ آگرے سے بیس پچیس میل جنوب میں جاجو کے مقام پر اعظم اور معظم میں جنگ ہوئی، جس میں اعظم مارا گیا اور محمد معظم، قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے پادشاہ بن گیا۔

وہ دکن پہنچا تو کام بخش کو باپ کی وصیّت کے مطابق جنوبی دکن دے کر راضی کرنا چاہا، صرف یہ شرط لگائی کہ خطبہ اور سکہ میرے نام کا رہے۔ کام بخش نے بھی انکار کیا اور لڑائی چھیڑی۔ اس میں وہ سخت زخمی ہوا اور فوت ہو گیا۔ اس طرح شاہ عالم سارے ہندوست کا مالک بن گیا۔ اس نے صرف پانچ برس سلطنت کی۔ میواڑ اور مارواڑ میں سرکشی کی لہر اُٹھی۔ شاہ عالم نے اسے مستعدی سے دبا دیا۔ اس اثنا میں بندا بیراگی نے سکھوں کا ایک جتھا لے کر پنجاب میں مار دھاڑ شروع کر دی تھی۔ پادشاہ اس فتنے کی آگ فرو کرنے کی غرض سے پنجاب پہنچا۔ بیراگی بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔ شاہ عالم لاہور پہنچ کر بیمار پڑ گیا اور یہیں وفات پائی۔

جہاندار شاہ (۱۷۱۲ء ۱۷۱۳ء): شاہ عالم کے چار بیٹے تھے۔ ان میں سب سے لائق

عظیم الشان تھا، جو پٹنہ کا گورنر تھا اور اسی کے نام پر پٹنہ کا نام عظیم آباد رکھا گیا۔ ان میں جنگ شروع ہوگئی۔ ذوالفقار خاں سپہ سالار کی مدد سے معز الدین جہاندار شاہ کامیاب ہوا، عظیم الشان اور دوسرے دو بھائی مارے گئے۔ جہاندار شاہ نے ذوالفقار خاں کو مختار کل بنا دیا۔

عظیم الشان کا بیٹا فرخ سیر پٹنہ میں تھا۔ اس نے الہ آباد کے صوبیدار سید عبداللہ خاں بارہہ اور اس کے بھائی سید حسین علی خاں کی مدد سے ایک لشکر تیار کیا اور باپ کا بدلہ لینے کے لیے نکل پڑا۔ پہلی لڑائی کھجوے میں ہوئی جس میں جہاندار شاہ کی فوج نے شکست کھائی۔ دوسری لڑائی آگرے میں ہوئی۔ جہاندار شاہ کو وہاں بھی شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر دہلی پہنچ گیا، گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ ذوالفقار خاں سے فرخ سیر کو بڑی کاوش تھی، اسے بھی قتل کرا دیا۔

فرخ سیر (۱۷۱۳ء۔۱۷۱۹ء): فرخ سیر پادشاہ بن گیا۔ عبداللہ خاں نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھال لیا اور حسین علی خاں فوج کا مالک و مختار بن گیا۔ یہ دونوں بھائی قابل تھے، لیکن اقتدار کے لالچ میں نیک و بد کی پروا نہیں کرتے تھے۔ فرخ سیر کے مشیروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ اقتدار کی باگ سید بھائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ پادشاہ سلامت کب تک بے دست و پا بیٹھے رہیں گے۔ اس طرح فرخ سیر اور سیّدوں میں کش مکش شروع ہوگئی۔ حسین علی خاں دکن گیا ہوا تھا۔ عبداللہ خاں نے اسے بلایا تو وہ مرہٹوں کی فوج کو بھی امداد کے لیے ساتھ لے آیا اور اس امداد کے عوض میں مرہٹوں کو دکن سے چوتھ وصول کرنے کا حق دے دیا۔ اسی طرح خود ایک مسلمان امیر کی غلطی سے مرہٹوں کی نگاہیں پہلی مرتبہ دہلی کے جاہ و جلال پر پڑیں۔ سیّد بھائیوں نے فرخ سیر کو پکڑ کر پہلے نظر بند کیا، پھر قتل کر ڈالا۔ دو تیموری شہزادوں (رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ) کو یکے بعد دیگرے تخت پر بٹھایا۔ وہ تین تین مہینے میں فوت ہو گئے پھر سیّدوں نے شاہ عالم بہادر شاہ کے ایک پوتے روشن اختر (فرزند نجستہ اختر جہاں شاہ) کو پادشاہ بنا دیا۔ اس طرح عالمگیر کی وفات کے بعد صرف بارہ برس میں چھ دفعہ پادشاہیاں بدلیں۔ تین مرتبہ خانہ جنگی ہوئی۔

بندا بیراگی کا فتنہ: بندا بیراگی پونچھ (ریاست کشمیر) کا رہنے والا تھا۔ بیراگی بن کر جگہ جگہ پھرتا رہتا تھا۔ دکن میں اس کی ملاقات گورو گوبند سنگھ سے ہوئی تو ان کا مرید بن گیا۔ گورو جی کی وفات کے بعد بندا نے سکھوں کی جماعت ساتھ ملائی اور دکن سے پنجاب پہنچ کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ وہ اتنا سنگ دل اور بے درد تھا کہ جہاں مسلمانوں کو پاتا، قتل کر دیتا۔ ان کے گھروں کو لوٹ کر

آگ لگا دیتا۔ عورتیں اور بچے بھی اس وحشی کی خون ریزی سے محفوظ نہ رہے۔ بہادر شاہ اسے سزا دینے کے لیے پنجاب پہنچا تو یہ بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گیا۔ آخر فرخ سیر نے نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ کو پنجاب کی حکومت سونپی جو آخری دور کے دلیر اور با تدبیر امیروں میں سے تھا۔ نواب عبدالصمد خاں نے بندا کا تعاقب کیا۔ وہ آخر کار گورداسپور کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ بہت سے ساتھی مارے گئے۔ کچھ بھاگ نکلے۔ بندا اور اس کے ساتھ سو ساتھی گرفتار ہو گئے۔ عوام ان لوگوں کے جور و ظلم سے اتنے غصے میں تھے کہ لٹیروں اور قاتلوں کا یہ قافلہ جہاں پہنچتا، ہر طرف سے ان پر پتھر برسائے جاتے۔ بڑا انتظام کر کے انہیں عام لوگوں کے غصے سے بچا کر دہلی پہنچایا گیا جہاں سب کو قتل کی سزا ملی۔ یہ کم سے کم سزا تھی، جو ان ظالموں کو دی جا سکتی تھی۔ بندا سکھ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا عہد قتل و غارت میں اتنا تاریک تھا کہ سکھوں نے اسے سکھ ماننے سے انکار کر دیا۔

نواب عبدالصمد خاں ۱۷۳۷ء تک پنجاب کا گورنر رہا۔ بیگم پورہ اسی نے آباد کیا تھا۔

محمد شاہ (۱۷۱۹ء۔ ۱۷۴۸ء): محمد شاہ نے سب سے پہلے سید بھائیوں کے اقتدار سے نجات حاصل کی۔ دونوں بھائی مارے گئے۔ انہیں "بادشاہ گر" کہتے ہیں، اس لیے کہ فرخ سیر، رفیع الدولہ، رفیع الدرجات اور محمد شاہ کو انہیں نے تخت پر بٹھایا تھا اور وہی اس زمانے میں سلطنت کے مختار بنے رہے۔ جو امیر باقی رہ گئے تھے، ان میں سے نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ کے علاوہ صرف نظام الملک میں یہ قابلیت تھی کہ ملک کے انتظامات کو نئے سرے سے درست کر دیتا۔ اس نے عالمگیر کی آنکھیں دیکھی تھیں، جنگ و ملک داری دونوں کا وسیع تجربہ تھا، لیکن شاہی دربار کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ نظام الملک ایک کام کو درست کرتا، تو دوسرے امیر دس کاموں کو بگاڑ کر رکھ دیتے۔ سلطنت ریت کا ٹیلہ بن گئی تھی، جو جھونکا آتا وہ کچھ نہ کچھ اپنے ساتھ اُڑا لے جاتا۔ خود بادشاہ کی یہ حالت تھی کہ قلعے سے باہر کے حالات کا اسے کچھ علم نہ تھا۔ اسی زمانے میں نظام الملک دہلی سے نکل کر دکن گیا اور اس حصے کا انتظام سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہی زمانہ ہے جب برہان الملک صوبہ دار اودھ نے خود مختاری کی بنیاد رکھی۔ اسی زمانے میں بنگال، بہار اور اڑیسہ کا رشتہ مرکز سے کٹنا شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جب دکن میں مرہٹوں کے اقتدار کا نیا دور پیشواؤں کے ماتحت جاری ہوا اور ایک نئی حکومت کی بنیاد پڑی۔

نادر شاہ کا حملہ ۱۷۳۹ء: یہاں سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا، اس کا وقار تباہ ہو رہا تھا، ۱۷۳۹ء

میں ایران سے ایک آندھی اُٹھی جس نے مغلوں کی میراث کو بچانے کی رہی سہی امید بھی ختم کردی۔ یہ نادر شاہ ایرانی کا حملہ تھا۔

جب ایران میں صفویوں کی سلطنت کمزور ہوئی تو افغان اصفہان پر قابض ہو گئے تھے۔ ترکوں نے ایران کے مغربی و شمالی حصّوں پر حملے شروع کر دیے تھے۔ نادر شاہ نے افراتفری کے اس زمانے میں ایک جمعیت فراہم کی اور تھوڑی سی مدت میں افغانوں اور ترکوں کو شکستیں دے کر ملک سے باہر نکال دیا، پھر خود سلطنت پر قابض ہو گیا۔ افغانوں کا پیچھا کرتا ہوا افغانستان پہنچا۔ وہاں سے ہندوستان آ گیا۔ کرنال کے قریب محمد شاہ کے ساتھ لڑائی ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہندوستانیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ نظام الملک نے دو کروڑ روپے دے کر صلح کا بندوبست کیا۔ محمد شاہ نے خوش ہو کر اس کا اعزاز بڑھا دیا۔ برہان الملک نے اس اعزاز پر بگڑ کر نادر شاہ سے کہا کہ دو کروڑ روپے تو غلام دے سکتا ہے۔ دہلی پہنچ کر مال و دولت کا نقشہ دیکھیں گے تو آنکھیں کھل جائیں گی۔ نادر شاہ وہاں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

نادر شاہ کے آدمی دہلی پہنچے تو جس شخص کے پاس کوئی قیمتی چیز دیکھتے، چھین لیتے۔ بعض لوگوں نے مزاحمت کی۔ جھگڑا بڑھ گیا اور نادر کے کئی آدمی مارے گئے۔ ساتھ ہی شہر میں مشہور ہو گیا کہ نادر مارا گیا۔ اس پر دہلی والوں نے ایرانیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ ایک رات میں سات سو ایرانی مارے گئے۔ نادر خود سوار ہو کر نکلا تو بے فکروں نے اس پر پتھر برسائے۔ اس پر اس نے قتل عام کا حکم دے دیا اور دہلی کی گلیوں میں بے گناہوں کا خون بہہ نکلا۔ آخر نظام الملک نے ننگے سر نادر کے پاس حاضر ہو کر امن کی درخواست کی۔

خون ریزی ہو چکی تھی تو اب سونا چاندی اور دوسری قیمتی چیزیں جمع ہونے لگیں۔ نہ صرف شاہی خزانہ لٹا، بلکہ امیروں اور عام لوگوں کے گھروں میں بھی جھاڑو پھیر دیا۔ نادر شاہ تختِ طاؤس بھی لے گیا جو مغل شہنشاہی کی بیش بہا یادگار تھا۔

احمد شاہ اور عالمگیر ثانی (۱۷۴۹ء۔۱۷۵۹ء): نادر ۱۷۴۷ء میں مارا گیا۔ اس کا ایک سپہ سالار احمد خاں سدوزئی تھا، جسے افغانوں نے اپنا بادشاہ بنا لیا اور دیر کے بعد افغانستان میں آزاد قومی حکومت کی بنیاد پڑی۔ احمد شاہ ۱۷۴۸ء میں فوج لے کر ہندوستان آ گیا اور سرہند پر قابض ہو گیا۔ وزیر قمر الدین خاں اور محمد شاہ کا ولی عہد اس کے مقابلے پر گئے اور ابدالی کو فاش شکست دی۔

اس لڑائی میں وزیر مارا گیا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اتفاقیہ ایک گولہ اس کے لگا۔

۱۷۴۸ء میں محمد شاہ اور نظام الملک دونوں نے وفات پائی۔ محمد شاہ کا بیٹا احمد شاہ تخت پر بیٹھا۔ پہلے ہی دربار میں دو فریق بن گئے تھے جن کے درمیان سخت کش مکش شروع ہو گئی تھی، ایک فریق کا سرگروہ نظام الملک تھا، دوسرے کا برہان الملک۔ ایک کو تورانی پارٹی کہنا چاہیے، دوسرے کو ایرانی پارٹی۔ بعد میں تورانی پارٹی کا سردار عماد الملک بنا، جو نظام الملک کا پوتا تھا۔ ایرانی پارٹی کی سرداری برہان الملک کے داماد اور جانشین صفدر جنگ کے ہاتھ آئی۔ یہ دونوں اپنا اپنا اقتدار چاہتے تھے اور اس غرض کے لیے ہر طاقت سے مدد لے لیتے تھے۔ عماد الملک نے مرہٹوں اور جاٹوں سے مدد لینے میں بھی تامل نہ کیا۔ اس طرح اپنے آپ کو بھی تباہ کیا اور سلطنت کو بھی بستر مرگ پر پہنچا دیا۔

۱۷۵۴ء میں عماد نے احمد شاہ کو تخت سے اتار کر اندھا کر دیا اور جہاندار شاہ کے بیٹے عزیز الدین کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔ پھر اس سے بدظن ہوا تو ۱۷۵۹ء میں وہ مسکین بھی بڑی بیدردی سے مارا گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے عماد الملک سے ملک کو نجات دلائی۔

شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹ء۔۱۸۰۶ء): عالمگیر ثانی کا بیٹا عالی گوہر دہلی کے حالات کی ابتری سے گھبرا کر پورب کی طرف نکل گیا تھا۔ جب اسے باپ کے قتل کی اطلاع ملی تو بہار میں شاہ عالم کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔ شاہ عالم اوّل سے امتیاز کی خاطر اسے شاہ عالم ثانی کہتے ہیں۔ پہلے اس نے انگریزوں کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی دے کر اپنا مددگار بنایا اور سمجھتا رہا کہ وہ دہلی کا تخت دلا دیں گے۔ ان کی طرف سے مایوس ہو گیا تو مرہٹوں سے رشتہ جوڑ لیا اور ۱۷۷۱ء میں دہلی پہنچ گیا۔ اس طرح گیارہ برس تک دہلی کی تخت گاہ بادشاہ سے محروم رہی۔

شاہ عالم ثانی کے زمانے میں بادشاہی محض برائے نام رہ گئی تھی۔ ابتدا میں ذوالفقار الدولہ نجف خاں نے اچھا انتظام کیا اور شاہی رعب داب نئے سرے سے قائم ہونے لگا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو پھر پہلی حالت پیدا ہو گئی۔ اس زمانے میں ایک افغان سردار غلام قادر خاں رہیلے نے دہلی پر قبضہ جما کر بادشاہ کی آنکھیں نکلوا دیں۔ مادھو جی سندھیا والیِ گوالیار نے غلام قادر خاں کا خاتمہ کیا اور خود بادشاہ کا وکیل یعنی مختار بن بیٹھا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریز مرہٹوں کو شکست دے کر دہلی پر قابض ہو گئے اور بادشاہ نے ان کی مختاری قبول کر لی۔ وہ ایک بندھی رقم وظیفے کے

طور پر دے دیتے تھے اور تمام انتظامات انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے۔ ۱۸۰۶ء میں شاہ عالم ثانی کا انتقال ہوا۔

آخری دو پادشاہ (۱۸۰۶ء۔۱۸۵۷ء): شاہ عالم ثانی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا معین الدین اکبر شاہ ثانی پادشاہ بنا۔ انگریزوں نے پہلے اس غرض سے پادشاہی کا پردہ باقی رکھا تھا کہ انہیں یقین نہ تھا کہ عام لوگ خاموشی سے ان کی حکومت مان لیں گے۔ جب آہستہ آہستہ ان کی حکومت کے قدم جم گئے اور عوام نئے حکمرانوں کے طور طریقوں کے عادی بن گئے، تو پادشاہی کی نمائش انگریز ختم کرنے لگے۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد کا صرف ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ جو رقم اسے وظیفے کے طور پر ملتی تھی، اس میں گزارا نہیں ہوتا تھا۔ مشیروں نے رائے دی کہ ولایت میں وظیفہ بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پادشاہ نے بنگال کے مشہور لیڈر رام موہن رائے کو راجا کا خطاب دے کر ولایت بھیجا۔ راجہ رام موہن رائے ولایت ہی میں فوت ہو گیا۔ وظیفہ میں جس اضافے کی خواہش تھی، وہ تو نہ ہوا لیکن جو اضافہ ہوا، پادشاہ نے اسے منظور کر لیا۔

۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی کی وفات پر اس کا فرزند سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ ثانی پادشاہ بنا۔ اس کے عہد میں انگریزوں نے طے کر لیا تھا کہ آئندہ کسی کو پادشاہ نہیں بنائیں گے۔ بہادر شاہ کے جانشین کو صرف شہزادے کا لقب حاصل ہوگا اور وہ لال قلعہ کو خالی کر کے قطب صاحب میں رہنے لگے گا۔ چنانچہ بہادر شاہ کے دوسرے ولی عہد میرزا فخرو نے یہ شرطیں مان لی تھیں۔

مئی ۱۸۵۷ء میں انگریزی راج کے خلاف وہ تحریک اٹھی، جسے عام طور پر غدر کہتے ہیں۔ اس کے حالات انگریزی دَور کی تاریخ میں بیان ہوں گے۔ یہ تحریک ناکام رہی۔ انگریز چار مہینے کے بعد دوبارہ دہلی پر قابض ہو گئے۔ ایک فوجی افسر نے مغل شہزادوں کو خونی دروازے (دہلی) کے پاس بے دردی سے قتل کر دیا۔ بادشاہ، اس کی بیگم زینت محل و شہزادہ جواں بخت گرفتار ہوئے، بادشاہ پر مقدمہ چلا۔ آخر میں اسے بیگم اور شہزادے سمیت رنگون بھیج دیا گیا جہاں ۱۸۶۲ء اس نے قیدِ حیات اور قیدِ فرنگ سے نجات پائی۔ اس پر تیموریوں کی پادشاہی ختم ہو گئی۔ رہے نام اللہ کا۔

مرہٹے پیشوا (۱۷۱۴ء۔۱۸۱۸ء): مغلوں کے دَورِ زوال میں ہندوستان کے اندر کئی نئی قوتیں اُبھریں۔ بعض کی حیثیت بالکل معمولی تھی، بعض کا اقتدار دُور دُور تک پھیلا اور ملک کی

تقدیر کو نئے سانچے میں ڈھالنے کے لیے انہوں نے زبردست کوششیں کیں۔ ان میں چند قوتوں کا حال آگے چل کر موقع پر بیان ہوگا۔ لیکن مرہٹہ پیشواؤں کا ذکر یہیں کر دینا مناسب ہے۔ حقیقت میں ان کی سرگزشت مغلوں کے دورِ زوال ہی کی تاریخ کا ایک ورق ہے۔ پیشواؤں کی حکمرانی تقریباً ایک سو برس جاری رہی۔ ابتدا میں ان کی حیثیت معمولی تھی۔ پھر وہ ایک دم اتنے چڑھ گئے کہ ہندوستان کی سب سے بڑی قوت سمجھے جانے لگے، اگرچہ اس زمانے میں بھی اپنے پروانوں پر مغل شہنشاہوں سے مہریں لگواتے تھے۔ پانی پت کی تیسری جنگ (۱۷۶۱ء) میں ان کا خون اس طرح بہہ گیا کہ زندگی کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ باہمی کشمکشوں اور جھگڑوں نے اسے تھوڑی ہی دیر میں بجھا دیا۔

سیواجی کے پوتے ساہو کو ۱۷۰۸ء میں شاہ عالم بہادر شاہ نے راجائی کے اختیارات دیے تھے۔ وہ آرام طلب آدمی تھا۔ راجائی کے جھمیلوں سے اس کی نازک طبیعت گھبراتی تھی۔ لہٰذا اس نے سارا کاروبار اپنے وزیر بالاجی وشوانا تھ پنڈت کے حوالہ کر دیا جسے پیشوا یعنی پیشکار کا لقب حاصل تھا۔ وہ دانا اور دُور اندیش آدمی تھا۔ آہستہ آہستہ مختارِ کل بن گیا اور راجا ساہو کی حیثیت محض ایک بُت کی سی رہ گئی جس کی رسمی پوجا بہت ہوتی تھی، خرچ کے لیے پیسے بھی دے دیے جاتے تھے، لیکن عملاً ملک داری کے کسی کام سے سروکار نہ تھا۔

باجی راؤ (۱۷۲۰ء سے ۱۷۴۰ء): بالاجی وشوانا تھ ۱۷۱۴ء میں مختار بنا اور ۱۷۲۰ء میں فوت ہوا اس کے عہد تک مرہٹوں کے اقتدار کا قدم دکن سے باہر نہیں نکلا تھا اور دکن کے بھی صرف مغربی و شمالی حصے میں ان کا زیادہ اثر تھا۔ باقی علاقے نظام الملک کے قبضے میں تھے، جس سے ٹکرانے کا حوصلہ مرہٹوں میں نہیں تھا۔ بالاجی وشوانا تھ کا بیٹا باجی راؤ زیادہ حوصلہ مند اور جاہ پسند آدمی تھا۔ اس نے نظام الملک سے جھگڑا نہ چھیڑا اور مغل علاقوں کا رُخ کر لیا، جہاں مرکزی حکومت کی کمزوری کے باعث بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے زمانے میں مالوے کا علاقہ مرہٹوں کو ملا۔

باجی راؤ نے مختلف حصوں میں اپنے سردار مقرر کر دیے تھے۔ ان سرداروں نے آگے چل کر اپنی الگ ریاستیں قائم کر لیں۔ رگھوجی بھونسلے نے ناگپور میں، پیلاجی گائیکواڈ نے بڑودے میں، ملہار راؤ ہلکر نے اندور میں اور رانوجی سندھیا نے گوالیار میں۔ ناگپوری ریاست کو انگریزوں نے پہلے ختم کر دیا۔ گوالیار اندور اور بڑودے کی گدیاں ہمارے زمانے (۱۹۴۷ تک)

قائم رہیں، اب ختم ہو رہی ہیں۔

بالاجی باجی راؤ (۱۷۴۰ء۔۱۷۶۱ء): باجی راؤ کے بعد اس کا بیٹا بالاجی باجی راؤ پیشوا بنا۔ اس کے عہد میں مرہٹہ سلطنت اپنے انتہائی عروج پر پہنچی اور اسی کے زمانے میں اس پر کاری ضرب لگی جس کے بعد وہ سنبھل نہ سکی۔

راجہ ساہو ۱۷۴۷ء میں فوت ہوا۔ اس کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ ایک بچے کو لے کر پال لیا تھا۔ بالاجی باجی راؤ نے ساہو سے ایک وصیت لکھوالی کہ مرہٹہ ریاست کا انتظام پیشوا ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ یہ گویا مختاری عام کی سند تھی۔ اس وقت سے پیشوا براہ راست تمام اختیارات کا مالک بنا اور ساہو کا لے پالک بیٹا ایک معمولی جاگیردار رہ گیا۔

۱۷۴۸ء میں نظام الملک کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹوں میں ریاست کے لیے کش مکش شروع ہو گئی۔ دکن کی ریاست نظام الملک کے دوسرے بیٹے ناصر جنگ نے سنبھال کی۔ بڑا بیٹا غازی الدین خاں فیروز جنگ دہلی میں رہتا تھا۔ وہ دربار سے ریاست کا فرمان لے کر چلا تو مرہٹوں سے امداد لے کر بھائی کو زیر کرنے کی تدبیر سوچی۔ اس طرح نظام الملک کی ریاست میں مرہٹوں کے لیے عمل دخل کا موقع پیدا ہوا۔ ناصر جنگ کرناٹک میں پٹھانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اورنگ آباد میں وفات پائی اور نظام الملک کا تیسرا بیٹا صلابت جنگ ریاستِ دکن کا مالک بن گیا۔ مرہٹوں نے اس سے بھی کچھ علاقے لے لیے اور ان کا اثر دہلی کے آگے بڑھ کر پنجاب تک پہنچ گیا، جسے احمد شاہ ابدالی فرمانروائے افغانستان نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ اس زمانے میں مرہٹوں کا اقتدار دریائے گوداوری سے پنجاب تک اور بحیرۂ عرب سے بنگال تک پھیل گیا تھا اور انہیں شکست دینے والا کوئی نہ تھا۔ نظام دبا ہوا تھا۔ بنگال و اودھ کے مسلمان حاکموں پر خوف طاری تھا۔ راجپوت اور جاٹ دم بخود تھے۔ مغل بادشاہوں کی عزت اگرچہ پیشوا کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی، لیکن وہ بالکل بے بس اور بے اختیار تھے۔

احمد شاہ ابدالی سے ٹکر: مرہٹے اگر پنجاب کا رخ نہ کرتے تو شاید بچے رہتے، لیکن اقتدار کے نشے میں انہوں نے کہیں رُکنے کا خیال نہ کیا۔ اس طرح ان کی ٹکر احمد شاہ ابدالی سے ہو گئی جو انہیں سزا دینے کے لیے ہندوستان آ گیا۔ ۱۷۶۰ء میں ملہار راؤ ہلکر کے ساتھ افغانوں کی جنگ ہوئی۔ مرہٹہ فوج اگرچہ بہت زیادہ تھی، لیکن ہلکر نے فاش شکست کھائی اور اس کی ساری فوج تباہ

ہوگئی۔ صرف تین سو آدمی بہ مشکل جان بچا کر نکل سکے۔

بالا جی باجی راؤ نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے تین لاکھ کا لشکر تیار کیا، جس کا سپہ سالار اس کا چچیرا بھائی سداشیو راؤ بھاؤ بنا۔ پیشوا کا نوجوان فرزند وشواش راؤ بھی ساتھ ہو گیا۔ ابدالی اس زمانے میں گنگا اور جمنا کے دوآبے میں ٹھہرا ہوا تھا، اس لیے کہ دہلی کے گردونواح کے علاقے مرہٹوں کی غارت گری سے بالکل ویران ہو چکے تھے اور فوج کو رسد ملنے کی کوئی صورت نہیں رہی تھی۔

شجاع الدولہ والیِ اودھ اور نجیب الدولہ روہیلہ بھی احمد شاہ کے ساتھ ہو گئے۔ سچی بات یہ ہے کہ مرہٹوں کے ظلم و جبر نے ہر شخص کو ہراساں کر رکھا تھا اور سب ان کی شکست کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔

پانی پت کی تیسری جنگ ۱۷۶۱ء: احمد شاہ کی اپنی فوج اسی ہزار سے زیادہ نہ تھی اور اس کے پاس چھوٹی بڑی چالیس توپیں ہوں گی۔ مرہٹہ فوج تعداد میں بھی بہت زیادہ تھی، نیز اس کے پاس دوسو بھاری توپیں تھیں۔ ان کے توپ خانے کا کمان دار ابراہیم خان گاردی تھا جس نے فرانسیسی فوج میں رہ کر یورپ کے جنگی قواعد سیکھ لیے تھے۔ وہ پانی وقت کے قریب مورچہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ شاہ نے باغپت کے مقام پر جمنا کو عبور کیا۔ مرہٹوں نے گوبند پنڈت کو افغان فوج کی رسد بند کرنے کا حکم دے دیا تھا، لیکن افغانوں نے ایک ہی حملے میں گوبند پنڈت کی ساری تدبیریں ناکام بنا دیں۔ اب مرہٹوں کو رسد کی تنگی محسوس ہوئی۔ ان کا لشکر بہت بھاری تھا اور وہ خود حفاظت کے خیال سے ہر طرف سے کٹ کر محصور ہو گئے تھے۔ تنگ ہو کر بھاؤ نے صلح کے لیے التجائیں شروع کر دیں اور سرہند سے اوپر تک کا علاقہ شاہ کے حوالے کر دینے پر راضی ہو گیا، لیکن شاہ نے ہر التجا کو ٹھکرا دیا۔ اس کے ہندوستانی رفیق صلح پر مائل تھے۔ شاہ نے کہا: تم جو چاہو کرو۔ جنگی مصلحتوں کو میں خود خوب جانتا ہوں۔ موقع دیکھ کر جو کچھ مناسب سمجھوں گا کروں گا۔ مایوس ہو کر بھاؤ نے کہا: ''پیالہ لبریز ہو چکا ہے اور اب ایک قطرے کی بھی گنجائش نہیں۔''

۳ر جنوری ۱۷۶۱ء کو بھاؤ نے لڑائی شروع کی۔ صبح سے دوپہر تک مرہٹوں کے حملے کا زور رہا۔ ایک بجے کے قریب شاہ نے تازہ دم فوج لے کر سخت یورش کی۔ دو اور تین بجے کے درمیان پیشوا کا بیٹا وشواش راؤ زخمی ہو کر گھوڑے سے گر گیا۔ تین بجے مرہٹہ فوج پلٹ کر بھاگ

نکلی۔ فاتحوں نے ہر طرف بیس بیس میل تک اس کا تعاقب کیا۔

شاہ کی باقاعدہ فوج کے علاوہ بے قاعدہ دستے بھی خاصی تعداد میں شامل تھے۔ مرہٹہ فوج تین لاکھ سے کم نہ تھی۔ ان میں سے دو لاکھ آدمی مقتول اور بے شمار قید ہوئے۔ وشواش راؤ اور بھاؤ مارے گئے۔ سندھیا، ہلکر اور نانا فرنویس کے سوا کوئی قابلِ ذکر سردار زندہ نہ بچا۔ پیشوا کو نقصان کا جو پیغام پہنچا، اس کا مضمون یہ تھا۔

"دو موتی (وشواش راؤ اور بھاؤ) ٹوٹ گئے۔ ستائیس اشرفیاں (بڑے بڑے سردار) گم ہو گئیں۔ سونے اور چاندی کے سکوں کا نقصان حساب میں نہیں آ سکتا۔"

یہ پانی پت کی تیسری جنگ تھی جو ہندوستان کی چند بڑی فیصلہ کن جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس نے مرہٹوں کے اقتدار کی تمام امیدوں کا خون کر دیا۔ بالا جی راؤ کا دل اس شکست سے ٹوٹ گیا اور وہ اسی صدمے کے باعث چند ماہ میں فوت ہو گیا۔ ابدالی واپس چلا گیا۔ مغلوں کے لیے اپنی قوت بحال کرنے کی نئی مہلت پیدا ہو گئی تھی، لیکن اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔

آخری دَور (۱۷۶۱ء۔ ۱۸۱۸ء): بالا جی باجی راؤ کے بعد اس کا بیٹا مادھو راؤ پیشوا بنا۔ اس نے مرہٹوں کو دوبارہ کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ اسی کے عہد میں مادھو جی سندھیا نے مغل دربار میں وکیل کا منصب حاصل کیا۔ مادھو راؤ ۱۷۷۳ء میں فوت ہوا تو اس کے بھائی نارائن راؤ اور چچا رگھوناتھ راؤ عرف رگھوبا میں جانشینی کے متعلق جھگڑے شروع ہو گئے۔ نارائن راؤ نو مہینے کے بعد مارا گیا تو نانا فرنویس نے اس کے بچے مادھو راؤ نارائن کو، جو باپ کے مرنے کے بعد پیدا ہوا تھا، پیشوا بنا دیا۔ اس کش مکش میں انگریزوں سے لڑائی ہوئی۔ مادھو راؤ نارائن ۱۷۹۵ء میں محل کی چھت سے گر کر مر گیا یا اسے گرا کر مار دیا گیا۔ پھر رگھوناتھ راؤ کا بیٹا باجی راؤ ثانی پیشوا بنا۔ اس کے زمانہ میں دو مرتبہ انگریزوں سے لڑائی ہوئی۔ ۱۸۱۸ء کی جنگ کے بعد باجی راؤ کو پیشوائی سے ہٹا کر پنشن دے دی گئی اور وہ کانپور کے قریب بٹھور میں رہنے لگا۔ اسی کا متبنّٰی ڈھونڈو پنتھ عرف نانا صاحب تھا جس نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف تحریکِ آزادی میں نمایاں حصّہ لیا تھا۔

مرہٹوں کی ناکامی اور زوال کے اسباب بالکل ظاہر ہیں۔ ان کی ابتدائی تربیت لوٹ مار، غارت گری اور چھاپوں میں شروع ہوئی تھی۔ منظم طریقے پر کسی میدان میں لڑنے کے قابل وہ

کبھی نہ ہوئے۔ جب تک چھوٹے چھوٹے دستوں میں اچانک حملے کرتے رہے، ہر طرف ان کی دھاک بندھی رہی۔ جب کسی منظم فوج کے مقابلے میں جم کر لڑے، شکست کھائی۔ ان میں ایسی تنظیم کبھی پیدا نہ ہوئی، جو کامیابی سے حکومت کا انتظام چلانے کے لیے ضروری تھی۔ پھر ان کی لوٹ مار اور غارت گری سے لوگ سخت بیزار ہو چکے تھے۔ جس حکومت سے عام لوگ بیزار ہو جائیں وہ پائیدار نہیں بن سکتی۔

☆.....☆.....☆

نواں باب

مغلوں کا دورِ حکمرانی!

ہندوستان سے وابستگی: مغل ۱۵۲۶ء میں یہاں پہنچے تھے۔ ہمایوں کی جلاوطنی کے پندرہ برس کو چھوڑ کر ان کی حکومت ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔ ہندوستان کے حالات جب سے تاریخ کی روشنی میں آئے ہیں، کوئی مسلمان یا غیر مسلم خاندان ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا ہے، جسے اتنی لمبی مدت تک یہاں حکمرانی کی مہلت ملی ہو۔ غیر مسلموں میں سے پہلی بڑی حکومت چندر گپت موریا نے قائم کی، جس کی ساری شان و شوکت اشوک کی وفات پر ختم ہوگئی، لیکن اگر اس کا سلسلہ موریا خاندان کے آخری راجہ تک بھی مانا جائے تو اس کی کل مدتِ اقتدار ایک سو سینتیس برس بنتی ہے۔ دوسری بڑی حکومت گپت خاندان کی تھی، جو زیادہ سے زیادہ ایک سو اسی برس رہی۔ مسلمانوں میں سے تینوں غلام خاندان ۸۴ برس، خلجی ۳۱ برس، تغلق ۹۳ برس اور لودھی ۷۵ برس حکمران رہے، لیکن مغلوں نے کم و بیش سوا تین سو برس حکمرانی کی۔ بابر اور ہمایوں اگرچہ باہر پیدا ہوئے تھے، تاہم ہندوستان پہنچتے ہی یہاں کے باشندے بن گئے۔ اکبر سے لے کر بہادر شاہ ثانی تک تمام مغل تاجدار ہندوستان میں پیدا ہوئے، یہیں زندگی کے دن گزارے اور اسی سرزمین کی گود میں وہ ابدی نیند سوئے۔ انہوں نے کبھی دوسرے ملک کو اپنا وطن نہ سمجھا بلکہ کابل کی مملکت کو بھی اس ملک کا ایک صوبہ بنا دیا۔ ان کو خدا نے جو کچھ دیا، وہ اسی ملک کی زینت، آرائش اور بہتری میں صرف کیا۔ یہاں تک کہ ان کی عظیم الشان یادگاریں بھی اسی ملک کی تہذیبی دولت ہیں۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ انہیں ہندوستان کی حفاظت یا عزت یا برتری یہاں کے کسی دوسرے شخص سے کم عزیز تھی۔

ملک کی وحدت: ہندوستان پہلے بھی اپنی زرخیزی اور شادابی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اسی زرخیزی اور شادابی نے آریاؤں کو وسط ایشیا سے کھینچ کر یہاں پہنچایا تھا، مال و دولت ہی کا شہرہ اسکندر کو اس جگہ لایا تھا، لیکن اس ملک کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک جغرافیائی اکائی بنانے کا کام مغلوں سے پہلے کوئی حکمران پورا نہ کر سکا۔ رام چندر جی کے زمانے میں بھی یہ مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا

جن میں باہم کوئی تعلق نہ تھا۔ اشوک کے عہد میں پہلی مرتبہ اس کے زیادہ حصے ایک جھنڈے تلے آئے، لیکن اس ایکے کی حیثیت ایک بجلی کی سی تھی جو چند لمحوں کے لیے چمکی، پھر ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ گپت خاندان کے عہدِ حکومت کو ہندو اس ملک کا سنہری دَور سمجھتے ہیں، لیکن اُس عہد میں پورا شمالی ہندوستان بھی ایک جگہ نہیں ہوا تھا۔ علاؤ الدین خلجی نے فتوحات کا سیل دکن کے جنوبی حصے تک پہنچایا، لیکن وہ سارے ملک میں انتظامی وحدت پیدا نہ کر سکا۔ یہ حقیقی کام اکبر نے شروع کیا اور عالمگیر نے اسے کمال پر پہنچایا۔ یہی زمانہ ہے جس میں ہندوستان کی عظمت کے آوازے سے دنیا کے ایوانوں میں گونج پیدا ہوئی۔ یہی زمانہ ہے جس میں یہ ملک ٹھیک ٹھیک وحدت کے سانچے میں ڈھلا یا کہنا چاہیے کہ لوگوں کے دماغ میں یہ بات سمائی کہ ہندوستان واقعی ایک ملک ہے۔ پھر انگریزوں کے آخری عہد میں جن اسباب کی بنا پر اس کی تقسیم عمل میں آئی، ان پر بحث کا یہ موقع نہیں۔

مغلوں کی بے تعصبی: مغلوں کی حکومت میں نظم و نسق کا جو ڈھنگ رہا، اس کی کیفیت ہم پہلے کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ مغلوں نے ملک داری میں بے تعصبی اور رواداری کو کبھی نہ چھوڑا۔ ان کے دربار میں مسلمانوں اور غیر مسلموں نے یکساں بڑے بڑے منصب حاصل کیے۔ توڈرمل، بیربل، مان سنگھ اور بھگوان داس کو اکبر کے عہد میں جو اعتماد اور ہر دل عزیزی حاصل تھی، کوئی مسلمان امیر اس سے زیادہ اعتماد اور ہر دلعزیزی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ عالمگیر کے زمانے میں میرزا راجے سنگھ کو مسلمان سپہ سالاروں پر بھی برتری حاصل رہی۔ دلیر خاں ایسا بہادر اور کاروان جرنیل تھا کہ خود عالم گیر بھی اس سے دبتا تھا، لیکن جب سیواجی کے خلاف فوج بھیجی گئی تو میرزا راجے سنگھ کو سپہ سالارِ اعظم بنایا گیا، دلیر خاں کو اس کے ماتحت رکھا گیا۔ مغلوں نے اپنے طرزِ عمل سے آبادی کے مختلف طبقوں میں برادری، ایکے اور ہم وطنی کی جو فضا پیدا کر دی تھی، اسے مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں نے تباہ کیا، جو اپنی حکومتوں کی خاطر لڑے، لیکن مذہب کو اس غرض سے استعمال کرتے رہے۔ اسی دور میں تنگ نظری اور تعصب کا وہ زہر پیدا ہوا، جس نے ہندوستان کی وحدت کو ختم کیا۔ مؤرخ کا کام یہ نہیں کہ مختلف طبقوں کے سیاسی نظریات کی بحث چھیڑے، لیکن مرہٹوں اور سکھوں کی تنگ نظری آج بھی سب پر آشکارا ہے، یہ اس غلط فضا کا پتہ دیتی ہے، جس کی گود میں ان کی پرورش ہوئی۔ ان روایتوں کی حیثیت روشن کرتی

ہے جو مرہٹوں اور سکھوں کے دل و دماغ میں ابتدا سے بسی ہوئی ہیں۔

لڑائیوں کی حیثیت: مغلوں کے عہد میں بے شمار لڑائیاں ہوئیں۔ وہ سب سیاسی لڑائیاں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی لڑائی میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ کسی میں مسلمان مسلمانوں سے لڑے۔ کسی میں دونوں طرف ملی جلی فوجیں تھیں۔ پانی پت کی پہلی جنگ میں گوالیار کا راجا، ابراہیم لودھی کے ساتھ تھا۔ کنواہہ کی لڑائی میں حسن خاں میواتی اور افغان رانا سانگا کے ساتھ تھے۔ پانی پت کی دوسری جنگ میں ہیمو کی فوج زیادہ تر افغانوں سے مرکب تھی۔ پانی پت کی تیسری جنگ میں ابراہیم خاں گاردی مرہٹوں کے توپ خانہ کا افسر تھا۔ ہلدی گھاٹ کی جنگ میں پرتاپ کے خلاف مغل فوج کا سالار کنور مان سنگھ تھا۔ شاہجہاں کے بیٹوں کی جنگ میں پہلے جسونت سنگھ اور میرزا راجا جے سنگھ داراشکوہ کے ساتھ تھے۔ پھر میرزا راجا نے اورنگ زیب کے ساتھ ہو کر شجاع سے جنگ کی۔ مہابت خاں نے جب جہانگیر کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا، تو اس کی پوری فوج راجپوتوں سے مرکب تھی۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ فرقہ پرستی اور مذہبی تعصب کی جس وبا نے ہندوستان کی آبادی کے ٹکڑے کیے وہ مرہٹوں اور سکھوں سے پیدا ہوئی۔ انگریزوں نے اپنی اغراض کے لیے اس آگ کو خوب بھڑکایا۔ مغلوں کے عہد میں ایسی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ تمام لوگ امن پسند ہمسایوں کی طرح رہتے تھے۔ اگرچہ بعض اوقات ان میں اختلاف بھی پیدا ہو جاتے تھے، جیسے کہ ایک ہی مذہب کے آدمیوں میں بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

بادشاہی کی شان: مغل بادشاہوں نے ملک کی آبادی کے تمام طبقوں کو اتنا آرام پہنچایا تھا کہ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کے دل میں بھی یہ خیال بس گیا تھا کہ بادشاہی صرف مغلوں کے لیے ہے اور ان کے سوا کوئی شخص بادشاہی کے لائق ہی نہیں۔ چنانچہ انہیں کی خاطر مغل بادشاہوں نے "درشن" کا سلسلہ جاری کیا، یعنی بادشاہ ہر روز جھروکے میں بیٹھ کر اپنی زیارت کراتا۔ یہی وجہ ہے کہ مرہٹے اگرچہ بڑی قوت کے مالک بن گئے تھے اور ان کی ترکتازوں سے ملک کا بڑا حصہ پامال ہو رہا تھا، لیکن جب وہ کوئی علاقہ لینا چاہتے تھے تو بادشاہ سے اس پر مہر کراتے تھے۔ مادھوجی سندھیا دہلی پر قابض ہو گیا؛ تاہم اسے براہِ راست حکومت کا حوصلہ نہ ہوا، صرف بادشاہ کے وکیل کی حیثیت میں کام کرتا رہا۔ انگریز پلاسی کی جنگ کے بعد بنگال، بہار اور اڑیسہ کے مختار بن گئے

تھے۔ انہوں نے پہلے میر جعفر کو ناظم بنایا، پھر اس کی جگہ میر قاسم کو گدی پر بٹھایا۔ اس نے ساتھ پاؤں نکالے تو دوبارہ میر جعفر کا بُت کھڑا کر دیا۔ کبھی بادشاہ سے نہ پوچھا کہ اسے کون سا ناظم پسند ہے۔ تاہم انہیں خود بنگال، بہار اور اُڑیسہ پر قبضہ کرنے کی ہمت نہ پڑی، بلکہ اسی شاہ عالم ثانی سے ان علاقوں کی دیوانی کی سند لی، جو خود بے دست و پا تھا اور پورب سے دہلی پہنچنے کے لیے سہارا ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ سب سے آخر میں یہ کہ جب غدر میں مختلف مقامات کے سپاہی بگڑے تو وہ ہندو تھے یا مسلمان، سب کا رخ دہلی ہی کی طرف ہوا۔ بہادر شاہ ہی ان کے نزدیک اصلی لیڈر تھا، اس لیے کہ وہی مغل بادشاہی کا آخری نقش تھا۔ بادشاہی کی یہ شان خود اس بات کی دلیل ہے کہ مغلوں نے رعایا کے تمام طبقوں کے نزدیک انتہائی ہر دل عزیزی حاصل کر لی تھی۔

علم و تمدن: مغلوں کے عہد میں علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کمال پر پہنچ گئے۔ اردو مستقل زبان بن گئی، جس کی داغ بیل ہندوؤں اور مسلمانوں کا میل جول ہوتے ہی بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ فارسی، عربی اور ہندی کے ادب نیز مذہبی اور دوسرے علوم پر بلند پایہ کتابیں تصنیف ہوئیں۔ سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں ہوا۔ رامائن ہندی میں منتقل ہوئی۔ عالی شان درسگاہوں کا جال ملک بھر میں بچھ گیا۔ شہروں میں دارالعلوم بن گئے۔ بڑے بڑے کتب خانوں کی بنیاد پڑی۔ شاہجہاں کے عہد میں پورب (یوپی اور بہار) کی یہ حالت تھی کہ کوئی قابلِ ذکر مقام درسگاہوں سے خالی نہ تھا۔ شاہجہاں پورب کو ہندوستان کا شیراز کہا کرتا تھا۔ ہندوؤں میں بھی فارسی کے ادیب اور شاعر پیدا ہوئے مثلاً چندر بھان برہمن، مادھو رام، جس کا انشا مشہور ہے، ٹیک چند مصنف ''بہارِ عجم'' سبحان رائے مصنف ''خلاصۃ التواریخ''۔

مسلمان علماء کا شمار مشکل ہے۔ ہر شہر اور قصبے میں ایک ایک وقت میں کئی کئی ممتاز عالم موجود تھے۔ اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرنے والے لوگ بھی گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ یا جامی کی یوسف یا فقہ اور مسائل کی کتابیں پڑھ لیتے تھے۔ تیس چالیس برس پیشتر تک ایک ایک موضع میں ان کتابوں کے خوبصورت قلمی نسخے موجود تھے۔ انگریزی عہد میں حالات بدل گئے اور علم و فضل کا چرچا بھی باقی نہ رہا۔ آخری دَور کے علماء میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خاندان خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جس کے علمی فیض کی لہریں ہندوستان سے باہر بھی دُور دُور تک پہنچیں۔ خود مغل بادشاہوں، شہزادوں اور امیروں میں بڑے عالم پیدا ہوئے۔ داراشکوہ اور جہاں آرا بیگم کی کتابیں

آج بھی ملتی ہیں۔ عبدالرحیم خاں خانخاناں ترکی، فارسی اور ہندی کا ادیب اور شاعر تھا۔

سنہری دور: غرض ہندوستان کی تاریخ کا سنہری دور مغلوں ہی کا دور ہے، جس میں یہ ملک ہر لحاظ سے انتہائی بلندی پر پہنچا۔ سارا ملک یکجا ہوا، اس میں ایک سکہ چلا۔ تہذیب و تمدن اور عظمت و شوکت میں وہ سب سے آگے نکل گیا۔ ہمہ گیر امن پیدا ہوا۔ عوام کو خوشحالی نصیب ہوئی۔ دولت کی ریل پیل، فوجی اور جنگی سامانوں کی کثرت، بادشاہوں کی رعایا پروری، وزیروں کا حسنِ انتظام، ملک کی آبادی، سرحدوں کی حفاظت، تجارت کے فروغ، صنعت و حرفت کی ترقی اور تعلیم کی عمومیت کے لحاظ سے ایسا دور نہ پہلے اسے نصیب ہو سکا تھا، نہ بعد میں نصیب ہوا۔

زوال کے اسباب: مغلوں کے زوال کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے مؤرخوں نے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ وہ مطلق العنان حکمران تھے، لیکن محض مطلق العنانی زوال کا سبب نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت بادشاہی ہو یا جمہوری، جب تک انتظام کی باگ ڈور اچھے اور قابل آدمیوں کے ہاتھ میں ہوگی، ہر شے اچھی حالت میں رہے گی، جب نالائق آدمی مختار بن جائیں گے، تو حالت بگڑ جائے گی۔ اکبر سے لے کر عالمگیر تک چار غیر معمولی قابلیت کے آدمی بادشاہ بنے اور کم و بیش ڈیڑھ سو برس حکمران رہے۔ انہوں نے سلطنت کی جڑیں پاتال تک پہنچا دیں۔ جب ویسے جانشین نہ ملے تو سارا نقشہ بگڑنے لگا۔ زوال کے نمایاں اسباب یہ ہیں:

۱۔ عالمگیر کے بعد مغل خاندان میں سے کوئی لائق بادشاہ نہ اٹھا۔

۲۔ تخت و تاج کی جنگیں عام ہو گئیں۔ ان میں سلطنت کی قوت بھی ختم ہو گئی اور قابل مدبّرین و سپہ سالار بھی مٹ گئے۔

۳۔ مرہٹوں اور سکھوں نے فرقہ داری کی آگ کو ہوا دے کر بھڑکا دیا اور طبقات میں کش مکش پیدا ہونے لگی۔

۴۔ نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملوں نے سلطنت کے وسائل اور رعب و دبدبہ کو سخت نقصان پہنچایا۔

۵۔ دولت کی بہتات کے باعث مغل بادشاہوں، شہزادوں اور امیروں کو عیش و راحت کی چاٹ لگ گئی۔ ان میں جفاکشی اور جوان مردی کی پہلی شان باقی نہ رہی۔

واقعات و سنین

بابر ۱۴۹۴ء۔۱۵۳۰ء

بابر کی پیدائش	۱۴ر فروری ۱۴۸۳ء
مسند نشینی	۸ر جون ۱۴۹۴ء
سمرقند پر پہلی مرتبہ قبضہ	۱۴۹۷ء
فرغانہ اور سمرقند سے محرومی	=
فرغانہ پر دوبارہ قبضہ	۱۴۹۸ء
سمرقند پر دوسری مرتبہ قبضہ	۱۵۰۱ء
اوزبکوں سے شکست	۱۵۰۱ء
کابل کی بادشاہی	۱۵۰۴ء
قندھار کی پہلی تسخیر	۱۵۰۷ء
سمرقند پر تیسری مرتبہ قبضہ	اکتوبر ۱۵۱۱ء
سمرقند سے اخراج	۱۵۱۳ء
ہندوستان کے سرحدی علاقوں کی تسخیر	۱۵۱۸ء
باجوڑ کی تسخیر	۱۵۱۹ء
بھیرہ اور سیالکوٹ کی تسخیر	۱۵۲۰ء
قندھار کی دوبارہ تسخیر	۱۵۲۲ء
لاہور پر قبضہ	۱۵۲۴ء
پانی پت کی پہلی جنگ	۲۱ر اپریل ۱۵۲۶ء
سلطنت کی توسیع	۲۸۔۱۵۲۷ء
کنواہہ کی جنگ	۱۶ر مارچ ۱۵۲۷ء

وفات	۲۶ر دسمبر ۱۵۳۰ء

ہمایوں ۱۵۳۰ء ۔ ۱۵۴۰ء

تخت نشینی	۱۵۳۰ء
شاہِ گجرات پر حملہ	۱۵۳۴ء
مالوہ اور گجرات کی تسخیر	۱۵۳۵ء
بنگال پر پیش قدمی	۱۵۳۸ء
جنگِ چوسہ	۲۶ر جون ۱۵۳۹ء
جنگِ بلگرام	اپریل ۱۵۴۰ء
ہمایوں سندھ میں	۴۲ ۔ ۱۵۴۰ء
اکبر کی پیدائش	۱۵ر اکتوبر ۱۵۴۲ء
قندھار کو روانگی	۱۵۴۳ء

شیر شاہ سوری (۱۵۴۰ء ۔ ۱۵۴۵ء)

شیر شاہ کی پیدائش	۱۴۸۶ء
اقتدار و عروج	۳۷ ۔ ۱۵۲۷ء
جنگِ چوسہ	۱۵۳۹ء
جنگِ بلگرام	۱۵۴۰ء
مالوے کی تسخیر	۱۵۴۲ء
رائے سین پر قبضہ	۱۵۴۳ء
چتوڑ اور مارواڑ پر قبضہ	۱۵۴۴ء
کالنجر پر حملہ	=
کالنجر کی فتح	۲۱ر مئی ۱۵۴۵ء

شیر شاہ کی وفات	۲۲ رمئی ۱۵۴۵ء

سوری اور ہمایوں (۱۵۴۵ء۔۱۵۵۶ء)

سلیم شاہ کی تخت نشینی	۲۵ رمئی ۱۵۴۵ء
سلیم شاہ کی وفات	۱۵۵۴ء
فیروز شاہ سوری	صرف تین دن ۱۵۵۴ء
محمود شاہ عادل عرف عدلی کی مسند نشینی	۱۵۵۴
جنگ ماچھی واڑہ	۱۵۵۵ء
جنگِ سرہند	۱۵۵۵ء
ہمایوں کی وفات	۲۴ جنوری ۱۵۵۶ء

اکبر (۱۵۵۶ء۔۱۶۰۵ء)

تخت نشینی	۱۳ رفروری ۱۵۵۶ء
ہیمو کی پیش قدمی	۱۵۵۶ء
پانی پت کی دوسری جنگ	۵ رنومبر ۱۵۵۶ء
اجمیر، گوالیار اور میوات کی تسخیر	۶۰۔۱۵۵۷ء
مالوے کی تسخیر	۱۵۶۱ء
راجپوتوں سے رشتوں کا آغاز	۱۵۶۲ء
عبداللہ خاں اوزبک کی بغاوت	۱۵۶۴ء
عبداللہ خاں اوزبک کی وفات	۱۵۶۵ء
خان زماں اور بہادر خاں کی بغاوت	۱۵۶۷ء
چتوڑ کی تسخیر	۱۵۶۸ء
فتح پور سیکری کی تعمیر	۷۱۔۱۵۶۹ء

رانا پرتاپ کی مسند نشینی	۱۵۷۲ء
گجرات کی تسخیر	۱۵۷۲ء
اکبر کی یلغار	۱۵۷۳ء
انتظامی اصلاحات	۱۵۷۳۔۷۴ء
بنگال و بہار پر حملہ	۱۵۷۵ء
ہلدی گھاٹ کی لڑائی	۱۵۷۶ء
گجرات میں فتنہ	۱۵۸۱ء
میرزا حکیم کا پنجاب پر حملہ	۱۵۸۱ء
میرزا حکیم کی وفات	۱۵۸۵ء
الحاق کشمیر	۱۵۸۶ء
الحاق سندھ	۱۵۹۰ء
الحاق اڑیسہ	۱۵۹۱ء
مکران و بلوچستان	۱۵۹۴ء
قندھار	۱۵۹۴ء
دکن کی تسخیر	۱۶۰۰ء۔۱۵۹۴ء
شہزادہ مراد کی وفات	۱۵۹۸ء
ابوالفضل کا قتل	۱۶۰۳ء
اکبر کی وفات	اکتوبر ۱۶۰۵ء

جہانگیر (۱۶۰۵ء۔۱۶۲۷ء)

جہانگیر کی پیدائش	۳۰/اگست ۱۵۶۹ء
تخت نشینی	۲۴/اکتوبر ۱۶۰۵ء

خسرو کی بغاوت	اپریل ۱۶۰۶ء
پہلے انگریز نمائندے کی آمد	۱۶۰۸ء
نور جہاں سے شادی	۱۶۱۱ء
پرتگیزوں کی سرکوبی	۱۶۱۲ء
میواڑ کی تسخیر	۱۶۱۴ء
پرتگیزوں کی معافی	۱۶۱۵ء
سر طامس رو کی آمد	۱۶۱۵ء
دکن پر پہلا حملہ	۱۶۱۶ء
کانگڑہ کی فتح	۱۶۲۰ء
کشتواڑ کی فتح	۱۶۲۰ء
دکن پر دوسرا حملہ	۱۶۲۱ء
قندھار پر ایرانیوں کا قبضہ	۱۶۲۱ء
شہزادہ خرم کی بغاوت	۱۶۲۳ء
خرم کی معافی	۱۶۲۶ء
مہابت خاں کا ہنگامہ	۱۶۲۶ء
جہانگیر کی وفات	۱۶/اکتوبر ۱۶۲۷ء

شاہجہاں (۱۶۲۸ء۔۱۶۵۸ء)

شاہجہاں کی پیدائش	۱۵۹۴ء
تخت نشینی	۱۱/فروری ۱۶۲۸ء
شہریار اور دوسرے شہزادوں کا قتل	۱۶۲۸ء
خان جہاں لودھی کا خاتمہ	۱۶۳۰ء

بندھیلوں کی سرکوبی	۱۶۳۰ء
دکن اور گجرات میں قحط	۳۲-۱۶۳۰ء
ممتاز محل کی وفات	۱۷ر جون ۱۶۳۱ء
پرتگیزوں کو سزا	۱۶۳۲ء
نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ	۱۶۳۲ء
گولکنڈہ اور بیجاپور کی اطاعت	۱۶۳۶ء
اورنگ زیب کی پہلی نظامت دکن	۱۶۳۶ء
قندھار پر قبضہ	۱۶۳۸ء
نور جہاں کی وفات	۱۶۴۲ء
بلخ و بدخشاں کی مہمیں	۴۷-۱۶۴۲ء
پایہ تخت کی تبدیلی (آگرے سے دہلی)	۱۶۴۸ء
قندھار پر ایرانیوں کا قبضہ	۱۶۴۹ء
قندھار کا پہلا محاصرہ	۱۶۵۰ء
قندھار کا دوسرا محاصرہ	۱۶۵۲ء
قندھار کا تیسرا محاصرہ	۱۶۵۳ء
اورنگ زیب کی دوسری نظامت دکن	۱۶۵۳ء
سعد اللہ خاں وزیر اعظم کی وفات	۱۶۵۶ء
میر جملہ کی وزارت	۱۶۵۶ء
بیجاپور پر حملہ	۱۶۵۷ء
شاہجہاں کی علالت	ستمبر ۱۶۵۷ء
شجاع کی شکست (جنگ بہادر پور نزد بنارس)	فروری ۱۶۵۸ء
جنگ دھرمات	۱۵ر اپریل ۱۶۵۸ء

جنگ سموگڑھ	۲۹ رمئی ۱۶۵۸ء
شاہجہاں کی نظر بندی	جون ۱۶۵۸ء
مراد بخش کی اسیری	۱۶۵۸ء
عالمگیر کی پہلی تخت نشینی	۱۶۵۸ء
جنگ کجوہ (شجاع کی دوسری شکست)	۵ رجنوری ۱۶۵۹ء
جنگ اجمیر (دارا کی شکست)	اپریل ۱۶۵۹ء
عالمگیر کی دوسری تخت نشینی	مئی ۱۶۵۹ء
دارا شکوہ کا قتل	اگست ۱۶۵۹ء
شاہجہاں کی وفات	۱۶۶۶ء

عالمگیر (۱۶۵۸ء۔۱۷۰۷ء)

عالمگیر کی پیدائش	۲۴ راکتوبر ۱۶۱۸ء
ابتدائی تخت نشینی	۲۱ رجولائی ۱۶۵۸ء
مستقل تخت نشینی	۱۳ رمئی ۱۶۵۹ء
فتح آسام	۱۶۶۱ء
عالمگیر کی علالت	۱۶۶۳ء
سیواجی کی شکست	۱۶۶۵ء
چاٹگام کی تسخیر	۱۶۶۶ء
ست نامیوں کی شورش	۱۶۷۰ء
سیواجی کی وفات	۱۶۸۰ء
راجپوتانہ کی شورش	۱۶۸۰۔۸۱ء
عالمگیر کا دکن جانا	۱۶۸۱ء

بیجاپور کی تسخیر	۱۶۸۶ء
گولکنڈے کی تسخیر	۱۶۸۷ء
سنبھاجی کا قتل	۱۶۸۹ء
جنوبی دکن کی تسخیر	۱۶۹۱ء
عالمگیر کی وفات	۲۱ر فروری ۱۷۰۷ء

مغلوں کا باقی دور (۱۷۰۷ء۔۱۸۵۷ء)

جنگِ جاجو	۱۷۰۷ء
شاہ عالم بہادر شاہ کی تخت نشینی	۱۷۰۷ء
شہزادہ کام بخش کی وفات	۱۷۰۹ء
بندا بیراگی کی شورش	۱۷۱۰ء
شاہ عالم بہادر شاہ کی وفات	۱۷۱۲ء
جہاندار شاہ کی شکست اور قتل	۱۷۱۳ء
فرخ سیر کی تخت نشینی	۱۷۱۳ء
بالاجی وشوانا تھ کی پیشوائی	۱۷۱۴ء
بیراگی کی گرفتاری اور قتل	۱۷۱۵ء
محمد شاہ کی تخت نشینی	۱۷۱۹ء
سید بھائیوں کا قتل	۱۷۲۰ء
باجی راؤ کی پیشوائی	۱۷۲۰ء
دکن اور اودھ کی خود مختاری	۱۷۲۴ء
مرہٹوں کی آمد دہلی تک	۱۷۳۷ء
نادر شاہ کا حملہ	۱۷۳۹ء

بنگال کی خودمختاری	۱۷۴۰ء
بالاجی باجی راؤ کی پیشوائی	۱۷۴۰ء
راجا ساہو کی وفات	۱۷۴۷ء
جنگِ سرہند (درمیان افواجِ مغل و ابدالی)	۱۷۴۸ء
محمد شاہ اور نظام الملک کی وفات	۱۷۴۸ء
احمد شاہ کی تخت نشینی	۱۷۴۸ء
احمد شاہ کی معزولی	۱۷۵۴ء
عالمگیر ثانی کا جلوس	۱۷۵۴ء
مرہٹوں کا پنجاب پر حملہ	۱۷۵۸ء
عالمگیر ثانی کا قتل	۱۷۵۹ء
شاہ عالم ثانی کا جلوس	۱۷۵۹ء
ملہار راؤ ہلکر کی شکست	۱۷۶۱ء
پانی پت کی تیسری جنگ	۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء
مادھو راؤ کی پیشوائی	۱۷۶۱ء
شاہ عالم ثانی دہلی میں	۱۷۷۲ء
نارائن راؤ کی پیشوائی	۱۷۷۲ء
مرہٹوں میں خانہ جنگی	۱۷۷۲ء
غلام قادر روہیلے کا دہلی پر قبضہ	۱۷۸۵ء
مادھو راؤ نارائن کی وفات	۱۷۹۵ء
باجی راؤ ثانی کی پیشوائی	۱۷۹۵ء
دہلی پر انگریزوں کا قبضہ	۱۸۰۳ء
شاہ عالم ثانی کی وفات	۱۸۰۶ء

اکبر شاہ ثانی کا جلوس	۱۸۰۶ء
پیشوائی کا خاتمہ	۱۸۱۸ء
اکبر شاہ ثانی کی وفات	۱۸۳۷ء
بہادر شاہ ثانی کا جلوس	۱۸۳۷ء
جنگِ آزادی	مئی ۱۸۵۷ء
بہادر شاہ کی گرفتاری	۱۸۵۷ء
بہادر شاہ کی وفات	۱۸۶۲ء

maablib.org

مغلوں کا شجرہ

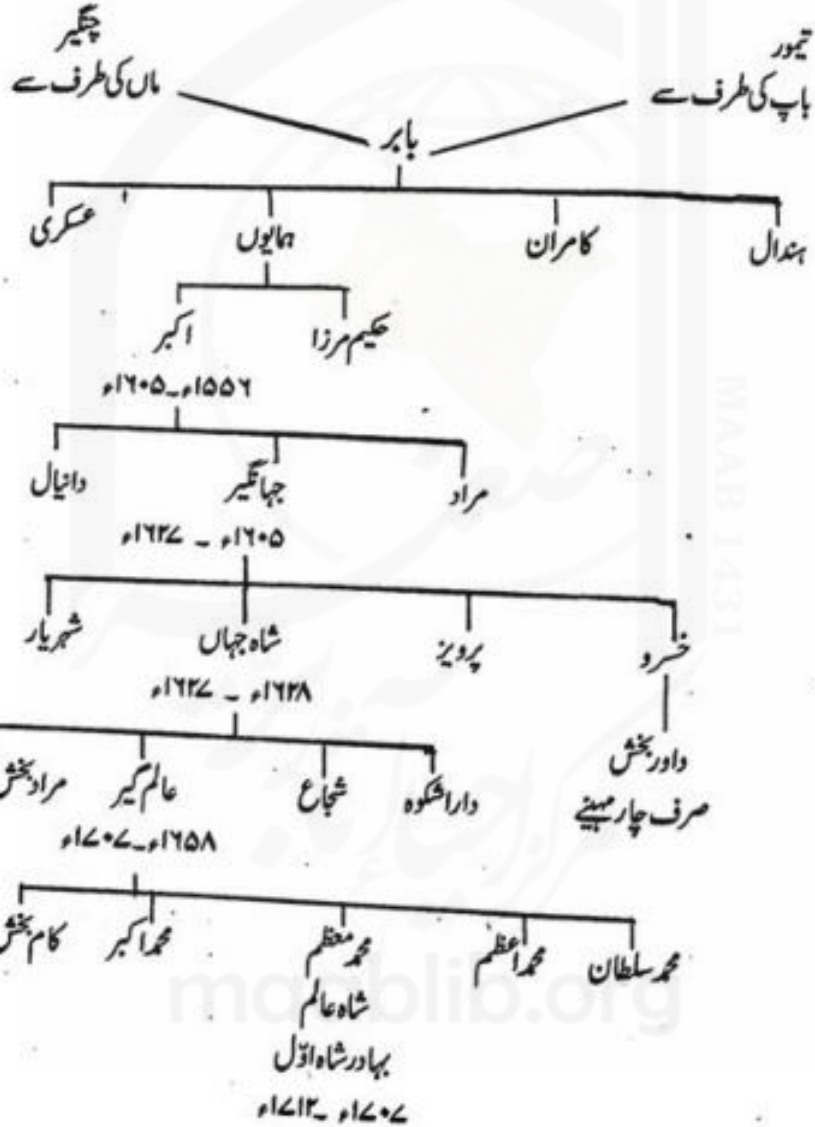

(اگلے صفحہ پر)

بہادر شاہ اوّل

۱۷۰۷ء ۔ ۱۷۱۲ء

جہاں شاہ فخستہ اختر — عظیم الشان — معز الدین جہاندار شاہ (۱۷۱۲ء ۔ ۱۷۱۳ء) — رفیع القدر

روشن اختر

ناصر الدین محمد شاہ
۱۷۱۹ء ۔ ۱۷۴۸ء

فرخ سیر
۱۷۱۳ء ۔ ۱۷۱۹ء

رفیع الدولہ شاہجہاں ثانی (صرف ۳ ماہ)

رفیع الدرجات (صرف ۳ ماہ)

عزیز الدین عالمگیر ثانی
۱۷۵۴ء ۔ ۱۷۵۹ء

جلال الدین شاہ عالم ثانی
۱۷۵۹ء ۔ ۱۸۰۶ء

معین الدین اکبر شاہ ثانی
۱۸۰۶ء ۔ ۱۸۳۷ء

سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ ثانی
۱۸۳۷ء ۔ ۱۸۵۷ء

سوریوں کا شجرہ
حسن خاں سوری

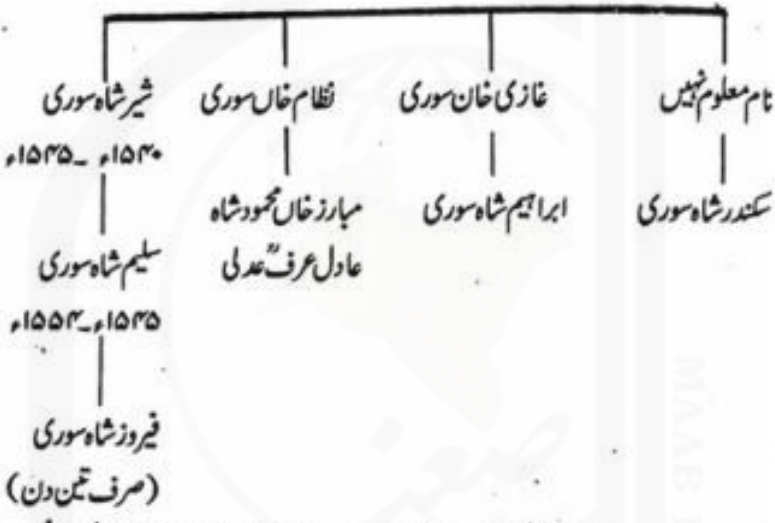

۱۔ ہندوستان میں مغل حکومت کی بنیاد بابر نے ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کو پانی پت میں شکست دے کر رکھی۔ ۱۵۲۷ء میں کنواہہ کی جنگ میں راجپوتوں پر فتح پائی۔ پھر پورب میں امن قائم کیا۔ دسمبر ۱۵۳۰ء میں بابر فوت ہوا۔

۲۔ ہمایوں نے مالوے اور گجرات کو فتح کیا۔ پھر بنگال کی طرف بڑھا۔ اس اثنا میں شیر خاں نے افغانوں کو منظم کر لیا تھا۔ ہمایوں بنگال سے واپس ہوا تو شیر خاں نے راستہ روک لیا۔ چوسہ کی جنگ میں ہمایوں نے شکست کھائی اور بہ مشکل بچ کر آگرے پہنچا۔ ۱۵۴۰ء میں بلگرام کے مقام پر شیر خاں سے دوبارہ جنگ کی اور شکست کھائی۔ شیر خاں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا اور شیر شاہ لقب رکھا۔ ہمایوں سندھ ہوتا ہوا ایران چلا گیا۔ شاہ طہماسپ سے فوجی مدد لے کر کابل قندھار فتح کیا اور کئی برس وہیں بیٹھا موقع کا انتظار کرتا رہا۔

۳۔ شیر خاں ۱۴۸۶ء میں پیدا ہوا۔ ۱۵۴۰ء میں ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ بنگال و بہار پہلے

سے اس کے قبضہ میں تھے۔ پھر ہمایوں سے سلطنت چھین کر وہ یوپی، آگرہ، دہلی اور پنجاب پر بھی قابض ہو گیا۔ بعد میں مالوہ، راجپوتانہ اور سندھ کو بھی فتح کر لیا۔ کالنجر کے محاصرے میں گولوں کے ڈھیر میں آگ لگنے سے جل کر ۱۵۴۵ء میں فوت ہوا۔ بڑا منتظم، بیدار مغز اور عادل بادشاہ تھا۔ رفاہِ عام کے کاموں سے بڑی دلچسپی تھی۔

۴۔ شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ حکمران بنا وہ ۱۵۵۴ء میں فوت ہوا تو سوریوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ سلیم شاہ کے بیٹے فیروز شاہ کو اس کے حقیقی ماموں مبارز خاں نے قتل کر دیا اور خود محمود شاہ عادل کے لقب سے حکمران بنا۔ اسے عام طور پر عدلی کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں خاندان کے دو اور آدمی (ابراہیم شاہ اور سکندر شاہ) دعوے دار بن گئے۔ بنگال میں ایک الگ حکمران کھڑا ہو گیا۔ ابراہیم شاہ کو عدلی کے کارِ مختار ہیمو نے شکست دی۔ وہ اڑیسہ بھاگ گیا اور وہیں مارا گیا۔ بنگال کے حکمران نے عدلی کے مقابلے میں شکست کھائی اور بندھیل کھنڈ میں مارا گیا۔ اس کے بیٹے نے ایک لڑائی میں عدلی کو قتل کر دیا۔

۵۔ سکندر شاہ سوری دہلی اور آگرہ پر قابض ہو گیا اس اثنا میں ہمایوں فوج لے کر آ گیا۔ سکندر شاہ نے ماچھی واڑہ اور سرہند میں شکستیں کھائیں اور پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ ہمایوں دہلی اور آگرہ پر قابض ہو گیا۔ جنوری ۱۵۵۶ء میں کتب خانہ سے اترتا ہوا سیڑھی سے گرا، چند روز بعد وفات پائی۔

۶۔ اکبر عمر کوٹ میں ۱۵۱۲ء میں پیدا ہوا۔ باپ کی وفات پر پونے چودہ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ بیرم خاں اس کا مختار بنا۔

ہیمو ریوڑی کا بنیا تھا۔ ترقی کرتے کرتے عدلی کا مختار بن گیا۔ ہمایوں کی وفات پر بھاری فوج لے کر نکلا، دہلی اور آگرے پر قابض ہو گیا۔ اس نے راجہ بکرماجیت لقب اختیار کیا۔ نومبر ۱۵۵۶ء میں پانی پت پر اکبر سے جنگ ہوئی۔ شکست کھا کر پکڑا گیا اور قتل ہوا۔

۷۔ تین برس تک اکبر کی سلطنت کا انتظام بیرم خاں کے ہاتھ میں رہا۔ پھر وہ الگ ہوا۔ حج کو جاتا ہوا گجرات میں مارا گیا۔ بیرم کے زمانے تک اجمیر اور جون پور مسخر ہوئے

تھے۔ پھر اکبر نے مالوہ، گجرات، بہار، بنگال، راجپوتانہ، کشمیر، سندھ، اڑیسہ وغیرہ شمالی ہند کے علاقے فتح کیے۔ کابل بھی مغل سلطنت کا صوبہ بن گیا۔ قندھار بھی فتح ہو گیا۔ دکن کے علاقوں سے برار اور خاندیش کے علاوہ احمد نگر مغلوں کو مل گیا۔ کئی شورشیں اٹھیں جو فرو کر دی گئیں۔ ۱۶۰۵ء میں اکبر فوت ہوا۔

۸۔ جہانگیر کے عہد میں اس کے بیٹے خسرو نے بغاوت کی۔ میواڑ، کانگڑہ اور دکن کے بعض علاقے فتح ہوئے۔ قندھار چھن گیا۔ نور جہاں کے جوڑ توڑ کے باعث شہزادہ خرم نے بغاوت کی، لیکن شکست کھا کر معافی مانگی۔ ۱۶۲۷ء میں جہانگیر کشمیر سے آتا ہوا راجوری میں فوت ہوا۔

۹۔ نور جہاں جہانگیر کے چھوٹے بیٹے شہریار کو تخت دلوانا چاہتی تھی جس سے اس کی لڑکی کی شادی ہوئی تھی۔ اس کا بھائی آصف خاں شاہجہاں کا طرف دار تھا، اس لیے کہ شاہجہاں آصف خاں کا داماد تھا۔ آصف خاں اپنی چالوں میں کامیاب ہوا۔ شہریار اور دوسرے مغل شہزادے مارے گئے۔ شاہجہاں ۱۶۲۸ء میں تخت نشین ہوا۔

۱۰۔ شاہجہاں کے عہد میں دکن کی نظام شاہی سلطنت ختم ہوئی۔ بیجاپور اور گولکنڈہ نے خراج کا وعدہ کیا، قندھار ہاتھ آ کر چھن گیا۔ اس پر تین مرتبہ ناکام حملے ہوئے، بلخ و بدخشان کی جنگ ہوئی، روضہ تاج محل، لال قلعہ، شاہی مسجد دہلی، شاہجہاں آباد، موتی مسجد آگرہ، شالامار باغ لاہور وغیرہ عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ ملک کی آمدنی حسنِ انتظام کی وجہ سے بڑھ گئی۔ شاہجہاں نے تختِ طاؤس کے نام سے ایک نادر تخت بنوایا۔

۱۱۔ وہ بیمار ہوا تو موت کی افواہ اڑ گئی۔ چاروں بیٹوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ دارا نے شجاع کو بہادر پور کے مقام پر شکست دی، لیکن اس نے اورنگ زیب اور مراد کے مقابلے میں پہلے دھرمات، پھر سموگڑھ میں شکست کھائی اور آگرہ کو چھوڑ کر پہلے پنجاب پھر سندھ اور گجرات چلا گیا۔ شجاع نے دوبارہ فوج جمع کر کے اورنگ زیب سے جنگ کی اور کھجوے میں شکست کھائی۔ دارا نے دوبارہ اجمیر کے قریب ہزیمت اٹھائی بلوچستان میں پکڑا گیا۔ دہلی میں قتل ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔ شاہجہاں آگرہ میں نظر بند ہو گیا اور ۱۶۶۶ء میں فوت ہوا۔

۱۲۔ عالمگیر نے شمالی و مغربی سرحد کی شورش کے علاوہ ست نامیوں اور جاٹوں کی شورش دبائی، آسام کو فتح کیا، راجپوتانے کے فتنے مٹائے، پھر دکن پہنچ گیا۔ مرہٹوں کو شکست دی، بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستیں ختم کیں اور سلطنت کی حدیں آخری جنوبی گوشے تک پہنچادیں۔ پچاس برس کی حکومت کے بعد ۱۷۰۷ء میں احمد نگر میں وفات پائی۔ اورنگ آباد کے قریب خلد آباد میں دفن ہوا۔

۱۳۔ عالمگیر کے بعد کوئی لائق جانشین نہ اُٹھا۔ سلطنت تباہ ہونے لگی۔ خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں۔ پادشاہ جلدی جلدی بدلنے لگے۔ صوبیدار الگ ہوتے گئے۔ مرہٹوں نے سر اٹھایا۔ امیروں نے ذاتی اغراض کے لیے سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملے ہوئے۔ ۱۸۰۳ء میں انگریز دہلی پر قابض ہو گئے اور جو مغل پادشاہ پہلے پہلے مرہٹوں کے وظیفہ خوار تھے، وہ انگریزوں کے وظیفہ خوار بن گئے۔ آخری پادشاہ بہادر شاہ ثانی ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد پکڑا گیا۔ اس پر مقدمہ چلا۔ اسے جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ وہیں ۱۸۶۲ء میں فوت ہوا۔

☆.....☆.....☆

مرہٹہ پیشواؤں کا شجرہ

بالاجی وشوانا تھ

۱۷۱۴ ۔ ۱۷۲۰ء

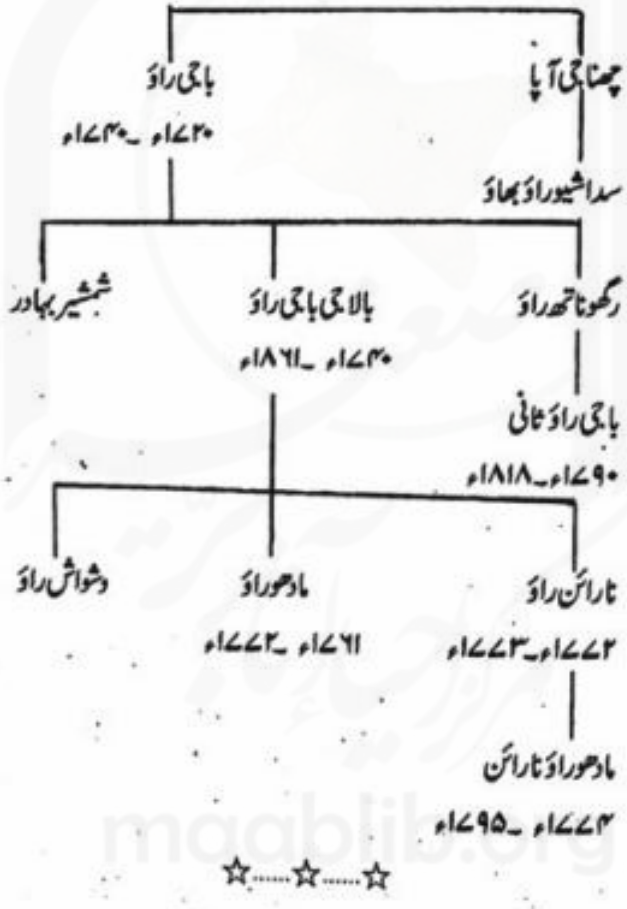

☆.....☆.....☆

۱۔ پیشوائی کی بنیاد بالاجی وشوانا تھ نے رکھی۔
۲۔ عروج باجی راؤ کے عہد میں شروع ہوا جس نے محمد شاہ سے مالوے کا پروانہ لیا۔
۳۔ بالاجی باجی راؤ کے عہد میں مرہٹہ سلطنت انتہائی عروج پر پہنچی۔ دریائے گوداوری سے پنجاب تک اور بحیرۂ عرب سے خلیج بنگال تک سارے علاقے ان کے زیرِ اثر آ گئے۔
۴۔ بالاجی باجی راؤ کے عہد میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کی قوت تباہ ہوئی اور ان کی سلطنت پر کاری ضرب لگی۔
۵۔ مادھو راؤ نے سلطنت کو سنبھالنا چاہا، نہ سنبھال سکا۔ باقی پیشواؤں نے باہمی لڑائیوں اور انگریزوں کے ساتھ جنگوں میں سب کچھ تباہ کر دیا۔
۶۔ باجی راؤ ثانی ۱۸۱۸ء میں انگریزوں سے پنشن لے کر بٹھور (نزد کانپور) میں جا بیٹھا۔

☆.....☆.....☆

تاریخِ پاکستان و ہند

حصّہ چہارم

انگریزی دور

از ابتدا تا ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء

maablib.org

پہلا باب

ہندوستان میں فرنگیوں کی آمد

فرنگستانی قومیں: آریاؤں سے لے کر مغلوں تک باہر سے جتنے لوگ ہندوستان آئے، وہ ایشیائی تھے اور آتے ہی ملک کے مستقل باشندے بن گئے، اپنی پہلی قیام گاہوں سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ وہ سب شمالی و مغربی درّوں سے داخل ہوئے تھے۔ صرف عرب مکران کے راستے سندھ پہنچے۔ پندرہویں صدی کے آخر میں فرنگستانیوں کی آمد شروع ہوئی۔ وہ سمندر کے راستے اس ملک میں وارد ہوئے اور نہ محض مذہب بلکہ تمدن، نسل، رنگ اور زبان کے لحاظ سے بھی بالکل اجنبی تھے۔ ان میں سے انگریزوں نے جس حکومت کی داغ بیل ڈالی، وہ آخر کار سارے ہندوستان پر چھا گئی اور اقتدار کی ابتدا سے اس کی مدت گنی جائے تو کچھ کم دو سو برس بنتی ہے۔ اس مدت میں انگریزوں کے تمدن، ان کی تہذیب، ان کے علوم اور زبان نے یہاں خاصہ رواج پایا۔ ایسے ہندوستانی بھی پیدا ہوئے جو انگریزوں سے بہتر نہیں تو ان کے برابر ضرور انگریزی بولتے اور لکھتے تھے۔ رہنے سہنے کے طریقوں میں بھی وہ انگریزوں جیسے بن گئے، لیکن نہ انہیں انگریزوں میں ہم جنسوں کی طرح بار ملا، نہ ہندوستانیوں نے انگریزوں کو ملکی سمجھا۔ اجنبیت اور غیریت کا امتیاز جیسا پہلے دن تھا، ویسا ہی آخری دن تک باقی رہا۔

پرانے تجارتی راستے: ہندوستان کے ساتھ دوسرے ملکوں کی تجارت کے سلسلے پرانے زمانے سے چلے آتے تھے اور یہاں کا مال مختلف راستوں سے یورپ تک جاتا تھا۔ عام راستے یہ تھے:

۱۔ ہندوستان سے سمندر کے راستے مال مصر پہنچتا، اونٹوں، خچروں اور چھکڑوں کے ذریعہ سے اسکندریہ جاتا، وہاں سے وینس اور جنیوا کے تاجر لے کر جہاں مانگ ہوتی، پہنچا دیتے۔

۲۔ ہندوستان سے مال خلیج فارس کی منڈیوں میں جاتا۔ وہاں سے خشکی کے راستے بحیرۂ

اسود یا بحیرۂ روم کی بندرگاہوں میں پہنچا دیا جاتا، پھر آگے جہازوں پر لادا جاتا۔

۳۔ ان دو نیم بری اور نیم بحری راستوں کے علاوہ خشکی کے راستے بھی تھے۔ مثلاً مکران و ایران کا ساحلی راستہ، کوئٹہ، قندھار یا پشاور، کابل کا راستہ یا کشمیر کا راستہ وغیرہ۔

نئے راستے کی تلاش: یورپی قوموں نے بحریات میں ترقی کی اور انہیں ہندوستان پہنچنے کے لیے بحری راستہ دریافت کرنے کا خیال آیا۔ اس کے کئی اسباب تھے۔

۱۔ بحری راستے سے مال بہ آسانی آ جا سکتا ہے۔

۲۔ پہلے راستوں سے جو مال آتا جاتا تھا، اس کے اجارہ دار وینس اور جینوا کے سوداگر بن گئے تھے۔ دوسری یورپی قوموں کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔

۳۔ ۱۴۵۳ء میں ترک قسطنطنیہ پر قابض ہو گئے۔ آس پاس کے جزیرے بھی ان کے قبضے میں آ گئے اور مشرقی بحیرۂ روم پر بھی ترکوں کا اثر چھا گیا۔

۴۔ چالیس برس بعد مسلمان ہسپانیہ سے خارج ہو گئے۔ فرنگیوں نے بحیرۂ روم کے یورپی ساحل کے ساتھ ساتھ بحری اڈے بنا کر اسلامی آبادیوں پر چھاپے مارنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جواب میں مسلمان جہاز ران بھی چھاپے مارنے لگے، اس وجہ سے بحیرۂ روم کی ساری تجارت خطرے میں پڑ گئی۔

واسکوڈی گاما: یورپی قوموں میں سے پرتگیز پہلے پہل افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے راس امید پہنچے۔ ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما راس امید کا چکر لگا کر میلنڈا پہنچ گیا۔ وہاں سے احمد بن ماجد نام ایک عرب ملاح اسے رہنمائی کے لیے مل گیا جس نے واسکوڈی گاما کو مئی ۱۴۹۸ء میں کالی کٹ (ملیبار) پہنچا دیا۔

عربوں سے ٹکر: کالی کٹ پہنچ کر واسکوڈی گاما نے وہاں کے راجا زمورن سے ملاقات کی، اس طرح تجارت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہندوستان کی بحری تجارت پہلے عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ مغربی ساحل کی بندرگاہوں میں جگہ جگہ ان کی کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں اور ان کے کارندے ملک کے اندر سے مال جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ پرتگیز پہلے سے عربوں اور مسلمانوں کے دشمن چلے آتے تھے اور پوری تجارت اپنے ہاتھ میں لے لینے کی تدبیر بھی یہی تھی کہ عربوں کا اثر و رسوخ ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے کوچین کے راجا سے ساز باز کر کے عربوں کا بیڑا تباہ کر دیا۔ پھر ۱۵۰۹ء

میں مصر سے ایک بیڑا تیار کر کے پرتگیزوں کے مقابلے پر بھیجا گیا لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اس طرح بحرِ ہند کی تجارت عربوں کے ہاتھ سے چھن گئی۔ ان کی فرمانروائی کی عظمت پہلے ماند پڑ چکی تھی۔ بحری تجارت سے محروم ہوئے تو جہاز رانی کی برتری بھی کھو بیٹھے۔ خلیج فارس اور بحیرۂ قلزم میں تجارت کے دو بڑے مرکز تھے، ایران میں ہرمز کی بندرگاہ اور عرب میں عدن کی بندرگاہ۔ پرتگیزوں نے ۱۵۱۵ء میں ہرمز پر قبضہ کر لیا اور وہاں ایک قلعہ بنا کر اپنی فوج بٹھا دی۔ یہ بندرگاہ ۱۶۳۲ء تک ان کے قبضے میں رہی، پھر انہیں مار کر نکال دیا گیا۔ بعد میں بندر عباس کی رونق بڑھ گئی اور ہرمز کی پہلی حیثیت باقی نہ رہی۔ ۱۵۱۳ء میں پرتگیزوں نے عدن پر بھی حملہ کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

المیڈا اور البوقرق: پرتگیزوں کے دو گورنروں کا ذکر ضروری ہے۔ ایک المیڈا[۴] جو ۱۵۰۵ء سے ۱۵۰۹ء تک پرتگیزی مقبوضات کا ناظم رہا۔ اس کی پالیسی یہ تھی کہ پرتگیزوں کو نہ خشکی پر قلعے بنانے چاہییں نہ حکومت کے خواب دیکھنے چاہییں، اس لیے کہ پرتگال چھوٹا ملک ہے۔ اس میں اتنے آدمی نہیں ہیں کہ بڑے لشکر جگہ جگہ پھیلائے جا سکیں یا آبادکاری کا سلسلہ وسیع پیمانے پر جاری کیا جا سکے۔ ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ سمندر پر اپنا قبضہ مضبوط رکھیں۔ اس طرح تجارت ان کے ہاتھ میں رہے گی اور روپیہ خوب کمائیں گے۔

المیڈا کے برعکس دوسرے گورنر البوقرق[۵] کی پالیسی یہ تھی کہ پرتگیزوں کو خشکی پر اپنا اقتدار بڑھانا چاہیے۔ اس نے ایک سکیم بنائی کہ اوّل جگہ جگہ قلعے بنا کر اپنا فوجی قبضہ مضبوط بنایا جائے، دوسرے اپنے آدمی آباد کیے جائیں۔ جہاں ان صورتوں میں سے کوئی ممکن نہ ہو، وہاں مقامی حاکموں کو دبا کر پرتگال کی برتری منوائی جائے۔ وہ بڑا ظالم اور خون خوار آدمی تھا۔ خصوصاً مسلمانوں کا اتنا دشمن تھا کہ جہاں دیکھ پاتا، انہیں قتل کرنے کے درپے ہو جاتا۔ ۱۵۱۵ء میں وہ مرا۔ اس کے بعد پرتگیزوں کی قوت گھٹتی گئی، اگرچہ تجارت دیر تک جاری رہی اور روہ ملایا، سماٹرا، جاوا تک سے مال لاتے رہے۔ وہ سخت تنگ نظر، لالچی اور متعصب لوگ تھے۔ ان کے ایک بادشاہ نے حکم دے دیا تھا کہ جائز یا ناجائز طریقے سے ہر شخص کو عیسائی بنایا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سب لوگ ان کے دشمن بن گئے۔ جہانگیر نے ایک مرتبہ انہیں سخت سزا دی۔ ۱۶۳۲ء میں شاہجہاں نے ان کے ظلموں سے تنگ آ کر حکم دے دیا کہ انہیں ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ ہگلی میں ان کا محاصرہ

ہوا۔ ہزاروں پرتگیز مارے گئے، ہزاروں قید ہوئے اور دس ہزار ہندوستانیوں کو ان کی قید سے رہائی دلائی گئی۔

پرتگیزوں کا خاتمہ: آخر پرتگیزوں کے پاس ہندوستان میں صرف تین مقام رہ گئے۔ ایک گوا جس کا رقبہ صرف تیرہ سو مربع میل ہے۔ دوسرا دمن جو ڈیڑھ سو مربع میل ہے اور بمبئی سے تقریباً سو میل شمال میں ہے۔ تیسرا دیو جو کاٹھیاواڑ میں ہے اور اس کا رقبہ بیس مربع میل سے زیادہ نہیں۔

ان کی ناکامی کے اسباب یہ ہیں:

۱۔ وہ بڑے ظالم تھے اور سب لوگ ان کو بُرا سمجھتے تھے۔ خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کو انہوں نے اپنا نصب العین بنالیا تھا۔

۲۔ وہ غریبوں کو زبردستی پکڑ کر عیسائی بنالیتے تھے یا غلام بنا کر بیچ ڈالتے تھے۔

۳۔ پرتگیز افسر سخت بددیانت، رشوت خور، لالچی اور عیش پرست تھے۔

۵۔ ۱۵۸۰ء میں پرتگال اور ہسپانیہ ایک سلطنت بن گئے۔ ہسپانیہ بڑا ملک تھا۔ اسے اپنے مقاصد کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ پرتگیزوں کے مقاصد پر ویسی نظر نہ تھی۔ اہلِ ہسپانیہ بڑی تعداد میں امریکہ پہنچ گئے تھے۔ انہیں امریکی نوآبادیوں کے معاملات سے زیادہ دلچسپی تھی۔ پرتگیزوں کی نوآبادیوں کا چنداں خیال نہ رکھ سکے۔

ولندیز اور اہلِ ڈنمارک: پرتگیزوں کی دیکھا دیکھی دوسری فرنگستانی قوموں میں بھی حرکت پیدا ہوئی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مشرق کے ساتھ تجارت بڑی نفع بخش تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ پرتگیز جو مال ہندوستان سے یورپ لے جاتے تھے، بہت مہنگا بیچتے تھے۔ ہالینڈ میں ۱۶۰۲ء میں ایک ایسٹ انڈیا کمپنی بنی اور بہت جلد اس کے تجارتی جہازوں کا بیڑا مشرقی سمندر میں پہنچ گیا۔ ۱۶۱۹ء میں جاوا میں انہوں نے بٹاویا کو اپنا صدر مقام بنالیا۔ سیلون اور ملکا میں بھی ان کے قدم جم گئے۔ ہندوستان میں انہوں نے پہلے ۱۶۰۹ء میں مدراس کے شمال میں پلی کٹ کو مرکز بنایا۔ ۱۶۶۰ء کے بعد کارومنڈل کے ساحل پر نیگاپٹم (ضلع تنجور) ان کا صدر مقام بن گیا۔ بنگال میں ان کی دو تجارتی کوٹھیاں تھیں، ایک چنسرا میں اور دوسری سرام پور میں۔ جب انگریزوں کو اقتدار حاصل ہوا تو ولندیز (یعنی اہل ہالینڈ) اپنی کوٹھیاں اور کارخانے انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر کے ہندوستان سے بالکل بے تعلق ہو گئے اور جاوا، سماٹرا وغیرہ پر قبضہ کر لیا جنہیں جزائرِ شرق الہند کہتے

ہیں، اس لیے کہ وہ ہندوستان کے مشرق میں واقع ہیں۔

اہل ڈنمارک نے ۱۶۱۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی اور ۱۶۲۰ء میں ٹرنگوبار (ضلع تنجور) میں فیکٹری قائم کی۔ ۱۶۷۶ء میں انہوں نے ایک تجارتی کوٹھی سرام پور میں بھی بنالی لیکن وہ چنداں فروغ نہ پا سکے اور ۱۸۴۵ء میں اپنے تمام کارخانے انہوں نے انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔

انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی: انگریزوں کے دل میں بحری تجارت کا جذبہ اس وقت ابھرا جب ۱۵۷۷ء میں انہیں ہسپانیہ کے عظیم الشان بیڑے پر فتح حاصل ہوئی۔ یہ ملکہ الزبتھ کا عہدِ حکومت تھا۔ لندن کے تاجروں نے ایک جتھا بنایا اور ۱۶۰۰ء میں انہیں مشرق کے ساتھ تجارت کا پروانہ ملا۔ شروع میں یہ طریقہ رہا کہ مختلف لوگ تجارت کا مال اکٹھا کر کے ایک جہاز بھرتے اور اسے ہندوستان کی طرف بھیج دیتے۔ جو نفع ہوتا، مال کے مطابق آپس میں بانٹ لیتے۔ ۱۶۱۲ء میں مشترکہ کمپنی بنی۔ انگریزوں نے پہلے ولندیزوں کی پیروی میں جزائرِ شرق الہند کا رخ کیا۔ جب وہاں پاؤں نہ جم سکے تو ہندوستان کی طرف توجہ ہوئی۔ یہاں پرتگیزوں سے سابقہ پڑا جو انگریزوں کے سخت دشمن تھے، لیکن گجرات کے مغل صوبیدار سے مل کر انھوں نے سورت اور بعض دوسرے مقامات میں تجارت شروع کر دی۔ ۱۶۱۱ء میں پہلا انگریز سفیر مغل دربار میں پہنچا۔ ۱۶۱۵ء میں سر ٹامس رو آیا۔ اسی سال انگریزوں نے پرتگیزی بیڑے کو شکست دی۔ پھر ایرانیوں کی مدد سے ہرمز کو فتح کر لیا اور پرتگیز وہاں سے بھی نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

انگریزوں کی تجارت کے پھیلاؤ کا سرسری نقشہ یہ ہے:

۱۔ ۱۶۲۵ء میں وہ خلیج بنگال میں پہنچے اور مچھلی پٹم (دریائے کرشنا کا دہانہ) میں کوٹھی بنائی۔

۲۔ اگست ۱۶۳۹ء میں زمین کا ایک ٹکڑا قطعہ خرید کر قلعہ سینٹ جارج کی بنیاد رکھی جس کے گرد مدراس شہر آباد ہوا۔

۳۔ ۱۶۶۱ء میں انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم کو بمبئی کا جزیرہ اپنی ملکہ کے جہیز میں ملا، جو پرتگال کی شہزادی تھی اور اس نے یہ جزیرہ دس پونڈ سالانہ کرایہ پر کمپنی کو دے دیا، اس طرح بمبئی شہر کی بنیاد پڑی۔

۴۔ اگست ۱۶۹۰ء میں بنگال میں فورٹ ولیم کے نام سے ایک قلعہ بنایا اور اس کے گرد کلکتہ

شہر آباد ہوا۔

پھر ایک اور ایسٹ انڈیا کمپنی بن گئی اور دونوں کے مقابلے کے باعث تجارت کو نقصان پہنچنے لگا۔ ۱۷۰۲ء میں یہ دونوں کمپنیاں مل گئیں۔ اس وقت سے انگریزوں کی تجارت خوب چمک اٹھی۔ یہاں تک کہ مغلوں کی مرکزی حکومت کے ضعف، بعض صوبیداروں اور حاکموں کی خودغرضانہ کشاکشوں کے باعث کمپنی کو تجارت کے ساتھ سلطنت کی بساط بچھانے کا موقع بھی مل گیا۔

انگریزوں کو عالمگیر کے عہد میں ایک مرتبہ مصیبت پیش آئی۔ انہوں نے حاجیوں کے جہاز پکڑ لیے تھے، اس پر عالمگیر نے حکم دے دیا کہ ان کی سب تجارتی رعایتیں ختم کر کے کوٹھیوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ ۱۶۸۷ء میں وہ بنگال کو چھوڑ کر بھاگے۔ دو برس بعد معافی مانگی تو پھر ان کی رعایتیں بحال کر دی گئیں۔ بندرگاہوں کے علاوہ ملک کے اندر بھی انہوں نے تجارتی کوٹھیاں بنالی تھیں جو احمد آباد، برہان پور، اجمیر، آگرہ، الہ آباد، پٹنہ، ڈھاکہ وغیرہ میں تھیں۔

فرانسیسی: فرنگستانی قوموں میں سے فرانسیسی تجارت کے میدان میں سب کے بعد آئے۔ ان کی کمپنی ۱۶۷۴ء میں بنی، پھر سورت، کوچین اور مچھلی پٹم میں ان کے مرکز قائم ہو گئے۔ ۱۶۷۴ء انہوں نے جنوبی ارکاٹ میں زمین کا ایک ٹکڑا خرید کر مستقل مرکز قائم کیا جس کا نام "پان دی شری" رکھا۔ یہ نام انگریزی تلفظ میں پانڈی چری بن گیا۔ اسے پہلے "پھل چری" کہتے تھے۔ فارسی تاریخوں میں یہی نام استعمال ہوا ہے۔ بعد میں انگریزوں کے پیچھے پیچھے فرانسیسی بنگال پہنچ گئے اور دریائے ہگلی کے کنارے چندر نگر میں ایک کوٹھی بنالی، اور بھی چھوٹے چھوٹے مرکز قائم کیے۔ جب ان کو انگریزوں کے مقابلے میں شکست ہوئی اور ہندوستان میں فرانسیسی سلطنت کا خواب پریشان ہو گیا تو صرف چندر نگر اور پانڈی چری ان کے پاس رہ گئے۔

تجارت کی کیفیت: اس زمانے میں ہندوستان صنعت و حرفت میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ یہاں کی چھینٹیں، ململیں، ریشمی اور زردوز پارچے، یورپ کی منڈیوں میں بہت قیمت پاتے تھے۔ فرنگستانی کاریگر ایسے خوبصورت اور دلآویز کپڑے نہیں بنا سکتے تھے۔ نہ نقاشی اور کشیدہ کاری میں انہیں ہندوستانیوں جیسا سلیقہ آتا تھا۔ پھر چینی کے برتنوں میں اور ہاتھی دانت کی بنی ہوئی چیزوں کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ ان مصنوعات کی گراں بہائی نے فرنگستانی تجارت کو بہت چمکایا اور نفع کے لالچ میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر ہندوستانیوں کے ساتھ تعلقات

پیدا کرنے لگے۔ مصنوعات کے علاوہ یہاں کچے مال کی بھی کمی نہ تھی۔ کالی مرچ، لونگ، جائفل، سونٹھ، دار چینی کے علاوہ نیل بڑی مقدار میں یورپ جاتا تھا۔ مختلف قسموں کے عطر اور بخور بھی کثرت سے خریدے جاتے تھے۔ یورپ سے اُونی کپڑا، سیسہ اور اس قسم کی بعض دوسری چیزیں آتی تھیں۔ شروع شروع میں کم و بیش پانچ لاکھ پونڈ کا مال صرف انگلستان جاتا تھا اور اس کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ پونڈ کا مال ہندوستان آتا تھا۔ زائد رقم سونے اور چاندی کی شکل میں یہاں کے لوگوں کو ملتی تھی۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱۔ افریقہ کے جنوبی و مغربی گوشے کا نام "راس امید" اس لیے رکھا گیا کہ جہاز ران مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو خشکی ختم ہو گئی اور آگے قدم بڑھانے کے لیے امید کو نیا سہارا مل گیا۔

۲۔ میلنڈا (Melinda) آج کل برطانوی مشرقی افریقہ کی بندرگاہ ہے جو ممباسا سے تھوڑی دور شمال میں ہے۔

۳۔ احمد ابن ماجد نے بحریات کے متعلق کتابیں بھی لکھی تھیں۔ پندرہویں صدی عیسوی میں بحر ہند کے متعلق اس سے زیادہ معلومات کسی کو نہ تھیں۔ عربوں کا بیان ہے کہ ابن ماجد کو نشہ پلا کر ساتھ لے لیا۔ خود پرتگیز کہتے ہیں کہ ابن ماجد انعام کے لالچ میں رہنمائی کے لیے تیار ہو گیا۔ اس کی رہنمائی ایک ثابت شدہ واقعہ ہے، وجہ خواہ کچھ ہو۔

۴۔ Almeida

۵۔ Albuquerque

دوسرا باب

انگریزوں اور فرانسیسیوں کی آویزش

آویزش کا آغاز: ہندوستان میں انگریزی دور کی مستقل تاریخ وارن ہیسٹنگز کی گورنری سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پیشتر کے صرف دو واقعات قابلِ ذکر ہیں۔ اوّل یہ کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں، جن میں انگریزوں نے فتح پائی۔ دوسری فرنگستانی قومیں پہلے حذف ہو چکی تھیں۔ جب فرانسیسی بھی گر گئے، جو انگریزوں کے برابر کی ٹکر تھے تو انگریزوں کو ہندوستان کی سیاسی شطرنج پر مہرے آگے بڑھانے اور نئی چالیں اختیار کرنے کا موقع مل گیا۔ دوسرا قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں نے بنگال میں قدم جما لیے۔

فرانسیسی اور انگریز صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آتے تھے۔ یہاں پہلو بہ پہلو ان کی تجارتی کوٹھیاں بنیں تو دیرینہ دشمنی رنگ لانے لگی۔ فرانسیسی ہندوستانیوں سے میل جول پیدا کرنے میں انگریزوں سے بہت آگے تھے۔ ۱۷۳۵ء میں "دوما" نام ایک شخص پانڈیچری کا گورنر بن کر آیا۔ وہ ہوشیار اور تجربہ کار آدمی تھا۔ آتے ہی اپنے تعلقات بڑھانے میں لگ گیا۔ ارکاٹ اس زمانے میں نظام کی ریاست کا ایک صوبہ تھا۔ وہاں کے نواب دوست علی خاں اور اس کے داماد حسین دوست عرف چندا صاحب سے دوما کی بڑی دوستی ہو گئی۔ ۱۷۴۰ء میں دوست علی خاں مرہٹوں کی ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے بیٹے صفدر علی خاں نے اس شرط پر مرہٹوں سے صلح کر لی کہ وہ چندا صاحب کو گرفتار کر لیں، جو اپنے خسر کی جگہ خود ارکاٹ کا نواب بننا چاہتا تھا۔ مرہٹے چندا صاحب کو قید کر کے ستارا لے گئے۔ اس نے گرفتاری سے پہلے اپنے بال بچوں کو پانڈی چری دوما کے پاس بھیج دیا۔ مرہٹوں نے چندا صاحب کے بال بچوں کو مطالبہ کیا تو دوما نے جواب دیا کہ جب تک ایک بھی فرانسیسی زندہ ہے، کوئی انہیں لے جا نہیں سکتا۔ وہ شاہِ فرانس کی پناہ میں ہیں۔ یہ جواب ویسے بھی قابلِ قدر تھا، لیکن مرہٹوں کی تاخت و تاراج کے باعث چوں کہ سب کے دل زخمی تھے اس لیے تمام حلقے فرانسیسیوں کی بہادری اور دوستی کے عہد کی پابندی کے گن

گانے لگے۔ نواب نظام الملک نے خود دوما کے پاس ایک خلعت بھیجا اور دربار شاہی سے اسے چار ہزاری منصب اور نوابی کا خطاب دلا دیا۔

جوزف ڈوپلے: ۱۷۴۱ء میں دوما اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گیا اور اس کی جگہ جوزف ڈوپلے پانڈی چری کا گورنر مقرر ہوا، جو پہلے چندر نگر کا ناظم رہ چکا تھا۔ وہ دوما سے بھی زیادہ ہوشیار، بلند ہمت اور باتدبیر تھا۔ فرنگیوں میں سے اسی نے پہلے پہل یہ راز سمجھا کہ ہندوستانیوں کو فرنگی اصول کے مطابق فوجی تربیت دے کر فرنگیوں کے برابر کام لیا جا سکتا ہے۔ نیز مرکزی حکومت کمزور ہو چکی ہے، صوبیدار آپس میں لڑ رہے ہیں اور اس حالت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں فرنگی سلطنت قائم کر لینا مشکل نہیں۔ وہ انہیں خیالات کے ساتھ پانڈی چری پہنچا اور سرگرمی سے اپنے مقاصد کے لیے کام شروع کر دیا۔ اس وقت انور الدین خاں ارکاٹ کا نواب تھا۔

یورپ میں فرانس و انگلستان کے درمیان جنگ چھڑی تو اس کے شعلے ہندوستان کے انگریز اور فرانسیسی تاجروں تک بھی آ پہنچے۔ ڈوپلے انور الدین خاں کے ساتھ اچھا تعلق پیدا کر چکا تھا۔ اس نے یہ وعدہ کر کے مدراس پر حملہ کیا کہ شہر فتح ہو گیا تو اسے نواب کے حوالے کر دوں گا۔ مدراس فتح ہو گیا تو ڈوپلے وعدے سے پھر گیا۔ اس پر نواب اور ڈوپلے میں چل گئی۔ یہ کرناٹک کی پہلی جنگ تھی۔ اب ڈوپلے کو یہ سوجھی کہ کسی طرح چندا صاحب کو مرہٹوں کی قید سے نکال کر انور الدین خاں کے مقابلے پر کھڑا کیا جائے۔ چنانچہ اس نے مرہٹوں کو روپیہ دے کر چندا صاحب کو چھڑا لیا۔

نظام کی گدی کا قضیہ: ۱۷۴۸ء میں نظام الملک آصف جاہ کا انتقال ہوا۔ اس کا بڑا بیٹا غازی الدین خاں فیروز جنگ دہلی میں رہتا تھا، جہاں اس کے ذمے دربار کا کام تھا۔ دوسرے بیٹے ناصر جنگ نے ریاست سنبھال لی۔ اس کے ساتھ ہی فیروز جنگ نے بادشاہ سے ریاست کا پروانہ لیا اور مرہٹوں کی امداد سے باپ کی میراث حاصل کرنے کی تدبیر میں لگ گیا۔ امداد کے معاوضے میں مرہٹوں نے ریاست کے جو علاقے مانگے، بے تکلف ان کے حوالے کر دیے۔ اورنگ آباد پہنچ کر وہ چند روز میں فوت ہو گیا۔ اس کے دیے ہوئے علاقوں کو مرہٹوں سے واپس لینے میں بڑی جانفشانیاں کرنی پڑیں اور خاص دیر لگی۔ اس دعوے دار کی طرف سے اطمینان ہوا تو نظام الملک کا نواسہ ہدایت محی الدین مظفر جنگ حاکم بیجاپور نانا کی میراث کا دعویٰ لے کر کھڑا ہو گیا۔ چندا

صاحب اور مظفر جنگ نے آپس میں یہ عہد کر لیا تھا کہ مظفر جنگ ریاست دکن کا مالک بن جائے تو چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی دے دے۔ دونوں نے دوپلے سے امداد لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سازباز کے بعد دوپلے نے انور الدین خاں سے جنگ کی جس میں نواب اتفاقیہ مارا گیا۔ دوپلے کامیاب ہوا، اور اس نے چندا صاحب کو ارکاٹ کا نواب بنا دیا۔ انور الدین خاں کا بیٹا محمد علی ارکاٹ کا دعوے دار تھا لیکن وہ امداد کے بغیر کیا کر سکتا تھا۔

ناصر جنگ نے اپنے ماتحت علاقے میں فرانسیسیوں کی یہ خودسری دیکھی تو ان کو سزا دینے کے لیے فوج لے کر کرناٹک پہنچا۔ فرمانروائے دکن کی آمد نے سب پر ہراس طاری کر دیا۔ فرانسیسی پریشان ہو گئے۔ مظفر جنگ کامیابی سے مایوس ہو کر اپنے ماموں ناصر جنگ کے پاس پہنچ گیا اور معافی مانگ لی۔ قریب تھا کہ فرانسیسی ہتھیار ڈال دیں لیکن انہوں نے خود ناصر جنگ کے دربار میں سازش کا جال پھیلا دیا تھا۔ چنانچہ ناصر جنگ کو کڑپا کے افغان نواب نے اچانک گولی مار کر شہید کر دیا۔ فوج میں افراتفری پھیل گئی۔ دوپلے نے اس موقع پر فائدہ اٹھا کر مظفر جنگ کو ریاستِ دکن کا مالک بنا دیا اور چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی مل گئی۔ گویا پورے دکن میں فرانسیسیوں کا طوطی بولنے لگا۔ چند ماہ بعد مظفر جنگ بھی اتفاقیہ مارا گیا تو دوپلے نے نظام الملک کے تیسرے بیٹے صلابت جنگ کو گدی پر بٹھا دیا اور اپنے قابل جرنیل بُسّی کو ریذیڈنٹ بنا کر اس کے دربار میں بھیج دیا اور اس طرح دکن کا سارا کاروبار بالواسطہ فرانسیسیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ انور الدین کا بیٹا محمد علی ترچناپلی میں محصور تھا۔ کرناٹک کی گدی چندا صاحب کو مل گئی تھی جو فرانسیسیوں کا گہرا دوست اور ممنون تھا۔ ریاست دکن کی مسند پر فرانسیسیوں کا مہرا بیٹھا تھا۔ انگریزوں کو اپنی معمولی تجارتی کوٹھیاں بچائے رکھنے کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

رابرٹ کلایو: مایوسی کے اس تاریک دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک معمولی محرر مُنّا می سے نکل کر سامنے آ گیا اور اس نے ایک ہی کارنامے سے انگریزوں کی بگڑی ہوئی تقدیر کو چکر سے باہر نکال دیا۔ یہ رابرٹ کلایو تھا، جو نومبر ۱۷۲۵ء میں پیدا ہوا۔ لکھنے پڑھنے کی طرف چنداں توجہ نہیں تھی۔ عام طور طریقے ایسے تھے کہ والدین کو اس کے متعلق کوئی خوشگوار امید باندھنے کی صورت نہ رہی، اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی میں بھرتی کرا دیا۔ محرر بن کر آیا تھا، یہاں ضرورت کے وقت دوسرے محرروں کی طرح لڑائیوں میں بھی شریک ہوتا رہا۔ اگرچہ نہ کہیں جنگی تعلیم حاصل کی تھی اور نہ جنگی

تربیت پائی تھی تاہم بہادر تھا اور جنگی مصلحتوں کو خوب بھانپ لیتا تھا۔ انگریز چاہتے تھے کہ کسی طرح محمد علی کو محاصرے سے نجات مل جائے، تاکہ وہ باہر نکل کر چندا صاحب سے لڑ سکے، لیکن ترچناپلی تک فوج لے جانے کی کوئی شکل نہ تھی۔ کلایو نے یہ تجویز پیش کی کہ ترچناپلی پہنچنے کی ضرورت نہیں، فوراً ارکاٹ پر حملہ کر کے شہر لے لینا چاہیے۔ چندا صاحب خود ترچناپلی کو چھوڑ کر اپنے مرکز کو بچانے کے لیے آئے گا، اس طرح محمد علی پر سے دباؤ اُٹھ جائے گا۔ یہ تجویز منظور ہوگئی اور کلائیو پانسو کی فوج لے کر ارکاٹ پر چڑھا جن میں سے دو سو گورے تھے اور تین سو ہندوستانی۔ کلائیو نے ارکاٹ پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ خستہ حالت میں تھا، اس کی مرمت کرالی اور اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اس نے جو رائے قائم کی تھی وہ درست نکلی۔ چندا صاحب نے ارکاٹ کے چھن جانے کی خبر سنتے ہی اپنے بیٹے رضا صاحب کو دس ہزار فوج دے کر بھیجا کہ کلایو کو ختم کر دیا جائے۔ رضا صاحب نے ۵۳ روز محاصرہ جاری رکھا، لیکن شہر فتح نہ ہوا۔ اس اثنا میں انگریزوں نے توڑ جوڑ کر کے بعض مرہٹہ سرداروں اور تنجور و میسور کے راجاؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ نیز کچھ اور فوج ارکاٹ کی طرف بھیج دی۔ آخر رضا صاحب نے محاصرہ اٹھا لیا مگر کلایو اور مدراس کی انگریزی فوج کا مشہور افسر لارنس مل کر ترچناپلی کی طرف بڑھے۔ چندا صاحب نے محاصرہ چھوڑ دیا اور بچ کر نکلنا چاہا، تنجور کے راجا نے اسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ محمد علی ارکاٹ کا نواب بن گیا اور انگریزوں کی حالت کسی قدر بہتر ہوگئی۔ کم سے کم ان کی تجارتی کوٹھیوں کو فوری خطرہ باقی نہ رہا۔ البتہ بسے دربار دکن میں موجود تھا اور اس نے شمالی سرکاریں اپنی فوج کے خرچ کے لیے صلابت جنگ سے لے لی تھیں۔

دوپلے کی معزولی: ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی کشمکش کو انگلستان اور فرانس میں بہت بُرا سمجھا گیا، اس لیے کہ دونوں حکومتوں میں صلح تھی اور ان کے کارندوں کا باہر کے ملک میں لڑائی چھیڑنا بالکل ناپسندیدہ تھا۔ ادھر لڑائیوں میں روپیہ خرچ ہوا۔ تجارت پر بھی اثر پڑا۔ فرانسیسی کمپنی کے حصے داروں میں اس پر بے چینی پیدا ہوئی۔ انگریزوں نے فرانس میں یہ پروپیگنڈا چلا دیا کہ لڑائی چھیڑنے اور تجارت کو نقصان پہنچانے کا ذمہ دار دوپلے ہے۔ فرانسیسیوں نے جلد بازی سے کام لے کر شور مچایا کہ دوپلے کو واپس بلایا جائے۔ بادشاہ کی طرف سے فرمان جاری ہوگیا کہ دوپلے کو گورنری سے ہٹا دیا جائے بلکہ ایک شخص کو ہندوستان بھیج دیا گیا کہ وہ دوپلے کو الگ کر کے فرانس بھیج دے اور اگر وہ انکار کرے تو اسے گرفتار کر لے۔

دو پلے کی واپسی کے ساتھ ہی صلح ہوگئی۔ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے علاقے واگزار کر دیے۔ اس طرح کرناٹک کی دوسری جنگ ختم ہوئی۔

دو پلے فرانسیسیوں میں سب سے قابل اور باہمت تھا۔ اس کے دماغ میں وسیع سکیمیں تھیں۔ وہ انگریزوں کو ہندوستان سے بے دخل کر کے یہاں فرانسیسیوں کو برتری دلانا چاہتا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو ہندوستان میں انگریزوں کی جگہ فرانسیسیوں کی سلطنت قائم ہو جاتی۔ اس کے ہم وطن ان مصلحتوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ کمپنی کے حصے داروں نے معمولی نفع کی خاطر سلطنت کے لیے کوشش کا دروازہ بند کر دیا، دو پلے کی قدر نہ پہنچانی۔ جب ان کی آنکھیں کھلیں تو وقت ہاتھ سے جا چکا تھا۔ اس وقت پشیمان ہوئے، لیکن یہ پشیمانی نہ انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی تھی نہ دو پلے کو۔ وہ نومبر ۱۷۶۴ء میں فوت ہوا۔

بعد کے واقعات: بعد کے واقعات زیادہ تفصیل کے محتاج نہیں ہیں۔ صلح پر تھوڑی سی مدت گزری تھی کہ یورپ میں "ہفت سالہ جنگ" چھڑ گئی جس میں انگریز اور فرانسیسی ایک دوسرے کے خلاف شریک ہوئے۔ اس پر ہندوستان میں بھی جنگ ہوئی جو کرناٹک کی تیسری جنگ کہلاتی ہے۔

۱۔ حکومتِ فرانس نے کاؤنٹ لالی کو ہندوستان بھیجا کہ انگریزوں کو مار کر نکال دے۔ وہ اپریل ۱۷۵۸ء میں یہاں پہنچا۔ اس وقت تک انگریزوں کے قدم بنگال میں جم چکے تھے اور ان کی قوت بڑھ گئی تھی۔ فرانسیسیوں کی حالت بہت کمزور تھی۔

۲۔ لالی کارکنانِ حکومت کی بدنظمیوں کو ختم کرنا چاہتا تھا اس وجہ سے سب کارکن اس کے دشمن بن گئے۔

۳۔ جو بیڑا لالی کی حمایت کے لیے بھیجا گیا تھا، اس کے پہنچنے میں دیر ہوگئی۔

تاہم اس نے فورٹ سینٹ ڈیوڈ ایک ہی حملے میں لے لیا۔ پھر مدراس پر بڑھا۔ حکومت فرانس نے اسے کوئی امداد نہ دی۔ اس اثنا میں انگریزی بیڑا پہنچ گیا اور لالی پیچھے ہٹا۔ وند یواش پر اس نے ۱۷۶۰ء میں شکست کھائی۔ مشکلات سے گزرتا ہوا پانڈی چری پہنچا۔ انگریزوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جو تقریباً آٹھ مہینے جاری رہا۔ رسد ختم ہو جانے پر لالی ہتھیار ڈالنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ اس پر جنگ ختم ہوگئی۔

انگریزوں نے پانڈی چری کے استحکامات اور بعض نمایاں عمارتیں ڈھا دیں۔ لالی جنگی

قیدی بن کر انگلستان پہنچا۔ فرانس گیا تو پہلے اسے قید کر دیا۔ دو برس بعد اس جرم میں موت کی سزا دی گئی کہ اس نے بادشاہ، اس کے مقبوضات اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقاصد کو نقصان پہنچایا۔ جب ہفت سالہ جنگ ختم ہوگئی تو پانڈی چری اور دوسرے فرانسیسی مقبوضات فرانسیسیوں کو واپس مل گئے۔

بس یہ فرانس کی آخری کوشش تھی۔ پھر نہ ان میں سر اٹھانے کی سکت باقی رہی اور نہ حالات ویسے رہے جیسے کہ مثلاً دوپلے کے وقت میں تھے۔

ناکامی کے اسباب: فرانسیسیوں کی ناکامی کے اسباب یہ ہیں:

۱۔ فرانسیسی کمپنی، انگریزی کمپنی کی طرح منظم اور مالی لحاظ سے پائیدار نہ تھی۔

۲۔ انگریزی کمپنی کے حصے دار تمام معاملات میں دلچسپی لیتے تھے۔ فرانسیسی کمپنی کے حصے داروں کو منافع وصول کرنے کے سوا کسی بات سے سروکار نہ تھا۔

۳۔ انگریزوں کی بحری قوت فرانسیسوں کے مقابلے میں زیادہ تھی اور وہ ولایت سے ضرورت کی ہر چیز بہ آسانی ہندوستان پہنچا دیتے تھے۔

۴۔ فرانسیسی حکومت نے اپنے کارکنوں سے تعاون نہ کیا۔

۵۔ دوپلے کے دل میں جب ملک گیری کی آرزو پیدا ہوئی تو وہ اس دھن میں ایسا سرمست ہوا کہ تجارت کا کوئی خیال نہ رکھا، جس کے بغیر اسے ضرورت کے مطابق روپیہ نہیں مل سکتا تھا۔

۶۔ انگریز ۱۷۵۷ء میں بنگال میں قدم جما چکے تھے اور ان کی مالی و سیاسی حیثیت فرانسیسوں سے بدرجہا بہتر ہو چکی تھی۔

۷۔ فرانسیسیوں نے ایک طرف نوآبادیوں کے لیے جنگ شروع کی تو اس کے ساتھ ساتھ یورپ میں بھی اپنے اقتدار کو بڑھانے میں سرگرم رہے۔ اس طرح ہر جگہ انہیں جنگوں سے سابقہ پڑا اور وہ ہر جگہ ناکام رہے۔ افریقہ، جزائر غرب الہند اور ہندوستان میں نقصان اٹھایا، کینیڈا بھی کھو بیٹھے اور یورپ میں بھی شکست کھائی۔

۸۔ فرانسیسی مزاج کے جلد باز ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ آزمائش کے وقت کو صبر و ہمت کے ساتھ نہیں گزار سکتے۔ ان کی مزاجی خصوصیت ہندوستان میں انگریزوں کے ساتھ ٹکر میں بھی ظاہر ہوئی۔ کامیابی حاصل ہوئی تو پھول گئے، پریشانی سے سابقہ پڑا تو گھبرا کر

سب کچھ خراب کر ڈالا۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱۔ Dumas

۲۔ Joseph Duplix

۳۔ Bussy

۴۔ Robert Clive

۵۔ شمالی سرکاروں میں پانچ ضلعے تھے جو مدراس کے شمالی حصے کے ساحل کے ساتھ ساتھ تھے، یعنی گنجام، وزیگاپٹم، گوداوری، ہناؤس اور کرشنا۔ انھیں تاریخوں میں شمالی سرکاریں کہا جاتا تھا۔

۶۔ Seven years war

۷۔ Count Lally

۸۔ Fort Saint David

تیسرا باب

انگریز بنگال میں

سراج الدّولہ: دکن میں انگریزوں کے لیے اسی وقت اطمینان کی صورت پیدا ہو گئی تھی، جب چندا صاحب مارا گیا اور محمد علی ارکاٹ کا نواب بن گیا۔ پھر جب دوپلے کو فرانسیسیوں نے واپس بلا لیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ گویا فرانسیسی اس پالیسی ہی سے دستبردار ہو گئے، جس پر دوپلے چلتا رہا تھا اور جس کے مطابق انہیں سلطنت ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ مدعا یہ نہیں کہ فرانسیسیوں کے دل ملک گیری کی آرزو سے خالی ہو گئے تھے، بلکہ جو طریقے کامیاب ہو سکتے تھے، فرانسیسی اپنی کوتاہ اندیشی اور جلد بازی کے باعث انہیں چھوڑ چکے تھے۔ اس اثنا میں قدرت نے انگریزوں کے لیے بنگال میں اچانک کامیابی کا نیا موقع پیدا کر دیا، جہاں ان کی آئندہ سلطنت کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔

بنگال کا آخری بڑا گورنر علی وردی خاں تھا، جو ۱۷۵۶ء میں فوت ہوا۔ اس کے پسری اولاد نہ تھی۔ تین لڑکیاں تھیں جنہیں اس نے بھتیجوں سے بیاہ دیا تھا۔ ان کے بچوں میں سے دو قابلِ ذکر ہیں: اوّل محمد مرزا جسے سراج الدولہ کا خطاب دیا تھا اور علی وردی خاں نے اپنا متبنّٰی اور جانشین بنایا تھا۔ دوسرا شوکت جنگ جسے پورنیا کی حکومت دی تھی۔ یہ دونوں نوجوان ناتجربہ کار اور کوتاہ اندیش تھے۔ خود بھی تباہ ہوئے اور بنگال و بہار و اڑیسہ کی آزادی کو بھی تباہ کر گئے۔

دونوں کے باپ سگے بھائی اور اور مائیں سگی بہنیں تھیں۔ سراج الدّولہ علی وردی خاں کی وصیت کے مطابق جانشین بنا۔ شوکت جنگ نے دعویٰ کر دیا کہ تینوں صوبوں کی نظامت کا فرمان دربار دہلی سے مجھے ملا ہے۔ اس پر کشمکش شروع ہو گئی اور سراج الدّولہ مرشد آباد سے پورنیا کی طرف نکلا تا کہ شوکت جنگ سے آخری فیصلہ کرے۔

انگریزوں سے اختلاف: علی وردی خاں نے اپنی زندگی میں انگریزوں یا دوسری فرنگی قوموں سے کوئی بدسلوکی نہیں کی تھی، لیکن انہیں تجارت کی حد سے قدم آگے بھی نہیں بڑھانے دیا تھا۔ ۱۷۴۹ء میں ایک انگریز افسر نے ایک ارمنی کو خود بخود گرفتار کر لیا تھا، علی وردی خاں نے فوراً فیکٹری

پر پہرے بٹھا دیے اور ساری انگریزی تجارت بند کر دی۔ جب انگریزوں نے معافی مانگی تو انہیں چھوڑا۔ جس زمانے میں بنگال پر مرہٹوں کے حملے شروع ہو گئے تھے تو علی وردی خاں نے دوسرے فرنگیوں کے علاوہ انگریزوں کو بھی اپنی حفاظت کا بندوبست کر لینے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کلکتہ کے شمالی حصے کی جانب ایک خندق کھود لی تھی۔ جب علی وردی خاں کا انتقال ہوا تو انگریزوں نے باقاعدہ قلعہ بندیاں شروع کر دیں اور نواب سے اجازت تک نہ لی۔ دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ نواب نے اپنے چچا کے دیوان راج بلبھ کے بیٹے کرشن بلبھ کی گرفتاری کے لیے آدمی ڈھاکہ بھیجے۔ کرشن بلبھ بھاگ کر کلکتہ پہنچ گیا اور انگریزوں نے اسے اپنے ہاں پناہ دے دی۔ تیسرے نواب کے خوشامدی درباریوں نے اسے یہ پٹی پڑھائی کہ انگریز شوکت جنگ کو امداد دے کر بنگال و بہار کا نواب بنانا چاہتے ہیں۔ آخری واقعہ درست ہو یا نہ ہو، لیکن اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ انگریزوں اور دوسری فرنگی قوموں نے عام طور پر یہی طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ دیسی حکمران آپس میں لڑیں تو کسی ایک کو امداد دے کر اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی تدبیر کر لی جائے۔ دکن اور کرناٹک کے حالات سب کو معلوم تھے کہ کس طرح انگریزوں اور فرانسیسیوں نے نوابی کے مختلف دعوے داروں کو لڑا کر اپنے لیے استحکام کی راہ پیدا کی۔ اس لیے قیاس یہ ہے کہ نواب کو اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ انگریز واقعی شوکت جنگ کے مددگار ہیں۔ اجازت کے بغیر قلعہ بندیوں کا معاملہ بھی درست تھا اور کرشن بلبھ کو پناہ دینے میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔

قاسم بازار اور کلکتہ پر حملہ: نواب نے انگریزوں کو پیغام بھیجا کہ قلعہ بندیاں توڑ دو اور کرشن بلبھ کو حوالے کر دو۔ انہوں نے لیت و لعل کی تو نواب، شوکت جنگ کا خیال چھوڑ کر راج محل سے لوٹا۔ پہلے قاسم بازار کی انگریزی کوٹھی کو لوٹا، پھر کلکتہ پر حملہ آور ہوا۔ انگریز گورنر ڈریک نے شروع میں مقابلے کا ارادہ کیا، پھر انگریزوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر چپ چاپ قلعے کو چھوڑا اور جہازوں پر سوار ہو کر سمندر کی طرف نکل گیا۔ ہگلی کے دہانے پر فلٹا نام ایک مقام تھا، وہاں جا کر ٹھہر گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ نہ سارے انگریزوں کو ساتھ لیا، نہ سب کو اپنے نکل جانے کی اطلاع دی۔ جو ساتھ ہو گئے، چلے گئے جو رہ گئے، ان کا کچھ خیال نہ کیا۔ ہالویل بھی انہیں پیچھے رہے ہوئے انگریزوں میں سے تھا، جس نے بعد میں کال کوٹھری (بلیک ہول) کا افسانہ تراش کر بڑا نام پایا۔ یہ بھی چلے جاتے لیکن نہ انہیں کوئی جہاز ملا اور نہ بچ نکلنے کی صورت پیدا ہوئی۔ اس سلسلے

میں نواب کے ایک افسر امیر بیگ کا واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جو میر جعفر کے لشکر میں تھا۔ اسے چند انگریز عورتیں ملیں، جو پریشان حال پھر رہی تھیں۔ اس نے سب کو اپنے پاس حفاظت سے رکھا، رات ہوئی تو انہیں خفیہ خفیہ نکال کر انگریز گورنر ڈریک کے پاس پہنچا آیا جو اس وقت کلکتہ سے بیس بائیس میل کے فاصلے پر تھا۔ انگریزوں نے اسے انعام دینا چاہا۔ امیر بیگ نے کچھ لینے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ میں نے یہ کام مال کی طمع سے نہیں کیا۔ شریف آدمی ہوں اور میرے نزدیک شرافت کا تقاضا یہی تھا کہ عورتوں کے ناموس کو بچانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا۔ کال کوٹھڑی کے افسانے کو انگریزوں نے بعد میں خوب اچھالا، لیکن امیر بیگ کی شرافت کے واقعہ کو بالکل بھلا دیا۔

کال کوٹھڑی کا افسانہ: جو انگریز باقی رہ گئے تھے، ان کی کمان ہالویل نے سنبھال لی۔ تھوڑی دیر مقابلہ رہا۔ آخر ہتھیار ڈال دیے اور ۲۰ر جون ۱۷۵۶ء کو قلعے پر نواب کا قبضہ ہو گیا۔ سامان نواب کے سپاہیوں نے لوٹ لیا۔ خیال تھا کہ انگریزوں کے پاس بڑی دولت ہوگی۔ اس کی تلاش شروع ہوئی، تگ و دو کے بعد معمولی رقم ملی۔

جو انگریز، کمپنی کے ملازم بن کر آتے تھے، وہ عموماً معمولی حیثیت کے آدمی ہوتے تھے اور زیادہ تر وہی لوگ گھر بار اور خویش و اقربا سے ہزاروں میل کی دوری اختیار کرتے تھے، جنہیں ولایت میں کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ملتا تھا۔ وہ اکثر شراب پی کر بدمست رہتے تھے۔ قلعہ فتح ہو گیا تو بعض گوروں نے شراب پی کر دیسی سپاہیوں پر حملے شروع کر دیے۔ اس بنا پر ان سب کو گرفتار کر لینے کا حکم دے دیا گیا۔ وہ کتنے تھے؟ کہاں رکھے گئے؟ ان کا انجام کیا ہوا؟ یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں، لیکن ایک افسانہ تراش لیا گیا کہ وہ تعداد میں ۱۴۶ تھے، ۱۸ فٹ مربع کوٹھڑی میں بند کر دیے گئے جو پہلے سے قید خانے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ کوٹھڑی میں ہوا کے آنے جانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ پانی بھی نہ ملا۔ ۱۲۳ رات رات میں مر گئے اور صرف ۲۳ زندہ بچے۔ ان میں سے ایک ہالویل تھا لیکن یہ قصہ سراسر غلط در بے سر و پا ہے، اس لیے کہ:

۱۔ ۱۸ مربع فٹ کوٹھڑی میں ۱۴۶ آدمی سما نہیں سکتے۔

۲۔ اس افسانے کا پہلا راوی ہالویل ہے اور سب لوگ مانتے ہیں کہ ہالویل جھوٹا، جعلساز اور بے اعتبار آدمی تھا۔

۳۔ اس عہد کے متعلق ہندوستانی تاریخوں میں اس واقعہ کی طرف اشارہ تک موجود نہیں۔ مثلاً ''ریاض السلاطین'' کو دیکھو جو انگریزوں کی سرپرستی میں لکھی گئی۔ غلام حسین طباطبائی کی ''سیر المتاخرین'' کو دیکھو جس نے تمام حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ وہ انگریزوں کا مداح، سراج الدولہ اور شوکت جنگ کا مخالف تھا۔ ان کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے لیکن کال کوٹھڑی یا ایسے کسی واقعہ کا سرسری ذکر بھی نہیں کرتا۔

۴۔ بعد میں سراج الدولہ کے ساتھ انگریزوں کی صلح ہوگئی۔ اس میں مالی نقصان کو پورا کرنے کی شرط موجود ہے۔ مختلف طبقوں کو جو رقمیں دلائی تھیں، ان کی تفصیل موجود ہے، لیکن کال کوٹھڑی کے متعلق ایک حرف بھی موجود نہیں۔

ونسنٹ سمتھ کا بیان: خود ایک انگریز نے بڑی چھان بین کے بعد اس قصے کو بے اصل ثابت کر دیا اور کمپنی کی خط و کتابت پیش کر کے ثبوت دے دیا کہ مدت تک اس معاملے کے متعلق کسی کو خبر بھی نہ تھی اور کمپنی کے ڈائرکٹروں کو کبھی اس قصے کی اطلاع نہ دی گئی۔

ونسنٹ سمتھ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ''زمانہ حال میں کال کوٹھڑی کے واقعہ کو جھٹلانے اور اسے محض جعلی ثابت کرنے کی جو کوششیں کی گئی ہیں ان کی بنیاد پکی نہیں ہے۔ واقعہ ضرور پیش آیا اگرچہ اس کی بعض جزئیات کو ناقابلِ یقین سمجھا جائے''، لیکن ونسنٹ سمتھ صاحب اس بات کو کیوں کر نظر انداز کر سکتے ہیں کہ اصل واقعہ صرف جزئیات ہی کے باعث خوفناک بنا؟ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ قیدیوں کی تعداد کم تھی یا قید خانے کا مکان بڑا تھا۔ یا مردوں کی تعداد معمولی تھی تو چند جنگی قیدیوں کو جیل خانے میں ڈال دینے پر اعتراض کی کون سی وجہ رہ جاتی ہے؟ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ انگریزوں کو اس بنا پر پکڑ کر قید کرنے کا حکم دے دیا گیا کہ بعض گوروں نے بدمستی میں سپاہیوں پر حملے شروع کر دیے تھے۔ وہ کتنے تھے؟ کہاں رکھے گئے؟ اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ان میں سے اگر کچھ لوگ قید میں مر بھی گئے تو ان کی تعداد یقیناً بہت تھوڑی ہوگی، ورنہ ''ریاض السلاطین'' اور ''سیر المتاخرین'' میں اس واقعہ کا ضرور ذکر آتا۔

انگریزوں کی پیش قدمی: کلکتے سے انگریزوں کے نکالے جانے کی خبر مدراس پہنچی تو وہاں سے کلایو اور امیر البحر واٹسن کی سرکردگی میں ایک فوج بھیج گئی، جس میں نو سو گورے اور تیرہ سو دیسی

سپاہی تھے۔ یہ فوج ۱۴ر دسمبر ۱۷۵۶ء کو فلنڈ پہنچی۔ نواب کلکتہ فتح ہونے کے چند روز بعد واپس جا چکا تھا۔ اس نے شوکت جنگ سے لڑائی کی، جس میں شوکت جنگ مارا گیا اور پورنیا پر نواب کا قبضہ ہو گیا۔ کلکتے کا انتظام راجہ مانک چند کے حوالے کر دیا گیا تھا جسے جاننے والوں کی رائے ہے کہ وہ مغرور، بے شعور اور بزدل آدمی تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ انگریزوں سے مل گیا تھا۔ معمولی لڑائی کے بعد وہ کلکتہ چھوڑ کر ہگلی جا بیٹھا۔ انگریز ۲ر جنوری ۱۷۵۷ء کو شہر اور قلعے پر دوبارہ قابض ہو گئے، پھر آگے بڑھ کر انہوں نے ہگلی کو بھی فتح کر لیا۔ نواب کو خبر ملی تو فوج لے کر کلکتہ پہنچ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک بڑے بڑے امیر اور کارکن انگریزوں سے ساز باز کر چکے تھے۔ سیٹھوں اور ساہوکاروں کو اپنی تجارت کا خیال تھا۔ انگریزوں کے بیوپار میں انہیں خاصا نفع ملتا تھا، لہٰذا سب نے مل کر نواب پر دباؤ ڈالا کہ صلح ضرور ہو جائے۔ چنانچہ طے ہو گیا کہ نواب کچھ رقم نقد دے، باقی نقصان کے معاوضے میں چند پرگنے تھوڑی دیر کے لیے انگریزوں کو سونپ دے اور وہ قلعہ بندیاں کر لیں۔ آئندہ ضرورت پڑے تو نواب انگریزوں کو مدد دے۔

درباریوں کی سازشیں: نواب کے واپس جاتے ہی دربار میں سازشوں کا جال بچھ گیا۔ ان میں سب سے پیش پیش میر جعفر تھا جسے سراج الدولہ کے نانا علی وردی خاں نے اونچے درجے پر پہنچایا تھا اور اپنی ایک سوتیلی بہن سے اس کی شادی کر دی تھی۔ میر جعفر کو زیادہ تر اس بات کا رنج تھا کہ سراج الدولہ نے نواب بنتے ہی فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ اس سے چھین کر میر مدن کو دے دیا تھا۔ جگت سیٹھ اور بعض دوسرے درباری بھی سازش میں شریک تھے۔ سب سے آخر میں سراج الدولہ کی خالہ (علی وردی خاں کی بڑی بیٹی) مہر النسا بیگم عرف بی بی گھسیٹی بھی اس میں شامل ہو گئی۔ اسے سراج الدولہ سے اس لیے دشمنی پیدا ہوئی کہ نواب کے حکم کے مطابق مال و متاع چھین لیا گیا تھا۔ جگت سیٹھ کا ایک کارندہ امیں چند جسے انگریز اومی چند کہتے ہیں، کلکتہ میں رہتا تھا۔ اس کے ذریعہ سے ساری خبریں انگریزوں کو ملیں۔ خفیہ خفیہ طے ہوا کہ میر جعفر کو نواب بنایا جائے اور وہ کمپنی یا انگریزی فوج کو بڑی رقمیں انعام میں دے۔ میر جعفر نے بڑے بڑے افسروں اور سرکاری کارکنوں کے دستخطوں سے ایک محضر تیار کر کے انگریزوں کے پاس بھیج دیا۔ ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر ساتھ لگا دیا تا کہ انگریز جو چاہیں شرطیں لکھ لیں۔

جب سازش کی کھچڑی پک کر تیار ہو گئی تو امیں چند کو خیال آیا کہ انگریز بڑی رقمیں لے

جائیں گے، میر جعفر کو نوابی مل جائے گی، جگت سیٹھ بھی اپنا حصہ وصول کر لے گا لیکن مجھے کیا ملے گا؟ اس نے کہا کہ تیس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کرو تو چپ رہتا ہوں ورنہ سارا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دوں گا۔ کلائیو نے اسے خاموش کرنے کے لیے عہد نامہ دو کاغذوں پر لکھا۔ ایک سفید کاغذ پر جو اصلی تھا اور اس میں امیں چند کا کوئی ذکر نہ تھا اور دوسرا بادامی کاغذ پر تھا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ امیں چند کو تیس لاکھ روپے ملیں گے۔ میر جعفر اور کلائیو نے دونوں پر دستخط کیے۔ واٹسن نے جعلی معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے دستخط ایک اور انگریز سے بنوائے گئے۔

مخالفت کی تدبیریں: سازشیوں سے بخت و پز ہو چکی تو انگریزوں نے نواب سے شکایتیں شروع کر دیں۔ مثلاً کہا کہ صلح کی شرطیں پوری نہیں ہوئیں۔ فرانس کے ساتھ انگلستان کی جنگ چھڑ گئی تو پھر انگریزوں پر سراسیمگی طاری ہوئی۔ ایک طرف انہوں نے فرانسیسیوں کی کوٹھی پر قبضہ کر لیا جو چندر نگر میں تھی، حالاں کہ فرانسیسی انگریزوں کی زمین پر یا ان کی پناہ میں نہیں بیٹھے تھے بلکہ نواب کی رعایا تھے اور اس کی پناہ میں تھے۔ دوسری طرف نواب کو لکھا کہ فرانسیسیوں کو نکال دیجیے۔ ہمارے ساتھ آپ کی صلح ہے۔ اب ہمارا دوست آپ کا دوست ہونا چاہیے اور ہمارے دشمن کے ساتھ آپ کو دشمنی رکھنی چاہیے۔ نواب کے پاس موسیو "لاش" نام ایک فرانسیسی ملازم تھا۔ اس کے متعلق درباریوں سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا کہ چند ملازموں کے لیے انگریزوں سے کیوں کش مکش باقی رکھی جائے۔ چنانچہ نواب نے موسیو "لاش" سے کہا کہ پٹنہ جا بیٹھو۔ اس نے کہا کہ مجھے تو عذر نہیں، آپ کے درباری سازشی ہیں۔ یہ مجھے نکلوا دینے کی فکر میں ہیں۔ اگر میں نکل گیا تو پھر آپ سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں بنے گی۔ وہ نکلا اور انگریزوں نے سازشیوں کے بھروسے پر نواب کے خلاف پیش قدمی شروع کر دی۔ اب نواب کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے "لاش" کو پے در پے خط لکھے۔ یہ خط راج محل کے حاکم میر داؤد کے ذریعے بھیجے جاتے تھے جو میر جعفر کا بھائی تھا۔ وہ بد بخت ہر خط کھول کر پڑھ لیتا تھا۔ جسے مناسب سمجھتا، بھیجتا، مناسب نہ سمجھتا، نہ بھیجتا، لیکن یہ سارے حالات سازشیوں کو بتاتا رہتا۔ موسیو "لاش" کا کہنا سچ نکلا۔ وہ پھر نواب سے نہ مل سکا۔

نواب فوج لے کر لڑائی کے لیے نکلا، لیکن حالت یہ تھی کہ میر مدن یا ایک دو اور امیروں کے سوا کوئی بھی اس کا خیر خواہ نہ تھا۔

جنگِ پلاسی ۲۳ر جون ۱۷۵۷ء: کلکتہ اور مرشد آباد کے درمیان دریائے ہگلی (بھاگیرتی) کے

کنارے پلاسی کے مقام پر ۲۳ر جون ۱۷۵۷ء کو جنگ ہوئی۔ نواب کے پاس بھاری فوج تھی۔ کلائیو کے ساتھ پورے تین ہزار آدمی بھی نہ تھے۔ وہ سخت پریشان تھا۔ امیں چند سے کہا۔ "یہ کیا چال ہے؟ مجھے بتایا گیا تھا کہ فوج بہت تھوڑی ہوگی یہاں ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔" امیں چند نے جواب دیا کہ "انتظار کرو، حقیقت خود بخود کھل جائے گی۔"

فوج آراستہ ہوئی تو میر جعفر ایک سرے پر بائیں جانب کھڑا تھا۔ اس نے کلائیو کو پیغام بھی بھیج دیا کہ اطمینان رکھو۔ ہم سب عہد پر قائم ہیں۔ اس پیغام نے کلائیو کی ڈھارس بندھائی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میر مدن مارا گیا جو سراج الدولہ کا سچا وفادار تھا۔ نواب بڑا پریشان ہوا۔ میر جعفر کو بلا کر اپنی دستار اس کے پاؤں پر رکھ دی کہ میری غلطیاں معاف کرو۔ آبرو اور جان پر آنچ نہ آئے۔ میر جعفر نے ظاہر میں ہمدردی کا یقین دلایا، دل میں خوش ہوا۔ کہنے لگا اب لڑائی بند کر دیجیے، صبح دشمن کو ٹھکانے لگائیں گے۔ نواب نے یہ مشورہ مان لیا اور جو جاں نثار لڑ رہے تھے، انہیں واپس بلا لیا، حالانکہ وہ کہتے رہے کہ واپس ہونا اور لڑائی بند کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ شام ہوئی تو سب سازشی نواب کے گرد جمع ہوئے اور اسے مشورہ دیا کہ خیر اسی میں ہے جلد سے جلد مرشد آباد چلے جائیں۔ سراج الدولہ کوتاہ اندیش تو تھا ہی، نصیبہ بھی پھر گیا۔ میدانِ جنگ میں ان لوگوں کے مشورے پر چلنے لگا جو دشمن کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ دوستوں اور جاں نثاروں کی باتوں کو ٹھکرانے لگا۔ شام کو تیز سانڈنی پر سوار ہو کر پلاسی سے چلا اور مرشد آباد پہنچ گیا۔

سراج الدولہ کا قتل: وہاں کے طور اور بھی بگڑے ہوئے پائے۔ جس سے کہتا ہے کہ نئی فوج تیار کر دو وہ طرح دے جاتا۔ یہاں تک کہ سراج الدولہ کا خسر ایرج خاں بھی چپ چاپ گھر میں جا بیٹھا۔ مجبور ہو کر تھوڑے سے جواہرات اور سونا لے کر نکلا اور پٹنہ جانے کے لیے کشتی میں سوار ہو گیا۔ خشکی کے راستے جاتا تو ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو جاتے اور میر جعفر کی سکیم کبھی بھی نہ چل سکتی۔ راج محل پہنچ کر کھانا پکوانے کے لیے ٹھہرا۔ ایک درویش نے اسے پہچان کر پکڑوا دیا۔ اس اثنا میں میر جعفر اور اس کا بیٹا میرن (جو علی وردی خان کی بہن کے بطن سے تھا) مرشد آباد پہنچ چکے تھے۔ میر جعفر نے سراج الدولہ کو قید رکھنے کا حکم دیا اور میرن نے اسے قتل کرا دیا۔

یہ میرن بڑا ظالم تھا۔ اس نے علی وردی خاں کے خاندان کی کئی بیگمات کو گرفتار کر کے دریا میں غرق کرا دیا۔ ان میں بی بی گھسیٹی بھی تھی جس نے سراج الدولہ کے خلاف سازباز میں میر

جعفر کو روپے اور اثر و رسوخ سے بڑی مدد دی تھی۔ میرن بعد میں بجلی گرنے سے ہلاک ہوا۔

میر جعفر بنگال، بہار اور اڑیسہ کا نواب بن گیا۔ اس نے جو رقمیں انگریزوں کو دیں، ان کی مقدار دو کروڑ ستر لاکھ روپے تھی۔ ان میں سے ایک کروڑ کمپنی کو اور بارہ لاکھ اسی ہزار روپے کلائیو کو ملے۔ اس کے علاوہ چوبیس پرگنے کی زمینداری کمپنی کو دے دی گئی۔ کلائیو کو الگ جاگیر ملی، جس کی آمدنی ۲۸ ہزار پونڈ سالانہ تھی۔[۲] امیں چند کو کچھ نہ ملا۔ جب اس نے سنا کہ عہد نامہ جعلی تھا، تو ہوش و حواس جاتے رہے۔

میر جعفر اور کلائیو: بعد کے واقعات کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ میر جعفر پرلے درجے کا نالائق اور نااہل تھا۔ اس کا سارا بھروسا انگریزوں پر تھا جنہیں ہر وقت رشوتیں اور تحفے دیتا رہتا۔ یہاں تک کہ خزانہ خالی ہو گیا۔ کلایو ۱۷۶۰ء تک بنگال میں انگریزوں کی طرف سے ناظم رہا۔ اسے بھی پیسے بٹورنے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ میر جعفر نے سب انگریزوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ محصول ادا کیے بغیر تجارت کریں۔ وہ خود بھی تجارت کرتے، روپے لے کر ہندوستانیوں کو بھی اجازت نامے دے دیتے۔ بنگال کی تباہی کا یہ دور بڑا ہی دردناک ہے۔ کلایو ۱۷۶۰ء میں ولایت چلا گیا تو ونسٹارٹ گورنر بن کر آیا۔ اس نے خود تجارت شروع کر دی، کسی کو کیا روکتا؟

مرغی کب تک سونے کا انڈا دیتی رہتی۔ میر جعفر کا خزانہ خالی ہو گیا تو انگریزوں کا دل بھی اس سے بھر گیا۔ اب وہ نئے شکار کی تلاش میں لگ گئے۔ جعفر کا داماد میر قاسم انہیں نئے علاقے اور روپے دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ ۱۷۶۰ء میں انگریزوں نے میر جعفر کو گدی سے اتار کر کلکتہ پہنچایا اور میر قاسم کو نواب بنا دیا۔ اس نے روپے کے علاوہ میدنا پور، چاٹگام اور بردوان کے اضلاع انگریزوں کے حوالے کر دیے۔ پھر انتظامات کو بہتر بنانے لگا تو انگریزوں نے رکاوٹ پیدا کی۔ انگریزوں سے تجارتی جنسوں پر محصول کا فیصلہ کیا تو ونسٹارٹ کے وعدے کے باوجود انگریزوں نے محصول ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ میر قاسم نے سب کو کھلی تجارت کی آزادی دے دی۔ نیز دل میں فیصلہ کر لیا کہ انگریزوں سے دُور ہٹ کر اپنی فوجی قوت بڑھائے تاکہ انہیں میدانِ جنگ میں شکست دے کر باہر نکال سکے۔ چنانچہ اس نے مرشد آباد کو چھوڑ کر مونگیر کو مرکز بنا لیا۔

جنگِ بکسر (اکتوبر ۱۷۶۴ء): انگریزوں نے میر قاسم کو ہاتھ سے نکلتا دیکھا تو پھر میر جعفر کی طرف جھکے۔ میر قاسم سے جنگ ہو گئی۔ انگریزوں نے مرشد آباد اور مونگیر پر قبضہ کر لیا۔ میر قاسم

اودھ میں شجاع الدولہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں عالمگیر ثانی کا بیٹا عالی گوہر شاہ عالم کے لقب سے دہلی کی بادشاہی کا دعویٰ دار تھا اور پہلے بہار پر ناکام حملہ کر چکا تھا۔ اب شجاع الدولہ، شاہ عالم ثانی اور میر قاسم نے مل کر انگریزوں سے بکسر کے مقام پر جنگ کی۔ اگرچہ ان کی فوج زیادہ تھی، لیکن انگریز جیت گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ عالم ثانی انگریزوں کے پاس پہنچ گیا۔ میر قاسم روپوش ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ آگرے کے قریب ایک گاؤں میں زندگی کے آخری دن گمنامی میں گزارے۔ شجاع الدولہ سے انگریزوں نے الہٰ آباد چنار کے ضلعے لے لیے۔ میر جعفر دوبارہ ناظم بن گیا۔

جنوری ۱۷۶۵ء میں میر جعفر مرا، اس طرح قدرت نے بنگال کے دامن سے ایک بدنما دھبہ دھویا۔ انگریزوں نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کو گدی پر بٹھایا اور اپنے عام طریقے کے مطابق خوب نذرانے لیے۔ اس میں ونسٹارٹ کا حصہ پانچ لاکھ کا تھا۔

کلائیو پھر ہندوستان میں: یہاں کے حالات بہت بگڑے ہوئے نظر آئے تو ڈائرکٹروں نے ۱۷۶۵ء میں پھر کلائیو کو ہندوستان بھیجا اور وہ تقریباً دو برس یہاں رہا۔ اس زمانے میں:

۱۔ شاہ عالم ثانی کے ساتھ فیصلہ ہو گیا کہ چھبیس لاکھ روپے سالانہ اسے ملتے رہیں گے۔ اس رقم کے سوا بنگال، بہار اور اڑیسہ کے مالیے میں اسے کچھ لینے کا حق نہ ہوگا۔ الہٰ آباد اور کڑا کے علاقے اودھ سے الگ کر کے اسے دے دیے گئے۔

۲۔ اودھ پر شجاع الدولہ کا حق تسلیم کر لیا گیا۔

۳۔ انگریزوں کو ۱۷۶۵ء میں بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کی سند مل گئی۔

۴۔ بنگال کا نیا ناظم صرف نام کا ناظم رہا۔ مالیہ وصول کرنے کا انتظام اس کے دو نائبوں محمد رضا خاں اور مہاراجا شتاب رائے کے ہاتھ میں رہا۔

۵۔ کلائیو نے انگریز کارکنوں کی تنخواہیں بڑھائیں اور نجی تجارت روک دی۔ ان کا ڈبل بھتہ بھی بند کر دیا۔

۶۔ آخر میں یہ کہ بعض کارکنوں نے اسے بھی ایک تجارتی سوسائٹی بنانے کی ترغیب دی۔ یہ سوسائٹی بنی اور جب تک کلائیو یہاں رہا، اس کی تجارت چلتی رہی۔ یہ پان، تمباکو اور نمک بیچا کرتی تھی۔

آخری زمانہ: کلائیو ۱۷۶۷ء میں ولایت چلا گیا۔ ۱۷۷۲ء میں اپنا گلا کاٹ کر مر گیا۔ وہ

ہندوستان آیا تھا تو انگریزوں کی کشتی ڈانواں ڈول تھی۔ جب واپس گیا تو وہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے مالک بن چکے تھے، ناظم کرناٹک ان کا اپنا آدمی تھا اور دکن کا صوبیدار شمالی سرکاریں انہیں دے چکا تھا۔ فرانسیسی میدان سے ہٹ چکے تھے۔ انگریزی سلطنت کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ یہ بہت بڑے کارنامے ہیں لیکن یہ حقیقت کسی شرح کی محتاج نہیں کہ کلائیو کا اخلاقی پیمانہ زیادہ بلند نہ تھا۔ اسے دھوکے اور فریب یا سازش میں کبھی تامل نہ ہوا۔ سراج الدولہ کے قتل میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ سارے سازشیوں کا انجام برا ہوا۔ میر جعفر ذلت کی موت مرا، میرن پر بجلی گری، امیں چند کے ہوش وحواس جاتے رہے، بی بی گھسیٹی دریا میں ڈوبی، کلائیو گلا کاٹ کر مرا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ بے تکلف نذرانے لیتا تھا، جو صاف رشوت تھی۔

۱۷۷۰ء میں بنگال میں قحط پڑا، جس میں صوبے کی ایک تہائی آبادی موت کے گھاٹ اُتر گئی۔ مرشد آباد کے متعلق خود انگریز ریزیڈنٹ کی رپورٹ یہ تھی کہ زندے، مردوں کی لاشیں کھا رہے ہیں، اس کے باوجود گلیاں لاشوں سے اٹی پڑی ہیں۔ انگریز کارندوں نے اس زمانے میں آبادی کی کوئی امداد نہ کی اگرچہ دیوانی کی سند انہیں کے پاس تھی۔ ۱۷۷۲ء میں انگریزوں کا پہلا دور ختم ہو گیا اور وارن ہیسٹنگز کی گورنری سے باقاعدہ حکومت کی ابتدا ہوئی۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ Holwell

۲ Black hole

۳ ان رقموں کی مقدار کے متعلق اختلاف ہے جس کی وجہ یقیناً یہ ہے کہ کئی جگہ رقمیں پونڈوں کی شکل میں درج ہیں اور پونڈ کی شرح مبادلہ ہر زمانے میں ایک نہیں رہی۔ میں نے ایک پرانی کتاب پر اعتماد کیا جو ان واقعات کے چند سال بعد لکھی گئی تھی اور اس میں رقمیں روپوں میں درج تھیں۔

چوتھا باب

انگریزی سلطنت کی داغ بیل

(۱۷۷۲ء۔۱۸۰۰ء)

وارن ہیسٹنگز (۱۷۷۲ء۔۱۷۸۵ء): ہم نے بنگال میں انگریزوں کی ابتدائی پیش قدمی کے حالات اس لیے تفصیل سے لکھے کہ عام تاریخوں میں سارے پہلو واضح نہیں کیے گئے تھے۔ اس وقت سے مستقل انگریزی حکومت کا آغاز ہو گیا۔ اس زمانے کی موٹی موٹی اور نمایاں باتیں بیان کریں گے۔

وارن ہیسٹنگز کی گورنری کا زمانہ تین حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ دو برس تک وہ صرف بنگال و بہار کا گورنر رہا۔ پھر کمپنی کے سارے مقبوضات کا گورنر جنرل بن گیا۔ اس زمانے میں کچھ مدت تک کونسل کے ممبروں سے اس کا جھگڑا چلتا رہا اور وہ سب کچھ اپنی مرضی کے مطابق نہ کر سکا۔ باقی برس اطمینان سے گزرے۔ وہ اٹھارہ برس کی عمر میں محرر بن کر ہندوستان آیا تھا۔ زیادہ وقت بنگال میں رہا۔ سارے حالات اس کی آنکھوں کے سامنے گزرے تھے۔ گورنر بنتے ہی مندرجہ ذیل اصلاحات کیں۔

۱۔ نواب کو پہلے بتیس لاکھ روپے ملتے تھے، یہ رقم گھٹا کر سولہ لاکھ کر دی۔

۲۔ دونوں نائب ناظم (محمد رضا اور شتاب رائے) ہٹا دیے اور ہر ضلع میں مالیہ وصول کرنے کے لیے کلکٹر لگا دیے۔

۳۔ مالگزاری کا سارا کام اپنی نگرانی میں لے لیا اور دفتر مرشد آباد سے کلکتہ لے گیا۔ مختلف اضلاع کو ملا کر ڈویژن بنا دیے، جن کی نگرانی کمشنر کرتے تھے۔ ان سب کے کام کی دیکھ بھال کے لیے کلکتہ میں صدر بورڈ بنا دیا۔

۴۔ لگان کی شرح گھٹا دی اور ہر سال نیا بندوبست کرنے کی جگہ پانچ سال کے بعد بندوبست کا طریقہ جاری کیا۔

۵۔ تجارتی محصول کم کر دیے۔

۶۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کے لیے عدالتیں بنا دیں۔ جج مقدمات کے فیصلے کے لیے پہلے فیسیں لیتے تھے۔ فیسوں کو بند کر کے تنخواہیں مقرر کر دیں۔ ان عدالتوں کی شاخیں اضلاع میں بھی بن گئیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مقدمات کا فیصلہ ان کے مذہبی قوانین کے مطابق ہوتا تھا۔

شاہ عالم ثانی مرہٹوں سے امداد لے کر دہلی چلا گیا تھا، وارن ہیسٹنگز نے الہ آباد اور کڑا کے علاقے خود سنبھال لیے، پھر شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ روپے لے کر اس کے حوالے کر دیے۔ چھبیس لاکھ کی جو رقم بادشاہ کو ملتی تھی، وہ بند کر دی۔ دوسرے انتظامات میں بھی چھ سات لاکھ بچت کی صورت نکال لی۔

انتظامی قوانین: ہندوستان میں کمپنی کے کارکنوں نے متصرفہ علاقوں میں جو بدنظمی پھیلا رکھی تھی، وہ بہت رسوا ہو چکی تھی۔ کمپنی کو دس لاکھ پونڈ حکومت سے قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ پارلیمنٹ نے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے قرض دینے کی سفارش کر دی، لیکن ساتھ ہی ایک انتظامی قانون بنا کر پیش کر دیا کہ کمپنی ہندوستانی علاقوں میں اس پر عمل کرے۔ اسے انگریزی میں ریگولیٹنگ ایکٹ کہتے ہیں اور یہ ۱۷۷۵ء میں بنا۔

اس کی بعض دفعات یہ تھیں۔

۱۔ کمپنی کے سارے علاقوں کا انتظام ایک ڈھنگ پر اور ایک قانون کے مطابق چلے اور تمام علاقوں کا ایک گورنر جنرل ہو۔ اسے مشورہ دینے کے لیے چار ممبروں کی کونسل بنائی جائے۔ گورنر جنرل اور کونسل کے ممبر کثرت رائے سے جو طے کریں، اس پر عمل کیا جائے۔

۲۔ کلکتہ میں ایک عدالت عالیہ بنائی جائے جس کا ایک چیف جسٹس اور تین جج ہوں۔ یہ عدالت برطانوی رعایا کے مقدمات کا فیصلہ انگریزی قانون کے مطابق کرے۔

۳۔ نجی تجارت نیز نذرانوں اور تحفوں کو بالکل بند کر دیا جائے۔ تمام افسروں اور گورنر جنرل

کے لیے باقاعدہ تنخواہیں مقرر کی جائیں۔

۴۔ ہر سال کمپنی اپنے کام کی رپورٹ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا کرے۔

اس قانون کے ذریعہ سے گورنر جنرل کے اختیارات بالکل گھٹ گئے۔ عام مؤرخوں نے اسے قانون کی خرابی بتایا ہے۔ اصل میں یہ خرابی نہ تھی، اگرچہ اس زمانے کے مشیروں کی نالائقی کے باعث یہ خرابی بن گئی۔

۱۷۸۴ء میں ولیم پٹ نے ایک قانون منظور کرایا جسے پٹ کا قانونِ ہند کہتے ہیں۔ اس کے مطابق، کمپنی کے سارے کاروبار کو دو حصّوں میں بانٹ دیا گیا۔ خالص تجارتی حصّے کے مختار کمپنی کے ڈائرکٹر رہے۔ ملکی انتظامات کے لیے ایک الگ بورڈ بن گیا جسے ''بورڈ آف کنٹرول'' کہتے تھے (یعنی مجلس انتظام ونگرانی)۔ اس کے تمام ممبر بادشاہ مقرر کرتا تھا۔ اس بورڈ کے ممبر بن کر کئی انگریزوں نے انگلستان میں بیٹھے بیٹھے ہندوستان کے معاملات کے متعلق وسیع تجربہ حاصل کرلیا۔ اس طرح ملکی انتظام میں حکومت کا دخل شروع ہوا۔ پٹ کے قانون کے مطابق گورنر جنرل کو یہ اختیار بھی دے دیا گیا کہ وہ مصلحت دیکھے تو کونسل کے فیصلوں کو رد کردے۔

روہیلوں کا معاملہ: اب ہم وارن ہیسٹنگز کے عہد کے بڑے بڑے واقعات اختصار سے بیان کرتے ہیں۔ صرف میسور کی جنگوں کو چھوڑ دیں گے جنہیں ہم ایک جگہ مستقل باب میں بیان کریں گے۔ سب سے پہلے روہیلوں کے معاملے کو لیتے ہیں۔

روہیلے سرحد سے اُٹھ کر کٹھیر اور سنبھل میں آباد ہوئے تھے۔ پھر اس علاقے کا نام روہیل کھنڈ مشہور ہوا۔ نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں ان کے مشہور سردار گزرے ہیں۔ مرہٹے مدت سے بنگال، روہیل کھنڈ اور دوسرے علاقوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ ۱۷۷۲ء میں حافظ رحمت خاں نے شجاع الدولہ کے ساتھ ایک عہد نامہ کیا کہ نواب مرہٹوں کے مقابلے میں روہیلوں کو مدد دے گا، تو اسے چالیس لاکھ روپے دیے جائیں گے۔ نہ مرہٹوں نے حملہ کیا، نہ شجاع الدولہ کو مدد دینے کی ضرورت پڑی۔ البتہ چالیس لاکھ کا تمسک اسی کے پاس رہا۔

ایک موقع پر مرہٹوں نے روہیلوں سے کہا کہ اگر اپنے علاقے میں سے گزرنے دو تو ہم اودھ پر حملہ کریں گے۔ حافظ رحمت خاں نے یہ خبر شجاع الدولہ کو بھیج دی۔ والیِ اودھ چپ بیٹھا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ مرہٹے اپنے جھگڑوں میں الجھ گئے ہیں، حملے کا ڈر نہیں رہا اور وارن

ہیسٹنگز کو روپے کی ضرورت ہے تو ایک طرف روہیلوں سے چالیس لاکھ روپے مانگ لیے، دوسری طرف وارن ہیسٹنگز سے کہا کہ اگر روہیل کھنڈ کو فتح کرنے میں مدد دو تو چالیس لاکھ دوں گا۔ وارن ہیسٹنگز تیار ہو گیا۔ انگریزوں اور نواب کے لشکروں نے مل کر روہیلوں پر حملہ کیا۔ اپریل ۱۷۷۴ء کی جنگ میں حافظ رحمت خاں اور دوسرے بڑے بڑے روہیلے سردار مارے گئے۔ روہیل کھنڈ اودھ کا حصہ بن گیا۔ وارن ہیسٹنگز کو چالیس لاکھ مل گئے۔ شجاع الدولہ کو پاس سے کچھ نہ دینا پڑا۔ جو رقم اسے روہیلوں سے لینی تھی وہ انگریزوں کو دے دی اور علاقہ خود لے لیا۔ یہ جنگ سراسر ظالمانہ تھی۔ بعد میں وارن ہیسٹنگز پر ولایت میں جو مقدمہ چلا، اس میں ایک الزام یہ بھی تھا۔

چیت سنگھ اور بیگمات اودھ کے قضیے: بنارس کا علاقہ انگریزوں نے ۱۷۷۵ء میں اودھ سے لے کر چیت سنگھ کو ساڑھے بائیس لاکھ روپے سالانہ کے خراج پر دیا تھا۔ جب گورنر جنرل کو مالی مشکلات پیش آئیں تو اس نے بنارس کے خراج میں تین برس کے لیے پانچ لاکھ سالانہ کے حساب سے رقم بڑھا دی۔ پھر ایک ہزار سوار طلب کر لیے۔ راجا یہ مطالبے پورے نہ کر سکا تو اس پر پچاس لاکھ روپے جرمانہ کر دیا اور خود بنارس پہنچ کر راجا کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ عام لوگوں میں شورش برپا ہو گئی۔ وارن ہیسٹنگز بمشکل جان بچا کر بھاگا۔ چیت سنگھ کو معزول کر کے گدی خاندان کے ایک اور آدمی کو دے دی۔ چیت سنگھ نے باقی عمر گوالیار میں بسر کی اور وہیں فوت ہوا۔ یہ فعل بھی سراسر ظالمانہ تھا اور وارن ہیسٹنگز کے مقدمے میں اس پر یہ دوسرا الزام تھا۔

شجاع الدولہ کی والدہ اور بیگم فیض آباد میں رہتی تھیں۔ عام شہرت تھی کہ ان کے پاس بڑا روپیہ ہے۔ نواب کا بیٹا آصف الدولہ ان سے لڑ کر لکھنؤ آ گیا تھا۔ وہ فضول خرچ آدمی تھا۔ سلطنت اودھ سے جو رقم انگریزی فوج کے خرچ کے لیے ملتی تھی، وہ چڑھ گئی۔ نواب نے کہا: مجھے بیگمات سے روپیہ دلایئے تو آپ کو بھی حصہ دوں گا۔ گورنر جنرل نے ریذیڈنٹ کو حکم دے دیا کہ آصف الدولہ کو پوری مدد دی جائے۔ چنانچہ بوڑھی بیگمات سے بڑی سختی کے ساتھ روپیہ لیا گیا جس کی مقدار ۷۶ لاکھ تھی۔ مقدمے میں ہیسٹنگز کے خلاف یہ تیسرا الزام تھا۔

نند کمار کی پھانسی: نند کمار بنگال کے پرانے کارکنوں میں سے تھا۔ ایک زمانے میں سراج الدولہ کے ماتحت ہگلی کا فوج دار بھی رہ چکا تھا۔ جن لوگوں نے نواب کے خلاف انگریزوں سے ساز باز

میں نرم یا گرم حصہ لیا تھا۔ ان میں یہ بھی شامل تھا۔ جب وارن ہیسٹنگز اور اس کے مشیروں میں جھگڑا بہت بڑھ گیا تو نند کمار ان مشیروں سے مل گیا جو ہیسٹنگز کے مخالف تھے اور ہیسٹنگز پر رشوت کا الزام لگایا۔ میر جعفر کی بیوہ منی بیگم کی ایک چٹھی بھی ثبوت میں پیش کر دی۔ مشیروں میں فرانسس نے جو گورنر جنرل کی مخالفت میں پیش پیش تھا، یہ رائے دی کہ گورنر جنرل کو ان الزامات کی صفائی پیش کرنی چاہیے۔ وارن ہیسٹنگز نے عدالت میں جانے سے انکار کر دیا۔ پھر خود وارن ہیسٹنگز اور ایک مشیر نے نند کمار پر کچھ الزام لگائے۔ ان کی تحقیقات الگ ہونے لگی۔ اس اثنا میں اچانک موہن پرشاد نام ایک سیٹھ نے نند کمار پر جعلسازی کا مقدمہ چلا دیا۔ اس پر اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اسی مقدمے میں بالآخر پھانسی کی سزا ملی۔ ہندوستان کے برہمنوں اور امیروں میں سے نند کمار پہلا شخص تھا جس نے انگریزی عہد میں پھانسی پائی۔ عدالتِ عالیہ کا چیف جسٹس ایلجا امپے چوں کہ وارن ہیسٹنگز کا دوست تھا اس لیے نند کمار کی پھانسی بھی اسی کے اشارے کا نتیجہ سمجھی گئی۔

مرہٹوں سے پہلی جنگ (۱۷۷۲ء۔۱۷۸۲ء): ہم پیشواؤں کے بیان میں رگھوناتھ راؤ عرف رگھوبا کا ذکر کر آئے ہیں۔ یہ باجی راؤ اوّل کا بیٹا، مادھوراؤ اور نارائن راؤ پیشوا کا چچا تھا۔ چوں کہ سلطنت کا حریص تھا اس لیے مادھوراؤ نے اسے قید کر دیا تھا۔ جب مادھوراؤ کی وفات کا وقت نزدیک آیا تو رہا کر کے رگوناتھ کو وصیت کی کہ میرے بھائی نارائن راؤ کی مدد کرنا۔ نارائن راؤ پیشوا بنا تو اس نے پھر رگھوناتھ کو گرفتار کر لیا۔ اس کی بیوی نے اپنی پارٹی کے آدمیوں کو ابھار کر نارائن راؤ کو قتل کرا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر مرہٹے رگھوناتھ کے دشمن بن گئے۔ نارائن راؤ کا بچہ پیدا ہوا تو نانا فرنویس اسے پیشوا بنا کر کام چلانے لگا۔

افراتفری کے دور میں رگھوناتھ نے بمبئی کے انگریزوں سے مدد مانگی۔ انہوں نے سالسٹ اور بسین[5] معاوضہ میں مانگے۔ نیز کہا کہ فوج کا خرچ دو بلکہ دسمبر ۱۷۷۴ء میں سالسٹ پر خود ہی قبضہ کر لیا۔ مارچ ۱۷۷۵ء میں رگھوناتھ راؤ نے انگریزوں کی شرطیں مان لیں۔ یہ سورت کا عہد نامہ کہلاتا ہے۔ مرکزی حکومت کو اس عہد نامہ کی اطلاع ملی تو اس نے اسے نامنظور کر دیا اور کلکتہ سے اپنا وکیل پونا بھیج کر نانا فرنویس سے گفتگو شروع کر دی۔ وہاں جو عہد نامہ ہوا اس کی شرطیں یہ تھیں: کہ انگریزوں کو فوج کے خرچ کے لیے بارہ لاکھ دیے جائیں گے، تین لاکھ روپے

سالانہ دربار پونا سے رگھوناتھ راؤ کو ملیں گے اور انگریزی سالسٹ وغیرہ سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اسے عہد نامہ پورندھر کہتے ہیں جو ۱۷۷۶ء میں ہوا۔

مرکزی حکومت اور حکومتِ بمبئی کے اس اختلاف کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ معاملات بگڑیں۔ بمبئی والوں نے لڑائی شروع کر دی۔ وہ پونا کے قریب پہنچ گئے۔ پھر مرہٹوں کے حملوں نے انہیں پریشان کر دیا۔ درگام کے مقام پر ۱۷۷۹ء میں بمبئی والوں نے صلح کر لی جس میں اقرار کیا کہ مرہٹوں کے سارے علاقے چھوڑ دیں گے اور رگھوناتھ راؤ کو حکومت پونا کے حوالہ کر دیں گے۔ رگھوناتھ راؤ بھاگ کر سندھیا کے پہنچ گیا اور اپنے طور پر شرطیں طے کر لیں۔ کمپنی کے ڈائرکٹروں نے درگام کے عہد نامہ کو منظور نہ کیا۔ وارن ہیسٹنگز نے بنگال سے گاڈرڈ[6] کے ماتحت ایک فوج بھیجی جو ہندوستان کو چیرتی ہوئی سورت پہنچی۔ احمد آباد پر قبضہ کر کے گائکواڑ و بڑودہ سے الگ صلح کر لی۔ ۱۷۸۰ء میں میجر پاپھم[7] نے بڑی ہمت سے گوالیار کا قلعہ لے لیا۔

اس اثنا میں مرہٹہ سرداروں اور نظام نے ایک متحدہ محاذ کی تیاری کی جس میں حیدر علی سلطانِ میسور کو بھی شامل کر لینے کی تجویز تھی، لیکن سندھیا اور گائیکواڑ کے بیچ بچاؤ سے سلبئی کے مقام پر ایک عہد نامہ ہو گیا، جس کے مطابق:

۱۔ مرہٹوں کے سارے علاقے چھوڑ دیے گئے۔

۲۔ رگھوناتھ راؤ کے لیے تین لاکھ روپے سالانہ کی پنشن مقرر ہو گئی۔

۳۔ سالسٹ کا جزیرہ انگریزوں کو مل گیا۔

۴۔ مادھو راؤ نارائن کو پیشوا تسلیم کر لیا۔

کارنوالس (۱۷۸۵ء۔۱۷۹۳ء): ۱۷۸۵ء میں وارن ہیسٹنگز استعفےٰ دے کر چلا گیا۔ تین برس بعد اس پر مقدمہ چلا جس میں انگلستان کے مشہور سیاست دان ایڈمنڈ برک[8] نے نمایاں حصہ لیا اور اس کی تقریروں نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ سات سال کے بعد وارن ہیسٹنگز الزامات سے بری ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں اس نے چھیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ابتدائی انتظامات کا نقشہ اسی نے درست کیا۔

وارن ہیسٹنگز کے جانے پر گورنر جنرل کی کونسل کے سب سے پرانے ممبر جان میکفرسن[9] نے حکومت کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس کا صرف ایک کام قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ خرچ کم

کرنے کے خیال سے ملازموں کی تنخواہیں گھٹا دیں۔ اس پر دوبارہ رشوت کا بازار گرم ہو گیا۔ پھر لارڈ کارنوالس مستقل گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا جو امریکہ کی جنگ آزادی میں انگریزی فوج کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ اس نے ملازموں کی تنخواہیں بڑھا دیں، نذرانے سختی سے روک دیے، انتظامی اور عدالتی اختیارات الگ الگ کر دیے۔ ہندوستانیوں کی جگہ انگریزوں کو ملازم رکھنے پر زور دیا۔

بنگال کا دوامی بندوبست: کارنوالس کے زمانے کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ اس نے بنگال میں "دوامی بندوبست" کا قانون جاری کیا۔ مغلوں کے زمانے میں عام دستور یہ تھا کہ زمینیں بڑے بڑے زمینداروں کو پٹوں پر دی جاتی تھیں۔ وہ کاشتکاروں سے کھیتی باڑی کراتے تھے۔ اس طرح مختلف حصّوں میں موروثی زمیندار بن گئے تھے۔ وہ کاشتکاروں سے واجبات وصول کر کے سرکار کی مقرر کردہ رقم خزانے میں داخل کر دیتے، باقی خود رکھ لیتے۔ جب تک حکومت اچھے ہاتھوں میں رہی یہ انتظام ٹھیک چلتا رہا، اس لیے کہ کاشتکاروں کے آرام کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ زمیندار اور کاشتکار پشتوں سے یکجا رہتے رہتے ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار بن گئے تھے۔ جب حکومت کا انتظام بگڑا تو اس نظام میں بھی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ کمپنی کو روپے کا لالچ تھا۔ وہ ان لوگوں کو زمینیں دینے لگی جو زیادہ بولیاں دیتے۔ شروع میں تو اسے زیادہ روپیہ مل گیا، لیکن جب بولیاں دینے والوں کو کاشتکاروں سے پوری رقمیں وصول نہ ہوئیں اور وہ خزانے میں رقمیں داخل کرنے سے عاجز ہو گئے یا کاشتکار تنگ آ کر زمینیں چھوڑنے لگے، تو اس نئے سلسلے کی خرابیاں ظاہر ہو گئیں۔ وارن ہیسٹنگز نے ایک سال کے بجائے پانچ سال کے بعد بندوبست کا دستور جاری کیا تھا۔ کارنوالس نے سر جان شور کو پکے بندوبست کی سکیم تیار کرنے پر لگایا۔ اس نے مالیہ میں پانچ سال کی جگہ دس سال کے بعد تبدیلی کی تجویز پیش کی، لیکن کارنوالس نے یہی مناسب سمجھا کہ احتیاط کے ساتھ سب کچھ سوچ کر ایک لگان مقرر کر دیا جائے، پھر وہ ہمیشہ کے لیے قائم رہے۔ اسے دوامی بندوبست کہتے ہیں۔ اس سے فائدے بھی ہوئے اور نقصان بھی۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ زمینداروں نے زمینوں کے مستقل مالک بن جانے کے بعد ان کی درستی پر دل سے توجہ کی۔ بہت سی افتادہ زمینیں بھی آباد ہو گئیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ زمینداروں کا طبقہ مستقل طور پر حکومت کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ نقصان یہ ہوا کہ پیداوار کا نرخ بڑھنے کی حالت میں بھی حکومت مالیہ بڑھانے کی مجاز نہ رہی۔

کارنوالس کے عہد میں تیسری جنگ میسور بھی ہوئی۔ اس کے حالات ہم الگ بیان کریں گے۔

سرجان شور (۱۷۹۳ء۔۱۷۹۸ء): ۱۷۹۳ء میں کارنوالس چلا گیا تو سرجان شور گورنر بنا جو دوامی بندوبست کی سکیم میں کارنوالس کا مددگار رہ چکا تھا۔ اس نے غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کر لی اور دیسی حکمرانوں کے معاملات میں دخل دینے سے انکار کر دیا۔ نظام پر مرہٹوں نے حملہ کیا۔ درخواست کے باوجود اسے کوئی امداد نہ دی۔ نظام نے فرانسیسیوں کو ملازم رکھ لیا اور انگریزوں نے فرانسیسی اثر زایل کرنے کے لیے جو کچھ کیا تھا، وہ برباد ہو گیا۔

اودھ کے نواب آصف الدولہ نے ۱۷۹۷ء میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا وزیر علی خاں جانشین بنا۔ وہ منچلا آدمی تھا، انگریزوں کے دخل کو پسند نہیں کرتا تھا، اس لیے انگریز اس کے دشمن بن گئے، چنانچہ اسے گدی سے اتارنے کے مشورے ہونے لگے۔ یہ بات بنائی گئی کہ وزیر علی خاں آصف الدولہ کا بیٹا ہی نہیں۔ مرحوم کے بھائی سعادت علی خاں کو گدی پر بٹھا کر اس کے ساتھ نیا عہد نامہ کر لیا گیا، جس کے مطابق الہ آباد کا علاقہ انگریزوں کو مل گیا۔ نیز سعادت علی خاں نے انگریزی فوج کے خرچ کے لیے ۷۶ لاکھ روپے سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ وزیر علی خاں کو دو باتوں سے سخت رنج پہنچا: ایک یہ کہ اسے گدی سے اتار دیا گیا، دوسرے یہ کہ آصف الدولہ کا بیٹا ہونے سے انکار کیا گیا۔ اس نے غصے میں ریزیڈنٹ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ پھر بچ کر جے پور چلا گیا۔ وہاں سے گرفتار ہو کر آیا۔ کلکتہ میں بحالت نظر بندی وفات پائی۔

فوجی افسروں نے تنخواہیں بڑھانے اور بھتہ دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ سرجان شور نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ کمپنی خرچ کی زیادتی پر بگڑ گئی اور اسے واپس بلا لیا۔

لارڈ ویلزلی[12] ۱۷۹۸ء۔۱۸۱۵ء: لارڈ ویلزلی ان گورنر جنرلوں میں شمار ہوتا ہے، جنھوں نے انگریزی سلطنت کی حدیں بہت بڑھا دیں۔ وہ بورڈ آف کنٹرول کا ممبر رہ چکا تھا، اس لیے ہندوستان کے حالات سے پوری طرح واقف تھا۔ سرجان شور نے دیسی حکمرانوں کے معاملات میں دخل نہ دینے کی جو پالیسی اختیار کر رکھی تھی، ویلزلی نے اسے ترک کر دیا اور سرگرمی سے مداخلت کی پالیسی اختیار کی۔ اس نے دیسی حکمرانوں کے ساتھ معاہدوں کا ایک نیا نظام جاری کیا جسے "سب سڈی ایری سسٹم[13]" یا امدادی فوج کا نظام کہتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ دیسی حکمران انگریزوں کی برتری مان لیں۔
۲۔ اپنی فوج صرف اتنی رکھیں جو ملکی انتظام کے لیے ضروری ہو۔
۳۔ ہر حکمران کے پاس انگریزی فوج رہے، جس کا خرچ وہ دے۔
۴۔ ہر حکمران کے دربار میں ایک انگریزی ریذیڈنٹ رہے۔
۵۔ کسی بیرونی ریاست سے سروکار نہ رکھا جائے۔

امدادی فوج کے نظام نے اکثر دیسی حکمرانوں کو بے دست و پا بنا دیا۔ حیدر آباد نے اسے قبول کر لیا اور جو علاقے میسور کی تیسری جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دے کر اسے ملے تھے، وہ سب امدادی فوج کے خرچ میں کمپنی کو دے دیے۔ اودھ کے نواب نے بھی امدادی نظام قبول کر لیا اور فوج کے خرچ کے لیے گورکھ پور، بستی، اعظم گڑھ اور روہیل کھنڈ انگریزوں کے حوالے کر دیے۔ کرناٹک کی نوابی ویلزلی نے ختم کر دی اور نئے نواب کو وظیفہ دے کر الگ بٹھا دیا۔ تنجور کی ریاست کے دو دعوے دار کھڑے ہو گئے تھے۔ ویلزلی نے دونوں کو وظیفے دے کر بٹھا دیا اور تنجور پر انگریزی قبضہ ہو گیا۔

مرہٹوں کے جھگڑے: مرہٹہ سرداروں کے درمیان جھگڑے تو اسی وقت سے شروع ہو گئے تھے، جب ان کی مرکزی قوت کمزور ہوئی مگر مادھو راؤ اور پیشوا کے بعد یہ جھگڑے بہت بڑھ گئے۔ اس دور میں پونا کے دربار میں نانا فرنویس کو بڑا اقتدار حاصل رہا۔ وہ مرہٹوں کو تباہی سے بچانے کی کوششوں میں لگا رہا، لیکن نہ جھگڑوں کو روک سکا، نہ خود اپنے اقتدار کے لیے اس کی کوششیں رُکیں۔ سندھیا اور ہلکر بڑے سردار تھے۔ وہ پیشوا کو اپنے زیرِ اثر لانے میں لگے رہے۔ ۱۷۹۵ء میں مادھو جی سندھیا فوت ہوا تو اس کا متبنّٰی دولت راؤ سندھیا گوالیار کی گدی پر بیٹھا۔ وہ خود بھی منچلا آدمی تھا۔ پھر معاملات کی باگ ڈور اس کے خسر سرجی راؤ گھاٹ کے ہاتھ آ گئی جو بڑا جابر آدمی تھا۔ رگھوناتھ راؤ مرا تو اس کے بیٹے باجی راؤ نے مادھو راؤ نرائن پیشوا سے دوستی کے تعلقات پیدا کر لیے۔ نانا فرنویس کو یہ بات بُری لگی اور اس نے پیشوا پر پہرے بٹھا دیے۔ وہ بیچارہ اتنا پریشان ہوا کہ محل کی چھت سے گر کر مر گیا یا اسے کسی نے گرا کر مار دیا۔ اب باجی راؤ کے سوا گدی کا مالک کوئی نہ تھا۔ ۱۸۰۰ء میں نانا فرنویس بھی مر گیا۔ دولت راؤ سندھیا اور ہلکر کے درمیان کھینچ تان اور بھی تیز ہو گئی۔ باجی راؤ ثانی دولت رائے کو اچھا سمجھتا تھا، جسونت راؤ ہلکر نے اسے شکست دے

دی۔ اس طرح اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ پیشوا بھاگ کر انگریزوں کی پناہ میں بسین چلا گیا۔ وہیں اس نے ۱۸۰۲ء میں انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق امدادی فوج کا نظام قبول کر لیا یعنی اقرار کیا کہ:

۱۔ پونا میں ایک انگریزی فوج رکھے گا اور اس کے خرچ کے لیے ۲۶ لاکھ روپے سالانہ دیتا رہے گا۔

۲۔ کسی بیرونی ریاست سے سیاسی تعلقات قائم نہیں کرے گا، نہ لڑائی چھیڑے گا اور نہ انگریزوں کی مرضی کے خلاف غیر قوم کے کسی آدمی کو ملازم رکھے گا۔

۳۔ نظام الملک یا گائیکواڑ بڑودہ کے جھگڑوں میں انگریزوں کو ثالث مانے گا۔

۴۔ سورت پر اسے کوئی دعویٰ نہیں رہے گا۔

اس معاہدے نے مرہٹوں کی خود مختاری بھی ختم کر دی۔

مرہٹوں کی دوسری جنگ: عہد نامہ بسین کا علم ہوتے ہی مرہٹہ سرداروں کو معلوم ہو گیا کہ اب اقتدار کے لیے باہمی کش مکش فضول ہے۔ سب سے پہلے انگریزوں کا کانٹا نکالنا چاہیے۔ دولت راؤ سندھیا اور گھوجی بھونسلا لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ جسونت راؤ ہلکر ان سے الگ تھلگ رہا۔ ویلزلی نے شمال اور جنوب دونوں جگہ جنگ شروع کی۔ جنوب کی انگریزی فوجوں کا کمانڈر اس کا بھائی آرتھر ویلزلی تھا جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن بنا۔ اس نے پہلے احمد نگر لیا۔ پھر ۲۳ ستمبر ۱۸۰۳ء کو اسئی[14] کے مقام پر مرہٹوں کو شکستِ فاش دی۔ اس کے بعد سندھیا کے ساتھ دکن میں جنگ بند گئی اور آرتھر ویلزلی نے رگھوجی بھونسلا کا رخ کیا۔ اسے ۲۹ نومبر کو ارگاؤں[15] میں شکست دی۔ ۱۷ دسمبر کو بھونسلا نے دیوگاؤں کے مقام پر عہد نامہ کر لیا جس کے مطابق امدادی فوج کا نظام قبول کر لیا اور کٹک (اڑیسہ) انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

شمال کی انگریزی فوج کا کمانڈر لارڈ لیک تھا۔ اس نے پہلے علی گڑھ پر قبضہ کیا جو سندھیا کی فوج کے فرنگی کمانڈر جنرل پیرون[16] کا مرکز تھا۔ پھر دہلی کے قریب سخت جنگ کے بعد دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت سے شاہ عالم ثانی انگریزوں کی حمایت میں آیا۔ سندھیا کی بچی کھچی فوج نے لسواڑی[17] پر شکست کھائی۔ ۳۰ دسمبر کو ارجن گاؤں کے مقام پر سندھیا نے بھی امدادی فوج کا نظام قبول کر لیا اور کافی علاقہ انگریزوں کے حوالے کیا۔

اس طرح بھونسلا اور سندھیا کا زور ٹوٹ گیا، لیکن ہلکر ابھی محفوظ بیٹھا تھا، اس کے ساتھ نواب امیر خاں شامل ہو گیا۔ چھاپے مار مار کر انہوں نے انگریزی فوج کو نقصان پہنچایا۔ بھرت پور کا راجا بھی ان کا طرف دار بن گیا۔ انگریزوں نے دیگ ۱۸ کا قلعہ فتح کر لیا لیکن بھرت پور نہ لے سکے۔ ہلکر اور امیر خان راجپوتانہ سے پٹیالہ ہوتے ہوئے پنجاب پہنچ گئے۔ امیر خاں کی تجویز یہ تھی کہ افغانستان میں تازہ دم فوج بھرتی کی جائے پھر انگریزوں سے لڑا جائے۔ رنجیت سنگھ سے بھی امداد کی امید تھی، لیکن ہلکر ہمت ہار بیٹھا۔ اس نے اندور کی ریاست لے کر صلح کر لی۔ اس طرح مرہٹوں کا یہ آخری آزاد سردار بھی انگریزوں کے زیر اثر آ گیا۔

ویلزلی کی واپسی: لڑائیوں میں انگریزوں کا بڑا روپیہ خرچ ہوا۔ کمپنی کے ڈائرکٹر روپیہ مانگتے تھے۔ ویلزلی یہاں ان کے لیے سلطنت کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ اس معاملے پر ڈائرکٹروں سے اختلاف پیدا ہوا اور اس نے استعفےٰ دے دیا۔

ہندوستان میں انگریزوں کے عمل دخل کی ابتدا لارڈ کلائیو سے ہوئی، حاصل شدہ علاقوں کے انتظام کا نقشہ وارن ہیسٹنگز نے جمایا، لیکن سلطنت کی داغ بیل ویلزلی نے ڈالی جس پر بعد میں عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی۔ اس کے عہد کا صرف ایک واقعہ رہ گیا ہے، یعنی چوتھی جنگ میسور۔ اس کے حالات ہم آئندہ باب میں بیان کریں گے۔

★.....★.....★

حواشی

۱۔ Regulating Act: اس کے معنے ہیں ایسا قانون جس کے ذریعے سے معاملات کو ضبط و نظم میں لایا جائے۔ ہم نے سہولت کی غرض سے اس کا ترجمہ انتظامی قانون کیا ہے۔

۲۔ William Pitt

۳۔ Board of Control

۴۔ Elijah Impey

۵۔ سالسٹ بمبئی کا ایک حصہ بن گیا۔ یہ سین بمبئی کے شمال میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔

۶۔ Goddard

۷۔ Popham

۸ Edmund Burk

۹ John Macpherson

۱۰ Cornwallis

۱۱ Sir John Shore

۱۲ Lord Wellesley

۱۳ Sub-Sidiary System

۱۴ اسی حیدرآباد ریاست کے مشہور شہر اورنگ آباد کے شمال مشرق میں ہے۔

۱۵ ارگاؤں ضلع اکولہ (برار) میں ہے۔

۱۶ Peron

۱۷ لسوڑی ریاست الور میں ہے۔

۱۸ دیگ ریاست بھرت پور میں ہے۔

madblib.org

پانچواں باب

حیدر علی اور ٹیپو سلطان

انگریز اور ہندوستانی فرمانروا: فرنگیوں کا خطرہ تو اسی وقت سامنے آ گیا تھا جب انگریزوں اور فرانسیسیوں نے دکن اور کرناٹک کے جھگڑوں میں فریق بن کر لڑائیاں چھیڑی تھیں۔ پلاسی کی لڑائی کے بعد اس خطرے میں کسی کو شبہ ہی باقی نہیں رہا تھا۔ اس سلسلے میں ہندوستانی فرمانرواؤں کو احساس اور عمل کے اعتبار سے تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ وہ لوگ جنہیں خطرے کا کوئی احساس ہی نہ ہوا اور جو آبرومندانہ زندگی کا تصور کر ہی نہیں سکتے تھے۔ میر جعفر ناظمِ بنگال اور محمد علی ناظمِ کرناٹک اس گروہ کے سرخیل تھے۔

۲۔ وہ لوگ جنہیں خطرے کا احساس ہوا لیکن اپنی کمزوری یا نادانی کے باعث غلط راستے پر لگ گئے۔ جب مہلت کی گھڑیاں گزر گئیں اور آنکھیں کھلیں تو کوئی قدم اٹھانے کے قابل ہی نہیں رہے تھے، اس لیے کہ انگریزوں کے آہنی جال میں جکڑے جا چکے تھے۔ حیدرآباد دکن کے حاکموں اور مرہٹوں کو اس گروہ میں شمار کرنا چاہیے۔

۳۔ وہ لوگ جنہیں احساس کی دولت بھی قدرت نے عطا کی اور اس کے مطابق جانفشانی کے ساتھ عمل میں بھی انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن انگریزوں نے بے حس یا کمزور دل ملکی امیروں یا حکمرانوں کو وقتی لالچ دے کر وطن کے ان سچے خیر خواہوں کے خلاف ابھارے رکھا، یہاں تک کہ وہ اپنی مجاہدانہ کوششوں میں جاں بحق ہو گئے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان اس گروہ میں سب سے آگے ہیں۔

حیدر علی جنگی اور سیاسی قابلیت میں قدرت کا ایک نادر کرشمہ تھا۔ ٹیپو سلطان میں اسلامی حمیت کی حرارت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ انگریزی اقتدار کے آغاز و عروج کی تاریخ پڑھتے وقت ہندوستانی فرمانرواؤں کی اس تقسیم کو سامنے رکھ لیا جائے تو ان کی کارروائیاں ٹھیک ٹھیک ذہن نشین ہو جائیں گی۔

حیدر علی کے ابتدائی حالات: حیدر علی کے بزرگ عرب سے پنجاب پہنچے، پھر دکن چلے گئے۔ اس کے دادا کی شادی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی درگاہ (واقع گلبرگہ) کے متولی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ بعد میں یہ خاندان معاش کی تلاش میں جنوب کی طرف چلا گیا۔ خود حیدر علی ۱۷۲۲ء میں کولار میں پیدا ہوا۔ اس زمانے میں محمد شاہ دہلی کا فرمانروا تھا اور مغل سلطنت کا شیرازہ کھل رہا تھا۔ جوان ہو کر حیدر علی ریاست میسور کے وزیر نندراج کے پاس ملازم ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں اپنی قابلیت کی بنا پر چار ہزار پیادوں اور ڈیڑھ ہزار سواروں کا افسر بن گیا اور ڈنڈی گل[1] کی نظامت پر فائز ہو گیا۔ پھر اسے میسور کی پوری فوج کا سپہ سالار بنایا گیا اور بنگلور کا ضلع جاگیر میں مل گیا۔ جب راجا کو نندراج وزیر کے اقتدار سے آزاد کرانے کی تحریک چلی تو حیدر علی نے اس میں نمایاں حصہ لیا۔ نندراج کو وزارت سے ہٹا کر کھانڈے راؤ کو یہ منصب دے دیا گیا۔ حیدر علی کے اختیارات اور بھی بڑھ گئے۔ بعد میں کھانڈے راؤ حیدر علی کا دشمن بن گیا۔ مرہٹوں نے میسور پر حملہ کیا تو کھانڈے راؤ ان سے مل گیا۔ حیدر علی نے مرہٹوں کو بھی شکست دی، کھانڈے راؤ کو بھی ختم کیا، خود ۱۷۶۳ء میں میسور کا مختارِ کل بن گیا اور نئے علاقے فتح کر کے میسور کو ایک عظیم الشان سلطنت بنانے کا کام شروع کر دیا۔

میسور کی پہلی جنگ: حیدر علی کے اقتدار، زور، فتوحات اور اعلیٰ جنگی قوت نے انگریز، مرہٹوں اور نظام تینوں پر ہراس طاری کر دیا تھا۔ انہوں نے مل کر میسور پر حملہ کیا، اس طرح وہ لڑائی شروع ہوئی جسے تاریخ میں پہلی جنگِ میسور قرار دیتے ہیں۔ حیدر علی نے روپیہ دے کر مرہٹوں کو اس جتھے سے توڑ لیا۔ پھر نظام کو سخت شکست دی اور اس نے انگریزوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ انگریز اکیلے مقابلے پر رہ گئے۔ انہوں نے ملیبار کے نائروں کو حیدر علی کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا اور بمبئی سے ایک انگریزی فوج منگلور کی بندرگاہ پر قابض ہو گئی۔ حیدر علی نے پہلے اپنے فرزند ٹیپو سلطان کو منگلور کے محاصرے کے لیے بھیجا، پھر خود ایک فوج لے کر بجلی کی تیزی سے منگلور پہنچ گیا۔ اس کے پاس فوج کم تھی، ساز و سامان بھی زیادہ نہ تھا۔ لیکن فوراً لکڑی کی بندوقیں بنوائیں اور آٹھ ہزار آدمی بھرتی کر کے یہ بندوقیں ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ پھر اس طمطراق سے انہیں لے کر نکلا کہ انگریزوں نے سمجھا بہت بڑی فوج حملے کے لیے آ گئی ہے۔ ساتھ ہی ان کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ منگلور چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس طرح مغربی محاذ کی طرف سے اطمینان ہوا تو حیدر علی فوراً مشرقی

محاذ پر پہنچ گیا۔ انگریز جب سے ملک گیری کی راہ پر لگے تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ انہیں ایک دیسی حکمران نے اپنی مستعدی اور کاردانی سے بے بس کر دیا تھا۔

اب حیدر علی نے حکم دے دیا کہ انگریزی علاقے میں جنگ ہو۔ چنانچہ ایک فوج انگریزوں کو دباتی ہوئی ترچناپلی تک جا پہنچی۔ دوسری فوج نے کرناٹک کے علاقے کو تاراج کر ڈالا۔ خود حیدر علی نے چھ ہزار چیدہ سوار لیے اور تھوڑی ہی مدت میں ایک سو تیس میل کا فاصلہ طے کر کے مدراس سے پانچ میل پر نمودار ہوا۔ انگریزوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ انہوں نے فوراً صلح کی درخواست پیش کر دی۔ ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو مدراس میں معاہدہ ہوا، جس کی پہلی شرط یہ تھی کہ انگریزوں یا سلطان پر کوئی حملہ کرے تو ایک دوسرے کی مدد کی جائے۔ فریقین جنگ کے قیدی چھوڑ دیں اور مفتوحہ علاقے واپس کر دیں۔

خود ایک انگریز مؤرخ نے لکھا ہے کہ جنگ چھیڑنا سخت سیاسی غلطی تھی اور خاتمہ اس سے بدتر ہوا۔ یہی جنگ ہے جس میں پہلی مرتبہ انگریزوں کو میسور کی قوت کا اندازہ ہوا اور ان کے دل میں اس سلطنت کے خلاف گرہ بیٹھی جو تیس برس بعد ٹیپو سلطان کی شہادت پر کھلی۔

نئے اختلافات: عہد نامۂ مدراس سے ایک برس بعد مرہٹوں نے میسور پر حملہ کیا۔ حیدر علی نے انگریزوں سے مدد مانگی لیکن انگریزوں نے تو ایک مصیبت کو ٹالنے کے لیے اقرار کر لیا تھا، مصیبت کے ٹلتے ہی اس سے پھر گئے۔ سلطان نے تنہا مرہٹوں کا مقابلہ کیا۔ پھر مزید فتوحات حاصل کیں۔ کرناٹک اور ٹرانکور کے سوا اکثر جنوبی خطے اس کے زیر نگیں آ گئے۔

۱۷۸۰ء میں دوسری جنگِ میسور چھڑی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مابین لڑائی چھڑ گئی تھی۔ انگریزوں نے ایک طرف پانڈی چری پر قبضہ کر لیا، دوسری طرف وہ ملیبار کی بندرگاہ ماہی پر حملہ آور ہوئے جہاں فرانسیسی رہتے تھے۔ ماہی حیدر علی کی بندرگاہ تھی۔ مدراس کے انگریز گورنر نے حملے کی مخالفت کی لیکن انگریزی فوج کے افسروں نے اس کی مخالفت کو پسِ پشت ڈال دیا۔ حیدر علی اس دیدہ دلیری کو خاموشی سے کیوں کر برداشت کر سکتا تھا، وہ لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔

اس اثنا میں نظام بھی انگریزوں سے بگڑ گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ نظام نے اپنے بھائی بسالت جنگ کو گنٹور کا علاقہ جاگیر میں دے رکھا تھا۔ اس کے پاس کچھ فرانسیسی ملازم تھے۔

انگریزوں نے کرناٹک کے ناظم محمد علی کے ذریعہ سے بسالت جنگ کے ساتھ بات چیت کی اور نظام سے اجازت لیے بغیر گنٹور بسالت جنگ سے لے کر محمد علی کو ٹھیکے پر دے دیا۔ اس غصے میں نظام حیدر علی خاں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ مرہٹوں سے انگریزوں کی لڑائی جاری ہی تھی۔ یہ موقع تھا کہ حیدر علی، مرہٹے اور نظام مل کر انگریزی قوت کو بالکل ختم کر دیتے۔ انگریزوں نے پریشان ہو کر پہلے حیدر علی کے پاس قاصد بھیجے کہ صلح کر لی جائے۔ اس نے جواب دیا کہ تم نے پہلے اپنا عہد کب پورا کیا تھا کہ دوبارہ تم پر بھروسا کیا جائے؟ ادھر سے مایوس ہو کر نظام کی منت سماجت کی اور گنٹور واپس دے کر حیدر علی سے اسے توڑ لیا۔

دوسری جنگِ میسور: بہ ہر حال حیدر علی نے جون ۱۷۸۰ء میں اسی ہزار فوج کے ساتھ کرناٹک پر حملہ کر دیا۔ پورٹو نووا اور کانجی ورم کو لوٹا اور ارکاٹ کا محاصرہ کر لیا۔ خود انگریز مؤرخوں نے اقرار کیا ہے کہ کرناٹک کے لوگ محمد علی پر حیدر علی کو ترجیح دیتے تھے۔ اسے تمام ضروری خبریں پہنچا دیتے تھے اور انگریزوں کو کوئی اطلاع نہیں ملتی تھی۔ نظام حیدر علی کا ساتھ چھوڑ بیٹھا تھا۔ مرہٹوں نے بھی کوئی مدد نہ دی۔ بلکہ وارن ہیسٹنگز نے اڑیسہ کے مرہٹہ سرداروں کو رشوت دے کر ساتھ ملا لیا۔ تاہم حیدر علی مقابلے سے نہ ہٹا۔ انگریزوں نے دو فوجیں تیار کیں۔ ایک کا سپہ سالار ہیکٹر منرو تھا جس نے ۱۷۶۴ء میں بکسر کی لڑائی جیتی تھی، دوسری کا کمانڈر کرنیل بیلی تھا۔ حیدر علی نے ٹیپو سلطان کو حکم دیا کہ دونوں فوجوں کو ملنے نہ دیا جائے۔ ٹیپو سلطان نے بیلی کو کانجی ورم کے نزدیک شکستِ فاش دی۔ انگریزی فوج کا ایک حصہ بالکل تباہ ہو گیا۔ چھیاسی انگریز افسروں میں سے صرف سولہ تھے جو زخمی نہ ہوئے۔ دو ہزار سپاہی اور افسر پکڑے گئے۔ منرو نے اپنی توپیں دریا میں ڈال دیں اور بمشکل جان بچا کر پیچھے ہٹا۔ حیدر علی نے ارکاٹ و ویلور لے لیے اور وندیواش کا محاصرہ کر لیا۔

جولائی ۱۷۸۱ء میں آئر کوٹ نے پورٹو نووو شر فتح حاصل کی پھر پولی لور اور شولن گڑھ پر لڑائیاں ہوئیں۔ ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کی امداد کے لیے فرانسیسی بیڑا آ گیا۔ انگریزی بیڑے سے پانچ مرتبہ اس نے جنگ کی، جس میں دونوں کو نقصان پہنچا۔

حیدر علی کی وفات: حیدر علی ارکاٹ کے قریب تھا کہ سرطان کے مرض نے زور پکڑا۔ طبیبوں کی رائے تھی کہ جنگی سرگرمیاں روک دی جائیں۔ سلطان کا ولی عہد ٹیپو سلطان ملیبار کی طرف گیا ہوا

تھا، اسے بلا بھیجا، لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے بیماری بہت بڑھ گئی۔ جب بچنے کی امید نہ رہی تو ۶ر دسمبر ۱۷۸۲ء کو ساری فوج میں ایک مہینے کی تنخواہ بطور انعام بانٹ دی۔ محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا۔ ۷ر دسمبر کو ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

حیدر علی کی وفات کے بعد بھی جنگ جاری رہی۔ جون ۱۷۸۴ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان صلح ہوگئی۔ ۱۱ر مارچ ۱۷۸۴ء کو انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان منگلور کے مقام پر عہد نامہ ہوا جس کے مطابق دونوں فریقوں نے مفتوحہ علاقے واپس کر دیے اور جنگی قیدی چھوڑ دیے۔ اس پر دوسری جنگِ میسور ختم ہوئی، جسے ونسنٹ سمتھ انگریزوں کے نقطۂ نگاہ سے ذلت خیز خاتمہ قرار دیتا ہے۔

حیدر علی بہادر، با تدبیر اور اولوالعزم سردار تھا۔ معمولی فوج دار سے اٹھ کر دکن کے بڑے علاقے کا بادشاہ بن گیا۔ ساری عمر لڑائیوں میں گزاری، مشکلات سے کبھی پریشان نہ ہوا۔ سواری میں یگانہ، بندوق اور تلوار چلانے میں یکتا تھا۔ اگرچہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن ایک ایک وقت میں تین تین محرروں کو بٹھا کر مختلف خط لکھواتا اور کسی کا سلسلۂ مضمون ٹوٹنے نہیں پاتا تھا۔ منصف ایسا تھا کہ ایک دفعہ ایک بڑھیا شکایت لے کر آئی۔ پوچھا کہ ایک مہینہ بعد کیوں شکایت کی۔ بڑھیا نے کہا کہ حضور کے پیشکار نے عرضی پیش نہ ہونے دی۔ حیدر علی نے اس الزام کی چھان بین کی۔ جب پیشکار کا جرم ثابت ہوگیا تو دو سو تازیانے لگوائے اور نوکری سے ہٹا دیا۔ ہندوستان کے فرمانرواؤں میں سے وہ اپنے بیٹے کو چھوڑ کر آخری با اقبال اور بیدار مغز فرمانروا تھا۔

ٹیپو سلطان: ٹیپو سلطان کا نام فتح علی خاں تھا۔ ۱۷۵۱ء میں پیدا ہوا، جب باپ معمولی فوج دار تھا۔ تعلیم بڑی اچھی پائی۔ جنگی فنون باپ کے ساتھ رہ کر لڑائیوں میں سیکھے۔ ۱۷۸۲ء میں تخت نشین ہوا۔ مرہٹوں، نظام اور انگریزوں نے اسے ایک لمحہ کے لیے بھی اطمینان سے نہ بیٹھنے دیا۔ ہندوستان کی یہ کتنی بدنصیبی تھی کہ مرہٹے اور نظام رقابت کے جوش میں اندھے ہو کر انگریزوں کے دست و بازو بن کر سلطان کو مٹانے کے درپے رہے، حالاں کہ وہ ملک کی آزادی کو بچانے کی امید کا آخری چراغ تھا، انگریزی اقتدار کے مقابلے میں آخری زبردست بند تھا۔ جب وہ بند ٹوٹا تو نہ مرہٹے باقی رہے، نہ نظام کے لیے عزت کی زندگی کا کوئی موقع باقی رہ گیا اور انگریز ہنستے کھیلتے رے ملک پر چھا گئے۔ سلطان نے باپ کے بعد کئی علاقے فتح کیے۔ نظام اور مرہٹوں سے

لڑائیاں کیں۔ ملک کا انتظام اتنے اعلیٰ پیمانے پر پہنچا دیا کہ خود انگریزوں کو اس پر رشک آتا تھا۔ وہ طاقتور اور بیدار مغز تھا۔ مغربی ساحل کی بندرگاہیں اس کے قبضے میں تھیں۔ فرانسیسیوں کے ساتھ گہرا ربط ضبط تھا اور باہر سے جو سامان چاہتا، بے تکلف منگا سکتا تھا۔ یہ خصوصیتیں انگریزوں کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھیں اور وہ سلطان کو بے دست و پا بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

کارنوالس نے ہندوستان پہنچنے کے بعد مرہٹوں اور نظام سے ساز باز کیا۔ نظام کو ایک خط لکھا کہ اگر بالا گھاٹ کا علاقہ فتح ہو گیا تو اس سے آپ کو اور مرہٹوں کو بھی حصہ دیا جائے گا۔ بالا گھاٹ سلطان کے قبضے میں تھا اور انگریز عہد نامہ منگلور کے مطابق سلطان سے دوستی کا اقرار کر چکے تھے۔ نیز کارنوالس نے نظام کی امداد کے لیے جو فوج بھیجی تھی، تو یہ شرط لگائی تھی کہ اسے کمپنی کے دوستوں اور حلیفوں کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔ حلیفوں میں صرف مرہٹوں کا ذکر کیا تھا، سلطان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ گویا انگریز عہد نامے کے باوجود سلطان کو اپنا دشمن ہی سمجھتے تھے۔

تیسری جنگ میسور: یہ حالات تھے جب اچانک ایک واقعہ پیش آیا جو میسور کی تیسری جنگ کا باعث بن گیا۔ ٹراونکور کا راجا انگریزوں کا حلیف تھا۔ اس نے دو قلعے ولندیزوں سے خرید لیے، جو کوچین میں واقع تھے۔ کوچین چوں کہ سلطان کے ماتحت تھا اس لیے ٹراونکور کو کوئی سودا کرنے کا حق نہ تھا۔ سودے کے بعد اس نے قلعوں کی حفاظت کے لیے مورچے بنا لیے اور سلطان کے باغیوں کو اپنے ہاں پناہ دے دی۔ سلطان بات چیت ہی سے اس معاملے کو طے کرنا چاہتا تھا۔ انگریزوں نے ٹراونکور کی حمایت کا عذر لکھ کر لڑائی چھیڑ دی۔

ایک انگریزی فوج بمبئی سے ملیبار پر حملہ آور ہوئی۔ دوسری فوج نے جنرل میڈوز کی سرکردگی میں ڈنڈی گل پر یورش کر دی۔ سلطان نے میڈوز کو سخت شکست دی۔ دسمبر ۱۷۹۰ء میں کارنوالس مدراس پہنچ گیا اور فوج کی کمان سنبھال کر میسور پر حملہ کر دیا۔ سرنگاپٹم سے نو میل پر جنگ ہوئی۔ سلطان نے شکست کھائی اور سرنگاپٹم میں محصور ہو گیا۔ کارنوالس کو کامیابی کی کوئی شکل نظر نہ آئی اور رسد تھڑ گئی تو محاصرہ چھوڑ کر واپس ہو گیا۔ اس اثنا میں مرہٹے اور نظام انگریزوں کی امداد کے لیے پہنچ گئے، انہوں نے دوبارہ سرنگاپٹم کا محاصرہ شروع کر دیا۔ آخر سلطان کو صلح کرنی پڑی۔ سرنگاپٹم میں جنوری ۱۷۹۲ء میں معاہدہ ہوا جس کی شرطیں یہ تھیں۔

۱۔ سلطان تین کروڑ روپے مالیے کا ملک چھوڑے جو اس کی آدھی سلطنت کے برابر تھا۔

۲۔ تین کروڑ روپے نقد دے۔

۳۔ رقم پوری ہونے تک اپنے دو فرزند ضمانت کے طور پر انگریزی کیمپ میں بھیج دے۔

بچاؤ کی سرگرم کوششیں: سرنگاپٹم کے معاہدے نے سلطان کی قوت کو شل کر ڈالا، لیکن وہ جوان مرد تھا۔ جوانمردوں کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ مشکلات سے گھبرا کر حوصلہ ہار بیٹھیں بلکہ وہ خدا داد صلاحیتوں سے کام لے کر مشکلات سے باہر نکلتے ہیں۔ سلطان نے بھی اپنے بچاؤ کے لیے سرگرم کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے انگریزوں کے خلاف زبردست جتھا تیار کرنے کے لیے ہر اس مقام پر سفیر بھیجے جہاں سے امداد کی امید ہو سکتی تھی۔ دہلی، کابل، قسطنطنیہ اور فرانس سے رشتے جوڑنے کی سعی کی۔ صرف زمان شاہ درّانی والیِ افغانستان نے سلطان کی تجویز کا خیر مقدم کیا اور وہ اس بات کے لیے تیار ہو گیا کہ شمال میں انگریزوں کے خلاف لڑائی شروع کر دے اور جنوب سے سلطان پیش قدمی کرے۔ نپولین مصر پہنچ گیا تھا۔ سلطان نے اسے بھی خط بھیجے۔ زمان شاہ فوج لے کر پنجاب پہنچ گیا۔ پیچھے اس کے بھائی نے بغاوت کا فتنہ پیدا کر دیا۔ شاہ کو واپس جانا پڑا۔ بھائی کے ساتھ لڑائی کی جس میں شکست کھائی اور قید ہو گیا۔ اس طرح سلطان کی یہ آخری امید بھی ختم ہو گئی۔ اس زمانے میں لارڈ ویلزلی گورنر جنرل بن کر آ چکا تھا۔ اس نے موقع ساز گار دیکھا اور سلطان کو اکیلا پایا تو مرہٹوں اور نظام کو ساتھ ملا کر میسور کا آخری فیصلہ کر دینے کے لیے تیار ہو گیا۔

چوتھی جنگِ میسور: ویلزلی نے فرانس کے ساتھ سلطان کے تعلقات ہی کو بہانہ بنا کر جنگ شروع کر دی جس کے لیے وہ پوری تیاری کر چکا تھا۔ مرہٹے اور نظام ساتھ دینے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ایک انگریزی فوج جنرل ہیرس کی سرکردگی میں مدراس سے بڑھی، دوسری نے بمبئی کی جانب سے حملہ کیا۔ سلطان نے شکست کھائی اور سرنگاپٹم میں محصور ہو گیا۔ کئی قابل جرنیل مارے گئے۔ وفاداروں نے مشورہ دیا کہ سرنگاپٹم سے نکل جائیں اور دوسرے مقام پر بیٹھ کر نئی فوج کا سر و سامان کریں۔ سلطان نے انکار کر دیا اور کہا کہ جو کچھ پیش آنے والا ہے، اپنے بہادروں کے ساتھ یہیں رہ کر اسے برداشت کروں گا۔ آخر ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو اس کا آخری وفادار اور قابل جرنیل سید غفار بھی شہید ہو گیا۔ انگریزی فوج قلعے میں داخل ہو گئی۔ سلطان خود چند ساتھیوں کو لے کر نکلا اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ وہ خود کہا کرتا تھا کہ شیر کی زندگی کا ایک دن گیدڑ کی زندگی کے سو سال سے

بہتر ہے۔ اپنے عمل سے اس دعویٰ کو سچا کر دکھایا۔

سلطنتِ میسور ختم ہوگئی۔ انگریزوں، مرہٹوں اور نظام نے مختلف علاقے آپس میں بانٹ لیے۔ بیچ کے علاقے میں ریاست بنا کر پرانے ہندو راجاؤں کے خاندان میں سے ایک بچے کو راجا بنا دیا۔ نظام کے حصے کے علاقے تھوڑی دیر بعد ویلزلی نے امدادی فوج کے خرچ میں لے لیے۔ مرہٹوں کی پوری سلطنت ہی انگریزوں کے قبضے میں چلی گئی۔

سیرت: سلطان بڑا شجاع، علم دوست، غیور اور شیریں گفتار تھا۔ عمر بھر میں کوئی فحش کلمہ زبان پر نہ آیا۔ ہاتھ اٹھا کر نہ خود کسی کو سلام کیا اور نہ کسی کو سلام کرنے دیا۔ حمیت کا یہ عالم تھا کہ سرنگاپٹم کے عہد نامے کے بعد شہادت تک ایک رات بھی پلنگ پر نہ سویا، اس لیے کہ قسم کھائی تھی جب تک بدلہ نہ لے لوں گا، پلنگ پر نہ سوؤں گا۔ حیادار اتنا تھا کہ پیروں اور ہاتھوں کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ کسی نے برہنہ نہ دیکھا۔ حمام میں بھی برہنہ ہو کر غسل نہیں کرتا تھا۔ بے تعصب اور روادار فرمانروا تھا۔ رعایا اس سے بہت خوش تھی۔ ساری سلطنت میں حکماً غلامی بند کر دی تھی۔ ہندوستان کی خاک سے اس جیسا غیور، نیک اور حریت دوست فرمانروا پھر نہ اُٹھا۔

★.....★.....★

حواشی

۱ ڈنڈی گل مدراس کے ضلع مدورا میں ہے۔

۲ Hector Munro

۳ Baillie

۴ Eyre Coote

۵ Porto

۶ Medows

۷ Harris

انگریزی سلطنت کا پھیلاؤ

گورنر جنرل: ویلزلی کے بعد ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی توسیع شروع ہوئی اور پچاس برس میں انگریز پشاور سے لے کر راس کماری تک کے مالک بن گئے۔ ہم ایک ایک گورنر جنرل کے حالات، الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ پورے پچاس برس کے نمایاں واقعات کو ترتیب کے ساتھ لکھ دیں گے۔ سب سے پہلے گورنر جنرلوں کی فہرست دینا مناسب ہے۔

گورنر جنرل	عہد حکومت
کارنوالس (دوسری بار)	۱۸۰۵ء (صرف تین ماہ)
جارج بارلو	۱۸۰۶ء۔۱۸۰۷ء
منٹواوّل	۱۸۰۷ء۔۱۸۱۳ء
ہیسٹنگز	۱۸۱۳ء۔۱۸۲۳ء
ایمہرسٹ	۱۸۲۳ء۔۱۸۲۸ء
ولیم بنٹنک	۱۸۲۸ء۔۱۸۳۵ء
چارلس مٹکاف	۱۸۳۵ء۔۱۸۳۶ء
آک لینڈ	۱۸۳۶ء۔۱۸۴۲ء
ایلن برا	۱۸۴۲ء۔۱۸۴۴ء
ہارڈنگ	۱۸۴۴ء۔۱۸۴۸ء
ڈلہوزی	۱۸۴۸ء۔۱۸۵۶ء

سکھ مسلیں: سکھوں کا ذکر ہم نے بندا بیراگی کے قتل پر چھوڑا تھا (۱۷۱۶ء)۔ اس کے بعد وہ کچھ برس کے لیے چپ بیٹھے رہے لیکن لوٹ مار کی عادت پڑ چکی تھی۔ ملک میں بدنظمی اور خانہ جنگی کا دور

دورہ تھا، پھر چھوٹے چھوٹے جتھوں نے غارت گری شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ جتھے بڑھنے لگے۔ جو لوگ کسی سخت جرم کے مرتکب ہوتے، وہ سزا کے خوف سے بھاگ کر غارت گروں کے ان جتھوں میں جا شامل ہوتے۔ اس طرح پنجاب کے جنوبی و مشرقی اور وسطی حصے قزاقی کا نشانہ بن گئے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ جو شخص سردار بن کر لوٹ مار کے لیے نکلتا، مختلف لٹیرے اس کے ساتھ ہو جاتے۔ پھر چند لوگوں نے اپنی الگ الگ جماعتیں بنا لیں۔ انہیں سکھوں کی اصطلاح میں ''مسلیں'' کہتے تھے۔ شدہ شدہ بارہ مسلیں بن گئیں جن میں سے چھ دریائے ستلج کے جنوب میں تھیں اور چھ شمال میں۔ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ ابدالی نے ان مسلوں کو بڑی عبرت ناک سزا دی، جس میں تیس ہزار کے لگ بھگ آدمی مارے گئے۔ سکھوں نے اس واقعہ کا نام ''گھلوگھاڑا'' رکھا، یعنی بے پناہ آفت اور تباہی خیز مصیبت۔ ان مسلوں کی حوصلہ افزائی اور پرورش سب سے بڑھ کر آدینہ بیگ نے کی، جو معمولی حیثیت سے اٹھ کر اُونچے درجے پر پہنچ گیا تھا اور دیر تک پنجاب کے لیے مصیبتوں کا سامان بنا رہا۔ مرہٹوں اور جاٹوں کا اقتدار بڑھانے کے لیے جو کام دہلی کے وزیر اعظم کی حیثیت میں عماد الملک نے کیا تھا، وہی کام سکھوں کا اقتدار بڑھانے کے لیے پنجاب میں آدینہ بیگ نے انجام دیا۔

۱۷۶۵ء میں تین سکھ ''مسلوں'' کے سردار لاہور پر قابض ہو گئے۔ ان کی لوٹ کھسوٹ نے شہر اور آس پاس کے علاقے ویران کر ڈالے۔ عمارتیں ڈھے گئیں، مقبرے منہدم ہو گئے، باغ اجڑ گئے یہاں تک کہ شالامار کا نقشہ بھی بگڑ گیا۔ ان سرداروں نے سنگِ یشب کا ایک قیمتی سائبان اکھاڑ کر لاہور کے سنگ تراشوں کے ہاتھ چوبیس ہزار میں بیچ ڈالا۔

رنجیت سنگھ کا ظہور: اٹھارہویں صدی کے آخر میں سکھ مسلوں میں سے ''شکور چکیہ'' مسل نے خاص شہرت حاصل کر لی۔ اس کا پہلا مشہور سردار چڑھت سنگھ، دوسرا مہاں سنگھ اور تیسرا رنجیت سنگھ تھا، جو ۱۷۸۰ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوا۔ باپ کی وفات پر لڑکپن میں مسل کا سردار بن گیا۔ دُور اندیش آدمی تھا۔ اردگرد کے حالات کا اندازہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاتا تھا۔ زمان شاہ درّانی ہندوستان آیا تو اس کی کچھ توپیں دریائے جہلم میں گر گئیں۔ رنجیت سنگھ نے انہیں نکال کر شاہ کی خدمت میں پیش کر کے لاہور پر حکمرانی کا پروانہ حاصل کر لیا۔ لاہور کے باشندے تین سرداروں کی تعدی سے تنگ آئے ہوئے تھے جنہوں نے شہر کو تین حصّوں میں بانٹ کر الگ الگ حکومتیں

قائم کرلی تھیں، بعض لوگوں نے خفیہ خفیہ رنجیت سنگھ سے نامہ و پیام شروع کر دیا۔ بات پکی ہوگئی تو ایک روز رنجیت سنگھ اپنا جتھا لے کر اچانک لاہور پر چڑھ آیا۔ جن لوگوں سے پہلے ہی مشورے ہو چکے تھے، انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ تین سرداروں کا عمل دخل اٹھ گیا اور رنجیت سنگھ لاہور کا مالک بن گیا۔ یہ ۱۷۹۹ء کا واقعہ ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اپنا اثر بڑھانے لگا۔ پنجاب چھوٹے چھوٹے حلقوں اور سرداریوں میں بٹا ہوا تھا۔ کسی کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ رنجیت سنگھ کا مقابلہ کرتا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے اپنی حدیں جنوب میں دریائے ستلج تک بڑھالیں۔

رنجیت سنگھ ستلج کو عبور کر کے جنوبی علاقوں کو بھی فتح کر لینا چاہتا تھا۔ نابھہ، پٹیالہ اور جیند کے سکھوں نے انگریزوں سے مدد مانگی اور ان کی سرپرستی قبول کر لی۔ انگریزوں نے بھی سوچا کہ اگر رنجیت جنوب کی طرف بڑھا تو اس سے ٹکر ہو جائے گی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان کے باقی حصوں کا فیصلہ کیے بغیر نئی جنگ چھیڑ لیں۔ انہوں نے ۱۸۰۹ء میں چارلس مٹکاف کو رنجیت سنگھ کے پاس بھیج کر ایک عہد نامہ کر لیا جسے عہد نامۂ امرت سر کہتے ہیں۔ اس کے مطابق دریائے ستلج انگریزوں اور رنجیت سنگھ کے درمیان مستقل حد بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے بے فکر ہو کر ہندوستان پر تسلط جما لیا۔ ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقے خود بخود ان کے زیر اثر آ گئے۔ رنجیت سنگھ نے اپنا رُخ شمال اور مغرب کی طرف پھیر دیا۔ وسطی پنجاب کے علاوہ اس نے ۱۸۱۴ء میں اٹک لیا، ۱۸۱۸ء میں ملتان فتح کیا اور ۱۸۱۹ء میں کشمیر پر قابض ہو گیا۔ پھر ضلع ہزارہ میں ایک معمولی جھگڑے کی بنا پر سکھوں کو دخل دینے کا موقع مل گیا اور صوبہ سرحد پر بھی ان کے حملے شروع ہو گئے۔ ایک زمانے میں وہ سندھ کو بھی لے لینا چاہتے تھے۔

سید احمد بریلوی: ۱۸۲۶ء میں رائے بریلی کے ایک نیک اور خدا پرست سید نے ہندوستان میں مجاہدین کا لشکر تیار کیا اور ہندوستان کو غیروں کے قبضے سے آزاد کرانے کی نیت سے سرحد کو مرکز بنا کر جہاد شروع کیا۔ سکھ چوں کہ مسلمانانِ سرحد پر آفتیں ڈھا رہے تھے اور ان کی آزادی سلب کر رہے تھے، اس لیے سید صاحب کی ٹکر ان سے ہوگئی۔ نومبر ۱۸۲۶ء سے لے کر مئی ۱۸۳۱ء تک سید صاحب نے ایک لمحہ کے لیے بھی سکھوں کو چین نہ لینے دیا۔ مختلف معرکوں میں انہیں شکست دی یا سخت نقصان پہنچایا۔ بعد میں سکھوں نے سرحد کے بعض مسلمان سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر سید صاحب سے لڑائیاں شروع کر دیں۔ ۱۸۳۰ء میں سید صاحب پشاور سے لے کر دریائے اٹک تک

پورے علاقے پر قابض ہو چکے تھے اور پکھلی (ضلع ہزارہ) پر ان کے حملے شروع ہو گئے تھے۔ اس اثنا میں مسلمان سرداروں نے پٹھانوں کو برانگیختہ کر کے سید صاحب کے غازیوں پر اچانک حملے کرا دیے جو مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے تھے۔ سیکڑوں اپنوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ سید صاحب صوبہ سرحد کو چھوڑ کر کشمیر جانے کی نیت سے روانہ ہوئے۔ بالاکوٹ، تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ میں سکھوں سے جنگ ہوئی۔ وہیں مئی ۱۸۳۱ء میں شہید ہو گئے۔ اس جنگ کے شہیدوں میں سید صاحب کے دوسرے جلیل القدر رفیقوں کے علاوہ شاہ اسماعیل دہلوی بھی تھے، جو ابتدا سے سید صاحب کی تحریکِ جہاد کی روح رواں تھے۔ پٹھانوں کو قدرت نے سید صاحب کے ساتھ غداری کی عبرت ناک سزا دی۔ سکھ بے تکلف سرحد پر بڑھے۔ انہوں نے اپنے طریقے کے مطابق سیکڑوں دیہات جلا دیے، پشاور پر قبضہ جما لیا، خیبر تک کا علاقہ ان کے زیرِ اثر آ گیا اور جمرود میں انہوں نے درہ خیبر کی نگہبانی کے لیے ایک قلعہ بنا لیا۔

رنجیت سنگھ کے جانشین: رنجیت سنگھ نے آخری وقت تک انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ بعض فرنگیوں کو ملازم رکھ کر اچھی فوج تیار کر لی تھی۔ ۱۸۳۹ء میں وہ فوت ہوا تو اس کے ساتھ ہی اس کی بنائی ہوئی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ وہ دُور اندیش اور با تدبیر آدمی تھا۔ جب تک زندہ رہا، کام ٹھیک چلا۔ مرا تو سکھ سردار ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے۔ رنجیت سنگھ کا بیٹا کھڑک سنگھ راجا بنا۔ وہ محض ایک بے جان بت تھا۔ وہ مر گیا تو اس کے بیٹے نونہال سنگھ کی راجائی کا اعلان ہوا۔ وہ اپنے باپ کی ارتھی کو آگ دے کر قلعے میں جا رہا تھا کہ دروازے کی چھت پر سے ملبہ گرا اور اس میں دب کر فوت ہو گیا۔ پھر کھڑک سنگھ کی بیوی اور رنجیت سنگھ کے دوسرے بیٹے شیر سنگھ میں کش مکش چلی۔ شیر سنگھ راجا بنا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ اور اس کا بیٹا بھی مارے گئے۔ آخر میں رنجیت سنگھ کے سب سے چھوٹے بیٹے دلیپ سنگھ کو گدی پر بٹھایا گیا اور اس کی ماں رانی جنداں معاملات کی مختار بنی۔ اس نے سکھ سرداروں کو بے قابو پایا، تو انہیں انگریزوں سے لڑا دیا۔ سکھ، زمانے کے حالات سے ناواقف تھے۔ اپنی طاقت پر اتنا گھمنڈ تھا کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ انگریز ہر طرف سے فارغ ہو چکے تھے۔ سارا ہندوستان ان کے قبضے میں تھا۔ فوج زبردست تھی۔ ان سے ٹکراتے ہی سکھ ادھ موے ہو کر رہ گئے۔

سکھوں کی پہلی جنگ: سکھوں کی پہلی جنگ دسمبر ۱۸۴۵ء میں لارڈ ہارڈنگ کے زمانے میں

شروع ہوئی۔ انہوں نے ستلج کو عبور کر کے انگریزی علاقے پر حملہ کر دیا تھا۔ واقعات کی سرسری کیفیت یہ ہے۔

۱۔ پہلی لڑائی مدکی میں ہوئی جو فیروز پور اور لدھیانہ کے درمیان ہے۔ اس میں سکھوں نے شکست کھائی۔

۲۔ مدکی سے تین روز بعد فیروز شاہ نام مقام پر لڑائی ہوئی۔ اس میں بھی سکھ ہار گئے۔

۳۔ تیسری لڑائی علی وال پر ہوئی جو لدھیانہ اور فیروز شاہ کے درمیان ہے (۲۸ر جنوری ۱۸۴۶ء)۔ یہاں بھی سکھوں کو شکست ہوئی اور ان کی باون توپیں انگریزوں کے ہاتھ لگیں۔

۴۔ چوتھی لڑائی ۱۰ر فروری ۱۸۴۶ء کو دریائے ستلج کے مشرق کنارے پر سبراؤں نام گاؤں کے سامنے ہوئی، اسی وجہ سے جنگ سبراؤں کہلاتی ہے۔ سکھ تیس ہزار تھے، لیکن شکست کھائی اور پیچھے بھاگے۔ کہتے ہیں اتنے سکھ مارے گئے کہ دریا میں لاشوں سے بند سا بندھ گیا۔

اس لڑائی کے بعد سکھوں کا زور ٹوٹ گیا۔ قصور میں صلح کے متعلق بات چیت ہوئی۔ سکھوں نے مندرجہ ذیل شرطیں مان لیں۔

۱۔ دوآبہ بست جالندھر انگریز لے لیں۔

۲۔ سکھ پندرہ لاکھ پونڈ تاوانِ جنگ دیں۔ دس لاکھ پونڈ کے عوض میں کشمیر اور ہزارہ دے دیں اور پانچ لاکھ نقد ادا کریں۔

۳۔ سکھوں کی پیادہ فوج بیس ہزار اور سوار بارہ ہزار سے نہ بڑھیں۔

۴۔ ایک انگریز ریزیڈنٹ لاہور میں رہے جس کی نگرانی میں سکھ حکومت کام کرے۔

اس عہدنامے پر لاہور میں دستخط ہوئے۔ کشمیر اور بالائی ہزارہ انگریزوں نے ساڑھے سات لاکھ پونڈ کے معاوضے میں جموں کے راجا گلاب سنگھ کے حوالے کر دیا جو سکھ دربار کے بڑے امیروں میں سے تھا اور لڑائی میں شامل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ سمجھنا چاہیے کہ انگریزوں نے اسی کی خاطر کشمیر اور ہزارہ لیا تھا۔ بعد میں بالائی ہزارہ کا علاقہ دے کر گلاب سنگھ نے جموں کے پاس کا علاقہ لے لیا۔

دوسری جنگ: شکست کے تھوڑی دیر بعد سکھوں کا غرور تازہ ہو گیا۔ وہ حسنِ انتظام کے عادی نہیں تھے۔ انگریز ریذیڈنٹ نے ملک کی حالت سدھانے کے لیے اچھی تدبیریں اختیار کیں تو بگڑنے لگے۔ رانی جنداں کو ہٹایا گیا لیکن حالت نہ سدھری۔ ملتان کے حاکم دیوان مولراج سے حساب کتاب مانگا گیا اس نے استعفےٰ دے دیا اور عذر یہ کیا کہ میرا علاقہ گھٹا دیا گیا ہے اور رقم بڑھا دی گئی ہے۔ اس کی جگہ جو شخص بھیجا گیا، اس کے ساتھ دو انگریز بھی گئے جنہیں لوگوں نے مار ڈالا۔ ادھر ہزارہ میں شورش بپا ہو گئی۔ اس طرح دوسری جنگ شروع ہوئی۔ یہ لارڈ ڈلہوزی کا زمانہ تھا۔ اس جنگ کی صرف دو لڑائیاں قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ پہلی لڑائی چیلیاں والہ (ضلع گجرات) میں ہوئی۔ اس میں سکھوں نے شکست کھائی۔

۲۔ دوسری لڑائی ۲۱ فروری ۱۸۴۹ء کو گجرات شہر کے قریب ہوئی۔ چند گھنٹے میں سکھ خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس کے بعد مارچ ۱۸۴۹ء میں پنجاب سلطنتِ انگلشیہ میں شامل ہو گیا۔ دلیپ سنگھ کو پچیس ہزار پونڈ وظیفہ دے کر پہلے فتح گڑھ (یو۔پی) پھر ولایت بھیج دیا گیا جہاں اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ صوبے کے انتظام کے لیے ایک بورڈ بنا دیا گیا۔ اس طرح تقریباً ایک صدی کی مصیبتوں کے بعد پنجاب کو اطمینان نصیب ہوا۔

رنجیت سنگھ کے ظہور کے ساتھ سکھوں کا عروج شروع ہوا۔ اس کی وفات کے بعد پانچ سات برس میں جانشینوں نے اس کی چالیس برس کی محنت کا نشان تک مٹا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سکھ حکومت کوئی باقاعدہ اور منظم حکومت نہ تھی، ایک قسم کا عارضی فوجی غلبہ تھا جسے رنجیت سنگھ کے تدبّر نے حکومت کا رنگ دے دیا تھا۔

افغانستان سے جنگ: دوسرا قابلِ ذکر واقعہ افغانستان کی جنگ ہے:

افغانستان کا نظم و نسق زمان شاہ درّانی کی معزولی کے ساتھ ہی بگڑ گیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ کے کئی فرزند تھے۔ ان میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ پہلے زمان شاہ اور محمود شاہ لڑے۔ پھر شاہ شجاع اور محمود شاہ میں ٹھنی رہی۔ محمود شاہ کے بیٹے کامران نے وزیر خاں بارک زئی کو قتل کرا دیا۔ مقتول کے بھائی بدلہ لینے کے لیے اُٹھے۔ ان میں سے دوست محمد خان نے کابل میں حکومت قائم کر لی۔

انگریزوں کو پہلے پہل لارڈ منٹو کے عہد میں افغانستان کے ساتھ گہرے تعلقات پیدا کرنے کا خیال آیا، اس لیے کہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ نپولین روس کے راستے ہندوستان پر نہ چڑھ آئے۔ نپولین ختم ہو گیا تو یہ ڈر بھی جاتا رہا۔ پھر روس نے وسط ایشیا میں پیش قدمی شروع کر دی اور آہستہ آہستہ ہندوستان سے قریب پہنچنے لگا۔ انگریزوں نے دوبارہ دوستی کے لیے سلسلۂ جنبانی کی۔ امیر دوست محمد خاں کو انگریزوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے میں تامل نہ تھا لیکن یہ شرط پیش کی کہ پشاور مجھے سکھوں سے واپس دلایا جائے۔ یہ لارڈ آکلینڈ کا زمانہ تھا۔ وہ غصہ ور آدمی تھا، بگڑ گیا اور دوست محمد خاں کو چھوڑ کر رنجیت سنگھ سے بات چیت شروع کر دی۔ اسے ساتھ دینے پر آمادہ کیا۔ شاہ شجاع لدھیانہ میں بیٹھا انگریزوں سے وظیفہ لے رہا تھا۔ اسے ساتھ لیا اور درہ بولان کے راستے افغانستان پر حملہ کر دیا۔

انگریزی فوج اپریل ۱۸۳۹ء میں افغانستان پہنچی۔ قندھار اور غزنی فتح ہو گئے۔ دوست محمد خاں کابل چھوڑ کر شمال کی طرف چلا گیا۔ شاہ شجاع تخت پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی سی انگریزی فوج اس کی حفاظت کے لیے رہ گئی، باقی فوج واپس آ گئی۔

انگریزوں کی مصیبتیں: افغانستان کو فتح کر لینا مشکل نہ تھا۔ لیکن اس پر قبضہ قائم رکھنا اور حکومت کرنا غیر ممکن تھا۔ پھر انگریزوں سے غلطی یہ ہوئی کہ پہلے مختلف قبیلوں کو روپے دے کر ساتھ ملایا تھا۔ کچھ دیر گزر جانے پر انہوں نے پھر روپے مانگے تو انگریزوں نے انکار کر دیا۔ وہ بگڑ بیٹھے۔ شاہ شجاع کے خلاف شروع ہی سے عام نفرت تھی۔ لوگ اسے انگریزوں کا مہرہ سمجھتے تھے۔ ان حالات سے دوست محمد خاں کے بڑے بیٹے اکبر خاں غازی نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ایک لشکر تیار کر لیا۔ انگریز پولیٹکل ایجنٹ مسٹر برنز اور انگریز سفیر مسٹر میکناٹن مارے گئے۔ شاہ شجاع قلعہ سے باہر نکلا تو اسے بھی گولی مار کر ٹھنڈا کر دیا اور اکبر خاں نے اس شرط پر انگریزی فوج سے صلح کی کہ وہ پورے ہتھیار حوالے کر دے۔

۶ رجنوری ۱۸۴۲ء کو انگریزی فوج کے آدمی نہتے ہو کر نکلے۔ اکبر خاں نے اپنی طرف سے حفاظت کا ذمہ اُٹھایا لیکن راستے کے قبیلوں کی طرف سے وہ ذمہ نہیں لے سکتا تھا۔ برف باری کا موسم تھا۔ کچھ موسم کی خرابی، کچھ قبیلوں کے حملوں اور کچھ راستے کی مشکلات کے باعث سخت نقصان ہوا۔ ساڑھے چار ہزار فوجی اور بارہ ہزار لواحق ۶ رجنوری کو کابل سے چلے تھے۔ ان

میں سے صرف ایک آدمی ڈاکٹر برائیڈن زندہ جلال آباد پہنچا۔ اس کے ذریعہ سے اس خوف ناک تباہی کی داستان باہر کی دنیا کو معلوم ہوئی۔

بعد کے واقعات: بعد کے واقعات یہ ہیں:

۱۔ لارڈ آک لینڈ کو فوراً واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ ایلن برا گورنر جنرل بن کر آیا۔

۲۔ اس نے زبردست فوج افغانستان بھیجی جس نے کابل پہنچ کر بالا حصار کو تباہ کر دیا، اس لیے کہ وہاں پر برنز اور میکناٹن قتل ہوئے تھے اور عہد لے لیا کہ پھر بالا حصار نہیں بنایا جائے گا۔ ہمارے زمانے میں افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ نے وہاں فوجی کالج تعمیر کرایا۔

۳۔ ایک انگریزی جرنیل غزنی سے دو کواڑ اُٹھا لایا اور مشہور کیا کہ یہ وہی کواڑ تھے، جو محمود غزنوی سومنات سے لے گیا تھا۔ حالاں کہ یہ بالکل جھوٹا افسانہ تھا۔ نہ محمود غزنوی سومنات سے کواڑ لے گیا تھا، نہ انگریزوں کے لائے ہوئے کواڑ محمود غزنوی یا اس سے پہلے کے زمانے کے تھے۔

شاہ شجاع مر چکا تھا۔ انگریزوں نے دوست محمد خاں کو (جسے وہ کلکتہ لے آئے تھے) واپس بھیج دیا اور وہ پہلے کی طرح افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔ اس لڑائی میں انگریزوں نے بے سود روپیہ اور جانیں ضائع کیں۔

سندھ کا الحاق: امیرانِ سندھ کے ساتھ انگریزوں نے بہت پہلے سے تعلقات پیدا کر لیے تھے۔ دریائے سندھ کی تجارت بڑی نفع مند تھی۔ ۱۸۳۲ء میں اس کا اجازت نامہ انگریزوں نے حاصل کر لیا تھا لیکن بار بار انہیں خیال آتا تھا کہ کوئی دوسری طاقت سندھ میں نہ پہنچ جائے۔ وہ کوئی بہانہ چاہتے تھے تاکہ قدم آگے بڑھا کر ملک پر قابض ہو جائیں۔ جنگِ افغانستان کے بعد زبردستی ایک بہانہ بنا لیا گیا۔

انگریزوں نے تجارت کا اجازت نامہ لیتے وقت اقرار کیا تھا کہ سندھ میں سے کوئی فوج نہیں گزاریں گے۔ افغانستان پر حملہ کرتے وقت نہ محض انہوں نے یہ شرط بے تکلف توڑی اور ایک فوج بمبئی سے بھیجی جو سندھ میں سے گزری جس پر امیرانِ سندھ ناراض ہوئے، انگریزوں نے الٹا یہ الزام لگایا کہ امیر جنگِ افغانستان میں افغانوں کی مدد کرتے رہے ہیں اور چارلس نیپیئر کو

ہر قسم کے اختیارات دے کر سندھ بھیج دیا۔ ونسنٹ سمتھ نے بھی صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ لارڈ آک لینڈ نے بے پروائی سے عہد توڑا۔ لارڈ ایلن برا نے جان بوجھ کر جنگ کی صورت پیدا کی تاکہ سندھ کو انگریزی سلطنت میں شامل کر لے۔ سندھیوں نے پریشان ہو کر شورش بپا کی۔ نیپیر نے لڑائی چھیڑ دی۔ ۱۷ر فروری ۱۸۴۳ء کو امیرانِ سندھ کی فوج نے میانی میں شکست کھائی۔ مارچ میں انہیں ایک اور شکست حیدر آباد میں ملی۔ پھر سندھ کے الحاق کا اعلان کر دیا گیا۔ امیروں کو جلا وطن کر کے بنارس بھیج دیا گیا۔ نیپیر نے ستر ہزار پونڈ کی رقم بنام انعام لے لی۔ سندھ کی آزادی ختم ہوگئی۔ صرف خیر پور کی ریاست رہ گئی۔ اس وقت سے ۱۹۳۵ء تک کچھ کم ایک سو برس سندھ نہ محض آزادی سے محروم رہا بلکہ بمبئی کے ماتحت رکھ دینے کے باعث اس کی طبعی ترقیاں بھی رُکی رہیں۔

برما سے جنگ: پچاس برس کی جو مدت ہمارے زیرِ غور ہے، اس میں برما سے دو مرتبہ جنگ ہوئی۔ ان جنگوں کی کیفیت یہ ہے۔

۱۔ برمیوں نے اراکان اور آسام کے علاقے فتح کر لیے تھے۔ جو لوگ وہاں سے بھاگ کر انگریزی علاقے میں آئے، وہ برمی علاقوں پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ شاہِ برما نے سمجھا کہ یہ حملے انگریز کرا رہے ہیں۔ اس نے ۱۸۲۶ء (لارڈ ایمہرسٹ کے زمانے) میں لڑائی چھیڑ دی اور اپنے سپہ سالار کو سونے کی ایک زنجیر بنوا کر دے دی کہ اس میں ہندوستان کے انگریز گورنر جنرل کو باندھ کر برما لائے۔ انگریزوں نے رنگون پر قبضہ کر لیا۔ ایک فوج "آوا" بھیج دی، جو برما کا پایۂ تخت تھا۔ آخر شاہِ برما نے آسام، اراکان اور تناسرم کے علاقے دیے، ایک کروڑ تاوان ادا کیا اور اس طرح صلح ہوئی۔

۲۔ دوسری جنگ ڈلہوزی کے زمانے میں ہوئی۔ انگریز تاجروں نے حکومتِ برما کی بدسلوکیوں کی شکایتیں کی تھیں۔ ان کی تحقیقات کرانی چاہی تو شورش پیدا ہوگئی۔ انگریزی فوج نے رنگون اور پیگو پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ڈلہوزی کے زمانے میں برما کا مزید علاقہ انگریزوں کو مل گیا۔

الحاقِ اودھ: اودھ پر انگریز مدت سے دانت جمائے بیٹھے تھے۔ پہلے شاہ عالم ثانی کے لیے الہ آباد اور کڑا الگ کیے۔ پھر یہ علاقے شجاع الدولہ کے ہاتھ بیچے۔ آصف الدولہ سے فوج کے خرچ کے لیے کچھ علاقے لیے۔ سعادت علی خاں کو امدادی فوج کے نظام میں جکڑا تو اور علاقے چھین

لیے۔ لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ پادشاہ اودھ سے کہا کہ ملک کا انتظام خراب ہے، پادشاہ اپنے محل اور باغات میں مختار رہے، پندرہ لاکھ روپے اسے ملتے رہیں گے۔ اس نے انکار کیا تو اودھ کا انتظام خود سنبھال لیا اور پادشاہ کلکتہ جا بیٹھا۔ اس نے اپنی والدہ اور بیٹے کو چارہ جوئی کے لیے ولایت بھیجا۔ والدہ نے پیرس میں وفات پائی۔ واجد علی شاہ کو آخری دم تک کلکتہ میں بیس لاکھ روپے سالانہ ملتے رہے۔

مرہٹے، پنڈارے اور نیپال:

۱۔ باجی راؤ ثانی پیشوا نے امدادی فوج کی سکیم ۱۸۰۳ء میں مانی تھی۔ پھر گائیکواڑ بڑودہ سے اس کا جھگڑا ہو گیا۔ گائیکواڑ نے انگریزوں کے کہنے پر اپنے وزیر کو پونا بھیجا۔ پیشوا کے وزیر نے اسے مار ڈالا۔ ریزیڈنٹ نے وزیر کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ اس پر ۱۸۱۷ء میں جنگ ہو گئی۔ مرہٹہ سرداروں میں سے بھونسلا والی ناگپور نے شکست کھائی۔ ہلکر مر چکا تھا۔ اس کی رانی لڑنا نہیں چاہتی تھی۔ سرداروں نے زبردستی لڑائی چھیڑ دی اور ہار گئے۔ سندھیا کو لڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔ پیشوا کی فوج پونا کے پاس ''کھڑکی'' کی جنگ میں ہار گئی، وہ آٹھ لاکھ روپے پنشن لے کر بٹھور (نزد کان پور) جا بیٹھا اور پیشوائی ختم ہو گئی۔

۲۔ پنڈارے پہلے پہل اس وقت ظاہر ہوئے تھے جب مرہٹوں نے لوٹ مار شروع کی۔ ملک کی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر وہ بڑی قوت کے مالک بن گئے تھے۔ ان کے سرداروں میں سے کرم خاں، واصل محمد خاں اور چیتو نے بڑی شہرت پائی۔ مارکوئس ہیسٹنگز نے بعض کو زمینیں دے دیں، بعض نے لڑائی کی۔ چیتو آخر تک جنگ کرتا رہا۔ ۱۸۱۷ء میں وہ ایک جنگل میں چھپ گیا جہاں اسے شیر نے مار ڈالا۔

مؤرخین نواب امیر خاں کو بھی پنڈاروں ہی میں شامل کرتے ہیں حالاں کہ اسے پنڈاروں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ معمولی حیثیت سے اُٹھ کر بہت بڑی فوجی قوت کا مالک بن گیا تھا۔ برسوں راجپوتانہ میں سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا۔ جسونت راؤ ہلکر اسی کی مدد سے سردار بنا تھا اور اندور کی ریاست پائی تھی۔ ۱۸۱۷ء میں انگریزوں نے اسے ٹونک کی ریاست دے دی۔

۳۔ نیپال کے ساتھ ۱۸۱۶ء میں جنگ ہوئی۔ نیپالی ہار گئے۔ شملہ، مسوری، نینی تال اور

ترائی کا علاقہ دے کر انہوں نے انگریزوں سے صلح کی۔

متفرق واقعات:

۱۔ جارج بارلو کے عہد میں ویلور (مدراس) میں اس بنا پر سپاہی بگڑ گئے کہ انہیں حکم ملا تھا کہ خاص وضع کی پگڑیاں باندھیں اور خاص طریقے پر ڈاڑھیاں ترشوائیں۔ اس شورش میں ایک سو تیرہ انگریز مارے گئے۔

۲۔ ۱۸۱۹ء میں ہیسٹنگز نے سنگاپور لیا جو آگے چل کر ہندوستان کے جنوب مشرق میں عظیم الشان بحری مرکز بن گیا۔

۳۔ ایمہرسٹ کے عہد میں ۱۸۲۸ء میں شملہ حکومت انگلشیہ کا گرمائی مقام بنا۔ اس وقت سے شملہ کی پہاڑیوں میں رونق کا دور شروع ہوا۔

۴۔ ولیم بنٹنک نے مالی اور عدالتی اصلاحات کیں۔ تعزیراتِ ہند اس کے عہد میں مرتب ہوئی، نیز ٹھگی اور ستی کا انسداد کیا۔ ستی کے انسداد میں سب سے بڑا کام راجا رام موہن رائے نے کیا تھا۔ انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا فیصلہ بھی بنٹنک کے زمانے میں ہوا۔ ہندوستان کی زبانوں اور علوم پر یہ سب سے بڑی ضرب تھی جو انگریزوں نے لگائی۔

۵۔ ڈلہوزی نے مختلف ذریعوں سے سلطنت کی حدیں بڑھائیں۔ پنجاب اور برما کے مختلف حصے فتح کیے۔ اودھ کا الحاق عمل میں آیا۔ جھانسی، ناگ پور، ستارہ اور پانچ دوسری ریاستوں کے والیوں کے نرینہ اولاد نہ تھی، ان کی ریاستیں سلطنت میں شامل کرلیں۔ کرناٹک کے نواب کو وظیفہ دے کر الگ کر دیا اور نوابی کا خطاب چھین لیا۔ باجی راؤ ثانی مرا تو اس کا وظیفہ بند کر دیا اور اس کے متبنیٰ نانا صاحب کو معمولی جاگیر دے دی۔

۶۔ ڈلہوزی ہی کے عہد میں سڑکیں اور پل بنے، گنگا سے نہر نکلی، نیز ریلیں جاری ہوئیں، تار کا سلسلہ قائم ہوا۔

۷۔ ڈلہوزی ہی نے برار کو نظام سے پٹے پر لیا، جس نے آگے چل کر دوامی پٹے کی شکل اختیار کرلی۔

★.....★.....★

حواشی

1 Doctur Brydon

2 والدہ کو بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ تھی اور واجد علی شاہ کے مشیروں کی رائے تھی کہ ملکہ سے بیگم صاحبہ بات چیت کریں گی تو نتیجہ اچھا نکلے گا۔

ساتواں باب

ہندوستان تاجِ برطانیہ کے ماتحت

(۱۸۵۷ء۔۱۹۴۷ء)

وائسرائے: ڈلہوزی کے بعد "کیننگ" گورنر جنرل بن کر آیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہندوستان میں وہ ہنگامہ شروع ہو گیا جسے انگریز "غدر" کہتے ہیں اور ملکی لوگ جنگِ آزادی کا نام دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی کی حکومت ختم ہو گئی اور ہندوستان کا انتظام براہِ راست حکومتِ برطانیہ نے سنبھال لیا۔ کیننگ ابتدا میں صرف گورنر جنرل تھا۔ پھر وائسرائے یعنی نائب شاہ بھی بن گیا۔ بعد میں جتنے حاکم انگلستان سے مقرر ہو کر آئے، وہ سب وائسرے کہلاتے تھے۔ یہ زمانہ نوے برس پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں اہم اور قابلِ ذکر واقعات بہت کم ہوئے۔ سلطنت ڈلہوزی کے زمانے میں آخری حد تک پہنچ چکی تھی اور کوئی بڑا علاقہ انگریزوں کے اثر سے باہر نہیں رہا تھا۔ زیادہ تر انتظامات کی درستی پر توجہ رہی یا آئینی اصلاحات ہوئیں۔ ہم نوے برس کے عام حالات یہاں بیان کر دیں گے۔ سیاسی تحریکات اور آئینی اصلاحات کی کیفیت ترتیب کے ساتھ الگ پیش کریں گے۔ اس زمانے کے حاکموں کی ایک فہرست دے دینا مناسب ہے۔

نام	مدت	کیفیت
کیننگ Lord Canning	۱۸۵۶ء۔ ۱۸۶۲ء	
ایلجن اول (جسے عام طور پر ایلگن کہتے ہیں) Elgin	۱۸۶۲ء۔۱۸۶۴ء	دو سال بعد فوت ہو گیا
لارنس Lawrance	۱۸۶۴ء ۔ ۱۸۶۹ء	

نام	مدت	کیفیت
میو Lord Mayo	۱۸۶۹ء ۔۱۸۷۲ء	انڈیمان میں قیدی کے ہاتھ سے مارا گیا
نارتھ بروک Lord North Brook	۱۸۷۲ء ۔۱۸۷۶ء	اختلاف رائے کی بنا پر استعفےٰ دیا
لٹن Lord Lytton	۱۸۷۶ء۔۱۸۸۰ء	
رپن Lord Rippon	۱۸۸۰ء۔۱۸۸۴ء	اختلاف کی بناپر استعفےٰ دیا
ڈفرن Lord Dufferin	۱۸۸۴ء۔۱۸۸۸ء	
لینس ڈاون Lansdowne	۱۸۸۸ء۱۸۹۴ء	
ایلجن دوم Elgin II	۱۸۹۴ء۔۱۸۹۹ء	
کرزن Lord Curzon	۱۸۹۹ء۱۹۰۵ء	اختلاف کی بناپر استعفےٰ دیا
منٹو دوم Minto II	۱۹۰۵ء۱۹۱۰ء	
ہارڈنگ دوم Hardinge II	۱۹۱۰ء۱۹۱۶ء	
چمیسفورڈ Chelmsford	۱۹۱۶ء۔۱۹۲۱ء	
ریڈنگ Reading	۱۹۲۱ء۔۱۹۲۶ء	
اروِن Irwin	۱۹۲۶ء۔۱۹۳۱ء	
ولنگڈن Willingdon	۱۹۳۱ء۔۱۹۳۶ء	
لنلتھگو Linlithgow	۱۹۳۶۔۱۹۴۳ء	
ویول Wavell	۱۹۴۳ء۔ مارچ ۱۹۴۷ء	

غدر یا جنگِ آزادی کے اسباب: سب سے پہلے ''غدر'' یا جنگِ آزادی کا ذکر ضروری ہے، جس کے باعث ہندوستان کی حکومت کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر بادشاہِ انگلستان کے ہاتھ میں گئی۔

اس کی وجہ سے پرانی ملکی بادشاہی کا ہر نشان مٹا اور انگریز مستقل طور پر ہندوستان کے حکمران بنے۔

انگریزوں کے خلاف بے چینی تو اسی وقت شروع ہو گئی تھی جب انہوں نے تاجری کا لباس اتار کر حکومت کی عبا پہن لی تھی، لیکن ابتدا میں انہوں نے دیسی حکمرانوں کے پردے میں اپنا عمل دخل شروع کیا۔ کرناٹک کا ناظم محمد علی ان کے ہاتھ میں ایک بے جان بُت تھا اور بالکل یہی حالت میر جعفر کی تھی لیکن جب تک انگریزوں کے قدم پوری طرح جم نہ گئے اور ان کی حکمرانی کی گرفت مضبوط نہ ہو گئی، نہ کرناٹک کے نواب کو ہٹایا، نہ بنگال کے ناظم کا پردہ ہٹا کر ایک طرف کیا۔ اسی طرح مغل بادشاہ کا بُت بھی قائم رکھا۔ جب ہندوستان کی تمام قوتیں شل ہو کر رہ گئیں تو ڈلہوزی کے عہد میں سب پردے ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ مختلف دیسی حکمرانوں کو وظیفے دے کر الگ کیا۔ بازگشت کا قانون چلایا، یعنی جس ہندو رئیس کا کوئی وارث نہ رہے وہ ہندوؤں کے دستور کے مطابق کسی کو متبنّٰی نہ بنا سکے بلکہ ریاست سلطنت انگلشیہ میں شامل ہو جائے، حالاں کہ اصل دستور مغلوں نے اپنے دورِ عروج میں بھی قائم رکھا تھا۔ بعض ملکی سلطنتیں بد نظمی کے عذر کی بنا پر چھین لی گئیں، مثلاً اودھ کی سلطنت۔ مغل بادشاہی کا نام بھی ختم کر دینے کا فیصلہ ہو گیا۔ قرار پایا کہ بہادر شاہ ثانی کے بعد لال قلعہ کو خالی کرا لیا جائے اور شاہی خاندان کے لوگ قطب صاحب میں رہیں۔ اس طرح بے چینی بڑھتی گئی جس میں اضافے کے دوسرے سبب پیدا ہوتے گئے، مثلاً:

۱۔ پادریوں نے زور شور سے مسیحیت کا پرچار شروع کر دیا۔ حکومت کی حمایت کے بل پر وہ بالکل کھل کھیلے۔ عوام نے سمجھ لیا کہ انگریز ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اگر ہنگامہ نہ اٹھتا تو اس زمانے میں انگریزوں کی جو ذہنیت بن گئی تھی، اسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے بعید نہ تھا کہ لوگوں کو عیسائی بنانے کی تحریک منظم طریقے پر شروع ہو جاتی۔

۲۔ بعض ایسے قوانین منظور ہوئے، جن کی وجہ سے مذہب میں مداخلت کا دروازہ کھلا یا ایسا سمجھا گیا، مثلاً یہ قانون کہ اگر کوئی شخص عیسائی ہو جائے تو پدری میراث ضرور پائے گا۔ بیوہ ہندو عورتوں کو شادی کی اجازت دے دی جسے اس زمانے کے ہندو، دھرم کے خلاف سمجھتے تھے۔

۳۔ یہ فیصلہ ہو گیا کہ ہندوستانی فوجوں کو ہندوستان کے باہر بھی بھیجا جا سکے گا۔ جو لوگ

مذہب کی بنا پر سمندری سفر سے انکار کرتے تھے، انہیں بھرتی نہیں کیا جاتا تھا۔

۴۔ اودھ پر انگریزی قبضے کے بعد جو لوگ ملازمتوں سے الگ ہو گئے، انہوں نے جگہ جگہ بے چینی پھیلائی۔

۵۔ روس وسط ایشیا میں بڑھا چلا آ رہا تھا۔ ایران نے ہرات پر حملہ کر دیا تھا، جس کے مقابلے کے لیے "کیننگ" نے خلیج فارس میں جہاز بھیجے ان واقعات سے ہندوستانیوں کے دل میں خیال پیدا ہو گیا کہ انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کا مناسب وقت آ گیا ہے۔

۶۔ ہندوستان میں انگریزی فوج کم تھی اور ہندوستانی فوج زیادہ تھی۔

چپاتیاں اور کارتوس: غرض ۱۸۵۶ء میں انگریزوں کے خلاف تحریک جاری ہو گئی تھی۔ باجی راؤ ثانی آخری مرہٹہ پیشوا کا متبنیٰ ڈھونڈو پنت عرف نانا صاحب، جھانسی کی رانی لکشمی بائی، مولانا احمد اللہ مدراسی اور دوسرے قومی کارکن اس کام میں سرگرم تھے۔

اس غرض کے لیے دیہات میں چپاتیاں پھرائی گئیں، یعنی ایک آدمی چھ چپاتیاں لے کر گاؤں میں پہنچتا گاؤں کے مکھیا انہیں چپ چاپ لے لیتے تھے۔ پھر تازہ چھ چپاتیاں پکوا کر دوسرے گاؤں میں بھیج دیتے تھے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نشان کا مطلب کیا تھا؟ یہ کہاں سے شروع ہوا اور کہاں کہاں پھرا؟ اسے بھی انگریزوں کے خلاف سازش کا ایک نشان سمجھا گیا۔ اسی طرح فوجی چھاؤنیوں میں کنول کے پھول پھرائے گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک پوری طرح پروان نہیں چڑھی تھی، جب بارک پور (کلکتہ) کی چھاؤنی میں ایک برہمن سپاہی منگل پانڈے نے انگریز افسر کو مار ڈالا اور آگ بھڑکنے کا سامان ہو گیا۔ اس زمانے میں نئے کارتوس تقسیم ہوئے۔ چلانے سے پہلے ان کا ایک سرا دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ مشہور ہو گیا کہ ان کارتوسوں کو سؤر اور گائے کی چربی لگائی جاتی ہے، اس طرح انگریز ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا دھرم اور دین خراب کرنا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ میں شبہ نہیں کہ ان کارتوسوں کو گائے کی چربی ضرور لگائی جاتی تھی۔ ۳ر مئی ۱۸۵۷ء کو لکھنو کی پیادہ فوج بگڑ گئی۔ اس کے چار پانچ روز بعد میرٹھ کے فوجیوں نے یہ کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے پچاسی آدمیوں کو پکڑ کر قید کر دیا گیا۔ ۱۰ر مئی کو ان فوجیوں نے اُٹھ کر جیل کو توڑ دیا، اپنے ساتھیوں کو رہا کرایا، انگریز افسروں کو جان سے مارا، ان کے بنگلوں کو آگ لگا دی اور میرٹھ سے دہلی پہنچ گئے۔

اس طرح ہنگامہ شروع ہو گیا۔

دہلی میں بھی انگریز مارے گئے۔ میگزین پر حملہ ہوا، اس کے انگریز افسر نے جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھی تو میگزین کو آگ لگا دی۔ خود بھی اپنے ساتھیوں سمیت جل مرا اور حملہ آوروں میں سے بھی بہتیرے مارے گئے۔ بہادر شاہ ثانی اطمینان سے بیٹھا زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا گیا، اگرچہ اس غریب کو بادشاہی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نہ اس کے پاس ضروری سامان اور روپیہ تھا اور نہ وہ دماغی یا جسمانی اعتبار سے ایسی کسی تحریک کو باقاعدہ چلا سکتا تھا۔

ہنگامے کے بڑے مرکز: ہنگامے کے اثرات دُور دُور پہنچے، جگہ جگہ آگ بھڑکی، لیکن اس کے بڑے مرکز پانچ تھے۔ اوّل دہلی، دوم لکھنؤ، سوم کان پور، چہارم روہیل کھنڈ، پنجم وسط ہند اور بندھیل کھنڈ۔ ان میں سے آخری چار مرکزوں کی سرسری کیفیت یہ ہے۔

۱۔ لکھنؤ میں واجد علی شاہ کے ایک بیٹے برجیس قدر کو نواب وزیر اودھ بنایا گیا۔ اس کی والدہ حضرت محل سرپرست بنی۔ سر ہنری لارنس وہاں چیف کمشنر تھا۔ اس نے ریزیڈنسی میں بیٹھ کر مقابلے کا بندوبست کیا لیکن شروع ہی میں مارا گیا۔ ۲۵ ستمبر کو اوٹرم اور ہیولاک وہاں پہنچے۔ چوں کہ فوج کم تھی اس لیے ۲۳ نومبر کو لکھنؤ چھوڑ کر آ گئے۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں شہر فتح ہوا۔ برجیس قدر اور حضرت محل نیپال کی طرف چلے گئے۔ اس حصے میں مولانا احمد اللہ شاہ بھی لڑائیاں لڑتے رہے۔

۲۔ کان پور کا انتظام نانا صاحب نے سنبھال لیا تھا۔ انگریزوں نے مقابلہ کیا۔ جب بے بس ہو گئے تو اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ انہیں الہ آباد جانے کی اجازت دے دی جائے۔ کشتیوں پر سوار ہوئے تو حملہ شروع ہو گیا اور بہت سے انگریز مارے گئے۔ آخر کان پور فتح ہو گیا۔ نانا صاحب نیپال کی طرف چلا گیا۔ پھر اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔

۳۔ روہیل کھنڈ کے مرکز بریلی میں حافظ رحمت خاں کے پوتے خان بہادر خاں نے حکومت قائم کر لی۔ مئی ۱۸۵۸ء میں وہاں امن قائم ہوا۔ مولانا احمد اللہ نے یہاں بھی بڑی سرگرمی سے کام کیا تھا لیکن انہیں ایک ہندو رئیس نے دھوکے سے شہید کر دیا۔

۴۔ بندھیل کھنڈ میں سب سے بڑی کارکن رانی جھانسی تھی، جو مردانگی سے لڑی۔ جب

جھانسی میں ٹھہرنے کی گنجائش نہ دیکھی تو کالپی کی طرف بڑھی۔ کالپی بھی انگریزوں نے لے لیا تو گوالیار پہنچی۔ مردانہ لباس پہن لیا تھا۔ لڑتی ہوئی میدان جنگ میں ماری گئی۔ انگریزوں کے نزدیک "باغیوں" میں وہ سب سے بہادر تھی۔

دہلی: اصلی مرکز دہلی تھا اور اسی کے بچاؤ پر ساری تحریک کی کامیابی کا دارومدار تھا۔ انگریزوں نے ستمبر ۱۸۵۷ء میں دہلی پر حملہ کیا، شہر فتح ہو گیا۔ بہادر شاہ ثانی بچوں سمیت قلعہ سے نکل کر ہمایوں کے مقبرے میں چلا گیا۔ ہزاروں اہلِ شہر بھی باہر چلے گئے۔ ہڈسن نام انگریز نے بادشاہ کو اس شرط پر حوالگی کے لیے رضامند کیا کہ اس کی، زینت محل بیگم اور شہزادہ جواں بخت کی جانیں سلامت رہیں گی۔ باقی شہزادوں کو ہڈسن نے دہلی جیل کے سامنے گولیوں سے ہلاک کر دیا۔ اس مقام پر ایک پرانا دروازہ ہے جو اب تک "خونی دروازہ" کہلاتا ہے۔

جنرل بخت خاں بریلوی نے بادشاہ سے بہت کہا کہ انگریزوں کے فریب میں نہ آیئے، لیکن وہ زینت محل بیگم! راپنے خاندان کے ایک فرد میرزا الٰہی بخش کی باتوں میں آ گیا جو انگریزوں سے ملے ہوئے تھے۔ جنرل بخت خاں اپنے آدمیوں کو لے کر سرحد آزاد میں پہنچ گیا۔ وہاں شہزادہ فیروز شاہ بھی اس سے جاملا، شہزادہ بعد میں ترکستان چلا گیا۔

بہادر شاہ پر مقدمہ چلا اور اسے رنگون جلاوطن کر دیا گیا۔ وہیں اس نے وفات پائی۔ ہزاروں بے گناہوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ ہزاروں قید ہوئے۔ لوگوں کے گھر اور جائیدادیں لٹ گئیں۔ کئی بڑے بڑے جاگیرداروں کی جاگیریں چھین لی گئیں۔ علما کی ایک بڑی جماعت کو کالے پانی بھیج دیا گیا۔ ان میں مولانا فضل حق خیر آبادی بھی تھے۔

ناکامی کے اسباب: تحریک کی ناکامی کے بڑے سبب یہ تھے:

۱۔ یہ پوری تیاری کیے بغیر اچانک شروع ہو گئی۔

۲۔ اچھے کارکن موجود تھے مگر انہیں کام کا پورا موقع نہ مل سکا۔

۳۔ مختلف حصّوں کے کارکن آپس میں اتحاد پیدا نہ کر سکے اور ان کی کوششوں میں یک جہتی نہیں تھی۔

۴۔ اکثر والیانِ ریاست نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔

۵۔ آبادی کے تمام طبقے اس میں شریک نہ ہوئے، خصوصاً سکھوں نے اور ان کے والیانِ

ریاست نے سرگرمی سے انگریزوں کی حمایت کی۔

۶۔ بہادر شاہ اور اس کے بیٹے نہ دہلی میں حکومت کا اچھا بندوبست کر سکے، نہ مختلف حصّوں کے کارکنوں سے انہوں نے کوئی رابطہ پیدا کیا اور نہ مختلف والیانِ ریاست کو نامہ و پیام کے ذریعہ سے اپنے ساتھ ملانے کے لیے کوئی قدم اٹھایا۔ اگر وہ دہلی کو بھی سال دو سال بچائے رکھتے تو تحریک قوت پکڑ جاتی اور اس کا دائرہ اثر دُور دُور تک پھیل جاتا۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، ''غدر'' کے بعد ہندوستان کا نظامِ حکومت براہِ راست حکومتِ برطانیہ کے قبضے میں آ گیا۔ کمپنی کا سلسلۂ حکمرانی ختم ہوتے ہی بورڈ آف کنٹرول ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ وزیرِ ہند کا دفتر بن گیا۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ وکٹوریہ نے ایک اعلان کیا، جس کے خاص نکتے یہ تھے کہ کسی شخص کے مذہب میں دخل نہ دیا جائے گا۔ حکومت کی نگاہ میں ہندو مسلمان اور عیسائی برابر ہیں۔ قانون سب کے لیے یکساں ہوگا۔ نئے قانون بناتے وقت ہندوستانیوں کے رسوم و رواج کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ والیانِ ریاست کے ساتھ کمپنی نے جو عہد نامے کیے ہیں، وہ سب برقرار رہیں گے۔ اس اعلان میں ان تمام لوگوں کو معافی دے دی گئی جنہوں نے تحریکِ آزادی میں حصّہ لیا تھا۔ صرف وہ لوگ اس اعلان سے الگ رکھے گئے، جن کے خلاف قتل کے الزامات تھے۔

''غدر'' کے بعد: ''غدر'' کے بعد کیننگ نے تعزیراتِ ہند کے دیوانی اور فوجداری ضابطے جاری کیے۔ ایک قانون کے ذریعہ سے کاشت کاروں کی حالت بہتر بنانے کا بندوبست ہوا۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں ہائی کورٹ بن گئے۔ یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ پرائمری اور مڈل سکول جاری ہوئے۔ 'غدر' میں بہت روپیہ خرچ ہوا تھا، اس لیے خسارہ پورا کرنے کی غرض سے نئے ٹیکس لگائے گئے جن میں انکم ٹیکس خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

ایلجن اوّل کے زمانے کا صرف ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ سرحد میں امبیلہ کے مقام پر ۱۸۶۳ء میں انگریزوں اور آزاد قبیلوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی۔ سید احمد بریلوی کی شہادت کے بعد ان کے غازیوں کی ایک جماعت سرحد ہی میں ٹھہر گئی تھی۔ اس طرح انہوں نے آزادی کی تحریک قائم رکھی۔ اہلِ سرحد میں سے ستھانہ (سرحد آزاد) کے سادات نے ان کا پورا ساتھ دیا اور اپنا سب کچھ آزادی کی راہ میں لٹا دیا۔ انہوں نے مہابن پہاڑ میں ملکا نام مقام پر اپنا

مرکز قائم کر لیا تھا، انگریز اس مرکز کو تباہ کرنا چاہتے تھے اور درہ امبیلہ کے راستے وہ ملکا جانے کے آرزومند تھے۔ ہندوستانی غازیوں اور ستھانہ کے سیدوں نے آزاد قبیلوں میں حرکت پیدا کر دی۔ اس طرح جنگ شروع ہو گئی، جو کم و بیش دو مہینے جاری رہی۔

ہندوستانی غازیوں کو ملک کے مختلف حصّوں سے روپے اور آدمیوں کی مدد پہنچتی رہتی تھی۔ ایلجن کے بعد لارنس حاکم بن کر آیا تو امداد کے مرکزوں کا پتہ لگانے کی کوشش شروع ہوئی۔ مردان کے ایک پٹھان غزن خاں نے اپنے بیٹے کو غازیوں کی جماعت میں شامل کرا کے پورا سراغ لگایا اور انگریزوں کے پاس رپورٹ پیش کی۔ غازیوں کے مددگار پکڑے گئے۔ ان میں سے صادق پور (پٹنہ) کے علما مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی اور مولانا عبدالرحیم، نیز تھانیسر کے مولوی محمد جعفر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان پر مقدمے چلے اور کالے پانی کی سزا ملی۔ دوسرے لوگ بھی پکڑے گئے اور ان پر بھی مقدمے چلے۔ لارڈ میو کے زمانے میں صوبوں کا انتظام ایک ڈھنگ پر آیا اور انہیں بعض رقمیں خود خرچ کرنے کا اختیار ملا۔ نارتھ بروک کے عہد میں ہندوستانیوں کو زیادہ تعداد میں ملازمتیں ملنے لگیں۔ لارڈ لٹن کے عہد میں مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی تحریک جاری ہوئی اور سرسید احمد خاں کی کوششوں سے علی گڑھ میں کالج بنا۔

قحط پہلے بھی پڑتے تھے۔ انگریزوں کے عہد میں اس طرح پڑنے لگے کہ شاید ہی کسی وائسرائے کا عہد قحط کے ذکر سے خالی ہو۔ ۱۸۶۱ء میں ایک قحط پڑا۔ ۱۸۶۶ء میں اڑیسہ میں خشک سالی کے باعث حالات نے ہولناک شکل اختیار کی۔ پھر سخت سیلاب آ گیا۔ ان بلاؤں میں بیس لاکھ جانیں ضائع ہوئیں۔ ۱۸۷۲ء میں بہار میں قحط پڑا۔ دو برس بعد جنوبی ہند پر یہی آفت نازل ہوئی۔

دوسری جنگ افغانستان: پہلی جنگ افغانستان آک لینڈ کے زمانے میں چھڑی تھی جس میں بے فائدہ جانیں اور روپیہ ضائع ہوا۔ امیر دوست محمد خاں کی وفات پر اس کا بیٹا شیر علی امیر بنا۔ اس نے انگریزوں سے دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ اس غرض کے لیے ایک مرتبہ ہندوستان بھی آیا اور لارڈ میو سے انبالے میں بات چیت کی۔ جب انگریزوں نے معاہدے پر توجہ نہ کی تو شیر علی خاں روس کی طرف جھک گیا۔ انگریزوں نے معاملات کو دانش مندی کے ساتھ سلجھانے کی جگہ والیِ قلات سے کوئٹہ لے کر وہاں چھاؤنی کی بنیاد ڈال دی، اس طرح امیر کو ڈرانا چاہا۔ اس کا اثر اُلٹا ہوا، یعنی رُوس کے ساتھ امیر کے تعلقات اور بڑھ گئے۔ لٹن نے انگریز سفیر کو کابل بھیجنا چاہا، امیر کو تعلقات

پیدا کرنے سے انکار نہ تھا لیکن وہ کہتا تھا کہ انگریز سفیر کابل میں رہے گا تو افغان بگڑ بیٹھیں گے۔ لٹن نے ایک نہ سنی اور سفیر بھیج دیا جسے خیبر میں آزاد قبیلوں نے روک لیا۔ لٹن نے جوش میں آ کر جنگ چھیڑ دی۔

اعلانِ جنگ کے ساتھ ہی انگریزی فوجیں خیبر، کرم اور بولان کے درّوں سے افغانستان میں بڑھیں۔ شیر علی خاں کابل کو چھوڑ کر ہرات چلا گیا۔ اس کا فرزند یعقوب خاں امیر بن گیا۔

عہد نامۂ گندمک: یعقوب خاں نے گندمک (افغانستان) کے مقام پر ۱۸۷۹ء میں انگریزوں سے عہد نامہ کر لیا جس کے مطابق کوئٹہ کے شمال میں پشین اور دوسرے اضلاع انگریزوں کے حوالے کر دیے اور انگریز سفیر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ کابل میں رہنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انگریزوں کی طرف سے کیوک ناری[1] کابل پہنچ گیا۔ تھوڑے دن بعد افغان بگڑے اور انہوں نے کیوک ناری کو ساتھیوں سمیت قتل کر ڈالا۔ یعقوب خاں کوشش کے باوجود کسی کو نہ بچا سکا۔ انگریزوں نے پھر فوجیں افغانستان بھیجیں۔

شیر علی خاں کی رائے درست تھی کہ سفیر نہ بھیجا جائے، انگریز نہ زمانے یعقوب خاں کو انگریز سفیر کے قتل سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ صحیح حالات بنانے کے لیے انگریزی لشکر گاہ میں پہنچا تو اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اس غریب نے باقی زندگی نظر بندی کی حالت میں ہندوستان میں گزاری۔ افغانستان میں افراتفری پھیل گئی۔

ایوب خاں اور عبدالرحمٰن: یعقوب خاں کے چھوٹے بھائی ایوب خاں نے ہرات میں فوج تیار کی اور انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ میوند (درمیان ہرات و قندھار) کے مقام پر انگریزوں کو فاش شکست دی اور آگے بڑھ کر قندھار کا محاصرہ کر لیا۔ پھر انگریز جرنیل رابرٹس فوج لے کر پہنچا۔ ایوب خاں قندھار سے ہٹ کر ایران چلا گیا۔ بعد میں وہ بھی ہندوستان آ گیا اور باقی عمر لاہور میں گزاری۔

انگریز پہلے افغانستان کو مختلف حصّوں میں بانٹ کر چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنا دینا چاہتے تھے۔ یہ بات چل نہ سکی تو امیر شیر علی خاں کے بھتیجے عبدالرحمٰن خاں کو روس سے بلا کر افغانستان کا تخت سونپ دیا۔ اس طرح ۱۸۸۰ء میں یہ جنگ ختم ہوئی۔ پہلی جنگ کی طرح یہ بھی بالکل بے سود

تھی۔اس میں بھی خواہ مخواہ روپیہ اور جانیں ضائع ہوئیں۔

البرٹ بل: لارڈ رپن کے عہد میں لوکل گورنمنٹ یعنی میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کا قانون جاری ہوا۔ زراعت اور تعلیم کی حالت بہتر ہوگئی۔ ۱۸۸۱ء میں ہندوستان کی باقاعدہ مردم شماری شروع ہوئی۔ لارڈ لٹن نے دیسی اخباروں پر پابندیاں لگائی تھیں، رپن نے وہ منسوخ کر دیں۔ رپن کے زمانے کا خاص طور پر قابلِ ذکر وہ قانون ہے جو البرٹ بل کہلاتا ہے، اس لیے کہ وایسرائے کی کونسل کے ایک ممبر البرٹ نے اسے تیار کیا تھا۔ انگریز اپنے ہندوستانی ملازموں سے بُرا برتاؤ کرتے تھے۔ اگر ان کی مار سے کوئی ملازم مر بھی جاتا تھا تو قاتل معمولی سزا پا کر رہا ہو جاتا تھا۔ رپن چاہتا تھا کہ انگریز اور ہندوستانی کے درمیان یہ امتیاز باقی نہ رہے۔ اس نے البرٹ سے کہہ کر قانون بنوایا کہ انگریزوں کے مقدمات سننے کا اختیار ہندوستانی ججوں کو بھی دیا جائے۔ پہلے یہ اختیار صرف انگریز ججوں کو تھا۔ اس پر انگریزوں نے مخالفت کا شور مچایا۔ آخر طے ہوا کہ انگریزوں کے مقدمات ہندوستانی ججوں کے سامنے پیش ہوں تو جو بنچ بیٹھے تو اس کے آدھے ممبر ہندوستانی اور آدھے انگریز ہوں۔

ڈفرن کے زمانے میں برما سے جنگ ہوئی جو برما کی تیسری جنگ کہلاتی ہے۔ اس میں پورا برما انگریزوں کے قبضے میں آ گیا۔ اسی زمانے میں نیشنل کانگرس کی بنیاد پڑی۔ بعد میں افغانستان اور ہندوستان کے درمیان ایک حد قائم ہوئی جو ڈیورنڈ لائن کہلاتی ہے۔ اس لیے کہ حد لگانے کا کام سر مارٹیمر ڈیورنڈ نے انجام دیا تھا۔ ۹۶-۱۸۹۵ء میں یو۔پی صوبجات متوسط، بہار اور پنجاب کے مختلف حصّوں میں سخت قحط پڑا جس میں ساڑھے سات لاکھ جانیں ضائع ہوئیں۔ پھر طاعون کی وبا ہندوستان میں نمودار ہوئی جس میں بیس لاکھ آدمی مرے۔ انگریزوں نے وبائی روک تھام کے لیے جو تدبیریں اختیار کی تھیں، ان پر اَن پڑھ ہندوستانی بگڑ گئے۔ عام لوگوں کے بلوے میں پونا میں دو ڈاکٹر مارے گئے جو طاعون کے ٹیکے کر رہے تھے۔ وائسرائے کی بیوی لیڈی ڈفرن کے نام پر ایک فنڈ جمع ہوا جسے زنانہ بہبود کے کاموں میں خرچ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ لاہور میں اسی فنڈ سے زنانہ ہسپتال بنا۔

کرزن: کرزن ہندوستان کے مشہور انگریز حاکموں میں سے ہے۔ اس کے عہد میں نئی نہریں بنانے پر خاص توجہ ہوئی، نیز:

۱۔ افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن خاں نے وفات پائی اور اس کی جگہ امیر حبیب اللہ خاں مسند نشین ہوا۔

۲۔ تبت میں ایک روسی ایجنٹ آ گیا تھا، کرزن نے اسے نکلوایا اور تبت سے خراج وصول کیا۔

۳۔ ملکہ وکٹوریہ نے چونسٹھ برس کی حکمرانی کے بعد ۱۹۰۱ء میں انتقال کیا۔ اس کا لڑکا ایڈورڈ ہفتم کے لقب سے پادشاہ بنا اور جنوری ۱۹۰۳ء میں اس کی تاجپوشی کا دربار دہلی میں ہوا۔

۴۔ برار کو ۱۹۰۲ء میں نظام سے دوامی پٹے پر لے لیا گیا۔

۵۔ تعلیمی اور مالی اصلاحات پر خاص توجہ ہوئی۔ آثار قدیمہ کی حفاظت کا محکمہ بنا۔ پولیس کی تربیت کے لیے سکول کھولے گئے۔

۶۔ پنجاب میں زمینداروں کی زمینیں ساہوکاروں کے قبضے میں جا رہی تھیں۔ ۱۹۰۱ء میں قانون انتقال اراضی بنا جس کا مطلب یہ تھا کہ زراعت پیشہ کی زمین غیر زراعت پیشہ کے ہاتھ فروخت نہ ہو۔

۷۔ انجمن ہائے امداد باہمی کا سلسلہ جاری ہوا جن کی غرض یہ تھی کہ دیہاتی آبادی کو معمولی ضرورتوں کے لیے قرضہ ملتا رہے اور چھوٹی چھوٹی قسطوں میں قرضے ادا ہوتے رہیں۔

۸۔ بنگال کی تقسیم عمل میں آئی۔ اس صوبے میں سے ڈھاکہ، چاٹگام اور راج شاہی کے ڈویژن الگ کر کے آسام میں ملا لیے گئے اور نئے صوبے کا صدر مقام ڈھاکہ مقرر ہوا۔ باقی بنگال الگ رہا۔

۹۔ سرحد میں پہلے سے انگریزوں کی یہ پالیسی تھی کہ جگہ جگہ فوجی چوکیاں بن جائیں۔ اس پالیسی کی وجہ سے کئی مرتبہ لڑائیاں ہوئیں۔ کرزن نے اس کی جگہ مصالحت کی پالیسی جاری کی اور آزاد قبائل کے لوگوں کی ملیشیا بنا دی۔ سرحدی چوکیوں اور راستوں کی حفاظت کا کام بھی ملیشیا کو سونپ دیا۔ قبائل میں سے مختلف خوانین کو وظیفے دیے گئے۔ پنجاب کے سرحدی اضلاع کو الگ کر کے شمال و مغربی سرحدی صوبے کے نام سے

علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا۔ اس طرح آزاد علاقے میں پر امن پیش قدمی کا راستہ صاف ہوا۔

منٹو سے چیمسفرڈ تک: بنگال کی تقسیم پر بنگالیوں نے سخت شورش بپا کی۔ بم چلنے لگے، انگریزوں پر قاتلانہ حملے ہوئے، بدیشی کپڑے کے بائیکاٹ کی تحریک جاری ہوئی۔ منٹو کے عہد میں حالت خاصی نازک رہی۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی۔ ایڈورڈ ہفتم ۱۹۱۰ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا جارج پنجم کے لقب سے بادشاہ بنا۔ وہ تاجپوشی کے لیے خود ہندوستان آیا۔ دہلی میں دربار ہوا جس میں اعلان ہوا کہ:۔

۱۔ کلکتہ کی جگہ دہلی ہندوستان کا مرکزِ حکومت ہوگا۔

۲۔ تقسیمِ بنگال منسوخ کی جاتی ہے۔ آسام الگ صوبہ رہے گا۔ بہار و اڑیسہ کو ملا کر الگ صوبہ بنا دیا جائے گا۔

۳۔ ہندوستانی سپاہیوں کے حقوق گوروں کے برابر ہوں گے۔

۴۔ پٹنہ، ڈھاکہ اور رنگون میں نئی یونیورسٹیاں بنیں گی۔

نئی دہلی کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ کلکتہ چھوڑ کر دہلی آیا تو اس پر بم گرا۔ وائسرائے اور اس کی بیوی زخمی ہو گئے۔ مسلمانوں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے لیے بڑی رقمیں جمع کیں۔

لارڈ منٹو اور لارڈ مارلے وزیرِ ہند نے مل کر اصلاحات کی سکیم بنائی تھی، وہ منظور ہو کر ۱۹۱۱ء میں جاری ہو گئی۔ ۱۹۱۴ء میں یورپ کی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ ہندوستانیوں نے اس جنگ میں انگریزوں کی حمایت میں عظیم الشان قربانیاں کیں۔ اسی کے دوران میں اعلان ہوا کہ انگریز ہندوستانیوں کو زیادہ سے زیادہ حقوق دینا چاہتے ہیں۔ پھر مسٹر مانٹیگو وزیرِ ہند خود ہندوستان آیا۔ یہاں کے سیاسی لیڈروں سے مشورے لے کر اصلاحات کی نئی سکیم تیار کی جو مانٹیگو چیمسفرڈ سکیم کہلاتی ہے اور عام لوگ اسے دوعملی کا نظام کہتے ہیں۔

ریڈنگ سے ولنگڈن تک: چیمسفرڈ کے زمانے میں اصلاحات کے ساتھ ساتھ ایک قانون بنا جو راؤلٹ ایکٹ کہلاتا ہے۔ ہندوستانی اسے "کالا قانون" کہتے تھے۔ اس میں باغیانہ جرموں کے لیے خاص اختیارات لیے گئے تھے۔ ہندوستانی پہلے تو نئی اصلاحات پر خفا تھے، اس لیے کہ

انہیں پوری آزادی نہیں ملی تھی حالاں کہ جنگ میں عظیم جانی اور مالی قربانیوں کی بنا پر وہ آزادی کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ کالے قانون نے ان کو برانگیختہ کر دیا۔ یہی زمانہ ہے جب گاندھی جی ہندوستان کی سیاست میں عملاً داخل ہوئے اور ستیہ گرہ یعنی جابرانہ قوانین کے پُر امن مقابلے کی تحریک جاری کی۔ جگہ جگہ جلسے ہوئے، بلوے ہوئے، پنجاب کے گورنر اوڈ وائر نے بڑی سختیاں کیں۔ جگہ جگہ مارشل لا لگا دیا۔ جلیانوالہ باغ (امرت سر) میں نہتے ہجوم پر گولی چلائی گئی۔ اس پر ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر ترکِ موالات یعنی انگریزوں کی اعانت سے علیحدگی کی تحریک جاری کی جس میں کونسلوں، کالجوں اور سکولوں، عدالتوں اور بدیشی مال کا بائیکاٹ شامل تھا۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو پوری آزادی ملے۔ پنجاب کے ظلموں کی تلافی کی جائے۔ جنگ یورپ میں ترک انگریزوں کے خلاف لڑے تھے، انگریزوں نے فتح پائی تو خلافت کو مٹانے کا ارادہ کر لیا۔ نیز حسین شریفِ مکہ کے ذریعہ سے حجاز میں ان کا دخل بڑھ گیا تھا۔ اس لیے خلافت کی بحالی اور جزیرۃ العرب کی آزادی کو بھی قومی مقاصد میں شامل کر لیا گیا۔

۱۹۲۱ء میں امیر حبیب اللہ خاں مارا گیا اور اس کا تیسرا بیٹا امان اللہ خاں پادشاہ بن گیا۔ انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی، لیکن جلد فتح ہو گئی اور افغانستان اپنی خارجہ پالیسی میں آزاد ہو گیا۔

ریڈنگ کے عہد میں تحریکِ ترکِ موالات زور سے چلی۔ ہزاروں آدمی جیلوں میں چلے گئے۔ گاندھی جی بھی قید ہو گئے۔ پھر فرقہ وار فسادات پھوٹ پڑے۔ اروِن کے عہد میں ۱۹۲۷ء میں ایک کمیشن مقرر ہوا کہ نئی اصلاحات کی سکیم تیار کرے۔ اس کا صدر جان سائمن تھا، لہٰذا یہ سائمن کمیشن کہلاتا ہے۔ اس کی رپورٹ پر سب نے ناپسندیدگی ظاہر کی۔ ہندوستان میں سول نافرمانی شروع ہو گئی۔ لارڈ اروِن نے لندن میں گول میز کانفرس کا انتظام کرایا جس کے نتیجے میں ۱۹۳۵ء کا آئین حکومت بنا۔ اس کا جو حصہ صوبوں کے نظام سے تعلق رکھتا تھا، وہ ۱۹۳۷ء میں جاری کر دیا گیا۔

۱۹۲۹ء میں افغانستان میں امان اللہ خاں کے خلاف شورش اٹھی۔ وہ تاج و وطن چھوڑ کر روما چلا گیا اور نادر خاں پادشاہ بن گیا۔

لنتھگو۔ لارڈ ویول: لنتھگو کے زمانے میں کانگرس اور لیگ میں سمجھوتے کی کوشش ہوتی رہی۔ دوسری جنگِ یورپ چھڑی جس میں لیگ نے غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کی، یعنی نہ خود

امداد میں نمایاں حصہ لیا، نہ کسی کو امداد سے روکا۔ کانگرس نے انگریزوں کو مدد دینے کی سخت مخالفت کی۔ جنگ ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی تھی۔ ابتدا میں ہٹلر کو بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں، پھر وہ شکستیں کھانے لگا۔ اس اثنا میں جاپان نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ وہ فلپائنز، جاوا، برما، ملایا پر قابض ہو کر ہندوستان کی سرحد پر آ پہنچا۔ لنلتھگو کی جگہ لارڈ ویول کو وائسرائے بنا دیا گیا جو جنگی آدمی تھے اور ہندوستان کی حفاظت کے لیے جنگی آدمی ہی کی ضرورت تھی۔ باقی حالات آئینی اصلاحات کے باب میں بیان ہوں گے۔

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ Cavagnari

۲ Mortimer Durand

آٹھواں باب

آئینی اصلاحات اور سیاسی تحریکات

۱۸۶۱ء کا قانون: ہندوستان میں انگریزی حکومت کا ابتدائی خاکہ ۱۷۷۳ء کے "ریگولیٹنگ ایکٹ" (انتظامی قانون) نے پیش کیا تھا۔ سات برس بعد "پٹ کا قانونِ ہند" بنا۔ جب ہندوستان کی حکومت براہ راست پارلیمنٹ کے ہاتھ آئی اور کمپنی بیچ میں سے نکل گئی تو کسی ملکی قوت کی جانب سے کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا تھا۔ سب طاقتیں مٹ چکی تھیں۔ جنگ کی سکت کسی میں نہیں رہی تھی اور تقریروں کے ذریعہ سے ہنگامہ پیدا کر کے اختیارات حاصل کرنے کے ڈھنگ سے ہندوستانی آشنا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ۱۸۶۱ء میں لارڈ کیننگ کے عہد میں "انڈین کونسلز ایکٹ" (ہندوستانی کونسلوں کا قانون) بنا جسے آئینی اصلاحات کا سنگِ بنیاد سمجھنا چاہیے۔ اس کا خلاصہ یہ تھا:

۱۔ وایسرائے کی مجلسِ انتظامیہ (ایگزیکٹو کونسل) کے ممبر چار کی جگہ پانچ کر دیے گئے۔

۲۔ قانون ساز مجلس کو زیادہ اختیارات مل گئے۔ نیز اس کے ممبروں میں کم سے کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بارہ کے اضافے کا فیصلہ ہو گیا، جن میں سے آدھے ممبرں کا غیر سرکاری ہونا ضروری تھا۔

انڈین نیشنل کانگرس: رفتہ رفتہ حالات بدلنے لگے۔ "غدر" نے لوگوں کے دلوں میں جو ہراس پیدا کر دیا تھا، وہ دُور ہو گیا۔ انگریزی پارلیمنٹ کے حالات کو دیکھ کر یہاں بھی ویسے ہی حالات پیدا کرنے کا خیال لوگوں کو ہوا۔ لارڈ رپن کے عہد میں میونسل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ بن گئے۔ ان میں ہندوستانیوں کو اپنی قابلیت کا اچھا اندازہ ہو گیا اور ان کے دل میں زیادہ اختیارات کی آرزو پیدا ہوئی۔ "البرٹ بل" کی بحث میں انگریزوں نے نسلی امتیاز قائم رکھنے پر زور دیا تھا۔ اس سے ہندوستانیوں کے جذبات کو سخت ٹھیس لگی۔ بعض نیک دل انگریزوں نے سوچا کہ اہلِ ملک کا اندر ہی اندر کڑھنا ٹھیک نہیں، انہیں تقریروں کے ذریعے سے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جانا

چاہیے۔ اس بنا پر سہارا دے کر پڑھے لکھے ہندوستانیوں کو کھڑا کر دیا اور ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد پڑی۔ ایک انگریز مسٹر ہیوم ہندوستانیوں کی اس پہلی سیاسی انجمن کا سرپرست اور اصلی کارکن تھا۔

کانگرس قائم کرنے کی غرض یہ تھی کہ ہندوستانیوں کے لیے ملک کے انتظام میں زیادہ حقوق حاصل کیے جائیں اور انہیں بھی اونچے عہدے دلائے جائیں۔ کانگرس نہ اس زمانے میں عوام کی نمائندہ جماعت تھی، نہ عام لوگوں سے اسے کوئی تعلق تھا، نہ وہ ایسی کوئی بات زبان پر لاتی تھی جس سے انگریز حاکموں میں ناراضی پیدا ہو۔ ہر سال کسی مقام پر اس کا جلسہ ہوتا۔ عام طور پر وکیل اور بیرسٹر اس میں شامل ہو جاتے۔ نرمی کے ساتھ حکومت کو بعض ضروری باتوں کی طرف توجہ دلا کر سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ پھر یہ صورت پیدا ہوئی کہ جو شخص کانگرس میں کوئی عہدہ لے لیتا، وہ تھوڑی دیر بعد حکومت میں اونچا منصب حاصل کر لیتا۔

۱۸۹۳ء کی اصلاحات: پہلی اصلاحات پر تیس برس گزر گئے تو لارڈ ڈفرن نے نئی اصلاحات کا خاکہ تجویز کیا، جس کے مطابق ۱۸۹۳ء میں ہندوستانی کونسلوں کا جدید قانون بنا۔ اس سے پہلے میونسپل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ بن چکے تھے اور انہیں اطمینان کے ساتھ کام کرتے ہوئے کئی برس ہو چکے تھے۔ نئے قانون کے مطابق مرکز اور صوبوں کی کونسلوں میں غیر سرکاری ممبروں کی تعداد بڑھا دی گئی۔ تجارتی ایوانوں، میونسپل کمیٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور یونیورسٹیوں کو نمائندے بھیجنے کا حق دے دیا گیا اور انتخاب کا طریق پہلی مرتبہ جاری ہوا۔ اس سے پیشتر تمام ممبر نامزد ہوتے تھے۔ نئی کونسلوں کے ممبروں کو یہ اجازت بھی دے دی گئی کہ چاہیں تو بجٹ اور بعض دوسرے معاملات کے متعلق حکومت سے سوالات کر لیا کریں۔ یہ اصلاحات کے راستے میں دوسرا قدم تھا۔ اس زمانے میں مرکزی کونسل کی جو حالت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صرف پانچ ممبر براہ راست چنے جاتے تھے۔ پانچ ممبر صوبوں کی کونسلوں کے غیر سرکاری ارکان منتخب کرتے تھے، ایک ممبر کلکتے کے ایوانِ تجارت سے لیا جاتا تھا، پانچ ممبر وائسرائے نامزد کرتا تھا۔ سولہ ممبروں کی اس مجلس کے ہاتھ میں قانون سازی کے اختیارات تھے۔

مسلمانوں کی پس ماندگی: مسلمان حکمرانی کے زمانے میں زیادہ تر فوج یا دوسرے محکموں میں ملازم تھے یا کھیتی باڑی اور دستکاری میں لگے ہوئے تھے۔ تجارت سے انہوں نے بہت کم سروکار

رکھا۔ حکومت گئی تو نوکریاں بھی گئیں۔ دستکاری کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس وجہ سے تباہ کر دیا تا کہ یورپ کی دستکاری کے لیے فروغ پانے کی راہ کھل جائے۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں صرف کھیتی باڑی رہ گئی۔ اس کے لیے مہاجنوں کا خطرہ پیدا ہو گیا جو سود پر قرض دے دے کر زمینداروں کی زمینیں قبضے میں لینے لگے۔

انگریزی تعلیم جاری ہوئی تو مسلمان یہ سمجھتے رہے کہ یہ انگریزی تسلط کی زنجیر ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا چاہیے کہ انگریزی تعلیم پانے سے دین بگڑ جائے گا۔ ہندوؤں نے تھوڑے ہی دنوں میں نئے حالات سے مطابقت پیدا کر لی۔ تجارت پر وہ پہلے ہی سے قابض تھے، انگریزی پڑھ کر ملازمتیں بھی لینے لگے اور بہت آگے نکل گئے۔ حاکموں کی نگاہوں میں بھی ان کا اعتبار جم گیا۔ مسلمانوں کو نہ حالات بدلنے کا موقع حاصل تھا نہ اپنے آپ کو بدلنے پر راضی ہوئے، اس لیے پیچھے رہ گئے۔ انگریزوں کے دل میں یہ بات جم گئی کہ مسلمانوں کے دماغ میں حکومت کی بو ابھی باقی ہے، اس وجہ سے بدظنی بڑھ گئی۔

سرسید احمد خاں: قوم کی پریشان حالی اور درماندگی کے اس دور میں سرسید احمد خاں مرحوم انگریزی تعلیم کا پیغام لے کر اُٹھے۔ وہ جانتے تھے کہ ملکی انتظام میں پورا حصہ لینے کی اس کے سوا کوئی شکل نہیں کہ مسلمان انگریزی پڑھیں۔ سرسید کے سامنے بڑی مشکلات تھیں۔ انہوں نے تمام مشکلات کا مقابلہ صبر کے ساتھ کیا۔ اپنوں اور بیگانوں کے طعنے سنے، کفر کے فتوے برداشت کیے، لیکن اصل مقصد سے منہ نہ موڑا۔ علی گڑھ میں نمونے کا ایک کالج قائم کر دیا۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کے خلاف مسلمانوں کی تنگ نظری دُور ہونے لگی اور وہ تعلیم پا کر ملازمتیں حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔

جداگانہ انتخاب اور مسلم لیگ: چوں کہ مسلمان پیچھے رہ گئے تھے اور ہندو انگریزوں کے ساتھ ربط وضبط کے باعث آگے نکل چکے تھے، اس لیے ملازمتوں میں بھی مسلمانوں کو جائز حق نہ ملا اور وہ بے چارگی کی حالت میں ٹھوکریں کھانے لگے۔ ۱۸۹۳ء کے قانون کے مطابق انتخاب کا طریقہ جاری ہوا تو مسلمان اس وجہ سے نمائندگی حاصل نہ کر سکے کہ ہندوؤں کے مقابلے میں ان کی حیثیت بہت معمولی تھی۔ نہ دولت میں انہیں کوئی درجہ حاصل تھا، نہ تجارت میں، اور ایسے ہی ذریعوں سے کام لے کر ممبریاں مل سکتی تھیں۔

کانگرس کو بنے ہوئے اکیس سال گزر چکے تھے، تاہم مسلمانوں کی ان پریشانیوں کے متعلق اُس نے کوئی آواز نہ اُٹھائی۔ مجبور ہو کر ۱۹۰۶ء میں مسلمان لیڈروں نے جداگانہ سیاسی انجمن ''مسلم لیگ'' کی بنیاد رکھی اور نمایندگی کے لیے جداگانہ انتخاب مانگا تا کہ وہ قانون ساز مجلسوں میں پہنچ کر اپنی قوم کے جذبات کی صحیح ترجمانی کر سکیں۔

منٹو مارلے سکیم: بیسویں صدی کے شروع میں کچھ انگریز بھی مسلمانوں کی تکلیفوں کا احساس کر چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے جداگانہ انتخاب منظور کر لیا اور یہ منٹو مارلے سکیم میں شامل ہو گیا جو ۱۹۰۹ء میں منظور ہوئی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا:

۱۔ صوبہ سرحد کو چھوڑ کر ہر صوبے میں قانون ساز مجلس بن جائے۔

۲۔ صوبوں کی مجلسوں یعنی کونسلوں کے ممبروں کی تعداد بھی بڑھ گئی اور غیر سرکاری ممبروں میں بھی اضافہ ہو گیا۔

۳۔ وزیرِ ہند کی کونسل میں دو ہندوستانی ممبر لیے گئے، جن میں ایک ہندو اور دوسرا مسلمان تھا۔

۴۔ مرکزی قانون ساز مجلس کے ممبر سولہ سے بڑھا کر ساٹھ کر دیے گئے۔ ان میں سے ۲۵ مختلف حلقوں سے چنے جاتے تھے، باقی ۳۵ نامزد ہوتے تھے۔ اٹھائیس سرکاری اور سات غیر سرکاری۔ وائسرائے کی انتظامی مجلسوں میں ایک ایک ہندوستانی ممبر مقرر ہوا۔

لیگ اور کانگرس کا سمجھوتہ یعنی میثاقِ لکھنؤ: منٹو مارلے سکیم زمانے کے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خاصی اچھی تھی، اس لیے لوگ مطمئن ہو گئے۔ عام مسلمان اس وقت سیاسیات سے بے خبر تھے۔ طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے ان میں بھی بیداری پیدا کی۔ پھر ۱۹۱۳ء میں کان پور میں سڑک کو سیدھا کرنے کے لیے مسجد کا ایک حصہ ڈھا دیا گیا۔ اس پر مسلمان برانگیختہ ہوئے اور ان پر گولی چلی۔ لیگ کو اس زمانے میں بہت اقتدار حاصل ہوا۔ ۱۹۱۶ء میں کانگرس نے سیاسی حقوق کے متعلق لیگ سے ایک سمجھوتا کیا، اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نمائندگی کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ سمجھوتا لکھنؤ میں ہوا تھا، اس لیے اسے ''میثاقِ لکھنؤ'' کہتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھوتا نقصان کا باعث بنا۔ اس زمانے میں ان کی اکثریت کے دو بڑے صوبے تھے، ایک بنگال، دوسرا پنجاب۔ سندھ بمبئی میں شامل تھا۔ سرحد اور بلوچستان

اصلاحات سے محروم تھے۔ سمجھوتے کے مطابق پنجاب اور بنگال کے مسلمان حق اکثریت کھو بیٹھے۔ پنجاب میں ان کے لیے پچاس فی صدی اور بنگال میں چالیس فی صدی نمایندگی تجویز ہوئی۔ اس کے بدلے میں مسلمانوں کو، ان صوبوں میں زیادہ نمائندگی مل گئی، جہاں ان کی تعداد تھوڑی تھی۔

دوعملی کا نظام: ۱۹۲۱ء میں مانٹیگو چیمسفرڈ سکیم جاری ہوئی، جسے دوعملی کا نظام کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس نظام کے مطابق ہر صوبے میں اختیارات دو حصّوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک حصّہ حکومت نے اپنے پاس رکھا تھا، دوسرے حصّے کے لیے نمائندہ وزیر مقرر کیے تھے۔ اس نظام کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ وزیر ہند کے اختیارات گھٹا دیے گئے۔

۲۔ مرکز میں دو ایوان بنائے گئے۔ ایک اسمبلی یعنی مجلسِ عوام، دوسرا کونسل آف سٹیٹ یا مجلس خواص۔ اسمبلی کے ممبروں کی تعداد ایک سو تینتالیس تجویز ہوئی۔ ایک سو تیس چنے جاتے تھے، چالیس نامزد ہوتے تھے جن میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں شامل تھے۔ کونسل آف سٹیٹ کے ممبروں کی تعداد انسٹھ تھی ان میں سے صرف چونتیس منتخب ہوتے تھے۔

۳۔ صوبوں کی کونسلوں کے ممبر بھی بڑھ گئے اور اختیارات بھی وسیع ہو گئے۔

۴۔ جن محکموں کو نمائندہ وزیروں کے حوالے کیا گیا تھا، وہ یہ تھے۔

لوکل سیلف گورنمنٹ یعنی میونسپل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ، طبابت، حفظانِ صحت، تعلیم، انجمن ہائے امدادِ باہمی، امورِ عامہ یعنی تعمیرات سڑکیں وغیرہ۔

ایکا اور پھوٹ: دوعملی کا نظام جاری ہوتے ہی ہندوستان میں ترکِ موالات یا لاتعاون (حکومت سے میل جول چھوڑ دینا) کی تحریک چل چکی تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے اکٹھے ہو کر اس جوش سے اسے کامیاب بنایا کہ سارے وطن میں آزادی کی لہر پھر نکلی۔ پھر فسادات شروع ہو گئے۔ اس زمانے میں لیگ کا زور کم ہو گیا اور مجلسِ خلافت نے زیادہ شہرت حاصل کر لی۔ پھر کانگرس میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ کی رائے تھی کہ کونسلوں کے اندر جا کر حکومت سے لڑنا چاہیے دوسرا گروہ کہتا تھا کہ پہلے کی طرح بائیکاٹ جاری رہنا چاہیے۔

پھوٹ کے دور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش بہت زیادہ ہو گئی۔

مسلمان چاہتے تھے کہ جداگانہ انتخاب قائم رہے اور پنجاب و بنگال میں آبادی کے مطابق نمایندگی کا بندوبست ہو جائے، ہندو دونوں باتوں کے مخالف تھے۔ مسلمان چاہتے تھے کہ سندھ بمبئی سے الگ ہو جائے اور سرحد کو برابر کے حقوق ملیں۔ ہندو ان دونوں چیزوں کے بھی مخالف تھے۔

سائمن کمشن اور نہرو رپورٹ: ۱۹۲۷ء میں سائمن کمشن ہندوستان آیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ ایک گروہ نے اس کے سامنے اپنے مطالبات رکھے۔ اس کمشن کی رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان میں فیڈرل یعنی وفاقی نظام حکومت بنایا جائے۔ پہلے صوبوں کو خود مختاری دے دی جائے۔ پھر صوبے اور ریاستیں مل کر مرکزی نظام بنائیں۔ صوبے بالکل خود مختار ہوں، دوعملی کو ختم کر دیا جائے۔

اس پر کوئی بھی راضی نہ ہوا۔ بیچ میں سوال اٹھا کہ جب تک ہندوستانی مل کر ایک فیصلہ نہ کریں، ان کے مطالبات قبول کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پر کانگرس نے سمجھوتے کی ایک تجویز منظور کی۔ پھر گاندھی جی نے ایک کمیٹی بنا دی جس کے صدر پنڈت موتی لال نہرو تھے، اس لیے اسے ''نہرو کمیٹی'' کہتے تھے۔ اس کمیٹی کی تیار کی ہوئی سکیم کو سارے مسلمانوں نے رد کر دیا اور اسلامی مطالبات کو پوری قوم کے مطالبات بنانے کے خیال سے ایک نئی مجلس بنائی جو ''مسلم کانفرنس'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں تمام اسلامی گروہوں کے نمائندے شامل تھے۔

گول میز کانفرنس اور فرقہ وار فیصلہ: کانگرس نے ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی کی تحریک چلا دی۔ اسی سال لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی جس کے دوسرے اجلاس میں کانگرس نے بھی حصہ لیا، لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کے بارے میں کوئی سمجھوتا نہ ہو سکا۔ ۱۹۳۲ء میں حکومت نے خود ہندوؤں اور مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کر دیا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

۱۔ پنجاب میں مسلمانوں کو مجموعی طور پر اکاون فی صدی نمائندگی مل گئی۔ بنگال میں اسلامی نمائندگی پچاس فی صدی کے لگ بھگ ہو گئی۔

۲۔ سندھ بمبئی سے الگ ہو گیا۔

۳۔ سرحد کو دوسرے صوبوں کے برابر اصلاحات مل گئیں۔

۴۔ مرکز میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی کا یقین دلایا گیا۔

اس فیصلے میں اچھوتوں کو بھی ہندوؤں سے الگ نمائندگی دے دی گئی تھی۔ گاندھی جی

نے بعد میں ان کے ساتھ نیا سمجھوتہ کرلیا جو "پونا پیکٹ" یا "میثاقِ پونا" کہلاتا ہے۔ اس کے رو سے اچھوتوں کی نمائندگی بڑھادی گئی اور انہوں نے جداگانہ انتخاب چھوڑ دیا۔

۱۹۳۵ء کا نظام: ۱۹۳۵ء میں نیا نظام حکومت بن گیا جس کے دو حصے تھے۔ ایک کا تعلق مرکز سے دوسرے کا صوبوں سے۔ صوبجاتی نظام ۱۹۳۷ء میں جاری کردیا گیا۔ دوعملی ختم ہوگئی صوبوں کو خودمختاری مل گئی، لیکن مرکز کا نظام جاری نہ ہوسکا، یہاں تک کہ انگریز ہندوستان سے چلے گئے۔

نئے نظام کے مطابق صوبوں میں نامزد ممبر اُڑا دیے گئے۔ فیصلہ کردیا گیا کہ سارے ممبر عام لوگوں کی رائے سے چنے جائیں اور وزیر بھی انہیں میں سے بنیں۔ مرکز کے دو ایوان رکھے گئے۔ ایک فیڈرل اسمبلی اور دوسرا کونسل آف سٹیٹ۔ ان میں صوبوں اور ریاستوں دونوں کو نمایندگی دی گئی جس کا نقشہ یہ ہے:

مجلس	کل نمایندے	برطانوی ہند کے نمایندے	ریاستوں کے نمایندے
فیڈرل اسمبلی	۳۷۵	۲۵۰	۱۲۵
کونسل آف سٹیٹ	۲۵۳	۱۵۰	۱۰۳

ہندوستان میں ایک فیڈرل سپریم کورٹ بنانے کا فیصلہ ہوا۔ ایک فیڈرل ریزرو بنک بنا۔ سندھ کو بمبئی سے اور اڑیسہ کو بہار سے الگ کردیا گیا۔

کانگرس اور لیگ میں نیا اختلاف: لیگ نے ۱۹۳۵ء میں اپنا ڈھانچہ بدلا۔ قائداعظم کی قیادت میں وہ پہلی مرتبہ عوامی جماعت کے رنگ میں ظاہر ہوئی اور انتخابات میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ کانگرس کو ہندوؤں میں اور لیگ کو مسلمانوں میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ موقع تھا کہ ہر جگہ کروزارتیں بنائی جاتیں اور آپس کے تمام جھگڑے آہستہ آہستہ مٹ جاتے لیکن کانگرس نے ملی جلی وزارتوں کی سکیم منظور نہ کی، اس طرح دونوں جماعتوں میں جھگڑا تیز ہوگیا۔ یہی جھگڑا بڑھتے بڑھتے آخرکار ملک کی تقسیم پر پہنچا۔

جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی، وہاں سے کانگرسی حکومتوں کی طرف سے بدسلوکی کی شکایتیں ہونے لگی۔ جب باہم فیصلہ نہ ہوا، تو مسلمانوں کی حفاظت کے لیے لیگ کو نئی سکیم سوچنی پڑی۔

قرار دادِ پاکستان ۲۳ / مارچ ۱۹۴۰ء: مسلمان بطور قوم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو چکے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح ملت کے واحد ترجمان بن گئے تھے۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا شاندار اجلاس لاہور میں ہوا، جس میں پاکستان کی قرار داد منظور ہوئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے، انہیں ہندوستان سے الگ کر کے "آزاد دولت" بنا دیا جائے۔ اس میں تھوڑی تعداد والی قوموں کے تمام حقوق کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ اسی طرح باقی ہندوستان میں تھوڑی تعداد والی قوموں کے حقوق کی پوری حفاظت کی جائے۔

ابتدا میں اس قرار داد کا مذاق اُڑایا گیا لیکن چند ہی سال میں یہ مسلم قوم کا نہ محض اٹل مطالبہ بن گئی بلکہ اسی کے مطابق آخری فیصلہ ہوا۔

بعد کے واقعات: بعد کے واقعات زیادہ تفصیل کے محتاج نہیں۔ جاپان کی فتوحات نے ہندوستان کے لیے سخت خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے سر سٹافورڈ کرپس ۱۹۴۲ء میں ایک سکیم لے کر آئے۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان میں عارضی قومی حکومت بنا دی جائے جو سارے انتظامات سنبھال لے۔ صرف ملک کا بچاؤ جنگ کے خاتمہ تک برطانیہ کے ہاتھ میں رہے۔ بعد میں ہندوستان کے نمایندے اپنی دستور ساز مجلس کے ذریعے سے جو نظامِ حکومت بنائیں گے، اسے منظور کر لیا جائے گا۔ لیگ اور کانگرس دونوں نے اسے نامنظور کر دیا، اگرچہ نامنظوری کے اسباب الگ الگ تھے۔

گاندھی جی نے ۱۹۴۴ء میں قید سے رہا ہو کر قائداعظم مرحوم سے ملاقات کی۔ اسکا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جنگ کے خاتمے پر نئے انتخابات ہوئے۔ لیگ کو ہر جگہ شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ انتخابات نے ثابت کر دیا کہ لیگ کے سوا مسلمانوں کی نمائندگی کوئی جماعت نہیں کر سکتی اور قائداعظم کے سوا کوئی لیڈر مسلمانوں کی ترجمانی کا حق نہیں رکھتا۔

☆.....☆.....☆

maablib.org

نواں باب

ماؤنٹ بیٹن اور تقسیم ہند

وزارتی مشن: ۱۹۴۶ء میں حکومت برطانیہ کے تین وزیر ایک نئی سکیم لائے، جسے وزارتی مشن کی سکیم کہتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ ہندوستان کی مرکزی حکومت کے پاس صرف تین صیغے رہیں گے۔ ایک فوج، دوسرا حمل و نقل کے وسائل، تیسرا امور خارجہ۔ باقی تمام صیغے صوبوں کے حوالے کر دیے جائیں گے۔

۲۔ صوبوں کے تین گروپ بنائے جائیں گے۔ ہر گروپ اپنا دستور خود بنائے گا۔

۳۔ تمام قوموں کو دستور ساز مجلس میں آبادی کے مطابق نمائندگی ملے گی۔

۴۔ ایک عارضی حکومت بنائی جائے گی جس کے چودہ وزیر ہوں گے۔ ان میں سے پانچ وزیر لیگ کے ہوں گے۔

اصل سکیم کانگرس اور لیگ دونوں نے مان لی لیکن عارضی حکومت کے متعلق سمجھوتا نہ ہو سکا۔ دستور ساز مجلس کا چناؤ ہوا تو کانگرس نے ہندوؤں کی دو سو دس نشستوں میں سے دو سو ایک لے لیں۔ مسلمانوں کی کل اٹھتر نشستیں تھیں، ان میں سے تہتر پر لیگ کا قبضہ ہو گیا۔ بعد میں کانگرسی لیڈروں نے ایسی تقریریں شروع کر دیں جن کے باعث الجھنیں بڑھنے لگیں اور وزارتی مشن کی اصل سکیم بھی خراب ہونے لگی۔

عارضی حکومت اور فسادات: ۲۵ اگست ۱۹۴۶ء کو وائسرائے نے عارضی حکومت بنانے کے لیے قدم اٹھایا۔ کانگرس کے لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ لیگ کے پانچ وزیر تھوڑی دیر بعد عارضی حکومت میں شامل ہوئے۔ اس اثنا میں کلکتہ، نواکھالی، بہار اور گڑھ مکتیشر میں خوفناک فسادات ہوئے۔ دستور ساز اسمبلی کا کام شروع ہونے والا تھا کہ وزارتی مشن کی سکیم کی ایک دفعہ کے متعلق کانگرس اور لیگ کا اختلاف دور کرنے کے لیے دونوں کے نمائندوں کو لندن

بلا لیا گیا اور فیصلہ لیگ کے حق میں ہوا۔ جنوری ۱۹۴۷ء میں پنجاب میں شخصی آزادی کے لیے مسلم لیگ نے سول نافرمانی شروع کی جو تقریباً ایک مہینہ جاری رہی، اس میں لیگ کے بہت سے ممبر قید ہوئے اور تحریک صوبے کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔

وزیر اعظم برطانیہ کا اعلان: ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء وزیر اعظم برطانیہ نے اعلان کیا کہ جون ۱۹۴۸ء تک تمام اختیارات ہندوستانیوں کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ اگر اس وقت تک ان کا کوئی دستور نہ بن سکا تو اختیارات ان حکومتوں کو سونپ دیے جائیں گے، جن کے ہاتھ میں انتظامات کی باگ ہوگی یا صوبوں کی حکومتوں کو مختار بنا دیا جائے گا۔

اس اعلان کے ساتھ ہی لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وایسرائے بنا دیا گیا۔ وہ صرف اس لیے ہندوستان آئے کہ پورے اختیارات ہندوستانیوں کے حوالے کر دیں۔ وہ ہندوستان کے آخری وایسرائے تھے جو ۲۲ر مارچ ۴۷ء سے لے کر ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء تک متحدہ ہندوستان کے وایسرائے رہے اور بعد میں کچھ مدت تک صرف اس ملک کے گورنر جنرل رہے جو پاکستان کی علیحدگی کے بعد باقی رہا تھا۔

مارچ کے آغاز میں پنجاب میں فسادات شروع ہو گئے جو تقریباً آٹھ مہینے تک جاری ہے۔ ان میں لاکھوں آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ لاکھوں گھر بار چھوڑ کر باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

ماؤنٹ بیٹن کی سکیم: ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان پہنچتے ہی لیڈروں سے بات چیت شروع کر دی۔ جب وزارتی مشن کی سکیم پر سمجھوتہ نہ ہو سکا تو ملک کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا۔ ہندوؤں اور سکھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ملک کو بانٹنا منظور ہے تو پنجاب و بنگال کے وہ ضلعے الگ کر دیے جائیں، جن میں غیر مسلموں کی آبادی زیادہ ہے۔ کانگرس نے اس کی حمایت کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس کے مطابق ملک کی تقسیم کا فیصلہ کرایا۔ پنجاب و بنگال کے بیچ میں ایک عارضی حد لگا دی گئی اور یہ اعلان ہو گیا کہ پکی حد کا فیصلہ حد بندی کا کمشن کرے گا۔ صوبہ سرحد میں کانگرس پارٹی کی حکومت تھی۔ اس کے متعلق طے ہوا کہ عام لوگوں کی رائے معلوم کر لی جائے اور اس کے مطابق سرحد کو پاکستان میں رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کر دیا جائے۔ آسام میں سے سلہٹ کا فیصلہ کرنے کے لیے بھی یہی طریقہ تجویز ہوا۔

یہ سکیم ۳ رجون کو لیگ اور کانگرس کے سامنے پیش ہوئی۔ دونوں نے اسے منظور کر لیا۔ ۱۵ راگست کو ہندوستان دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ ایک کا نام پاکستان اور دوسرے کا نام ہندوستان قرار پایا۔ ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن رہے۔ پاکستان کے گورنر جنرل قائداعظم مقرر ہوئے۔

یوم آزادی: ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو دونوں حکومتوں نے مستقل طور پر کام شروع کر دیا۔ ۱۷ راگست کو حد بندی کے کمیشن کا فیصلہ صادر ہوا جس میں پاکستان کے ساتھ سخت بے انصافی کی گئی تھی۔ پنجاب میں سے سات تحصیلیں ہندوستان کو دے دی تھیں جن میں مسلمانوں کی آبادی غیر مسلموں سے زیادہ تھی اور ان کی حدیں پاکستان سے ملی ہوئی تھیں۔ فسادات پہلے ہی سے جاری تھے، اب اور بھی بڑھ گئے۔ خصوصاً لاہور اور امرت سر کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ آنے جانے والی ٹرینوں پر بھی حملے ہونے لگے۔

یہاں پہنچ کر متحدہ ہندوستان کی تاریخ ختم ہو گئی اور پاکستان کی تاریخ کا آغاز ہوا جس کی سہ سالہ سرگزشت آگے چل کر بیان ہو گی۔

☆.....☆.....☆

واقعات وسنین

واسکوڈی گاما کی آمد	مئی ۱۴۹۸ء
بحر ہند میں عربی بیڑے کی شکست	۱۵۰۹ء
ہرمز پر پرتگیزوں کا قبضہ	۱۵۱۵ء
ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام	۱۶۰۰ء
ولندیزی کمپنی کا قیام	۱۶۰۲ء
سر ٹامس رو کی آمد	۱۶۱۵ء
ڈنمارک کی کمپنی کا قیام	۱۶۱۶ء
مدراس کی بنیاد	۱۶۳۹ء
بمبئی کی بنیاد	۱۶۶۰ء
فرانسیسی کمپنی کا قیام	۱۶۶۴ء
پانڈی چری کی بنیاد	۱۶۷۴ء
کلکتہ کی بنیاد	۱۶۹۰ء
نئی انگریزی کمپنی کا قیام	۱۶۹۸ء
دونوں انگریزی کمپنیوں کا اتحاد	۱۷۰۲ء
انگریزوں اور فرانسیسیوں کی پہلی لڑائی	۱۷۴۶ء
نظام الملک کا انتقال	۱۷۴۸ء
ناصر جنگ کی مسند نشینی	۱۷۴۸ء

انور الدین کا قتل	۱۷۴۹ء
انگریزوں اور فرانسیسیوں کی دوسری لڑائی	۱۷۴۹_۵۴ء
ارکاٹ پر کلائیو کا حملہ	۱۷۵۱ء
دوپلے کی معزولی	۱۷۵۳ء
علی وردی خاں کی وفات	۱۷۵۶ء
سراج الدولہ کی مسند نشینی	۱۷۵۶ء
کلکتہ پر سراج الدولہ کا حملہ	۱۷۵۶ء
انگریزوں اور فرانسیسیوں کی تیسری لڑائی	۱۷۵۷_۶۱ء
جنگ پلاسی	۲۳ر جون ۱۷۵۷ء
میر جعفر کی مسند نشینی	۱۷۵۷ء
سراج الدولہ کا قتل	۱۷۵۷ء
میر جعفر کی معزولی	۱۷۶۰ء
لالی کی شکست	۱۷۶۱ء
بکسر کی جنگ	اکتوبر ۱۷۶۴ء
میر جعفر کی وفات	جنوری ۱۷۶۵ء
بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی	۱۷۶۵ء
میسور کی پہلی جنگ	۱۷۶۷_۶۹ء
وارن ہیسٹنگز کی گورنری	۱۷۷۲_۸۵ء
انتظامی قانون کی منظوری	۱۷۷۳ء
روہیلوں سے جنگ	۱۷۷۴ء
عہد نامہ سورت (مابین رگھوناتھ و حکومت بمبئی)	۱۷۷۵ء
عہد نامہ پورندھر مابین حکومت پونا و حکومت انگلشیہ	۱۷۷۶ء

مرہٹوں کی پہلی جنگ	۱۷۷۹ء۔۱۷۷۷ء
عہد نامہ درگام (مابین مرہٹہ وانگریز)	۱۷۷۹ء
میسور کی دوسری جنگ	۱۷۷۹۔۸۴ء
حیدر علی وفات	۱۷۸۲ء
عہد نامہ سلبئی	۱۷۸۲ء
پٹ کا قانون	۱۷۸۴ء
کارنوالس	۱۷۸۵۔۹۳ء
میسور کی تیسری جنگ	۱۷۹۰۔۹۲ء
سرجان شور	۱۷۹۰۔۹۸ء
ویلزلی	۱۷۹۸ء،۱۸۰۵ء
مادھوجی سندھیا کی وفات	۱۷۹۵ء
مادھوراؤ نارائن کی وفات	۱۷۹۵ء
میسور کی چوتھی جنگ۔	۱۷۹۹ء
ٹیپو سلطان کی شہادت اور سلطنت میسور کا خاتمہ	۱۷۹۹ء
نانا فرنویس کی وفات	۱۸۰۰ء
کرناٹک وتنجور کا الحاق	۱۸۰۱ء
جنگ اسئی (Assaye) ولسواڑی	۱۸۰۳ء
دہلی اور آگرے کی تسخیر	۱۸۰۳ء
عہد نامہ بسین	۱۸۰۴ء
مرہٹوں سے دوسری جنگ	۱۸۰۳۔۰۵ء
ہلکر سے فیصلہ	۱۸۰۵ء
کارنوالس (دوبارہ)	۱۸۰۵ء

جارج بارلو	۱۸۰۵_۰۷ء
ویلور کا فساد	۱۸۰۶ء
لارڈ منٹو	۱۸۰۷_۱۳ء
عہد نامہ امرتسر (رنجیت سنگھ اور انگریزوں کے درمیان)	۱۸۰۹ء
ہیسٹنگز	۱۸۱۳_۲۳ء
جنگ نیپال	۱۸۱۴_۱۶ء
عہد نامہ سگولی	۱۸۱۶ء
پنڈاروں کا استیصال	۱۸۱۷ء
مرہٹوں سے آخری جنگ	۱۸۱۷_۱۸ء
ایمہرسٹ	۱۸۲۳_۲۸ء
پہلی جنگِ برما	۱۸۲۴_۲۶ء
بھرت پور کی تسخیر	۱۸۲۵ء
بینٹنک	۱۸۲۸_۳۵ء
مٹکاف	۱۸۳۵_۳۶ء
آک لینڈ	۱۸۳۶_۴۲ء
رنجیت سنگھ کی وفات	۱۸۳۹ء
افغانستان کی پہلی جنگ	۱۸۳۹_۴۲ء
ایلن برا	۱۸۴۲_۴۴ء
سندھ کا الحاق	۱۸۴۳ء
ہارڈنگ اوّل	۱۸۴۴_۴۸ء
سکھوں سے پہلی جنگ (مدکی) فیروز شاہ، علی وال، سبراؤں	۱۸۴۵_۴۶ء

ڈلہوزی	۱۸۴۸ء_۵۶ء
سکھوں سے دوسری جنگ (چلیانوالہ و گجرات)	۱۸۴۸ء_۴۹ء
ریاست ستارہ کا الحاق	۱۸۴۹ء
دوسری جنگِ برما	۱۸۵۲ء
ریاست ناگپور کا الحاق	۱۸۵۳ء
برار کا پٹہ	۱۸۵۶ء
اودھ کا الحاق	۱۸۵۶ء
کیننگ	۱۸۵۶ء_۶۳ء
غدر	۱۸۵۷ء_۵۸ء
کمپنی کی حکومت کا خاتمہ	۱۸۵۸ء
ہندوستانی کونسلوں کا قانون	۱۸۶۱ء
ایلجن	۱۸۶۳ء_۶۲ء
جنگ امبیلہ	۱۸۶۳ء
جان لارنس	۱۸۶۴ء_۶۹ء
اڑیسہ میں سیلاب اور قحط	۱۸۶۶ء
لارڈ میو	۱۸۶۹ء_۷۲ء
نارتھ بروک	۱۸۷۲ء_۷۶ء
لوکل سیلف گورنمنٹ کا قانون	۱۸۷۳ء
بہار میں قحط	۱۸۷۴ء
جنوبی ہند میں قحط	۱۸۷۶ء
لٹن	۱۸۷۶ء_۸۰ء
دوسری جنگ افغانستان	۱۸۷۸ء_۸۰ء

عہد نامہ گندمک	۱۸۷۹ء
جنگ میوند	۱۸۸۰ء
رپن	۱۸۸۰_۸۴ء
ہندوستان کی پہلی مردم شماری	۱۸۸۱ء
ڈفرن	۱۸۸۴_۸۸ء
انڈین نیشنل کانگرس کا قیام	۱۸۸۵ء
برما کی تیسری جنگ	۱۸۸۶ء
لینسڈاؤن	۱۸۸۸_۹۴ء
اصلاحات کی دوسری سکیم	۱۸۹۳ء
ایلجن دوم	۱۸۹۴_۹۸ء
ہندوستان میں سخت قحط اور طاعون	۱۸۹۵_۹۶ء
کرزن	۱۸۹۸_۱۹۰۵ء
امیر عبدالرحمٰن کی وفات	۱۹۰۰ء
ملکہ وکٹوریہ کی وفات	۱۹۰۱ء
قانون انتقال اراضی	۱۹۰۱ء
ایڈورڈ ہفتم کا دربار تاجپوشی	۱۹۰۳ء
برار کا دوامی پٹہ	۱۹۰۳ء
منٹو دوم	۱۹۰۵_۱۰ء
مسلم لیگ کا قیام	۱۹۰۶ء
ہارڈنگ دوم	۱۹۱۰_۱۶ء
ایڈورڈ ہفتم کی وفات	۱۹۱۰ء
جارج پنجم کا دربار تاجپوشی	۱۹۱۱ء

تقسیم بنگال کی تنسیخ	۱۹۱۱ء
پایہ تخت کی تبدیلی کلکتہ سے دہلی	۱۹۱۲ء
منٹو مارلے سکیم کا اجرا	۱۹۱۱ء
پہلی عالمگیر جنگ	۱۸_۱۹۱۴ء
چیمسفورڈ	۱۸_۱۹۱۴ء
میثاق لکھنؤ	۱۹۱۶ء
ہندوستان میں ہنگامے	۱۹۲۰ء
امیر حبیب اللہ خاں کا قتل	۱۹۲۱ء
تیسری جنگ افغانستان	۱۹۲۱ء
مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات	۱۹۲۱ء
ریڈنگ	۲۶_۱۹۲۱ء
اروِن	۳۱_۱۹۲۶ء
سائمن کمشن	۱۹۲۷ء
پہلی گول میز کانفرس	۱۹۳۰ء
دوسری گول میز کانفرس	۱۹۳۱ء
ولنگڈن	۳۶_۱۹۳۱ء
فرقہ وار فیصلہ	۱۹۳۲ء
نیا نظام حکومت	۱۹۳۵ء
لنلتھگو	۴۳_۱۹۳۶ء
صوبجاتی خود مختاری کا نظام	۱۹۳۷ء
دوسری عالمگیر جنگ	۴۵_۱۹۳۹ء
قرارداد پاکستان	۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء

سٹافورڈ کرپس کی سکیم	۱۹۴۲ء
ویول	۱۹۴۳۔۴۷ء
وزارتی مشن کی سکیم	۱۹۴۶ء
ہندوستان میں آزاد عارضی حکومت	۱۹۴۶ء
وزیراعظم برطانیہ کا اعلان آزادی	فروری ۱۹۴۷ء
ماؤنٹ بیٹن	مارچ ۱۹۴۸ء تا اگست ۱۹۴۸ء
تقسیم ہند کی سکیم	۳ر جون ۱۹۴۷ء
پاکستان و ہند یوم آزادی	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء

☆.....☆.....☆

حواشی

۱ کوئی شک نہیں کہ برطانوی راج سے پاکستان اور ہندوستان کو آزادی ۱۴ر اور ۱۵ دسمبر کی درمیانی شب کو نصیب ہوئی، لیکن بعد میں پاکستان کی کابینہ نے فیصلہ کیا کہ ہمارا یوم آزادی ۱۴ر اگست کو منایا جایا کرے گا۔ اسی لیے ہم ہر سال ۱۴ اگست کو جشنِ آزادی مناتے ہیں۔

(ادارہ)

حصّہ پنجم

تاریخِ پاکستان

۱۵/اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۰ء

maablib.org

پہلا باب

آزاد حکومت کا نصب العین

پاکستان اور مسلمان: ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں ہوا۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم اس اجلاس کے صدر تھے۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں مسلمانوں کے سامنے آزاد حکومت کا ابتدائی خاکہ پیش فرمایا تھا، جس نے تھوڑی دیر بعد "پاکستان" کا نام اختیار کر لیا اور یہ نام اپنی سادگی، دلکشی اور معنوی جامعیت کی وجہ سے یکایک زبانوں پر چڑھ گیا۔ پاکستان کے نظریے کی عمر اگرچہ بیس بائیس برس سے زیادہ نہیں لیکن آزاد حکومت کا نصب العین مسلمانوں کے لیے نیا نہیں بلکہ یہ اتنا ہی پرانا ہے، جتنا کہ اسلام پرانا ہے۔

مسلمانوں نے جب سے ہندوستان میں قدم رکھا، آزاد حکومت کا تصور ان کی نگاہوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ مسلمانوں کو عام تصوّر کے مطابق سب پر برتری کا مقام حاصل رہے۔ مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جس حصّے میں انہیں حکمرانی کی نعمت عطا کرے، وہاں وہ خدمتِ خلق کے اسلامی مقاصد کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ اس طرح دنیا کو دکھا دیں کہ اس پاک دین میں انسانوں کے لیے نعمتوں اور برکتوں کے کتنے بے اندازہ خزانے موجود ہیں۔

مغلوں کا زوال: اورنگ زیب عالمگیر ہندوستان کا سب سے بڑا فرمانروا تھا جس نے پوری زندگی خدمتِ خلق کے اسلامی نصب العین کو پورا کرنے کے لیے وقف کر دی۔ اس کی آنکھیں بند ہوئیں تو جہاں ذاتی اغراض کی کشمکش شروع ہو گئی، اس میں نصب العین بھی گم ہو گیا اور آزاد حکومت کا شیرازہ بھی بکھر گیا۔ مغل فرمانروا اور شہزادے شطرنج کے مہرے بن گئے، جنہیں غرض مند امیر اور وزیر ذاتی اقتدار کے لیے استعمال کرنے لگے۔ اس سے پہلے بھی مسلمان حکمران خاندانوں پر زوال کی آفتیں آ چکی تھیں، لیکن ایک خاندان تاج و تخت کی نعمتوں سے محروم ہوتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ مغلوں کے دورِ زوال میں یہاں ایسی قوتیں پیدا ہو گئیں جنہوں نے آزاد اسلامی حکومت کی ہستی خطرے میں ڈال دی، یہاں تک کہ عالمگیر کی وفات سے چالیس برس بعد مغل

سلطنت، یا کہنا چاہیے آزاد اسلامی حکومت نزع کی آخری منزل پر پہنچ گئی۔

حیدر علی خاں سلطانِ میسور: جب مغلوں میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی تو دکن میں حیدر علی خاں سلطانِ میسور نے نئی آزاد اسلامی حکومت قائم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ دکن کی فضا اس مقصد کے لیے شمالی ہند کے برابر سازگار نہ تھی۔ اوّل اس وجہ سے کہ انگریزوں، مرہٹوں اور فرانسیسیوں کا زیادہ زور دکن میں تھا اور ان کو ختم کیے بغیر اطمینان سے اپنے مقصد کے مطابق کام کرنا ممکن نہیں تھا۔ دوم اس وجہ سے کہ نظام الملک کی اولاد دکن کو اپنی خاص میراث سمجھ رہی تھی اور ان میں سے ایک شخص بھی نظام الملک کی طرح بلند ہمت، دُور اندیش اور کاردان نہ تھا۔ نہ ان میں سے کسی کو آزاد اسلامی حکومت کی غرض و غایت کا اندازہ تھا، نہ اس کے لیے وہ جانفشانی سے محنت کرنے کے اہل تھے۔ سب سے آخر میں یہ کہ دکن میں غیر مسلموں کی کثرت تھی اور غرض مند لوگ وہاں بہ آسانی فتنے پیدا کر سکتے تھے، لیکن حیدر علی خاں کی اولوالعزمی اور جوانمردی کو دیکھو کہ مشکلات کا ہجوم اسے پریشان نہ کر سکا اور اس نے چند ہی سال میں ایسی طاقتور حکومت قائم کر لی جس نے انگریزوں، مرہٹوں اور نظام تینوں پر لرزہ طاری کر دیا۔

ٹیپو سلطان شہید: حیدر علی خاں اپنے کام کو مکمل کیے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس کی میراث ٹیپو سلطان شہید نے سنبھال لی، جس میں اسلامیت کا جذبہ حیدر علی خاں سے بہت بڑھا ہوا تھا اور پیشِ نظر کام کا تصوّر بھی زیادہ صاف واضح اور روشن تھا، لیکن جن مشکلات کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں، وہ ٹیپو سلطان کے عہد میں اتنی بڑھ گئیں کہ سلطان ان سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ اس نے ہندوستان کے اندر اور باہر کی ہر اس قوت کے دروازے پر دستک دی، جس سے ہمدردی اور یاوری کی امید ہو سکتی تھی۔ جب دیکھا کہ اپنی جان کی بازی لگا دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا تو شیر مردوں کی طرح نصب العین کے لیے لڑتا ہوا شہید ہو گیا:

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت ، نہ کشور کشائی

بعض دوسرے دیسی حاکموں کی طرح وہ بھی مخالف قوتوں کے سامنے جھک کر اپنی سلطنت کو بچا سکتا تھا، لیکن اس کے سامنے سلطنت اور حکمرانی نہ تھی بلکہ آزاد اسلامی حکومت تھی۔ اسی کے لیے وہ زندہ تھا اور اسی کی خاطر شہید ہو کر مسلمانوں کے سامنے اصل مقصد کا چراغ ہمیشہ

کے لیے روشن کر گیا۔ مغلوں کے بعد ہندوستان میں آزاد اسلامی حکومت کے لیے شہادت کا یہ پہلا خون تھا جو ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو دکن میں سرنگاپٹم کی خاک پر بہایا گیا۔

سید احمد بریلوی: حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کے بعد ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں میں سے کوئی اس قابل نہ رہا، جو آزاد اسلامی حکومت کے نصب العین کا گرا ہوا علم اٹھا کر کھڑا ہو جاتا۔ راجپوتانے میں نواب امیر خاں نے بہت بڑی فوج اپنے گرد جمع کر لی تھی۔ وہ بہادر اور جوانمرد آدمی تھا، اس لیے امید تھی کہ شاید کوئی کام انجام دے سکے لیکن اس کی زندگی کا بڑا حصہ راجپوتانے کے فضول جھگڑوں میں گزر گیا اور آزاد اسلامی حکومت کے لیے قدم اٹھانے سے پیشتر ہی وہ اپنی آزاد حیثیت کھو کر ٹونک کی ریاست پر قناعت کر بیٹھا۔ اس وقت عوام میں سے جس مردِ حق کو میدان میں آنے کی توفیق نصیب ہوئی وہ سید احمد شہید تھے۔ سید صاحب رائے بریلی (یو۔پی) کے ایک سادات گھرانے کے چشم و چراغ تھے، جو پشتوں سے علم و فضل اور درویشی میں ممتاز چلا آتا تھا۔ اس کا دامن دنیا کے مال و دولت اور جاہ و جلال کی گرد سے ہمیشہ پاک رہا۔ خود سید صاحب بھی درویش تھے، ساری عمر درویشی میں گزاری اور درویشی ہی ان کا امتیازی نشان تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اسلامیت کا بھولا ہوا سبق پڑھایا۔ تھوڑی ہی مدت میں غازیوں کی ایک جماعت تیار کی اور بے سروسامانی کے باوجود ہندوستان سے نکل کر سرحد میں جا بیٹھے۔ وہاں سے اللہ کا نام لے کر آزاد اسلامی حکومت کے لیے جان کی بازی لگا دی۔ سید صاحب کی زبان پر ایک صدا تھی اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں صرف اللہ کی خاطر جہاد کا فرض ادا کرنا چاہیے۔ ان کے لیے ابتدا میں کامیابی کے اچھے موقعے پیدا ہو گئے تھے۔ نومبر ۱۸۲۶ء میں جہاد شروع کیا۔ ۱۸۳۰ء میں پشاور سے لے کر مشرق میں دریائے سندھ تک سارا علاقہ ان کے زیرِ اثر آ گیا تھا اور اس میں شرعی حکومت کی داغ بیل پڑ گئی تھی، لیکن افسوس کہ سرحد کے بعض سرداروں اور رئیسوں کی کم نگاہی اور خود غرضی کے باعث فتنے کھڑے ہو گئے اور سید صاحب مئی ۱۸۳۱ء میں سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے الاکوٹ (ضلع ہزارہ) میں شہید ہو گئے۔ آزاد اسلامی حکومت کی راہ میں یہ دوسرا خونِ شہادت تھا، جو مغلوں کے زوال کے بعد مسلمانوں نے پیش کیا۔ یہ بڑا ہی قیمتی اور پاک خون تھا۔

سید صاحب کے کام: سید صاحب کے متعلق عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ پنجاب میں سکھوں کے ظلم و جور کی داستانیں سن کر مسلمانوں کو ان کے ظلموں سے نجات دلانے کے لیے سرحد پہنچے تھے

اور انہوں نے صرف سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تھا۔ یہ اس پاک نفس بزرگ کے بلند نصب العین کا بالکل غلط تصوّر ہے۔ سید صاحب اس غرض سے اٹھے تھے کہ پورے ہندوستان کو غیروں کی حکومت سے آزاد کرائیں اور یہاں صحیح اسلامی حکومت قائم کریں۔ انہوں نے سرحد کو اس لیے مرکزِ جہاد بنایا تھا کہ وہاں بیٹھ کر اسلامی ملکوں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا اور ان کو اسلامی فرض کی بجا آوری کے لیے جانبازی پر آمادہ کرنا سہل تھا، نیز سکھ سرحد میں بڑھے چلے جا رہے تھے اور انہیں روکنا سب سے پہلے ضروری تھا۔ سید صاحب کی تحریک کا خاص طور پر قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک اسلامی تحریک تھی۔ مال یا سلطنت یا فرمانروائی کے لیے نہیں بلکہ صرف خدائی کلمے کی سربلندی کے لیے وقف تھی۔

سید صاحب کا نظام: ایک غلط فہمی یہ ہے کہ سید صاحب ایک نیک دل ملّا تھے۔ اسلامی جوش میں اُٹھے اور غازیوں کی ایک جماعت کو ساتھ ملا کر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حالاں کہ انہوں نے سرحد جانے سے پہلے ہندوستان کے طول و عرض میں جہاد کے لیے ایک وسیع نظام تیار کر دیا تھا۔ ان کے مقرر کیے ہوئے آدمی ملک کے مختلف علاقوں میں سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ اس زمانے میں ہندوستان کے بڑے حصّے پر انگریزی اقتدار کا جال بچھا ہوا تھا لیکن سید صاحب کے کارکن چپّے چپّے میں خاموشی کے ساتھ جہاد کی دعوت دیتے رہے۔ ہزاروں روپوں کی تھیلیاں سید صاحب کو باقاعدہ سرحد میں پہنچتی رہیں۔ سیکڑوں غازی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر اور ہزاروں میل کا کٹھن سفر طے کر کے سرحد جاتے رہے۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد بھی ان کی جماعت کے بچے کھچے آدمی سرحد میں رہے اور انہیں برابر ہر قسم کی مدد ملتی رہی۔ بنگال اور دکن کے دُور افتادہ گوشوں سے امدادی رقمیں چلتی تھیں اور ایک دمڑی کی خیانت کے بغیر غازیوں کو سرحد میں مل جاتی تھیں۔ انگریزوں نے اس نظام کو توڑنے کے لیے سرگرم کوششیں کیں۔ کئی بڑے بڑے آدمیوں کو پکڑ کر کالے پانی بھیج دیا، ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں، بھرے گھر تباہ کر دیے، مگر اصل نظام نہ ٹوٹا اور وہ پاک جذبہ نہ دبا جو سید صاحب نے سوا سو سال پیشتر مخلص مسلمانوں میں پیدا کر دیا تھا۔

جنگِ آزادی: ۱۸۵۷ء میں وہ جنگ ہوئی جسے انگریز "غدر" اور یہاں کے لوگ جنگِ آزادی کہتے ہیں۔ اس میں غیر مسلموں نے بھی کام کیا، لیکن مسلمان عالموں اور غازیوں کی ایک جماعت بہت پیش پیش رہی۔ دوسرے کارکنوں کو انگریزوں کے خلاف ذاتی رنجشیں تھیں۔ نانا صاحب کو اس

بات پر ناراضگی تھی کہ باجی راؤ ثانی کی پوری پنشن اسے نہ ملی، رانی جھانسی اس بات پر ناراض تھی کہ اس کی ریاست انگریزوں نے ضبط کر لی تھی، برجیس قدر اور حضرت محل کو سلطنتِ اودھ لینے کی آرزو تھی، لیکن مسلمان عالموں اور مجاہدوں کے سامنے اس کے سوا کوئی غرض نہ تھی کہ یہاں آزاد اسلامی حکومت کا نقشہ پھر سے قائم ہو جائے۔ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مولانا فضل حق خیر آبادی، حضرت حاجی امداد اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریابادی اور بیسیوں دوسرے حضرات نے اس جہاد میں کامل بے غرضی سے کام کیا۔ تقدیر نے ساتھ نہ دیا، بعض شہید ہو گئے، بعض کی زندگیاں کالے پانی میں بسر ہوئیں یا سزا بھگت کر واپس آئے۔ اس معرکے میں بھی سید احمد بریلوی کے ساتھیوں نے ہندوستان کے اندر اور باہر جانفشانیوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

اہل حق کی آزمائش: ۱۸۶۳ء میں انگریزوں کو درّۂ امبیلہ (سرحد آزاد) میں ایک خوفناک جنگ سے سابقہ پڑا۔ یہ جنگ سید احمد بریلوی کی جماعت کے غازیوں کے خلاف شروع ہوئی تھی۔ پھر اس میں آزاد قبائل کثیر تعداد میں شریک ہو گئے اور انگریزی فوج کو دو مہینے تک درّۂ امبیلہ میں روکے رکھا۔ جنگ کے خاتمے پر انگریزوں کو خیال آیا کہ ہندوستان سے جو روپیہ خفیہ خفیہ غازیوں کی امداد کے لیے جاتا ہے، اسے روکنا چاہیے۔ مردان کے ایک پٹھان غزن خان نے اپنے بیٹے کو غازیوں میں شامل کر دیا۔ اس کے ذریعے سے راز معلوم کیے۔ پھر انگریزوں کے پاس پوری رپورٹ پہنچا دی۔ اس پر صادق پور (پٹنہ) کے علما میں سے مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ اور مولانا عبدالرحیم، تھانیسر کے مولوی محمد جعفر اور بعض دوسرے اصحاب گرفتار ہوئے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ مولانا یحییٰ علی اور مولوی محمد جعفر کو پھانسیوں کی سزا سنائی گئی، دوسرے اصحاب کو کالے پانی بھیج دیا گیا۔ پھر پھانسیوں کی سزا انگریز جج نے اس بنا پر عمر قید میں بدل دی کہ ان مردانِ حق کے لیے پھانسی پا کر جان دے دینا آسان تھا اور انگریز چاہتے تھے کہ انہیں قید کی سختیوں میں رکھیں اور اس طرح انتقام کی آگ بجھائیں۔ یہ ساری قربانیاں بھی ہندوستان میں آزاد اسلامی حکومت کی خاطر پیش آئیں۔ گویا زمانہ زوال و انتشار میں بھی مسلمان اس نصب العین پر برابر قائم رہے۔

سر سید احمد خاں مرحوم: ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد انگریزوں نے تمام اہلِ ملک سے ہتھیار

لے کر انہیں نہتا کر دیا تھا اور مسلح جنگ کا کوئی موقع باقی نہ رہا تھا۔ پھر مسلمانوں پر اتنی سختیاں ہوئیں کہ آج ان کے ذکر سے بھی دل لرز اٹھتا ہے۔ قوم پر افسردگی چھا گئی تھی۔ بہ ظاہر امید کی کوئی کرن باقی نہیں رہی تھی، اس موقع پر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی حالتِ زار سے متاثر ہو کر عزت مندانہ زندگی کا نیا راستہ تجویز کیا۔ حالات بدل چکے تھے اور ان میں نئے ڈھنگ اختیار کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ سرسید کے متعلق عام طور پر سمجھا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو انگریزی پڑھانے اور انگریزوں کے ساتھ ملانے کے آرزومند تھے۔ حقیقت یہ نہ تھی۔ سرسید کی خواہش یہ تھی کہ مسلمان نئے رنگ میں آزادی کی راہ پر لگ جائیں۔ آج یہ واقعہ سب کے سامنے ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد جن مسلمان رہنماؤں نے قوم و ملت کی آزادی کے لیے نمایاں کام کیا ان میں سے اکثر سرسید ہی کی چلائی ہوئی تحریک کی آغوش میں پلے تھے۔ انہوں نے انگریزی پڑھی، انگریزی اداروں میں بلند حیثیت حاصل کی، پھر وہ کام انجام دیا جو پہلے لوگ جنگی میدانوں میں انجام دیتے رہے تھے۔ ہتھیار نئے تھے، لڑائی کے طریقے نئے تھے، مقابلے کے رنگ ڈھنگ نئے تھے، لیکن مقصد اب بھی وہی تھا جس کی راہ میں قیمتی خون کی نذریں پہلے بارہا پیش ہو چکی تھیں۔

مسلم لیگ: انگریزی تعلیم کے رواج کے بعد مسلمانوں میں جو سیاسی جماعتیں بنیں، ان میں سے ہر جماعت کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کو آزادی ملے اور وہ آزاد فضا میں حکومت کا بندوبست کر سکیں۔ ان میں سب سے پہلی جماعت مسلم لیگ تھی، جس کی بنیاد ۱۹۰۶ء میں پڑی۔ وہی سب سے بڑی جماعت بنی اور اسی کے ہاتھوں آزاد حکومت کا خاکہ درست ہوا۔

لیگ کی زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلے دور میں وہ مسلمانوں کی جداگانہ قومی ہستی کو منوانے کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔ یہ دور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔ دوسرے دور میں اس کی کوشش یہ تھی کہ ہندوستان کی دوسری جماعتوں، خصوصاً کانگرس سے ایسا سمجھوتا ہو جائے کہ مسلمان اطمینان سے اپنے نصب العین کے مطابق کام جاری رکھ سکیں۔ یہ دور ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۲ء تک رہا۔ جب سمجھوتے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو لیگ تیسرے دور میں داخل ہو گئی، یعنی مستقل اور آزاد اسلامی حکومت کا مطالبہ، جس کی پہلی صدا حضرت علامہ اقبال کی زبان سے ۱۹۳۰ء میں بلند ہوئی۔

آزادی کا نعرہ: آزاد اسلامی حکومت کے مطالبے نے ۱۹۴۰ء میں قطعی شکل اختیار کی۔ یہی دور

ہے جس میں قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم و مغفور مسلمانوں کے واحد لیڈر اور قوم کی مرضی اور ارادے کے واحد ترجمان بنے، لیگ کو مسلمانوں میں ہمہ گیر اثر و رسوخ حاصل ہوا، قوم کو ایک پلیٹ فارم، ایک جھنڈا اور ایک لیڈر ملا۔ پانچ چھ ہی برس میں آزاد اسلامی حکومت کے خواب کی ابتدائی تعبیر نکل آئی۔ یہ قائد کے خلوص اور قوم کے جذبۂ ایثار و اتحاد کی برکت تھی۔ یہ اس نصب العین کا پہلا خاکہ تھا جس کے لیے حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان نے ۳۵ برس تک جانیں لڑائیں جس کے لیے سید احمد بریلوی نے اپنی عمرِ عزیز صرف کی، جس کے لیے ہزاروں مردانِ حق نے جان و مال کی قربانیاں دیں۔

☆.....☆.....☆

maablib.org

دوسرا باب

پاکستان کا ابتدائی دَور

پریشانیوں کا دَور: پاکستان ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی رات کو بارہ بجے بنا۔ اس کا کل رقبہ تین لاکھ چونسٹھ ہزار دو سو اٹھارہ مربع میل ہے اور آبادی آٹھ کروڑ چوالیس لاکھ۔ ٹیپو سلطان کی شہادت سے ڈیڑھ سو برس بعد پھر مسلمانوں کو ہندوستان کے ایک حصے میں کامل آزادی کے ساتھ سانس لینے کا موقع ملا تھا، لیکن حالت کیا تھی؟ ملکی انتظام کا ہر صیغہ نئے سرے سے قائم کرنا پڑا۔ کارکن جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ انہیں کراچی پہنچانا تھا جو پاکستان کا مرکزِ حکومت تجویز ہوا تھا۔ دفتر، فائلیں اور انتظامی محکموں کا سارا سامان دہلی سے اٹھا کر کراچی لے جانا تھا۔ جو چیزیں تقسیم میں پاکستان کو ملی تھیں، ان میں سے بھی اکثر ہندوستان میں پڑی تھیں۔ پھر پنجاب و بنگال کی تقسیم کے باعث ان دو بڑے صوبوں کا نظم و نسق تلپٹ ہو چکا تھا۔ جو ملازم پاکستان کے حصے میں آئے تھے، انہیں مختلف جگہوں سے اٹھ کر نئی جگہوں پر پہنچنا تھا۔

ملک کے مختلف حصّوں میں فسادات تو پہلے سے شروع تھے، ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو حد بندی کے کمیشن نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا تو مشرقی پنجاب اور آس پاس کی ریاستوں میں قتل و غارت کا ایک طوفان بپا ہو گیا۔ مسلمان اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھے تھے، ان پر حملے ہونے لگے اور اس تنظیم کے ساتھ کہ پہلے امرت سر، گورداسپور اور فیروز پور کے مسلمانوں کو اٹھایا گیا، پھر جالندھر، ہوشیار پور اور لدھیانہ والوں کی باری آئی۔ اسی طرح فتنے کی آگ بڑھتی گئی۔ ہندوستان کا انتظام جس حکومت کے ہاتھ میں تھا، اس کا فرض تھا کہ ان لوگوں کی حفاظت کرتی جو تقسیم میں اس کے زیرِ اثر آئے تھے، لیکن حفاظت تو رہی ایک طرف، سرکاری کارکنوں، افسروں، فوج اور پولیس نے عام فسادیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو گھروں سے نکالا۔ پاکستان کے حصے کی فائلیں ریل کے جن ڈبوں میں بند کر کے کراچی بھیجی گئی تھیں، انہیں راستے میں آگ لگا دی گئی۔

فسادات کا مقصد: فسادات کا مقصد کیا تھا؟ صرف یہ کہ حکومتِ پاکستان کے لیے ابتدا ہی میں

ایسی مشکلات پیدا کر دی جائیں کہ وہ کوئی کام نہ کر سکے اور مصیبتوں کے بوجھ تلے دب کر ختم ہو جائے۔ عام مسلمانوں کو خوف ناک مصیبتوں میں مبتلا کر دیا جائے اور وہ پاکستان کو ان مصیبتوں کا باعث سمجھ کر اس سے بیزار ہو جائیں۔ اس بات میں اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ مشرقی پنجاب کے سارے فسادات ایک سوچی سمجھی ہوئی سکیم کے مطابق شروع کیے گئے تھے اور ان کے لیے پہلے سے پوری تیاری کر لی گئی تھی۔ پنجاب کے سکھ والیانِ ریاست اور ان کے ہندو پڑوسی اس سکیم میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ ہتھیار اور آدمی بھی انہیں نے فراہم کیے۔ خدا جانے کتنے مسلمان بے خبری میں مارے گئے، کتنے کیمپوں، راستوں اور ٹرینوں میں مرے یا قتل ہوئے، کتنی آبروئیں پامال ہوئیں، کتنا مال و اسباب لٹا۔ کم و بیش ستر لاکھ مسلمان صدیوں کے گھروں سے جبراً اٹھائے گئے اور پچاس لاکھ غیر مسلموں نے مغربی پاکستان کو چھوڑا۔ تاریخ اس واقعہ کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

مہاجرین کا مسئلہ: اس طرح حکومتِ پاکستان پر خوف ناک مشکلات کا سیل امنڈ آیا۔ اگر سارے انتظامات پہلے سے ٹھیک ہوتے اور کاروبار معمول کے مطابق جاری ہوتا تو اس حالت میں بھی ستر لاکھ انسانوں کو مختلف جگہوں سے اٹھا کر لانا اور اطمینان کے ساتھ دوسری جگہ بسانا آسان نہ ہوتا، لیکن یہ کام اچانک سر پر آ پڑا تھا اور اسے جلد سے جلد پورا کرنا لازم تھا۔ حکومت ایک طرف اپنے انتظامات کو درست کرتی رہی دوسری طرف ہندوستان کے ساتھ مختلف مسئلوں کو طے کرنے میں لگی رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ مہاجروں کی دیکھ بھال اور کیمپوں میں ان کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کی فراہمی اور آبادکاری کے دشوار کام بھی انجام دیتی رہی۔ پھر ایک ضروری بات یہ تھی کہ جو ہزاروں لوگ مشرقی پنجاب میں جگہ جگہ کیمپ بنا کر بٹھا دیے گئے تھے، انہیں فوج کی حفاظت میں پاکستان لانا لازم تھا۔ مشکلات کے اس تاریک زمانے میں پاکستان کی فوج اور حکومت کے علاوہ عام لوگوں نے بھی مہاجرین کی خدمت کے لیے جو ہمت دکھائی اور جو قربانیاں کیں، وہ ہر لحاظ سے تعریف کی مستحق ہیں

جونا گڑھ کا معاملہ: ریاستوں کو پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ پاکستان اور ہندوستان میں سے جس حکومت کے ساتھ چاہیں شامل ہو جائیں۔ بہاول پور، خیر پور، لس بیلہ، مکران، خاران، قلات اور صوبہ سرحد کی ریاستیں پاکستان میں شامل ہو چکی تھیں۔ جونا گڑھ اور اس کے ساتھ مانا دور اور منگرول نے بھی پاکستان ہی سے الحاق کا فیصلہ کیا، لیکن ادھر الحاق کا اعلان ہوا، ادھر جونا گڑھ میں

فتنے کی آگ بھڑکا دی گئی، یہاں تک کہ ریاست کا فرمانروا وطن چھوڑ کر کراچی چلا آیا۔ ہندوستانی فوج نے ریاست کا انتظام سنبھال لیا۔ ہندوستانی فوج کی نگرانی میں اعلان ہوا کہ رائے عامہ ہندوستان کے ساتھ الحاق چاہتی ہے۔ اس طرح ریاست جونا گڑھ کو ہندوستان کا جزو بنالیا گیا۔ پاکستان اس الحاق کو کس بنا پر جائز تسلیم کر سکتا تھا؟

کشمیر میں کشمکش: کشمیر کے باشندوں کی بہت بڑی اکثریت جس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل تھے، چاہتی تھی کہ ریاست کا الحاق پاکستان سے ہو اور کشمیر کے لیے تجارتی و جغرافیائی لحاظ سے یہی فیصلہ صحیح تھا۔ اچانک ریاست کے حکام اور ایک حصے کے باشندوں میں بعض امور کے متعلق جھگڑا ہو گیا، جس نے خاصی جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ مہاراجہ کشمیر نے خفیہ خفیہ ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ کر لیا اور ہندوستانی فوج کشمیر میں داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ریاستی باشندوں نے مسلح جنگ شروع کر دی، جس میں سرحد آزاد کے ان افغانوں نے بھی حصہ لیا جن کی حدیں کشمیر سے ملی ہوئی تھیں۔ قائدِ اعظم مرحوم نے جھگڑا شروع ہوتے ہی تجویز پیش کی تھی کہ لڑائی بند کی جانی چاہیے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ پاکستان و ہند کے گورنر جنرل مشترکہ اعلان کریں کہ کشمیر کا آخری فیصلہ عام باشندوں کی مرضی دریافت کر کے کیا جائے گا۔ اس اثنا میں ریاست کا انتظام پاکستان و ہند کی مشترکہ فوج کی نگرانی میں رہے گا، لیکن یہ تجویز نہ مانی گئی۔ تقریباً چودہ مہینے کی جنگ کے بعد انجمنِ اقوام متحدہ کی سلامتی کی کونسل نے اسے بند کرایا اور اعلان کیا کہ کشمیر کا آخری فیصلہ رائے عامہ ہی کی بنا پر ہوگا، جس کا انتظام سلامتی کونسل اپنے مقرر کیے ہوئے آدمی کے ذریعے کرائے گی۔ جنگ بند ہے۔ اس اثنا میں ایک عارضی حد مقرر کر دی گئی ہے۔ رائے عامہ دریافت کرنے کے ابتدائی انتظامات ابھی تک طے نہیں ہو سکے۔ پاکستان کا مطالبہ یہ ہے کہ رائے عامہ دریافت کرنے کے دوران میں ریاست سے ہندوستانی فوجیں ہٹالی جائیں تاکہ باشندے آزاد انہ رائے دے سکیں۔ اس بارے میں بیچ بچاؤ کرانے والوں نے جتنی معقول تجویزیں پیش کیں، پاکستان نے وہ سب مان لیں، ہندوستان نے کوئی تجویز بھی نہ مانی اور جھگڑا بدستور جاری ہے۔ کشمیر میں ریاست کے غیر مسلم حاکموں کے زیر اثر جتھے بنا کر مسلمانوں پر حملے کیے گئے اور بہت سے بے گناہوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

گاندھی جی کا قتل: مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر فسادیوں نے جو ظلم و ستم کیے تھے، ان کا ذکر

ہم پہلے کر چکے ہیں۔ پھر ان فسادیوں نے دہلی کا رخ کیا اور وہاں بھی خونریزی کا بازار گرم کر دیا۔ مسلمان شہر چھوڑ کر نکلنے لگے۔ پرانے قلعے میں ان کے لیے ایک کیمپ بنا دیا گیا۔ گاندھی جی اس زمانے میں نواکھلی سے دہلی پہنچے۔ وہ قتل و خون ریزی کے سخت مخالف تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ایک آدمی کو بھی کوئی تکلیف پہنچے یا اسے گھر سے نکالا جائے۔ دہلی پہنچ کر وہ جگہ جگہ پھرے اور امن قائم کرنے کی کوشش کی۔ جب دیکھا کہ فسادی ان کی بات نہیں مانتے اور جو کچھ ضروری ہے، اسے پورا نہیں ہونے دیتے تو گاندھی جی نے "مرن برت" کا اعلان کر دیا، یعنی کھانا پینا بند کر دیا اور کہا کہ اگر میں ظلم کو روک نہیں سکتا تو زمین پر بوجھ بن کر بیٹھے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں، مجھے مر جانا چاہیے۔ اس اعلان کے بعد دہلی میں دو تین روز کے اندر اندر امن قائم ہو گیا۔ پھر گاندھی جی نے یہ طے کیا کہ ذرا صحت درست ہو جائے تو ان تمام لوگوں کو آہستہ آہستہ پہلے گھروں میں آباد کریں، جو ہنگامہ و فساد میں بے وطن ہو گئے تھے۔ فسادیوں نے اس کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ گاندھی جی مسلمانوں کی طرف داری کر رہے ہیں۔ ایک گروہ نے ان کے قتل کی سازش کی۔ دہلی میں وہ برلا ہاؤس میں رہتے تھے۔ ہر شام کو "پرارتھنا" کیا کرتے تھے جس میں تھوڑی دیر کے لیے لیکچر بھی دیا کرتے تھے۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو ایک مرہٹے نے جس کا نام ناتھو رام گاڈسے تھا، گاندھی جی کو تین گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ اسے بعد میں پھانسی ملی۔ امید تھی کہ گاندھی جی ہندوستان و پاکستان کے تعلقات کو بہت خوشگوار بنا دیں گے۔ ان کی وفات سے یہ امید بھی پیچھے چلی گئی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جس ہندو لیڈر نے ملک کو آزاد کرایا اور ساری عمر ہندو قوم کی بہتری اور بھلائی میں صرف کر دی، اسے ایک ہندو نے اس بنا پر قتل کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے جائز حقوق کی حفاظت کے لیے آواز اٹھا رہا تھا۔ پاکستان نے گاندھی جی کے ماتم میں ہندوستان کے برابر حصہ لیا۔

قائدِ اعظم کی وفات: قائداعظم کی صحت تو پہلے بھی اچھی نہ تھی۔ پاکستان بن جانے کے بعد ان کے کندھوں پر ایک نئی حکومت کے انتظامات کا گراں قدر بوجھ آ پڑا۔ پھر وہ ہر کام کو خود دیکھنے اور اطمینان کے مطابق کرنے کے عادی تھے۔ دن رات کی محنت ان کا کمزور جسم برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ان باتوں پر مستزاد یہ کہ ہندوستان اور مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی تباہیوں اور پریشانیوں کا غم قائداعظم کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء کے شروع میں وہ بیمار ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے آرام لینے کا مشورہ دیا تو وہ گرمیوں میں پہلے کوئٹہ پھر زیارت چلے گئے۔ صرف

ایک مرتبہ چند روز کے لیے اس غرض سے کراچی آئے کہ اپنے ہاتھوں سے پاکستان سٹیٹ بنک کا افتتاح کر دیں۔ واپس جا کر اتنے بیمار ہو گئے کہ زندگی کی امید نہ رہی؛ تاہم انہوں نے بیماری کی خبر کسی کو نہ ہونے دی۔ ۱۱ ستمبر کو انہیں کوئٹہ سے کراچی لائے جہاں وہ شام کے وقت پہنچے۔ اسی رات دس بجے وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور سارا پاکستان سوگ میں غرق ہو گیا۔

مسلمانوں پر بڑی مصیبتیں آئی تھیں، لیکن انہوں نے ہر مصیبت صبر کے ساتھ برداشت کر لی تھی۔ وہ اپنے قائدِ اعظم کا پُر امید چہرہ دیکھ لیتے تھے تو سارے غموں کو بھول جاتے تھے اور ان کے دل میں امید و ہمت کا نیا چراغ روشن ہو جاتا تھا۔ تقدیر کے سامنے کسی کو دم مارنے کا یارا نہیں۔ قائدِ اعظم کی وفات پاکستان کے لیے سب سے بڑا حادثہ تھی۔ چھ لاکھ آدمی ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ الحاج خواجہ ناظم الدین کو قائدِ اعظم کی جگہ گورنر جنرل بنایا گیا۔

حیدر آباد: ریاست حیدر آباد پاکستان اور ہندوستان دونوں سے الگ رہنا چاہتی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ دونوں کے ساتھ دوستی کے رابطے قائم رکھے۔ ہندوستان کو ضد تھی کہ حیدر آباد اس کے ساتھ ملحق ہو جائے۔ سال بھر تک بات چیت ہوتی رہی۔ مختلف سکیمیں بنیں لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہندوستان کی فوجوں نے یکا یک حیدر آباد پر تین طرف سے حملہ کر دیا۔ پاکستان اس زمانے میں قائدِ اعظم مرحوم کے سوگ میں مبتلا تھا۔ پانچ چھ دن کی لڑائی کے بعد حیدر آباد کی وزارت نے استعفےٰ دے دیا۔ ریاست کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیے اور انتظام ہندوستان کے فوجی گورنر کے حوالے ہو گیا۔ اس زمانے میں وہاں کے مسلمانوں پر حملے شروع ہوئے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ کم و بیش دو لاکھ مسلمان مارے گئے۔ اب ریاست ہندوستان میں شامل ہو چکی ہے اگرچہ اسے انتظامی لحاظ سے الگ رکھا گیا ہے۔ میر عثمان علی خاں نظام کو "راج پرمکھ" (ریاست کا آئینی حاکم) بنا دیا گیا۔

پنجاب: پنجاب کے انتظامات شروع ہی سے اطمینان بخش نہ تھے۔ مہاجرین کے معاملے نے اور بھی پریشانی پیدا کر دی، جن میں سے پچاس پچپن لاکھ صرف پنجاب آئے۔ پھر اسمبلی کے ممبر گروہوں میں بٹ گئے۔ تین وزیروں نے مختلف اوقات میں استعفےٰ دیے۔ جب گورنر جنرل کو یقین ہو گیا کہ پائیدار حکومت بنانے کے لیے نئے انتخابات ضروری ہیں تو اسمبلی توڑ دی اور انتظا کاروبار گورنر کے حوالے کر دیا۔

جب سے پاکستان بنا تھا، پنجاب کا گورنر سر فرانسس مڈی تھا۔ اس نے استعفےٰ دے دیا تو سردار عبدالرب نشتر گورنر بن کر آئے جو صوبہ سرحد کے باشندے ہیں۔ مسلم لیگ کے پرانے کارکنوں میں سے ہیں۔ ان پانچ نمائندوں میں سے ایک یہ بھی تھے جنہیں لیگ نے متحدہ ہندوستان کی عارضی قومی وزارت میں شامل کیا تھا۔ پھر پاکستان میں ریل، تار، ڈاک اور ٹیلی فون کے محکموں کے وزیر رہے، ان کے زمانے میں صوبے کے انتظام کے لیے پانچ مشیر مقرر ہو گئے، لیکن جب انتخابات قریب آئے تو وہ بھی الگ ہو گئے۔ نئے انتخابات بالغوں کے حق رائے کی بنا پر ہوئے۔ لیگ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے نئی وزارت بنائی جس میں وزیر اعظم سمیت چھ وزیر ہیں۔

سرحد: سرحد میں پہلے انگریز گورنر تھا۔ اس نے استعفےٰ دیا تو صاحبزادہ محمد خورشید کو گورنر بنایا گیا جو بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ تھے۔ وہ خود صوبہ سرحد کے باشندے تھے۔ وہاں کے طور طریقوں سے خوب واقف تھے۔ اپنی نیک دلی، خوش اخلاقی اور حسنِ انتظام کے باعث بے حد ہر دل عزیز بن گئے۔ افسوس کہ ۵ر جنوری ۱۹۵۰ء کو انہوں نے اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے سے وفات پائی اور ان کی جگہ اسماعیل صاحب چندری گر کو گورنر بنایا گیا جو متحدہ ہندوستان کی عارضی قومی وزارت اور پاکستان کی پہلی وزارت میں وزیر رہ چکے تھے۔ پھر کچھ مدت کے لیے افغانستان میں سفیر رہے۔

مشرقی پاکستان: پاکستان بننے کے وقت الحاج خواجہ ناظم الدین مشرقی پاکستان کے وزیر اعظم تھے۔ وہ قائد اعظم مرحوم کی وفات پر گورنر جنرل بن گئے تو ان کی جگہ مسٹر نورالامین وزیر اعظم منتخب ہو گئے۔ وہی اس وقت وزیر اعظم ہیں اور ملک فیروز خاں نون مشرقی پاکستان کے گورنر ہیں۔

سندھ: پاکستان کے آغاز میں سندھ کی گورنری پر غلام حسین ہدایت اللہ مرحوم فائز تھے، ان کی وفات پر شیخ دین محمد کو سندھ کا گورنر بنا دیا گیا جو قابل قانون دان ہیں، برسوں پنجاب اسمبلی کے ممبر رہے، بعد میں ہائی کورٹ کے جج بن گئے تھے۔ پھر ریاست بہاول پور میں چیف جسٹس رہے۔ وزارت عظمےٰ پر پہلے مسٹر محمد ایوب کھوڑو فائز تھے۔ پھر سیٹھ یوسف ہارون کو یہ عہدہ ملا۔ وہ آسٹریلیا میں ہائی کمشنر بن گئے تو قاضی فضل اللہ وزیر اعظم بنے۔ اب پھر مسٹر محمد ایوب کھوڑو وزیر اعظم ہیں۔

بلوچستان: بلوچستان میں پہلے صاحبزادہ محمد خورشید ایجنٹ اور چیف کمشنر تھے۔ وہ صوبہ سرحد

کے گورنر بن گئے تو اس عہدے پر میاں امین الدین احمد فائز ہوئے۔ بلوچستان میں ۱۱ر جون ۱۹۴۹ء کو ایک مشاورتی کونسل بنادی گئی تھی جس کے پندرہ ممبر تجویز ہوئے۔ یہ ممبر بلوچستان مسلم لیگ اور شاہی جرگے کے ممبروں میں سے گورنر جنرل نے نامزد کیے۔ قاضی محمد عیسیٰ اور نور محمد خاں گولا نے مشیروں کی حیثیت سے حلفِ وفاداری اٹھایا۔ مشاورتی کونسل چیف کمشنر کو عام انتظامی پالیسی، ترقیات کی سکیموں اور مالی معاملات کے متعلق مشورے دیتی ہے۔ حال ہی میں بلوچستان کو صوبے کا درجے دے دیا گیا ہے۔

ممالک اسلامی کی اقتصادی کانفرنس: حکومتِ پاکستان کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اسلامی ممالک کی اقتصادی کانفرنس کا انتظام کیا جو نومبر ۱۹۴۹ء میں کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس میں ترکی، مصر، شام، سعودی عرب، ایران، عراق، افغانستان، مسقط، عمان، الجزائر، ٹیونس، لیبیا، انڈونیشیا، جزیرہ مالدیپ اور آزاد کشمیر کے نمایندے شریک ہوئے۔ اس موقع پر ایک نمائش بھی ہوئی جس میں افغانستان، ایران، مصر، عراق وغیرہ اسلامی ممالک کی اعلیٰ مصنوعات دکھائی گئیں۔ اس طرح بین الاقوامی اسلامی اتحاد کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔

مؤتمر اسلامی: اس سلسلے میں دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ مؤتمر اسلامی کے لیے تمام اسلامی ممالک کو دعوت نامے بھیجے گئے اور فروری ۱۹۵۱ء میں کراچی میں مؤتمر کے اجلاس منعقد ہوئے۔ اس مؤتمر میں دنیائے اسلام کے ممتاز اصحاب اور مندوبین شامل ہوئے اور اسلامی برادری کے رشتے مضبوط و مستحکم ہوگئے۔

کراچی کی علیحدگی: پاکستان کا مرکزِ حکومت کراچی ہے۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۴۸ء کو کراچی کا انتظام سندھ سے الگ کر کے اسے براہِ راست مرکز نے اپنی نگرانی میں لے لیا۔ پہلے کراچی کی آبادی ساڑھے تین لاکھ تھی۔ اب کم و بیش بارہ لاکھ ہے۔ انتظام ایک ناظم کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں مختلف ناموں سے کئی نئی آبادیاں بن گئی ہیں۔ پہلے یہاں صرف ۱۳۴ کارخانے تھے، اب ان کی تعداد ۲۸۲ ہے۔

☆.....☆.....☆

تیسرا باب

پاکستان کا نظم و نسق

انتظامی مشکلات: ہم پاکستان کی انتظامی مشکلات کا ذکر پہلے کر چکے ہیں۔ ایک مصیبت یہ پیش آئی کہ کارکردہ آدمیوں کی بڑی کمی تھی۔ مشترکہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں مسلمانوں کا تناسب تمام چھوٹی بڑی ملازمتوں میں ۳۳ فی صدی ہونا چاہیے تھا اس لیے کہ ۱۹۳۲ء کے فیصلے کے مطابق مسلمانوں کا حصہ یہی مقرر ہوا تھا۔ اگر اسلامی آبادی کا تناسب بھی سامنے رکھا جاتا تو سب مسلمان ۲۵ فی صدی تو ہونے چاہئیں تھے، لیکن پاکستان بننے کے وقت کل کارکردہ آدمی صرف گیارہ فی صدی تھے اور وہ بھی جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ جنہوں نے پاکستان میں کام کرنا منظور کیا تھا، ان سب کو ۱۵/اگست تک یا چند روز آگے پیچھے کراچی پہنچنے کا حکم مل چکا تھا، لیکن فسادات نے نقل و حرکت کے تمام ذریعے درہم برہم کر ڈالے۔ کئی لوگ تو کراچی پہنچ ہی نہ سکے، جو پہنچ گئے ان کے بال بچے پیچھے رہ گئے۔ اس طرح شروع میں حکومت کو کام چلانے میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔

مالی حالت: پاکستان کی مالی حالت کا اندازہ اس کے بجٹ سے ہو سکتا ہے۔ پہلا بجٹ صرف ساڑھے سات مہینے کا تھا (۱۵/اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر ۳۱/مارچ ۱۹۴۸ء تک) اس وقت تک چار مکمل بجٹ پیش ہو چکے ہیں۔ پہلے دو بجٹوں کی سرسری کیفیت یہ تھی۔

سال	آمدنی	خرچ	بچت
۱۹۴۸ء۔۴۹	۹۵ لاکھ ۶۴ ہزار	۹۵ لاکھ ۲۱ ہزار	۴۳ لاکھ
۱۹۴۹ء۔۵۰	ایک ارب تیرہ کروڑ ۸۸ لاکھ	ایک ارب تیرہ کروڑ ۶۵ لاکھ	۲۳ لاکھ

تیسرے بجٹ میں آمدنی کا اندازہ ایک ارب پندرہ کروڑ باسٹھ لاکھ تھا اور خرچ کا اندازہ ایک ارب پندرہ کروڑ باون لاکھ کا۔ لیکن حقیقی آمدنی اندازے سے بڑھ کر ایک ارب چونسٹھ کروڑ ۹۶ لاکھ پر پہنچ گئی اور خرچ ایک ارب چھتیس کروڑ ہوا گویا اٹھائیس کروڑ کی ۹۶ لاکھ کی بچت

ہوئی ۔۵۲۔۱۹۵۱ء کے لیے آمدنی کا اندازہ ایک ارب انسٹھ کروڑ ۸۵ لاکھ کیا گیا ہے اور خرچ ایک ارب انتالیس کروڑ گیارہ لاکھ ہوگا۔ گویا بچت کا اندازہ بیس کروڑ ۷۴ لاکھ کا ہے۔ پاکستان کی مالی ساکھ کی بلندی اور اقتصادی پختگی کی اس سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے؟ تمام تعمیری سکیموں کے لیے زیادہ سے زیادہ رقمیں نکالی گئیں۔ اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ ۴۹۔۱۹۴۸ء کے بجٹ میں جو رقمیں تعمیری کاموں کے لیے رکھ لی گئی تھیں وہ پورے خرچ کا ۹ء۷ فی صدی تھیں۔ پھر ہر بجٹ میں یہ رقمیں تدریجاً بڑھتی گئیں۔ بے شبہ تعمیری کام ابھی بڑی توجہ کے محتاج ہیں اور ان کے لیے سرگرمی سے کام کی ضرورت ہے لیکن دو باتیں حکومت نے پہلے دن سے سامنے رکھی ہیں۔ اوّل یہ کہ پاکستان نیا ملک ہے اور اس کی مالی ساکھ کو زیادہ سے زیادہ مستحکم رکھنا چاہیے۔ دوسرے تعمیری کاموں میں ترقی کا سلسلہ اس ترتیب کے ساتھ جاری ہو کہ کسی موقع پر ان میں رکاوٹ نہ آنے پائے بلکہ ہر چیز اس طرح پھیلتی جائے جس طرح درخت کے نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی شاخیں پھیلتی جاتی ہیں۔

روپے کی قیمت: مالیات کے ایک بڑے ماہر نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ پاکستان میں غلّے کی قیمتیں مقابلتاً کم ہیں، پیداوار بڑھ رہی ہے۔ تجارت کا توازن پاکستان کے حق میں ہے۔ روپے کی قیمت پڑوسی ملکوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ روزگار ترقی پر ہے، بے روزگاری کم ہو رہی ہے۔ یہ ساری حقیقتیں اس بات کا روشن ثبوت ہیں کہ پاکستان کی مالی حالت بہت اچھی ہے۔ اس کی شہادت یوں بھی مل جاتی ہے کہ پاکستان اگرچہ مالیات کے اعتبار سے اس حلقے میں ہے جسے اسٹرلنگ کا حلقہ کہا جاتا ہے، یعنی برطانیہ اور اس کے ساتھ مالی تعلقات رکھنے والوں کا حلقہ اور برطانیہ نے پونڈ کی قیمت گھٹا دی، ہندوستان کے روپے کی قیمت بھی ساتھ ہی گھٹا دی گئی، لیکن پاکستان نے اپنے روپے کی پہلی قیمت بحال رکھی اور اس میں کمی کرنے کی ضرورت بالکل محسوس نہ کی۔ ہندوستان نے پہلے پاکستانی روپے کی قیمت نہ گھٹنے کے باعث تجارتی لین دین بند کر دیا تھا، لیکن تازہ تجارتی معاہدے میں یہ تسلیم کر لیا کہ پاکستان کے ایک سو روپے کے بدلے میں ہندوستان ایک سو چوالیس روپے دے گا۔

فوج: پاکستان کے صیغوں میں سب سے پہلے فوج کا ذکر آنا چاہیے، جس پر ملک کے دفاع کا انحصار ہے۔ گورنر جنرل صاحب نیز وزیر اعظم صاحب جو صیغۂ دفاع کے بھی ذمہ دار ہیں، بارہا

کہہ چکے ہیں کہ ہماری فوج خدا کے فضل سے ہر حالت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ پاکستان کی پالیسی کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ سب کے ساتھ دوستی کے رشتے قائم رکھے جائیں لیکن آج کل کی دنیا میں کوئی ملک بھی صرف دوستی اور صلح کی خواہشات کے بل پر گزارا نہیں کر سکتا، اس لیے فوج پر ابتدا ہی سے خاص توجہ رہی ہے۔ ہماری فوج نے تقسیم کے زمانے میں جگہ جگہ مہاجر مسلمانوں کی حفاظت کا کام جس خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے، اس پر پاکستان کے باشندے ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں کاکول (ایبٹ آباد) میں فوجی اکاڈیمی کا افتتاح ہوا۔ بحری بیڑے میں نئے جہاز شامل ہوئے۔ ہوائی طاقت کو اعلےٰ پیمانے پر پہنچایا گیا۔ بحری اور فضائی تربیت کے لیے بھی کراچی اور رسال پور میں اعلیٰ انتظامات موجود ہیں۔ کوئٹہ میں بھی تعلیم و تربیت کا ایک قابل فخر مرکز ہے۔

سفارتی تعلقات: پاکستان کے سفارت خانے تمام بڑے ملکوں میں کھل گئے ہیں اور ان ملکوں کے سفارت خانے پاکستان میں قائم ہو گئے ہیں۔ دوستی کا ہاتھ ہر ملک کی طرف بڑھا ہوا ہے، لڑائی کی خواہش کسی سے نہیں۔ پاکستان ''زندہ رہو اور زندہ رہنے دو'' کے اصول پر کھڑا ہے۔ کسی کا کوئی حق چھیننا نہیں چاہتا۔ اسی طرح اپنے ہر حق کی حفاظت میں جان لڑا دینے پر آمادہ ہے۔ عالمگیر صلح اور عالمگیر امن اس کا نصب العین ہے اور دنیا کے نظامِ امن کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنا دینے کا خواہاں ہے۔

اس وقت پاکستان کے سفارت خانے افغانستان، ایران، ترکی، عراق، شام، لبنان، شرق اردن، دولت سعودیہ، مصر، برطانیہ، فرانس، امریکہ، آسٹریلیا، کناڈا، چین، ہندوستان، روس، اٹلی، ہالینڈ، برما، انڈونیشیا میں موجود ہیں۔ بعض مقامات پر کونسل خانے یا ماتحت نمائندہ ادارے بھی ہیں۔ مثلاً افغانستان کے شہروں میں سے جلال آباد اور قندھار میں، ایران کے شہروں میں سے زاہدان، خرم شہر اور مشہد میں، عراق کے شہر بصرہ میں، انجمن اقوام متحدہ کے مرکز لیک سکس میں مستقل نمائندہ موجود ہے۔ خود پاکستان میں اکتیس بیرونی ملک اپنے اڑتیس اعلےٰ یا ماتحت سفارتی ادارے بنا چکے ہیں۔

تجارت: پاکستان بننے سے پہلے تجارت عموماً ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو زیادہ تعداد میں ملک

چھوڑ کر چلے گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں پاکستانیوں نے تجارت کے ایک ایک شعبے کو سنبھال لیا۔ بیرونی ملکوں کے ساتھ درآمد برآمد کے سلسلے قائم ہو گئے۔ ہماری تجارت کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کا توازن پاکستان کے حق میں ہے، یعنی ہم زیادہ مال باہر بھیجتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کم مال باہر سے خریدتے ہیں۔ ہماری تجارت کی خاص اہم جنسیں یہ ہیں: گندم، کپاس، پٹ سن، اُون، کھالیں، معدنی نمک، جپسم۔ باہر سے زیادہ تر مشینیں، سوتی کپڑا، دھاگا، موٹریں ادویات، سگریٹ، سگار وغیرہ چیزیں آتی ہیں۔

صنعت وحرفت: پاکستان میں وہ علاقے آئے جہاں انگریزوں کے زمانے میں قابلِ ذکر کارخانے قائم نہیں ہوئے تھے۔ پٹ سن مشرقی بنگال میں پیدا ہوتا تھا لیکن بوریاں بنانے یا گٹھے باندھنے کے کارخانے بنگال کے اس حصے میں تھے جو ہندوستان میں شامل ہو گیا۔ اسی طرح کھانڈ کے سارے کارخانے مشرقی پنجاب میں تھے۔ حکومتِ پاکستان نے کارخانوں پر خاص توجہ کی۔ چنانچہ مشکلات کے باوجود فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ:

۱۔ پٹ سن کے لیے شروع میں سات کارخانے قائم کیے جائیں، جن میں سے پہلا اس سال کام شروع کر چکا ہے۔ باقی بھی جلد سے جلد برسرِ کار آ جائیں گے۔

۲۔ کپڑے کے کل کارخانے چودہ تھے: نو مشرقی پاکستان میں اور پانچ مغربی پاکستان میں۔ ان سب میں جو کپڑا تیار ہوتا ہے، وہ پاکستان کی ضرورتوں کا صرف پانچواں حصہ پورا کرتا ہے۔ سات نئے کارخانے قائم ہو گئے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں صوبائی حکومت کپڑے کا ایک بڑا کارخانہ قائم کر رہی ہے۔ کراچی میں اُون کا کارخانہ بھی قائم ہو چکا ہے۔

۳۔ شیشے اور بجلی کے سامان، سیمنٹ، بناسپتی گھی، ادویات تیل وغیرہ کے کارخانے بھی بن گئے ہیں اور انہیں ترقی دی جا رہی ہے۔

۴۔ مشرقی پاکستان میں کاغذ کا کارخانہ بن رہا ہے جو ایشیا میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا کارخانہ ہوگا۔ اس پر چار کروڑ روپے صرف ہوں گے۔ ایک ہزار کاریگر اور ساڑھے تین ہزار مزدور کام کریں گے۔ فی الحال یہ تیس ہزار ٹن کاغذ سالانہ بنائے گا اور پاکستان کی ضرورتیں پوری کرتا جائے گا لیکن آگے چل کر اس کارخانے میں پچھتر ہزار

ٹن سالانہ کاغذ بنے گا۔ یہ کارخانہ دریائے کرنافلی کے کنارے پر چندر گونا میں بن رہا ہے جو چاٹگام سے چھبیس میل ہے۔

۵۔ برقابی قوت کی بہت کی سکیمیں پیشِ نظر ہیں۔ مشرقی پاکستان کی ایسی ایک اسکیم پر تیرہ کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔

جہاز سازی اور جہازوں کی مرمت کے کارخانے بھی زیرِ غور ہیں۔ کھانڈ کا ایک کارخانہ پہلے تخت بائی (سرحد) میں موجود تھا۔ اب مردان (سرحد) کے کارخانے نے بھی کام شروع کر دیا ہے۔ یہ بھی ایشیا بھر میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا کارخانہ ہے۔

بندرگاہیں: پاکستان کی دو بڑی بندرگاہیں ہیں۔ مشرق میں چاٹگام مغرب میں کراچی۔ ان دونوں کی توسیع اور ترقی کے خاص انتظام کیے گئے ہیں۔ کراچی پورٹ ٹرسٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ بندرگاہ کو اور بڑھا دیا جائے گا۔ بحریہ پاکستان نے ایک خشک گودی تعمیر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تجارتی جہازوں کے لیے ایک اور گودی بنانے کی تجویز ہے جس کے لیے خرچ میں حکومت اور پورٹ ٹرسٹ دونوں شریک ہوں گے۔

بندرگاہ چاٹگام میں تقسیم کے وقت زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ ٹن سامان اتارا جا سکتا تھا۔ اب اس میں اتنی ترقی ہو گئی ہے کہ بیس لاکھ ٹن سامان اتارا جا سکتا ہے۔ اس بندرگاہ کی ترقی کی مزید سکیم پر ساڑھے چودہ کروڑ روپے صرف ہوں گے۔ چالنا (مشرقی بنگال) کی بندرگاہ پر سامان تارنے اور چڑھانے کا کام شروع ہو چکا ہے۔

معدنیات: پاکستان میں پٹرول، چونے، معدنی نمک، کرومائیٹ، جپسم، گندھک، سیسے، برق، تانبے، پھٹکری، سرمے، کچے لوہے وغیرہ کی کوئی کمی نہیں۔ کوئلہ بھی جگہ جگہ سے نکل آیا ہے اور مزید پتوں کی تلاش جاری ہے۔ قائداعظم مرحوم نے کئی مرتبہ فرمایا تھا کہ پاکستان میں بے اندازہ قدرتی دولت موجود ہے، اس سے فائدہ اٹھانا پاکستانیوں کی قابلیت پر موقوف ہے۔ ضلع تھرپارکر (سندھ) میں نمک کے ایسے ذخیرے دریافت ہوئے ہیں جو دو ہزار برس تک پاکستان کی ضرورتیں رفع کر سکیں گے۔ لوہے کے ذخیرے بھی جگہ جگہ دریافت ہوئے ہیں۔

زراعت: پاکستان اصلاً زرعی ملک ہے جس کی بہت بڑی آبادی کا دارومدار کھیتی باڑی پر ہے۔ اس لیے یہ بھی ضروری تھا کہ بنجر علاقوں کو سیراب کر کے زراعت کو ترقی دی جائے۔ اس سلسلے میں

ہر مقام کے لیے نئی سکیمیں زیرِ غور ہیں جن میں سے کلر اور سیم کی روک تھام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ پنجاب کے علاقہ تھل کی آبادی کے لیے جو کام ہوا وہ بہت قابلِ قدر ہے۔ وہاں جیسے جیسے نہروں میں پانی آ رہا ہے، نئی آبادیاں بن رہی ہیں، سڑکیں نکل رہی ہیں، تجارت کے مرکزوں کی جگہیں تجویز ہو رہی ہیں۔ حکومت نے ٹریکٹر منگا لیے ہیں تا کہ کاشت کاروں کو ابتدا میں زمین توڑنے اور ہموار کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

بجلی کی سکیمیں: پاکستان کی ایک ضرورت یہ ہے کہ بجلی زیادہ مقدار میں پیدا کی جائے۔ پنجاب میں ایسی کئی سکیمیں تیار ہو چکی ہیں۔ سرحد میں مالاکنڈ کی ہائیڈل سکیم جاری ہو چکی ہے، جس سے ضلع ہزارہ میں بجلی پہنچائی گئی ہے۔ ورسک میں ایک نہایت عظیم الشان سکیم زیرِ تعمیر ہے۔ رسول میں بجلی کی بہت بڑی کارگاہ بن رہی ہے جو مکمل ہونے کے بعد پنجاب کے تیس شہروں کو ارزاں بجلی دے سکے گی۔ مشرقی پاکستان میں کرنافلی کی ہائیڈل سکیم مکمل ہونے کے بعد ساٹھ ہزار کلوواٹ بجلی پیدا ہو سکے گی۔

پاکستان سٹیٹ بینک: پاکستان سٹیٹ بنک کا افتتاح قائداعظم مرحوم نے فرمایا تھا اور بڑے پبلک کاموں میں مرحوم کا یہ آخری بڑا کارنامہ تھا، جس کے لیے وہ بسترِ علالت سے اٹھ کر کراچی تشریف لائے تھے۔ یہ بنک قومی سرمایے کا ایسا سرچشمہ ہے جو بجائے خود پاکستان کی مالی ساکھ کی ایک زندہ شہادت ہے اور جس کے بل پر سارے پاکستان کے مالیات کی گاڑی چل رہی ہے۔ یہی بنک سارے پاکستان کے بنکوں کا نگران ہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان میں بنکوں کا کام تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ آج کل چونتیس تجارتی بنک اطمینان سے کام کر رہے ہیں۔ ان میں بعض نے ماتحت شاخیں بھی قائم کر رکھی ہیں۔

اسٹیٹ بنک کا اصل سرمایہ چھ کروڑ ہے، جس کا ۲۵ فی صدی حصہ حکومت نے ادا کیا ہے۔

دستور اور قراردادِ مقاصد: پاکستان کا دستور مرتب ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک قرارداد منظور ہو چکی ہے جو قراردادِ مقاصد کے نام سے مشہور ہے۔ یہی قرارداد آئندہ دستور کی بنیاد ہو گی، یعنی سارا نظام اسلام کے اصول جمہوریت و مساوات کے مطابق بنے گا۔

تعلیم: تعلیم کو نئے اصول پر لانے کی سکیمیں زیرِ غور ہیں تا کہ آئندہ نسلیں پاکستان کی قومی

ضروریات کے مطابق تربیت پائیں۔ اربابِ حکومت کی خواہش ہے کہ پاکستان کے تمام باشندے جلد سے جلد خواندہ بن جائیں۔ اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس کے مطابق تدابیر عمل میں آ رہی ہیں۔

ذرائع حمل و نقل: پاکستان میں ریلوں کی لمبائی چھ ہزار نو سو بیاسی میل اور سڑکوں کی لمبائی سات ہزار نو سو چوراسی میل ہے۔ دو سو بارہ میل نئی ریل لائنیں بن رہی ہیں۔ اسی طرح ضرورت کے مطابق اور لائنیں بنانے اور سڑکیں نکالنے کی بھی تجویز ہے تاکہ ہر حصے میں آمد و رفت کی زیادہ سے زیادہ سہولت ہو جائے۔ سڑکوں کے سلسلے میں سب سے بڑھ کر قابلِ ذکر سڑک وہ ہے جو بالاکوٹ (صوبہ سرحد) سے وادی کاغان بابوسر تک بنائی گئی۔ یہ انجینئری کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

نئی سکیمیں: ترقی کی جو نئی سکیمیں حکومت پاکستان منظور کر چکی ہے، ان پر مجموعی حیثیت میں ایک ارب، تیس کروڑ روپے صرف ہوں گے۔ اس رقم میں ریلوے لائنوں کی اصلاح و توسیع کے بیس کروڑ روپے شامل نہیں ہیں۔ اس سرسری کیفیت سے صاف ظاہر ہے کہ مشکلات کے باوجود اپنے محدود وسائل کی بنا پر ملک کی ترقی کے لیے جو کچھ ہو سکتا تھا، اسے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا گیا۔

شاندار مستقبل: بہر حال پریشانی کی راتیں کٹ چکی ہیں۔ اطمینان کا سورج نکل آیا ہے۔ ہماری قومی شعار یہی رہا ہے کہ جو کچھ حاصل ہوا، اس کے لیے خدا کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کریں۔ اپنی محنت، جانفشانی اور ہمت میں سستی نہ آنے دیں۔ یقین، نظم اور اتحاد ہماری کامیابی کے گُر ہیں، انہیں ہر لحظہ سامنے رکھنا چاہیے۔ انہیں پر قوم کے شاندار مستقبل کا انحصار ہے۔

☆.....☆.....☆

اسماء الرجال

آ		ابوالفضل	249,253,256
آدینہ بیگ	377	ابوالقاسم، میرزا	241
آرام شاہ	117,113,110	ابوبکر	158,200,210
آرتھر ویلزلی	365	ابوسعید میرزا	216
آسا اہیر		اٹکیسار	34
آصف الدولہ	359.363.385	اجات ستر و	28,33,60
آصف خان	255,264,265,266,	اجیت سنگھ	285,286
	268,269,279,327	احمد اللہ	
آکلینڈ	376,382to384,	احمد اللہ شاہ مدراسی،	391,392,395
	395,416	مولانا	426
آئرکوٹ	371	احمد بن ماجد	333
ابراہیم خاں سوری	235,325,326	احمد جام ژندہ پیل	238
ابراہیم خان گاردی	305,310	احمد چپ	135
ابراہیم شاہ شمس الدین		احمد خاں	217
ابراہیم شرقی	201	احمد خاں سوری	235
ابراہیم غزنوی	204,214,218	احمد خاں میواتی	168
	to220,223,230,	احمد سرہندیؒ، شیخ، مجدد	256,267
	232,240,310,325	الف ثانی	
ابراہیم لودھی	190,202,213	احمد شاہ	163
ابن بطوطہ	155,190	احمد شاہ ابدالی	301.304
ابوالحسن تاناشاہ	163,291	احمد شاہ ابن محمد شاہ	301,321
ابوالفتح داؤد	94	احمد شاہ سدوزئی	300,328
ابوالفتح گیلانی، حکیم	247,256	احمد میرزا	217

اختیار الدین التونیہ	120	افضل خاں	288
ادھم خاں	242	اقبال خاں	159
ارجمند بانو بیگم (ممتاز محل)	264, 269, 273, 278 318	اکبر، جلال الدین	225,229,232,235to 269,278 to 280,293 to 296,308,309,312, 314 to 316, 323, 326, 327
ارجن	26	اکبر خاں غازی ابن دوست محمد	382
ارکلی خاں	135.136	اکبر شاہ ثانی، معین الدین	302,322,324
اِرون	389,400,419	اکت خاں	139,141
اسدی	99	اکنا پنڈت	291
اسکندر اعظم	13,33 to 37, 60,61,70	البوقرق	334
		البیرونی، ابوریحان	15,99
اسلام خاں ابنِ اعظم ہمایوں	174	التگین رالپ تگین	89,90,92
		الپ خاں، ہوشنگ شاہ	164
اسلام خاں گورنر بنگال	262	التمش، شمس الدین	108.113 to 128,154, 164,183,190,196,206 207,295
اسلام خاں، ملک سلطان	168	الزبتھ، ملکۂ برطانیہ	336
		الغ بیگ	217
اسمٰعیل ابنِ سبکتگین	92	الغ خاں	136,137,139
اسماعیل سامانی	89	الغوخاں	133
اسماعیل صفوی	218	الماس بیگ	135
اشوک	14,31,32,40 to46, 48,50,61,64, 65, 141, 161,308, 309	المیڈا	334
		الٰہی بخش، میرزا	393
		امام اعظم	110
اعتماد خاں	245	امام قلی	270
اعظم ہمایوں	170,174	امان اللہ خاں، امیر	400

امبھی 34
امداداللہ حاجی 426
امرسنگھ، رانائے میواڑ 262
امیر بیگ 348
امیر خاں 366,385,424
امیر خسرو 127,190,191
امیر داؤد 136
امین الدین احمد خاں 435
میاں
امیں چند/اوماچند 350 to 352, 355
اندر سکھ 285
انند پال 94,95
انورالدین خاں 340.341.414
اوڑم 393
اودھے سنگھ 244,245
اورنگ زیب عالمگیر 149,163,165.209, 237,265,269to 278,280,281 to 286,289 to300, 312,319,320. 327,328,337
ایبک، قطب الدین 105to 107,110 to 113,115, 118,125,127 132,180,183,186, 190,196,205
206,207
ایڈورڈ ہفتم 398,399.418
ایرج خاں 352
ایرج میرزا 247
ایلچا بے 360
ایلچن اوّل 388,394
395,417
ایلچن دوم 118,389
ایلن برا 376,383
384,416
ایمرسٹ 376,386,416
ایوب خاں افغان 396
ایوب کھوڑو 434

ب

بابر، ظہیرالدین 123,175 to 179,184,202: 214,216 to224, 228,230,237, 239,240,252, 256,266,267, 308,313,323, 325
باجی راؤ پیشوا 303,304,329, 330,360,364
باجی راؤ پیشوا ثانی 306,329,330, 385,386,391,426

باربک شاہ 169,170,201, 213

باز بہادر، ملک بایزید 164,242, 243,244

باقی باللہ، خواجہ 256

بالاجی باجی راؤ پیشوا 304 to 306 329,330

بالاجی وشوانا تھ پیشوا 303,320, 329,330

بایزید اوّل 158

بایزید خاں ابنِ بہلول لودھی 170,213

بایسنقر 257

بخت خاں، جنرل 393

بختیار کاکیؒ، حضرت 112,119, 190,191

بدر چاچی 190

بدیل 77

برائیڈن، ڈاکٹر 383

برجیس قدر 392,426

برنز، مسٹر 382

برہان الملک 299,300,301

برہان نظام شاہ 240

بسالت جنگ 370,371

بُسّے 341

بغرا خاں 126,127,129 130,206

بق بق، ملک 128

بکرماجیت، راجا 263,269

بکرماجیت/ وکرمادتیہ 15,49,50, 51,62,67, 66,117

بکرماجیت/ ہیمو 236,236,239, 240,310, 315,326

بنگا

بلبن، غیاث الدین 121,122,124, 125 to 129, 133,137,183, 197,206to 208

بلھ، راج 347

بلھ، کرشن 347

بمبسار 28,60

بندابیراگی 297,298,320

بندوسار 40,41,61. 64,65

بندہ نواز گیسو درازؒ، خواجہ 191,369

بہادر خاں برادر خاں زماں 244,251, 253
بہادر خاں لوحانی 175,219,230
بہادر شاہ اول، شاہ عالم 284,285,297 to 299,303, 320,323
بہادر شاہ ثانی (ظفر) 302,308,311, 322,324,328
بہادر شاہ سلطانِ گجرات 163,164,224 225,242
بہاری مَل، راجا 243,245,247,257
بہاؤالدین سام 101
بھد باہو 40
بہرام ایبہ، ملک 153
بہرام شاہ، سلطان 99,101,102, 203,204
بہرام شاہ، معزالدین 120,121,196,206
بھگت کبیر 192
بھگوان داس ابن بہاری مَل 243,247,252, 256,309
بہلول لودھی 164,167 to 173,183,186, 201,211to213 230
بہمن 162
بھوج راجا 105
بھیم دیو، راجا 111
بھیم سنگھ، رانا 140
بیربل 247,252,253, 256,309, 249
بیر سنگھ دیو بندھیلہ 229,236,238, 239,241,249, 256,326
بیرم خاں 99
بیہقی

پ

پارس ناتھ 29
پدمنی 139,140
پربھار کروردھن 51
پرتاپ سنگھ، رانا 245,253,262, 310,316
پرس رام برہمن 55
پرویز ابنِ جہانگیر 265,266,267, 323
پشی متر 43
پورس 34,35
پیر محمد (نبیرۂ تیمور) 159
پیر محمد خاں 242

پیرون، جنرل 365
پیلاجی گائیکواڈ 303

ت

تاج الدین یلدوز 110,113,115, 205.207
تاناشاہ، ابوالحسن 291,163
تان سین 236
تردی بیگ 239
تغلق شاہ 210,200,158
تغلق نگار خانم 216
تلسی داس 256
تورمان 51
تیغ بہادر، گرو 284
تیمور شاہ 381

ٹ

ٹامس رو، سر 267
ٹوڈرمل، راجا 252,253,255
ٹیپو سلطان 368 to 372, 415,423,424, 428,429
ٹیک چند 311

ج

جارج بارلو 376,386, 416
جارج پنجم 399,418
جان شور، سر 415, 363
جانی بیگ 247
جھجھار سنگھ بندھیلہ 269
جسرت کھوکر 166,200, 201
جسوبن 80
جسونت راو ہلکر 364,365 386
جسونت سنگھ راٹھور 290
جسونت سنگھ راجا 277,276
جسونت سنگھ راجائے 285
جعفر تھانیسری، مولانا 395,426
جگت سیٹھ 350,351
جلال الدین 162,174
جلال خاں 213,214
جمال الدین بصری 124
جنداں، رانی 379,381
جنک، راجا 160
جواں بخت، شہزادہ 302,393
جوزف ڈوپلے 340
جوناخاں 146,148

جہاں آرا بیگم 269,272,273,
277,278,280,
311

جہاں شاہ فخستہ اختر 298,324

جہانگیر، نورالدین 243,258 to
271,273,283,
294,296,316,
317,323,327,
334

جے پال 91,94

جے چندر اٹھور 102,105,106

جے سنگھ، راجا 275,289,295,
309,310

جیمس اوّل 267

جے منی 20

چ

چارلیس دوم 336

چارلیس منکاف 376,378

چاند بی بی 248

چانکیہ 15,36,37,40

چچ 72,73,80,
85,87

چرک 46

چڑھت سنگھ 377

چغتائی 216

چندر 73

چندر بھان 311

چندر گپت 48,62,66

چندر گپت ثانی ر 49,50,62,

بکرماجیت روکر مادتیہ 66,67,117

چندر گپت موریا 14,15,36,40
48,60,61,
64,308

چندری گر، اسماعیل 434

چنگیز خاں 116,216

چھجو ملک 133,197

چھتا جی آپا

چیت سنگھ 359

چیتیا 192

چیمسفورڈ 389,419,

ح

حبیب اللہ خاں، امیر 398,400,410

حجاج بن یوسف 76,77,78,81,
82

حسام الدین جنید، خواجہ 156

حسن خاں 230,325
(پدر شیر شاہ)

حسن خاں میواتی 220,221,301

حسن دہلوی، خواجہ 127,190
حسن گانگو بہمنی 162
حسین دوست عرف چندا صاحب 339,340,341, 342,346
حسین شاہ شرقی 171
حسین، شریف مکہ 400
حسین علی خاں بارہہ 298
حمیدہ بانو 328
حیدر علی 361,368,372, 315,423,428

خ

خالد بن ولیدؓ، حضرت 70
خان بہادر خاں 392
خاں جہاں لودھی 269,317
خانخاناں، عبدالرحیم خاں 223,241,246, 247,248,249, 256,312
خان زماں علی قلی خاں 244,251,253, 315
خرم، شہزادہ 262 to 267, 317,327
خسرو خاں 144,209
خسرو شاہ 102,145,146,148, 188,203,204
خسرو، شہزادہ 249,250,259, 260,261,263, 265,267,268, 317,327
خسرو ملک 204
خضر خاں 139,140,144
خضر خاں ابن محمد شاہ 230
خضر خاں، سید 159,183,200,211
خلجی، جلال الدین فیروز 130,131, 132,133
خلجی، علاؤالدین 113,148,157, 161,164,184, 190,197, 198,209
خلجی، علی مردان 113,116
خلجی، غیاث الدین 116
خلجی مبارک شاہ 188,198
خلجی، محمد بختیار 111
خلجی محمود خاں 161,167,168, 201,209,211
خواجہ جہاں 164,200
خوارزم شاہ، جلال الدین 116
خوارزم شاہ، سلطان محمد 116,216

خوشحال خاں خٹک 283
و
داراسوم 61
داراشکوہ 265,271, 273to277
داراگشتاسپ 33,60
دانیال 249,253, 257,323
داؤد خاں 246,247
داور بخش 268,323
داہر، راجا 73,74,76, 77,78,80, 82,87,181
درگاداس 285,286
دریاخاں لوحانی 175
دریاخاں لودھی 168
دسرتھ 25
دلاورخاں 164
دلاورخاں لودھی 175,176
دلیپ سنگھ 379,381
دلیرخاں 289,295,309
دوپلے، جوزف 340to344
346,414
دوست علی خاں، نواب 339
دوست محمد خاں 382,383,395
دولت خان لودھی 200,218
223,269
دولت راؤ سندھیا 364,365,366
دولت شاہ بیگم 257
دوماس Dumas 339,340
دھریسہ 73
دین محمد، شیخ 434
دیول دیوی 140
ڈ
ڈریک، گورنر 347,348
ڈفرن، لارڈ 389,397, 403,418
ڈلہوزی، لارڈ 376,381,384, 386,387,388, 390,417
ڈھونڈو پنتھ عرف نانا صاحب 306
ڈیمیٹریوس 44
ڈیورنڈ، سر مارٹیمر 397
ذ
ذوالفقارالدولہ نجف خاں 301
ذوالفقارخاں 298

ر

رابرٹس، جرنیل 396

رابرٹ کلائیو 341,342,349, 351,352to355 366,414

راج 73

راجارام 290

(ابنِ سیوا جی)

راجا ساہو 303,321

راجو بخاری، شیخ 174

راجیہ پال 96

رامانج 58

رامانند 192

رام چندر جی، مہاراجا 24,25,26, 49,160,308

رام چندر، راجا 134,135,140

رام سنگھ، راجا 284

رام موہن رائے، راجا 302,386

رانا سنگرام سنگھ 174,202,214, 220,221,232

عرف رانا سانگا

رانو جی سندھیا 303

راون 24

رائے پتھورا 102,148

پرتھوی راج

رائے سین 314,231

رائے کرن 140

رائے لکشمن سین راجا 111,117,229

رپن، لارڈ 389,397, 402,418

رتن سنگھ، رانا 140

رجا، ملک 163

رجب ملک 210

رحمت خاں، حافظ 358.359,392

رستم 100

رشید احمد گنگوہی، مولانا 426

رضا صاحب 342

رضیہ سلطانہ 119,120,121 196,206

رفع الدرجات 298,299,324

رفع الدولہ 298,299,324

رفع القدر

رکن الدین 153

رکن الدین، حضرت شیخ

رکن الدین فیروز شاہ 119,121, 196,206 303,365 306,329,360 361,364

روشن آرا بیگم 273
روشن اختر 298,324
ناصر الدین محمد شاہ
ریڈنگ 389,399, 400,419
ز
زمان شاہ درّانی 374,377,381
زمورن، راجا 333
زیب النساء 296
زینت محل 302,393
زین خاں کوکہ 247
س
ساکیہ منی 28,30
ساہ سی، راجا 72
ساہو ابنِ سنبھاجی 287,290,303, 304,321
ساہو بھونسلہ 287
عرف شاہ جی
سائرس 33
سجان رائے 311
سبکتگین 90to93,194, 203,204
سٹافورڈ کرپس 409,420
سداشیو راؤ بھاؤ 305,329
سدھودھن 30
سدھ پال 167
سراج الدولہ، نواب 346,349,350, 352,355,414
سرجی راؤ گھاٹ 364
سردار الملک 167
سعادت علی خاں 363,385
سعد اللہ خاں 271,280, 282,318
سعید مصری، حاجی 154
سکندا گپت 66,67
سکندر شاہ تغلق 158,200,210
سکندر شاہ (عادل شاہی) 235,236,238, 240,241
سکندر لودھی 170to173,189, 201,202, 213,230
سلطان حسین 217
سلطان محمد خوارزمی 116
سلیمان بن عبد الملک 81,82
سلیمان شکوہ 275
سلیمان میرزا 244
سلیم چشتی، شیخ 253,256
سلیمہ سلطان بیگم 249,257

سلیوکس 14,35,37, 44.61,64

سمدر گپت 49,62 6,67

سنبھاجی ابنِ سیواجی 290,241,390

نجوکتا 106

سوری ابراہیم شاہ 324,326

سوری، اسلام شاہ 235

سوری، جلال خاں 235

سوری حسن خان 210,325 326

سوری، سکندر شاہ 326

سوری، سلیم شاہ 315,325,326 101

سوری، سیف الدین

سوری، شیر شاہ 224to235,314, 3 ,325,326

سوری، غازی خاں 235

سوری، فیروز شاہ 315,325,326

سوری نظام خاں 235,325

سیتا 24,25,26,160

سید احمد بریلوی 378,394,324, 426,427

سید احمد خاں 395,404, 426,427

سید غفار

سیف الدین محمد 101

سیواجی 287to291,303, 309,319

سیوک پال رسکھ پال 94

ش

شادی خاں 144

شاہ اسماعیل دہلوی 379

شاہ بیگ ارغون 218

شاہجہاں، 256,260,262, 268to280,282, 283,287,288, 293to296,310, 311,317,318, 319,323, 327,334

شہاب الدین محمد

شاہ شجاع 381,382,383

شاہ عالم، 284,297,298, 301,303, 320,323

بہادر شاہ اوّل

شاہ عالم ثانی 301,302,311, 321,324,354, 357,365

شاہ قلی خاں 247

شایستہ خاں 288,289

شتاب رائے، مہاراجا 354,356

شجاع الدولہ 296,305,354,
والی اودھ 357,358,
359,385
شجاعت خاں 164
شجاعت خاں 242
حاکم مالوہ
شجاع، شہزادہ 265,273,274,
275,276,277,
282,296,310,
318,319,
323,327
شمس الدین 101,108
شمس الدین 161
الیاس شاہ
شمس الدین خاں اتکہ 242,245
شمس سراج عفیف 191
شمشیر بہادر 329
شنکر آچاریہ 58
شنکر دیو 134,135
شوکت جنگ 346,347,
349,350
شہاب الدین محمد غوری 101to108,110,
112,115,118,
164,178,180,
182,186,195,
205,207
شہریار ابن جہانگیر 264,265,268,
323,327
شیر افگن 261,262,264
شیر سنگھ 379
شیر علی ابن امیر 395,396
دوست محمد

ص

صفدر جنگ 301
صفدر علی خاں 339
صلابت جنگ 304,341,342

ض

ضیاء الدین برنی 145,190

ط

طارق ابن زیاد 81
طباطبائی، غلام حسین 349
طغرل، 126
طغی 154
طہماسپ صفوی 236
طہورث

ظ

ظفر خاں 136,137,163,
209,210

ظہوری 256

ع

عالمگیر ثانی 300,301,321, 324,354

عالی گوہر، شاہ عالم ثانی 301,302,311, 321,324,354, 357,565

عباس صفوی 266

عبدالحق 256

محدث دہلوی، شیخ

عبدالرحمٰن، میر افغانستان 396,398,418

عبدالرحیم خانخاناں 223,241,346, 249,259,312

عبدالرحیم، مولانا 395

عبدالصمد خاں 299

لیر جنگ، نواب

عبدالعزیز 270,271

بن زر محمد خاں

عبدالقادر بدایونی، ملا 256

عبداللہ خاں اوزبک 242,243, 244,315

عبداللہ خاں، بارہہ 298

عبدالملک، خلیفہ 73,81

عبدالملک سامانی 89,90

عثمان ہارونی 107

عدلی، محمود شاہ عادل 235,236,315, 325,326

عرفی 256

عسجدی 99

عسکری 221,223,224, 225,227, 229,323

عظیم الشان 298,324

علامہ اقبال 422,427

علاؤالدین حسن بہمنی 153

علاؤالدین حسین شاہ 162

علاؤالدین عالم خاں 175,176

علاؤالدین جہاں سوز 101

علاؤالدین مسعود شاہ 121,197,206

علاؤالملک برنی 138,145

علی قلی (استاد شیر افگن) 261

علی قلی توپچی 178,218

علی قلی خاں اوزبک 240,243,244, 251,253,315

علی گیلانی، حکیم 256

علی مردان خاں 271,280

علی وردی خاں 346,347,350,

عماد الملک 352,414
عمر خاں 301,377
عمر شیخ میرزا 141;144
عمرو بن العاصؓ 216,217
عنایت احمد 70
کاکوروی، مفتی 426
عنصری 99
عین الملک 153

غ

غازی الدین خاں فیروز 291
غازی الدین خاں 304,340
فیروز جنگ
غازی ملک تغلق 145,209,210
غزن خاں 395
غزنی خاں 164
غلام حسین ہدایت اللہ 434
غلام قادر روہیلہ 301,321
غیاث الدین تغلق 145,146,147, 148,153, 183,210
غیاث بیگ 261,264
میرزا، اعتماد الدولہ

ف

فاہیان 15,43,50, 52,62,67
فتح اللہ شیرازی، حکیم 256
فتح اللہ عماد الملک 162
فتح خاں 174
ابنِ اعظم ہمایوں
فتح خاں ابن 158,200,210
فیروز شاہ تغلق
فتح خاں ابنِ ملک عنبر 271,287
فتح خاں لودھی 171
فخر الدین 153
فخر الدین عبد العزیز 110
فرانسس 360
فرخ سیر 298,299, 320,324
فرخی 99
فردوسی 99
فرید الدین 133
شکر گنجؒ، خواجہ
فرید بخاری 259
فرید خاں 167
برادر مبارک شاہ
فرید خاں شیر شاہ سوری

فضل حق 393,426

خیر آبادی، مولانا

فیروز شاہ ابن سلیم 315,325,326

شاہ سوری

فیروز شاہ، شہزادہ 393

فیضی 253,256

فیلقوس 33

ق

قاسم برید 163

قاسم خاں 275

(داراشکوہ کا جرنیل)

قاضی فضل اللہ 434

قاضی محمد عیسیٰ 435

قباچہ، ناصر الدین 110,113, 115,117

قتلغ خواجہ 136

قتیبہ بن مسلم 82

قدر خاں، 135,136,209

رکن الدین ابراہیم

قرنفل، مبارک شاہ 164

قطب الدین خاں کوکہ 261

قطب الدین محمد 101

قطب الملک 163

قمر الدین خاں 300

ک

کارنوالس، لارڈ 361,362,363, 373,376,415

کالالودھی 213

کالی داس 50

کامران بن 381

محمود شاہ ابدالی

کامران میرزا ابن بابر 221,223,224, 225,227,229, 238,241, 259,323

کاؤنٹ لالی 343,414

کبیر، بھگت 192

کپل 20

کرپس، سر سٹافورڈ 409,420

کرزن، لارڈ 389.397, 398,418

کرشن جی 26

کرم خاں 385

کرن، رائے 140

کرن سنگھ ابن امر سنگھ 263

کرن سنگھ راجا 231

کمار گپت 62,66,67

کمارل بھٹ 57

کمال الملک 167
کملادیوی، کنول دیوی 137
کناد 20
کنس 162
کنشک 31,32,44,45, 46,48,51, 62,161
کوٹلیہ 36
کورو 25,26,27,176, 245,246,249, 250,256
کوکلتاش، میرزا عزیز 105,107
کولا 369
کھانڈے راؤ 379
کھڑک سنگھ 434
کھوڑو، محمد ایوب 129,130, 197,206
کیخسرو 124,129,130, 131,132,197, 206,208
کیقباد، معز الدین 25
کیکئی 417
کیننگ، لارڈ 131
کیومرث

گ

گاندھی 400,407,409, 431,432
گروارجن 260,261, 283,284
گرو تیغ بہادر 284
گرو گوبند سنگھ 284,298
گرو نانک 192,260,284
گرو ہرگوبند 283
گلبدن بیگم 249
گنج بخش داتا 99,107, 191,204
گنیش 162
گوبند، پنڈت 305
گوبند رائے 103
گوتم بدھ 30,31,45,49, 50,53,78,185
گوکل 283

ل

لاڈلی بیگم 264
لارنس، لارڈ 342,388, 395,417
لارنس، ہنری 392
لاش، موسیو 351
لٹن، لارڈ 389,395,396,

	397,417
لچھمن	25
لکشمن سین ،راجارائے	111
لکشمی بائی رانی جھانسی	391
لنلتھگو	389,400
	401,419
لیک، لارڈ	365
لینس ڈاؤن	389,418
م	
مادنا پنڈت	291
مادھوآچاریہ	58
مادھوجی سندھیا	301,306,310,
	364,415
مادھورام	311
مادھوراؤ	306,321,329,
	330,360
مادھوراؤ نارائن	306,321,329,
	364,415
مارلے، لارڈ	399,405,419
مالدیو	229
مانٹیگو	399,406,419
مان سنگھ، کنور	247,249,250,
	252,253,259
	309,310
مانک چند	350
ماؤنٹ بیٹن	410,411,
	412,420
ماہم انگا	242
مبارز خاں	235,325,326
مبارک خاں،	144,145,146,
قطب الدین مبارک شاہ	188,198,209
مبارک شاہ،	166,167,200,
معزالدین ابوالفتح	201,211
محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت	69
محمد ابنِ غیاث الدین تغلق	126,127,129
محمد اعظم ابنِ عالمگیر	291,296,323
محمد اکبر ابنِ عالمگیر	285,323
محمد امین، سید،	285
محمد بن قاسم	77to87,102,
	181,186,194
محمود بیگڑہ	163
محمد تغلق، سلطان	148,149,151,152
	153 to 155,157
	161,164,171,
	,185,188,189,
	.190,199,210

محمد جعفر، مولوی 395,426
محمد خاں ابنِ فرید خاں 167
محمد خورشید، صاحبزادہ 434,435
محمد رضا خاں 354
محمد زمان میرزا 224
محمد سلطان ابنِ عالمگیر 272,276.
323,296
محمد سلطان میرزا 224
محمد شاہ ابنِ فیروز شاہ تغلق 147
محمد شاہ، سردار 138,139
محمد شاہ سوری 235
محمد شیبانی خاں 218
محمد علی ابن 341,342,346,
انور الدین خاں 368,371,390
محمد علی جناح، 409,428
قائداعظم
محمد غوری، سلطان 101,to 103,
105,197,108,
110 to 112,
115,118,164,
176,180,182,
185204,205,
206,207
محمد قاسم خاں میر بحر 247
محمد قاسم نانوتوی، مولانا 426
محمد کام بخش 296,297,
320,323
محمد معظم ابنِ عالمگیر 284,289,296,
297,323
محمود بیگڑہ 163
محمود تغلق 210.211
محمود خاں 217
محمود خاں خلجی 164
محمود شاہ ابدالی 381
محمود شاہ بہمنی 162,163
محمود غزنوی، سلطان 15,84,91to
97,99,100,
101,102.107,
134,181,182,
194,195,203,
204.205.383
محمود گاوان، خواجہ 162,163
محمود مرزا 217
مڈی، سر فرانسس 434
مراد (فرزندِ اکبر) 248,249,257,
316,323
مراد بخش 270,273 to

277,319,
323,327
مراد ثانی 162
مریم زمانی 243,257
مریم مکانی 250
مسعود ثالث 203
مسعود غزنوی 98 to 100,
203,204
مسیح علیہ السلام، حضرت 18
مصطفیٰ توپچی 178,218
مظہر کریم دریابادی، مفتی 426
معزالدین جہاندار شاہ 297,298,301,
320,324
معین الدین اجمیریؒ، 107,112,113,
خواجہ 191,243,253
معین الدین اکبر 302,322,
شاہ ثانی 324
ملک بایزید باز بہادر 164,242,
243,244
ملک بہرام 168
ملک خسرو 102
ملک رجب 210
ملک سرور 164
ملک سلطان، اسلام خاں 168
ملک سلیمان 166
ملک عنبر 263,265,271
ملک قمی 256
ملک کافور 137,139,140,
141,144,209
ملوا قبال خاں 166,200
ملوخاں
ملہار راؤ ہلکر 303,304,306,
321,364
ممتاز محل 269,273,278
318
مناندر 44.,62
منشاول لارڈ 376,382,416
منشودوم لارڈ 389,399,405,
418,419
منگل دیو 117
منگوخاں 141
منو 20,22
منہاج السراج 190
منی بیگم 360
مورا 36
موسیٰ بن نُصَیر 81
مولراج، دیوان 381
مولہ، سید 133

موہن پرشاد 360
مہابت خان 265,266, 269,310
مہاں سنگھ 377
مہاویر 29,30
مہدی، خواجہ 221
مہرالنساء 261,262
مہرالنساء بیگم عرف بی بی گھسیٹی 350,352,355
مہرگل 51,62
میڈوز، جنرل 373
میر جعفر 311,348,350, 351,352,353, 355,360,368, 390,414
میر جملہ 282,318
میرزا حکیم 243,244,247, 316,326
میرداؤد 351
میرزا عزیز کوکلتاش
میرزا فخرو 302
مہر عثمان علی خاں نظام 433
میر قاسم 311,353,354
میر مدن 350,351,352

میکفرسن، جان 361
میکناٹن 382,383
میگستھینیز 61,65
میو، لارڈ 395,417

ن

ناتھورام گاڈسے 432
نادر خاں 383,400
نادر شاہ ایرانی 299,300,312, 320,328
نارائن راؤ پیشوا 306,321,329
نارتھ بروک، لارڈ 389,395,417
ناصرالدین قباچہ 110,113, 115,117
ناصرالدین محمد شاہ 158,200
ناصرالدین محمود شاہ 116,117,121, 122,124, 126,207
ناصرالدین نصرت شاہ 162
ناصر جنگ 304,340,341
ناصر، ملک 163
ناظم الدین، خواجہ 433,434
نانا فرنویس 306,360, 364,415
نانک، گورو 192,260,284

نپولین 374,382
نجف خاں، 301
ذوالفقار الدولہ
نجیب الدولہ روہیلہ 305,358
نذر محمد خاں 270,271
نرسنگھ دیو بندھیلہ 269
نشتر، سردار عبدالرب 434
نصرت خاں 137
نصرت شاہ 222,225
نظام الدین اولیاء شیخ 191
نظام الدین، ملا 256
نظام الدین، ملک 130
نظام الملک 299.300,301,
آصف جاہ 303,304,321,
340.341,365,
413,423
نظام الملک بحری 163
نظام خاں، سکندر شاہ 170,
نظام خاں سوری 235,325
نظیری 256
نندراج 369
نندکمار 359,360
نورالامین 434
نورجہاں 262,264to 268,

نو
نور محمد خاں گولا 435
نون، ملک فیروز خاں 434
نونہال سنگھ 379
نہرو، پنڈت جواہر لال 410
نہرو، پنڈت موتی لال 407
نیپیئر، سر چارلس 384

و
واٹسن، امیر البحر 349,351
وارن ہیسٹنگز 339,355,356.
357to 359.
362,366,371,
414
واسکوڈی گاما 333,413
واصل محمد خاں 385
وردھمان 29
وزیر خاں بارکزئی 381
وزیر علی خاں 363
وشواش راؤ 305,306,329
وکٹوریہ، ملکہ 387,394,398,
418
ولنگڈن 389,399,419
ولید بن عبدالملک 81
ولیم ہنٹر 376,386

ولیم پٹ 358
ولیم ہاکنز 276
ونسٹارٹ 353,354
ویاس 20
ویلزلی، لارڈ 363,to 366, 374 to 376, 415
ویول 389,400,401, 411.420

ہ

ہارڈنگ 376,380,416
ہارڈنگ دوم 389,399,418
ہال ویل 347,348
ہرائے 283
ہرش 15,48
ہرش وردھن 51,52,53,54, 55.62,63,67
ہرکشن 283
ہری ہر 153,162
ہلاکو 122,133,154
ہمام، حکیم 256
ہمایوں، نصیرالدین 162,to 164, 176,216,219 221,to 230, 236 to 239, 242.249,257, 308,314,315 323,325.326, 393
ہمیر دیو 138.139
ہندال 221,223 to 227,323
ہنی بال 70
ہوآن چوانگ 16
ہوشنگ شاہ 164
ہیولاک 392
ہیبت خاں 129
ہیون تسانگ 16
ہیون سانگ 15,16,52,53, 62,63,67

ی

یحییٰ بن احمد 166,191
یحییٰ علی، مولانا 335,426
یزدجرد 90
یعقوب خاں 396
یلدوز دیکھیے تاج الدین یلدوز 162,163
یوسف عادل شاہ

اماکن

آا

آزاد کشمیر 435

آسام 12,42,57,78, 282,284,319, 328.384,398, 399.411

آسٹریلیا 434,438

آنبیر 243,244

آدا 384

ٹاوہ 105.171,220

ٹک 35,92,95,247, 266.378,379,

جمیر 57,92,94,102, 105,107,108, 113.119,183. 190,205,240, 243,246,256, 262,277.285, 315,319.326, 327,337

جودھیا 24,26,49,50

احمد آباد 163,189,225, 245,251,278, 337,361

احمد نگر 163,248,249, 252,256,263, 271,292,327, 328,265

اراکان 277,282,384

اراولی پربت 11

اربیلا 61

ارجن گاؤں 365

ارکاٹ 337.339 to342

ارگاؤں 346,371,414

ارمن بیلہ 365,367

اروڑ 78

اڑیسہ 73,74 12,17,41,42, 64,156,200, 235,246,247, 256,299,301, 310,316,326, 327,346,353, 354,355,365, 371.395,399, 408,414,417

اسی	365,367	امروہہ	137
اسکندریہ	332	امریکہ	335,362,438
اسیر	243,248,265	انبالہ	26,176,179
اسیر گڑھ	163,249	اندجان	228
اصفہان	300	اندر پرست/اندر پت	25
اعظم گڑھ	364	اندور	303,366.386
افغانستان	10,18,34,42,	انڈونیشیا	435,438
	44,64,74,91,	انقرہ	158
	100,101,110,	انگورہ	158
	132,155.218,	انند پور	284
	300,304,366,	اجین	40.49.50,66
	374,381,382,	اوچ	102,112,117,
	383,384,395,		126.159,195,
	396,397,398,		197.205
	400,416,417,	اودھ	24,48,116,
	419,434,438,		129,153,174,
اکبرآباد			199,222,256,
الجزائر	435		299.304.305.
الور	74,224,367		320,354,358.
الہ آباد	53,256,265,		359.363,364,
	354		385,386,390to
امبیلہ	394,395		392.417,426,
	417,426	اودے پور	245
امرتسر	260,416	اورنگ آباد	292,304,328,

ایران 340,367
18,33,35,37,
44,60,61,70,
73.74,90,116,
126,158,162,
282,286,296,
300,325,333,
334.391,396,
435,438

ایشیا 14,18,34,51,
75.89,90,99,
116,151.158,
190,216,
382,439

ایشیائے کوچک 155

ایلچ پور 134,272

ایلورا 50

ب 35,61

بابل

باجوڑ 61,218,313

باختر 35,44,61,62

بارک پور 391

باغپت 305

بالاحصار 383

بالاکوٹ 379,424

بالاگھاٹ 269,373

بٹاویا 335

بٹھور 306,330,385

بجنور 25

بحر ہند 334,413

بحیرۂ اسود 333

بحیرۂ روم 333

بحیرۂ عرب 52,304,330

بحیرۂ قزوین 47,116

بحیرۂ قلزم 334

بخارا 89,93,115,
119,217,270

بدایوں 111,113,115,
119,128,167,
168,170,212

بدخشاں 217,221,238,
244,248,270

برار 134,162,163,
248,249,256.
272,327,367,
387,398,417,
418

بردوان 261,353

برما 10,17,31,52, 178,3843,386, 397,401,416, 417,418,438

برن / بلند شہر 96,145

برہان پور 243,248,260, 265,272,278, 279,337

برہمن آباد 73,74

برہم ورت 18

بریلی 392

بڑودہ 361,365,385

بستی 29,364

بسین 360,365,366, 415

بصرہ 83,438

بغداد 83,89,115, 117,122,124, 154,207

بکسر 222,226,353, 354,371,414

بکھر 117,229,247

بگرام 45

بلخ 35,44,92,176, 270 to 272, 318.327

بلند شہر 96,155

بلوچستان 10,17,42,72, 74,247,316, 327,405,434, 435

بلی پیو

بمبئی 12,335,336, 360,361,366, 369,373,374, 384,394.405, 407.408,413, 414

بنارس 19,45,58,105, 171,226,274, 275,295,318, 359,384

بندر عباس 334

بندھیاچل 163

بندھیل کھنڈ 96,111,236, 249,269,326, 392

بنگال 11,12,17,42,

50,52,64,111to	
114,116,117,	
126.127,130,	
147,148,153,	بنگلور
154,161,162,	بوگرا
168,169,171,	بولان
190,195,196,	بولاتا
197,199,205,	بھاٹیا
207,208,210,	بہار
222,225,226,	
230,231,234,	
235,236,241,	
242,246,255,	
256,259,261,	
262,265,270,	
273,274,282,	
289,299,301	
302,304,310,	
311,314,316,	
321,325,326,	
327,353,to	
356,358,359,	
361,362,368,	
390,398,399,	
405 to407,411	
414,419,425,	
420,439,440	
369	
112	
396	
11,12,20,24,	
28,29,30,42,	
49,50,111,	
159,171,175,	
195,201,205,	
207,213,219,	
221,224 to	
226,230,243,	
245 to247	
256,257,265,	
299,301,310,	
311,316,325	
327,346.347,	
353 to356,395	
397,399,408,	
410,414,417	

بہاولپور 97,430,434
بھٹنڈہ 119,120
بھٹنیر 159,160
بہرائچ 226
بھرت پور
بھڑائچ 121
بھڑوچ 39,50
بہمن آباد 74
بھوٹان 10
بھیلسہ 117,207
بیانا 171,220
بیجاپور 163,248,272,
287,288,291,
318,320,327,
340
بیدر 162,163,273
بیکانیر 160,244
بیگم پورہ 299

پ

پاٹلی پتر 28,32,37,39,
41,42,49,
50.51
پارتھیا 44,47
پاکستان 7,8,10,12,
145,409,411,
412,419,420,
422,429to 442
پالم 167
پامیر 50,52
پانڈی چری 337,339,340,
343,370,413
پانی پت 176,177,202,
218,219,221,
230,239,240,
244,261,303,
306,310,313
315.321,325,
326,330
پٹنہ 28,29,32,190,
298,337,351,
352,395,399,
426
پٹیالہ 133,366,378
پرتگال 334,335,336
پرندہ
پریاگ 19,48,53
پشاور 13,45,60,92 to
96.103,104,

182,194,195,
204,230,333,
376,379,382,
424
پکھلی 379
پلاسی 310,352,368
پلی کٹ 335
پورٹونووو 371
پورشاپور 45
پورنیا 346,350
پولی لور 371
پونا 289.360.361,
364.365,385,
397.408,414
پونچھ 298
پھل چری 337
پیگو 384

ت

تاشقند 52,293,217,
228
رچناپلی 58,341,342,
370
رکستان 15,34,45,81,
89,90,91,116,
126,132,155,
158,187,217,
228,248,393
ترہٹ 147,159
تلنگانہ 139,147,153,
199,210,265,
272
تلی کوٹ 162
تناسرم 384
تنجور 335,342,415
تھانیسر 18,19,51,94,
96.97,102,
104,105,108,
195,205,395,
426

ٹ

ٹراونکور 373
ٹرنگوبار 336
ٹونک 386,424
ٹھٹھہ 79
ٹیکسلا 14,34,39,40,
46,50
ٹیونس 435

ج

جاپان 31,401,409
جاج نگر 156
جالندھر 175,176,239, 380.429
جاوا 50,72,334, 335.401
جبل پور 57
جلال آباد 91,383,438
جلالی 169
جلپا گڑی 112
جمرود 379
جنوبی ہند 11,23,58, 134,154,162, 193,395,417
جنیوا 332
جودھ پور 106,229,231, 244,285
جونا گڑھ 430.431
جون پور 157,164,167, 171,174,190, 213,220,224, 226,230,236, 240,243,244, 326
جہانگیر نگر 262
جہلم 34,35,61, 107,160,230, 265
جھنگ 280
جے پور 243,244,249, 257.363
جیجو 75,248
جیند 378

چ

چاٹگام 13,282,319, 353,398,440
چتوڑ 139,140,225, 231,234,244, 245,314,315
چمپانیر 225
چناب 34,160
چنار 230,235,236, 354
چنبل ندی 275
چندر نگر 351
چندوار 105,109,195, 205
چندیری 124,134,175,

202,221,227
چنسرا 335
چنیوٹ 280
چوسہ 226,314,325
چیلیاں والا 381
چین 15,31,39,44, 45,52,70,72, 82,151,152, 155,438

ح

حاجی پورہ ٹانڈہ 230
حجاز 155,400
حسن ابدال 283
حصار، حصار فیروزہ 156,157,176
حصار بدخشاں 217
حضرو 35
حیدرآباد (دکن) 284,364,433
حیدرآباد (سندھ) 74

خ

خاران 430
خاندیش 49,163,168, 243,248,249, 256,272,327
ختن 45,50,52
خراسان 89,90,92,93, 116,126,150, 151,154,183, 199,210,219
خضرآباد 139
خلدآباد 292,328
خلیج بنگال 330,336
خلیج فارس 391
خوارزم 107,216
خیبر، درۂ خیبر 94,230,285, 379,396
خیرپور 384,430
خیوا 15

د

درۂ بولان 396
دریائے برہم پتر 11
دریائے بیاس 35,61
دریائے تاپتی 163
دریائے جمنا 11,17,18,19, 23,25,96,122, 124,131,152, 157,167,168, 182,222,223, 305,378

دریائے جہلم	377	57,64,66,72,
دریائے راوی	127,166,223,	134,137,139,
	259,266	141,144,146,
دریائے ستلج	18,19,156,	152,154,161,
	236,377,378,	163,165,168,
	380	169,183,189,
دریائے سندھ	11,18,33,34,	190,198,199,
	35,37,61,64,	210,248,252,
	94,116,383,	263,265,268,
	424	269,271,272,
دریائے سوہن	28	274,277,278,
دریائے کاویری	11	281,284,291.
دریائے کرشنا	11,336	295,299,303,
دریائے کرنافلی	441	309,316,320,
دریائے گنگا	11,17,19,23,	327,328,341,
	25,48,124,	346,355,365,
	152,168,182,	368,369,372,
	222,226,251,	423to425
	305,386	81,82 دمشق
دریائے گوداوری	304,330,345	335 دمن
دریائے نربدا	11,52,64,161,	380 دوآبہ بست جالندھر
	243,286	168 دوراہہ
دکن	11,17,25,40,	134,151,152, دولت آباد
	42,49,51,52	163,171,189,

	210,263,271,272	راج شاہی 398
دھرمات	275,318,327	راج گریہا 28,32
دھول پور	171,172,269	راجوری 266,327
دیبل، دیول	76to80,84,85	راس امید 333,338
دیبالپور	127,137,159, 166to168,175, 176,236	راس کماری 11,13,72,78, 178,376
		راولپنڈی 14
دیگ	366,367	رائے بریلی 378,424
دیناگر	35	رتھمبور 111,117,124,
دیو	335	138,139,196,
دیوگاؤں	365	198,207,231,
دیوگری	134,140,151, 198	241,245,
		رن کچھ 98
ڈ		رنگ پور 112,231
ڈنڈی گل	369,373,375	رنگون 302,308,384,
ڈنمارک	335,336,413	393,399
ڈھاڈر	277	روپڑ 166
ڈھاکہ	262,282,337, 347,398,399	روڑ 74
		روڑی 74
ر		روس 228,382,391,
راجپوتانہ	11,24,103, 106,139,219, 285,319,326, 327,366,386	395,396,438
		روہیل کھنڈ 358,359,392
		رہتاس (بہار) 225,230,265
		رہتاس (جہلم) 230

ریواڑی	235	سلطان پور	147,175,176
ز		سامرا	72,334,335
زابلستان	92,100	سمرقند	52,119,158,
س			159,217,218,
سارنگ پور	231		219,313
سالسٹ	360,261,366	سموگڑھ	275,276,277,
سانبھر	243		319,327
ساہانہ	105	سنارگاؤں	111,114
سبراؤں	380,416	سنام	126,133
ستارا	339	سنبھل	168,220,224,
ست پڑ	11,163		230,358
ستھانہ	394,395	سندھ	11,12,14,17,
سعلا	160		18,33,34,35,
سجستان	74,107		37,42,58,61,
سرام پور	335,336		72,81,83,88,
سراندیپ	75		94,97,98,102,
سرسوتی شہر	104,167,168,		110,113,117,
	238,300		125,136,146,
سرمور	156		153,154,156,
سرہند	104,167,168,		180,200,207,
	238,300		210,225,227,
سری نگر	58,247		229,230,247,
سکم	112		256,277,314,
سکندرہ	172,259		316,325,327,

155

ع

334

17,35,37,70,
73,82,83,116,
126,158,183,
435,438

380,416

435

229,238,326

غ

220

101

89to94,98,
102,107,109,
111,113,115,
119,181,203,
205,207,217,
218,238,263,
382,383

99,101,107,
110,204,205

ف

246,251,257

طنجہ 332,378,383,
385,405,407,
416,434,435,
440

عدن

عراق

148,190

34,74

ش

217

164,189

35,37,70,155,
158,435,438

155

386

371

78

ص

395,426

12,17,42,243,
397

12,,42,283,
378,379,405,
411,430,434,
435,442

ط

علی وال

عمان

عمرکوٹ

غازی پور

غزنہ

غزنی

غور

فتح پور سیکری

سیری

سیستان

شاحزیہ

شادی آباد، مانڈو

شام

شمالی افریقہ

شملہ

شولن گڑھ

شیراز

صادق پور

صوبجات متوسط

صوبہ سرحد

315
فتح گڑھ 381
فرغانہ 216to219,228,
313
فلفا(Fulta) 347
رفلپائنز 401
فیروز آباد 109,157
فیروز پور 284,380,429

ق

قادسیہ 73,74
قاسم بازار 347
قاہرہ 154
قرہ چل 152
قسطنطنیہ 82,333,374
قصور 380
قطب صاحب 113,148,159,
رقطب مینار 190,302,390
قلات 395,430
قندوز 52
قندھار 33,218,221,
225,229,230,
236,238,247,
263,264,271,
272,278,279,
313,314,316,
318,325,327,
333,382,396,
438
قنوج 52,53,57,63,
92,94,96,102,
105,106,190,
195,205,219,
220,224,226,
227

ک

کابل 33,44,46,175,
178,217,218,
224,227,229,
236,238,239,
244,247,253,
256,259,263,
265,308,313,
325,327,333,
374,382,383,
395,396
کاٹھیاواڑ 49,50,62,66,
97,335
کارومنڈل 145,196,335

کاشغر 45,52,93,94, 219

کالپی 167,174,227, 393

کالنجر 92,94,96,111, 195,197,207, 224,231,232, 245,314,326 333

کالی کٹ 306,330,385, 392,405

کانپور 49,371

کانچی ورم 96,97,152, 153,156,191, 317,327

کانگڑہ 29,30

کیل واستو 134

کڑا 133

کڑا مانک پور 365

کنک 358

کٹھیر 12,13,79,429, 431,433,435, 436,438,441

کراچی 345

کرشنا 396

کرم ورڑہ 287,340,341, 343,355,364, 368,370,371, 386,390,415 155 263,317 10,15,45,51, 58,78,94,247, 256,261,265, 266,268,278, 298,316,327, 333,378,381, 431,435 150,237,238, 239 41,61,64,65 273 220,224,310, 313,325 282 333,337,373 25,26 83

کرناٹک

کریمیا

کشتواڑ

کشمیر

کلانور

کلنگا

کلیانی

کنواہہ

کوچ بہار

کوچین

کوروکشیتر

کوفہ

کول 105,108,171, 220

کولار 369

کولہاپور 290

کوہ آبو 55

کوہستان سوالک 159,236,238

کوئٹہ 333,395,396, 433,438

کہرام 105

کھمبائت 50

کیقل 120,159

گ

گجرات (پنجاب) 381,417

گجرات (کاٹھیاواڑ) 39,42,49,50, 57,62,66,72, 84,97,102, 111,137,140, 144,154,163, 164,168,169, 189,190,195, 198,199,224, 225,227,236, 241,243,245, 248,251,256, 269,272,274, 277,285,297, 314,316,318, 325,327,336, 162,191,369

گلبرگہ 370,371

گنور 345

گنجام 335

گوا 94,96,111, 117,124,144, 169,171,172, 174,179,195, 196,201,207, 220,230,240, 267,275,276, 301,303,310, 315,359,361, 364,393

گوالیار 345

گوداوری 225,226

گور 35,237,299, 429

گورداس پور 29,364

گورکھ پور 163,248,318,

گولکنڈہ

327,328
گونڈوانہ 243
گھگرندی 156,157
گیا

ل

لاہور 91,94,97,99,
100,102,103,
104,107,113,
119,120,126,
127,159,166,
167,168,175,
182,189,195,
196,204,205,
218,223,225,
227,229,234,
256,259,261,
266,268,279,
280,285,297,
313,327,377,
378,380,396,
397,409,412
لدھیانہ 166,179,380,
382,429
لس بیلہ 430
لسواڑی 365,415
لسوڑی 367
لغمان 91
لکادیپ 72
لکھنؤ 359,405,419,482
لکھنوتی 111,126,225
لنکا 24,25,26
لیبیا 435

م

ماچھی واڑا 236,238,241,
315,326
مال دیپ 72,437
مالوہ 49,51,62,164,
167,189,225,
231,236,256,
294,314,326,
327
مانادور 430
مانڈو
مانسہرہ 379
ماوراالنہر 136,248
مبارک آباد 167
متھرا 19,39,44,45,
96,97,269,

283
مچھلی پٹم 336,337
محفوظہ 84
مدراس 12,49,58,335,
336,340,342,
343,345,349,
370,373,375,
386,394,413
مدورا 140,198,375
مدینہ منورہ 204
مراکش 155
مرشد آباد 346,352,356
مسقط 286,435
مسوری 386
مصر 34,61,65,70
90,151,154,
155,332,334,
374,435,438
مظفر پور 159
معبر 139,140
مغل پورہ 133
مقدونیہ 33
مکتر
مکراں 35,72,73,74,
78,178,316,
332,333,430
مگدھ 20,28,29,33,
36,37,43,44,
48,50,51,60
ملایا 31,334,401
ملتان 72,80,81,83,
84,94,96,97,
102,107,113,
117,126,127,
129,130,133,
135,136,153,
159,160,166,
168,180,195,
204,205,221,
230,234,247,
256,272,378,
381
ملکا (سرحد آزاد) 394,395
ملکا (Straits) 335
(of Mallacca)
ملیبار 58,72,333,
369,371,373
ممباسا 338

منصورہ 74,84
منگور 369,372,373
مونگیر 353,354
موہن جوڈرو 14,17
مہابن 96,394
مہاراشٹر 183,286,289
مہرولی 168
میانی 384
میدناپور 353
میرتھا 243
میرٹھ 105,111,159, 391
میسور 40,58,64,145, 342,358,361, 363,364,366, 369,370,375, 414,415,423
میلنڈا 333,338
میوات 125,224,240, 315
میواڑ 139,174,219, 244,245,253, 262,266,285, 286,297,317,
میونہ 327

ن

ناسک 265,266
ناگپور ناگ پور 303,385,386, 417
نالندا 46
ناندیڑ
ندیا 111
نربدا 11,52,64,161, 243
نرور
نگرکوٹ 94,153,156, 191
نواکھلی 432
نوساری 140
نہاوند 73,74
نہروال نہروالہ 97,111,137
نیپال 10,24,29,42, 385,386,392, 416
نیرون 85

نیشاپور 98,110,119
نیگاپٹم 335
نیتی تال 386

و

وارنگل 140,146,147
واسط 82,83
وجے نگر 153,162,183,
199
وزیگاپٹم 345
وندھیاچل 11,17,37
وندیواش 371
ویسالی 29
ویلور 386,416
وینس 332

ہانسی 102,105,156,
168,174,180
ہرات 33,101,217,
219,391,396
ہردوار 58
ہرمز 334,336
ہڑپا 14,17
ہزارہ 378,379,381,
424,441
ہسپانیہ 70,75,333,
335,336
ہستناپور 25,26
ہگلی 270,334,337,
347,350,352,
360
ہلدی گھاٹ 245,310
ہماچل 152
ہمالیہ 10,52,64,152
ہندوستان 10,12,14,15,
17,18,20,22,
24,26,33,37,
40,42,44,46,
48,57,59,61,
62,65,67,70,
72,75,77,79,
82,85,90,92,
95,97,99
101,102,104,
108,110,112,
115,119,121,
123,126,127,
129,131,134,
136,138,141,

373,375,379,
382,384,386,
388,391,399,
302,406,412,
417,420,422,
427,429,434,
436,439

37,44,64

34,35

160

164

429

45,52

144,149,151,
153,155,159,
161,64,166,
168,172,175,
178,180,182,
185,186,188,
190,191,201,
207,209,218,
221,223,224,
226,228,230,
234,236,238,
240,243,245,
246,248,251.
252,256,257,
259,261,263,
267,270,271,
278,280,286,
291,292,295,
300,302to306,
308,313,325,
332,333,335,
340,342,344,
354to358,360,

ہندوکش

ہنڈ

ہنومان گڑھ

ہوشنگ آباد

ہوشیار پور

ی

یارقند

یناؤں

یو۔پی

maablib.org

For Online Books log on to
www.ghulamali.com.pk

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
(042) 37523951, 37352800
(021) 32772236